تحفۂ سعدیہ

مولانا محبوب الٰہی رحمۃ اللہ علیہ

بہ شمول

احوال حضرات اکابر موسیٰ زئی شریف و سیرت حضرت اعلیٰ و حضرت مولانا محمد عبداللہ و مقامات خواجہ خواجگان حضرت مولانا خان محمد قدس اللہ تعالیٰ اسرارہم سجادہ نشین خانقاہ سراجیہ نقشبندیہ مجددیہ کندیاں، ضلع میانوالی

مرتب

مولانا محبوب الٰہی رحمۃ اللہ علیہ

خلیفہ مجاز حضرت مولانا خواجہ خان محمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ

خانقاہ سراجیہ نقشبندیہ مجددیہ

کندیاں ضلع میانوالی

فہرست

ذکر احوال حضرت خواجہ محمد عثمان دامانیؒ

احوال و آثار حضرت خواجہ سراج الدینؒ

مجددِ عصر قیومِ زماں
حضرت مولانا ابوالسعد احمد خان قدس سرہٗ
کے احوال و آثار

حالات حضرت مولانا محمد عبداللہ قدس سرہٗ

احوال و معارف حضرت مرشدنا و مولانا

الحاج خان محمد صاحب مدظلہ العالی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مقدمہ

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَکَفٰی وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی خُصُوْصًا عَلٰی خَیْرِ الْوَرٰی مُحَمَّدِنِ الْمُصْطَفٰی وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہِ الَّذِیْنَ ھُمْ نُجُوْمُ الْھُدٰی وَعَلَی الَّذِیْنَ اتَّبَعُوْھُمْ بِاِحْسَانٍ مِّنْ اَھْلِ التُّقٰی وَالنُّھٰی. اَمَّا بَعْد:

خدائے تعالیٰ کا فضل و احسان ہے کہ اس نے ادارۂ سعدیہ مجددیہ کو رسالہ "تحفۂ سعدیہ" شائع کرنے کی توفیق کرامت فرمائی۔ یہ رسالہ حضرت قیوم زمانی محبوب سبحانی مولانا ابوالسعد احمد خان صاحب الاسرار النقشبندیہ والمعارف المجددیہ قدس سرہ العزیز کے مختصر پاکیزہ حالاتِ زندگی اور معمولاتِ خاصہ پر مشتمل ہے، جسے اعلیٰ حضرت قدس سرہٗ کی حیاتِ مبارک ہی میں مولانا نذیر احمد عرشی دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے خانقاہ شریف میں اپنے مختصر قیام کے دوران بعض چشم دید واقعات اور برادرانِ طریقت کی ثقہ روایات کو سامنے رکھتے ہوئے جمع کر کے شائع کیا تھا۔

یہ رسالہ گرچہ مختصر ہے اور اعلیٰ حضرتؒ کے حالاتِ زندگی بھی اس میں پورے نہیں آ سکے، پھر بھی اس رسالے کے ایک بار مطالعہ سے قاری کی روح میں تشنگی باقی رہتی ہے اور بار بار مطالعہ کا تقاضا بڑھتا چلا جاتا ہے۔ ہر بار مطالعہ کرنے سے خاص کیفیات و معاملات پیش آتے ہیں۔ نیز اس رسالۂ مبارکہ کی برکت سے سینکڑوں طالبانِ حق کو راہ ہدایت نصیب ہوئی اور توبہ و انابت کی دولت میسر آئی، جو اس امر کی علامت ہے کہ مولانا نذیر احمد عرشی مرحوم کی یہ کوشش طریقۂ پاک کی ایک اعلیٰ خدمت ہے جسے بارگاہِ الٰہی سے قبولِ حسن کی سند مل چکی ہے۔

اس رسالے کی اشاعت کو ایک مدت گزر چکی ہے، اب عرصے سے نایاب تھا۔ سلسلۂ عالیہ کے متوسلین کی آرزو تھی کہ اسے دوبارہ شائع کیا جائے۔ جب ادارہ سعدیہ مجددیہ نے سلف صالحین کی کتب نادرہ کی اشاعت کا بیڑا اُٹھایا تو ہر طرف سے تقاضے ہونے لگے کہ رسالۂ مذکورہ کو جلد از جلد شائع کیا جائے۔ لیکن وسعت کے باوجود بعض نامساعد حالات کی بناء پر طباعت کی یہ گراں بہا خدمت معرضِ التواء میں پڑی رہی۔ نیز اشاعتِ ثانیہ کے سلسلے میں شیخِ طریقت، زینتِ مسندِ ارشاد، بقیۃ السلف، قدوۃ الخلف حضرت مولانا ابوالخلیل خان محمد صاحب مدظلہ العالی نے ارشاد فرمایا کہ رسالہ کے شروع میں ایک مقدمہ ہونا چاہیے جس میں حضرت حاجی دوست محمد قندھاری، خواجہ محمد عثمانؒ دامانی، خواجہ محمد سراج الدینؒ دامانی کی سیرت اور حضرتِ اقدس کے ابتدائی احوال و معارف مختصراً بیان کر دیے جائیں۔ رسالہ کے آخر میں بطور تتمہ حضرتِ اقدس کے جانشین حضرتِ ثانی، نائب قیوم زماں، صدیق دوراں صاحب اسرار الٰہیہ مولانا محمد عبداللہ قدس سرہ العزیز کے حالات بھی حیطۂ تحریر میں آ جائیں۔ حضرتِ ممدوح نے یہ خدمت حضرت قاضی شمس الدین صاحب مدظلہ العالی خلیفۂ مجاز حضرتِ ثانی رحمۃ اللہ علیہ کے سپرد فرمائی تھی۔ قاضی صاحب موصوف نے علمی و دینی مصروفیات کے باوجود فرصت نکال کر بہت مختصر مسودات تیار کر کے راقم الحروف کے حوالے کر دیے۔ کتاب کے مطبوعہ حصے کی کتابت شروع ہو کر دو ماہ میں پایۂ تکمیل تک پہنچ چکی تھی، اب کام یہ باقی رہ گیا تھا کہ قاضی صاحب موصوف کے مسودات پر نظرِ ثانی کر کے ان کو صاف کیا جائے اور پیش لفظ لکھ کر کاتب کو دیا جائے۔ دریں اثنا احقر ایک نہایت عجیب و غریب مرض میں مبتلا ہو گیا۔ علالت نے یہاں تک طول پکڑا کہ دو سال گزر گئے اور مسودات جوں کے توں دھرے رہے۔ احباب کا تقاضا برابر جاری تھا مگر راقم الحروف کے پاس طبیعت کی واماندگی اور کم ہمتی کے سوا کوئی عذر نہ تھا۔ صورتِ حال یہ تھی کہ کسی علمی، ادبی یا تحقیقی کام پر طبیعت آمادہ نہ ہوتی تھی۔ احباب سے خط و کتابت بھی قریباً منقطع تھی اور دنیوی امور سے تنفر اور بیزاری پیدا ہو چکی تھی۔ بے کیفی کا یہ دور خاصہ پریشان کن رہا۔ حضرت شیخ مدظلہ العالی کی خدمت میں عریضہ ارسال کرنے کی نیت ہر روز کرتا تھا۔ مہینے گزر

جاتے تھے مگر بہت کم لکھا جاتا تھا۔

آخر حضرت قبلہ کی توجہ اور عنایت سے مرض میں کچھ افاقہ ہوا اور اللہ کا نام لے کر قلم اس نیت سے اٹھایا ہے کہ جس طرح ممکن ہو مقدمہ و خاتمہ ترتیب دے کر کتاب شائع کردی جائے۔ اس صورت میں حضرت شیخ مدظلہ العالی کے ارشاد کی تعمیل بھی ہوجائے گی اور برادرانِ طریقت کی دیرینہ آرزو بھی پوری ہوسکے گی۔ واللّٰہ الموفق والمستعان۔ نیز اشاعت ثانیہ کے سلسلے میں ایک کام یہ بھی تھا کہ کتاب اور اس کے حواشی پر حضرت مولانا مفتی عبد محمد صاحب خلیفہ مجاز حضرت تھانوی قدس سرہ العزیز کی رہنمائی میں نظر ثانی کی جائے اور بعض مقامات کے تحت جہاں مضمون وضاحت طلب ہو، حواشی میں اضافے کردیے جائیں۔ بحمداللہ تعالیٰ یہ کام بھی حضرت مفتی صاحب موصوف نے رمضان المبارک کے عشرہ میں خانقاہ شریف قیام فرما کر مکمل کردیا۔

بیعت اور طریق صحبت کی ضرورت

تمام مسائل طریقت حضور رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم پر منتہی ہوتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو خاتم النبیین کا منصب عطا فرما کر اس وقت عالم میں مبعوث فرمایا جب تمام عالم انبیائے سابقین علیہم السلام کی تعلیمات سے روگرداں ہو کر گمراہی کی اتھاہ گہرائیوں میں غرق ہوچکا تھا۔ کہیں توحید تثلیث میں گم تھی اور کہیں سینکڑوں ہزاروں بلکہ کروڑوں بتوں نے خدائے وحدہٗ لاشریک کی جگہ لے رکھی تھی۔ بے حیائی بت پرستی کا رواج تھا جس کے نتیجے میں اخلاقی اقدار کا انحطاط خلق خدا کو ہولناک تباہیوں کی طرف دھکیل رہا تھا۔ وَكُنْتُمْ عَلٰى شَفَا حُفْرَةٍ مِّنَ النَّارِ فَاَنْقَذَكُمْ مِّنْهَا۔

اللہ تعالیٰ نے حضرت خاتم المرسلین محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو مبعوث فرما کر دنیا کو نئے سرے سے پھر باب رحمت کھولا اور دنیا کی ہدایت کے لیے اپنے آخری رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو بھیجا، جس نے تھوڑے عرصے میں کائنات کو نور توحید سے فروزاں کردیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تبلیغ دین کا آغاز وَاَنْذِرْ عَشِيْرَتَكَ الْاَقْرَبِيْنَ کے تحت سب سے پہلے اپنے قریبی رشتہ داروں سے کیا۔ رفتہ رفتہ پورے خطۂ عرب اور پھر بیرون عرب

ساری عالمِ انسانیت کو اللہ کا پیغام سنایا اور اس آفتابِ ہدایت نے روئے زمین کے ذرّے ذرّے کو تابندہ کر دیا۔ صَلَوَاتُ اللّٰہِ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَ تَسْلِیْمَاتُہٗ.

قرآن مجید اللہ تعالیٰ کا کلامِ معجز نظام ہے اور انسان کی زندگی کے تمام اطوار و اوضاع پر حاوی ہے۔ ہر قسم کے احکام اس میں موجود ہیں؛ توحید، رسالت، عبادات، معاملات، سیاسیات اور مکارمِ اخلاق وغیرہ۔ القصہ انسان کی فلاح و بہبود اور نظامِ اصلاح کا کوئی گوشہ ایسا نہیں جس کی کامل صراحت و وضاحت اس میں موجود نہ ہو۔

اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم معلمِ دین بنا کر نہ بھیجے جاتے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بجائے کوئی فرشتہ کتاب اللہ کو آسمان سے لا کر لوگوں کے سامنے رکھ دیتا اور یہ کہہ کر آسمان پر چلا جاتا کہ عامۃ الناس اس کی تلاوت اور فہم کے بعد خود بخود اپنی زندگی کو اس کے لائحہ عمل کے مطابق ڈھال لیں تو کیا یہ کتابِ ہدایت لوگوں کو نورِ ہدایت عطا کر سکتی تھی؟ ہر صاحبِ فہم و فراست اس کے جواب میں یہی کہے گا کہ یہ ناممکن تھا کیونکہ جب تک کتاب اللہ عملی سانچہ میں ڈھل کر لوگوں کے سامنے نہ آئے اور تعلیمِ الٰہی مجسم ہو کر ایک قابلِ تقلید مثال پیش نہ کرے، مناسبت نہ ہونے کے باعث خلقِ خدا کا رجحان اس طرف نہ ہو سکے گا، وہ تعلیم بیحد مفید اور ارفع و اعلیٰ ہی کیوں نہ ہو۔

داعیِ اسلام صلی اللہ علیہ وسلم نے جب اپنے آپ کو احکامِ خداوندی، تعلیماتِ قرآنی اور اخلاقِ ربانی کا عملی نمونہ بنا کر پیش کیا اور اپنے قول و عمل سے ارشاداتِ الٰہی کی توضیح و تشریح فرمائی تو لوگوں میں اس کے سمجھنے، اس کے فیوض و برکات سے متمتع ہونے اور انہیں حاصل کرنے کے طریقے معلوم کرنے کا جذبہ پیدا ہوا۔

جب حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بحکمِ خداوندی اپنی رسالت و نبوت کا اعلان فرمایا تو سب سے پہلے ام المؤمنین حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لائیں۔ وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجیت کے شرف کے ساتھ دنیوی معاملات میں بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی صداقت، دیانت، امانت اور خداترسی کا کامل مشاہدہ کر چکی تھیں۔ معمر مردوں میں سب سے پہلے حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ ایمان سے مشرف

ہوئے اور نوعمروں میں سب سے پہلے حضرت علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہٗ نے اسلام قبول فرمایا۔ یہ دونوں حضرات بھی رفاقت وقرابت کے باعث آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی صداقت ودیانت پر یقینِ کامل رکھتے تھے۔ لہٰذا یہ امر اظہر من الشمس ہے کہ ہر وہ شخص جو مشرف بہ اسلام ہوا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے فیضانِ صحبت سے بہرہ یاب ہوا۔ ایمان واسلام اس کے دل و دماغ اور رگ و پے میں سرایت کرتا چلا گیا۔ یہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت ومحبت کی تاثیر تھی کہ جو شخص ایک مرتبہ اس سے کیف آشنا ہوا، پھر نہ قریش کی سختیاں اُسے اسلام سے روگرداں کر سکیں اور نہ بڑی سے بڑی اذیتیں اس کی راہ میں حائل ہو سکیں۔ مؤمنین نے جان دینا اور مصائب جھیلنا گوارا کر لیا مگر اسلام سے انحراف کا نام سننا بھی برداشت نہ کیا:

ع یہ وہ نشہ نہیں جسے ترشی اتار دے

یہ ایمان کا رُسوخ اور کمال ہی تھا جو احکامِ خداوندی اور شریعت کے اوامر ونواہی پر صدقِ دل سے کاربند رہنا ہر مومن کے لیے آسان اور سہل کر دیتا تھا۔ وقتِ عبادت ہو تو پورے اہتمام سے عبادت کے لیے تیار، معاملات کا موقع ہو تو دیانت داری وراست بازی کے ساتھ ان سے عہدہ برآ ہونے پر آمادہ، وقتِ جہاد ہو تو بلاتردّد جاں نثاری وجاں سپاری کے لیے بے تاب ومضطرب۔

ایمان کی یہ پختگی، حوصلہ کی بلندی اور دینِ اسلام سے شیفتگی حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے فیضانِ صحبت کا نتیجہ تھی۔ ایک ہی صحبت میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت کا نقش ہر صاحبِ ایمان کے قلب پر ایسا گہرا بیٹھ جاتا تھا جسے کسی طرح بھی مٹانا ممکن نہ تھا اور یہ جاذبۂ محبت ہی بارگاہِ رسالت صلی اللہ علیہ وسلم کے جاں نثاروں کو ہر میدانِ عمل کی طرف کشاں کشاں لے جاتا اور بذلِ ہمت کے لیے تیار ومستعد کر دیتا تھا۔

صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر احکامِ خداوندی کی تعلیم بھی حاصل کرتے تھے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت و تربیت سے تزکیۂ نفس وتصفیۂ قلب کی دولت سے بھی مالا مال ہوتے تھے۔ حکمتِ الٰہیہ اور اسرارِ دین کا درس ان سب عنایات پر مستزاد تھا۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب پاک صلی اللہ

علیہ وسلم کے منصب نبوت کے تقاضوں کا بیان اس آیتِ قرآنی میں فرمایا ہے: يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَيُزَكِّيْهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ. حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام آیاتِ قرآنی اور احکامِ خداوندی اپنے اصحاب کو سناتے ہیں۔ ہواجسِ نفسانی سے اُن کے قلوب کی تطہیر بھی کرتے ہیں۔ انہیں کتاب اللہ اور حکمتِ الٰہیہ کی تعلیم بھی دیتے ہیں۔

غرض رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تیئیس (۲۳) سال کی قلیل مدت میں صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کی ایک کثیر جماعت کو زمانہ کے گرم وسرد حالات میں تربیت دے کر ایسا راسخ العقیدہ اور سرگرمِ عمل بنا دیا کہ آئندہ اسلام کی توسیع و اشاعت، تبلیغِ دین اور تزکیۂ نفوس کا کام انہی کے سپرد ہوا۔ چنانچہ ارشاد فرمایا:

اَصْحَابِيْ كَالنُّجُوْمِ بِاَيِّهِمْ اقْتَدَيْتُمْ اِهْتَدَيْتُمْ.

میرے صحابہ کرام ستاروں کی مانند ہیں، تم ان میں سے جس کی پیروی کرو گے، ہدایت پاؤ گے۔

قرآنِ عزیز اسلام کا مکمل ضابطۂ حیات ہے، اس کی حفاظت حق تعالیٰ نے خود اپنے ذمے لے رکھی ہے جس پر نصِ قرآنی کی شہادت موجود ہے:

اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ.

ہم نے ہی اس ذکر (قرآنِ عزیز) کو اُتارا ہے اور ہم ہی اس کے محافظ ہیں۔

مومن جب اس کے احکام وفرامین پر عمل پیرا ہوتا ہے تو تلاوت آیات، تزکیۂ نفس اور تعلیم کتاب وحکمت کی صورت میں اس کی تجلیات سے بہرہ اندوز ہوتا ہے۔ چنانچہ اس کی تلاوت کی حفاظت بھی کی گئی، تزکیۂ نفس کا بندوبست بھی کیا گیا اور تعلیم کتاب وحکمت کا سلسلہ بھی تا قیامِ قیامت برقرار رہے گا۔ اللہ تعالیٰ نے الفاظِ قرآن اور اُن کی حرکات و سکنات کی حفاظت کے لیے حفاظِ کرام کے سینوں کو کھول دیا۔ مجودوں اور قاریوں نے لحونِ عرب اور مخارج وصفاتِ حروف کی حفاظت اپنے ذمے لے لی۔ علمائے مفسرین نے معانی و مطالب کی نگرانی کا کام سنبھال لیا، علمائے راسخین اور عرفائے کاملین نے تزکیۂ نفوس اور تصفیۂ قلوب کا فریضہ انجام دیا اور یوں اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب کے ظاہری و باطنی پہلوؤں

کی حفاظت اس انداز سے فرمائی جسے دیکھ کر عقلِ انسانی دنگ رہ جاتی ہے۔ دنیا کا کوئی مذہب اپنی مذہبی کتاب کو اس درجہ محفوظ حالت میں پیش نہیں کر سکتا۔

حاملینِ قرآن میں ایسے حضرات بھی ہر عہد اور ہر خطۂ زمین میں کثرت سے ساتھ موجود رہے جنھوں نے قرآن عزیز اور تعلیماتِ نبویہ کی ترویج و اشاعت کو زندگی کا شعار بنایا۔ اور یہ سلسلۃ الذہب بحمدہٖ تعالیٰ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے عہدِ مبارک سے لے کر اب تک چلا آ رہا ہے۔ علماء و صلحاء کا یہی وہ مقدس گروہ ہے جن کی صحبت میں قرآنی تعلیمات کے ظاہری پہلو بھی آشکار ہوتے ہیں اور باطنی حقائق و اسرار بھی کھلتے ہیں۔ ان کی صحبت میں قلوب کا تصفیہ بھی ہوتا ہے اور نفوس کا تزکیہ بھی۔ اسرارِ الٰہیہ کا انکشاف بھی ہوتا ہے اور معارفِ شرعیہ کا ادراک بھی۔ مقاماتِ سلوک پر رسائی نصیب ہوتی ہے اور منازلِ عرفان بھی طے ہو جاتی ہیں۔ اجمالی علوم تفصیلی رنگ اختیار کر لیتے ہیں اور نظریات مشاہدات میں بدل جاتے ہیں۔ اس طور سے نبوت کے کمالات و فیضان کا یہ سرچشمہ ان حضرات کی وساطت سے مسلسل کشت زارِ اُمت کو سیراب کر رہا ہے۔ فَلِلّٰہِ الْحَمْدُ وَالشُّکْرُ عَلٰی ذٰلِکَ۔

معراجِ کمال

یہ ایک مسلّمہ حقیقت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دور میں انسانیت معراجِ کمال کو پہنچی۔ یہ شجرِ رحمت پروان چڑھا اور برگ و بار لایا۔ ہر فرد و بشر نے حسبِ استعداد خوشہ چینی کی اور دامنِ طلب کو بھر لیا۔ [illegible] برگ و بار کی [illegible] کہ تنگیِ داماں کا [illegible] ہوتا تھا۔

دامانِ نگہ تنگ و گلِ حسنِ تو بسیار
گلچینِ بہارِ تو ز داماں گلہ دارد

تاہم اس صورت [illegible] کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔ [illegible] زندگی کے ہر شعبے میں [illegible] انسانی علمی قدروں کا [illegible] جس کی طرف حضور رحمت مآب صلی اللہ علیہ وسلم نے پیشتر ہی اشارہ فرما دیا تھا۔

خَيْرُ الْقُرُوْنِ قَرْنِيْ ثُمَّ الَّذِيْنَ يَلُوْنَهُمْ ثُمَّ الَّذِيْنَ يَلُوْنَهُمْ.

یعنی: سب سے بہتر عہد میرا عہد ہے، پھر اُن لوگوں کا جو میرے عہد سے قریب ہیں اور پھر اُن کا جو دوسرے عہد سے متصل ہیں۔

صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد کے پروردہ ہیں، دورِ صحابہؓ کے تربیت یافتہ تابعینؒ اور عہدِ تابعینؒ کے فیض یافتہ تبع تابعینؒ ہیں۔ ہر دور سابقہ دور سے فروتر ہے اور اب تو یہ بُعد تیرہ سو سال تک پھیلا ہوا ہے۔ اس اعتبار سے ضعف بھی تقریباً انتہا کو پہنچ چکا ہے۔ لیکن بحمد ہٖ تعالیٰ دنیا ہنوز ایسے نفوسِ قدسیہ سے خالی نہیں جو ظاہری و باطنی کمالات سے آراستہ ہوں۔ ہر چند کہ ان کی تعداد مجموعی طور پر قلیل تر ہو گئی ہے مگر اِن کے وجودِ مسعود کی برکات سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔ اس لیے ہر دور میں طالبِ حق پر یہ لازم آتا ہے کہ وہ عارفینِ کاملین کی تلاش میں رہے اور جس شیخ کو اتباعِ شریعت میں سرگرم پائے اور علم و عمل کے درجہ میں کامل و مکمل دیکھے اُس کی صحبت اختیار کرنے کے بعد اصلاحِ نفس کی کوشش کرے۔ سالک پر یہ فرض بھی عائد ہوتا ہے کہ وہ اصل مقصود اور معیار حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اسوۂ حسنہ کو ٹھہرائے اور قلب و روح کو شریعت کے ظاہر و باطن سے آراستہ و پیراستہ کرے۔

اجزائے شریعت

حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی قدس سرہٗ فرماتے ہیں کہ شریعت کے تین جزو ہیں: علم، عمل، اور اخلاص۔ علم، یعنی عقائدِ صحیحہ کی معلومات کتب عقائد یا علمائے ظاہر کی تعلیم سے حاصل ہو سکتی ہیں۔ ان کے حصول کے لیے طریقِ تصوف کی حاجت نہیں۔ عمل، یعنی عبادات، نماز، روزہ اور دیگر معاملات کی صورتیں خرید و فروخت وغیرہ۔ یہ تمام فقہا و محدثین کی تعلیمات اور فتاویٰ سے دستیاب ہو سکتی ہیں۔ ان کے لیے بھی تصوف کی چنداں ضرورت نہیں۔ تیسری شق، جو جزوِ اعظم کی حیثیت رکھتی ہے، اخلاص ہے اور وہ علم و عمل کی جان ہے۔ اس کے حصول کے لیے عرفاء و صلحاء کی صحبت اشد ضروری ہے۔ باطن کا تزکیہ و تصفیہ اور دولتِ صدق و صفا ایسے حضرات کے پاس رہ کر ہی حاصل کی جا سکتی ہے جن کا سلسلہ درتی و

صحت کے ساتھ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچتا ہے۔ اس کی طرف قرآن عزیز میں بھی اشارہ کیا گیا ہے:

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَ كُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِیْنَ.

یعنی: اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو اور اہلِ صدق وصفا کی صحبت اختیار کرو۔

بیعت

دولتِ اخلاص واحسان کے حصول کا ذریعہ عہدِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں بھی بیعت ہی تھا اور آج بھی وہی ہے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں کفار حاضر ہو کر اپنے آبا و اجداد کے تقلیدی دین سے توبہ کر کے آپؐ کے دستِ مبارک پر بیعتِ اسلام کرتے تھے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نظرِ کیمیا اثر کے ایک ہی التفات سے ایمانِ حقیقی اور اخلاص و احسان کے منتہیٰ پر پہنچ جاتے تھے۔ ان کے نفوس مزکیٰ ومطہر ہو کر دوسروں کی تربیت و اصلاح کی صلاحیت بھی حاصل کر لیتے تھے۔

آج بھی ایمانِ تقلیدی اور آبا و اجداد کی رسوم سے نکل کر ایمانِ حقیقی اور اتباعِ سنت کے صحیح مقام کو سمجھنے کے لیے اہل اللہ سے رابطہ ضروری ہے۔ عرفانِ الٰہی کا حصول ان کے دامن سے وابستگی میں مضمر ہے۔ ان کے ہاتھ پر بیعت کرنا دینِ قیم اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سنتِ مطہرہ پر ہمیشہ کاربند رہنے کا عہد استوار کرنا ہے۔ روحانیت کا یہی وہ پاکیزہ طریق ہے جس پر چل کر صحابہ کرامؓ، تابعینؒ، تبع تابعینؒ اور اولیائے امت کو ظاہری و باطنی کمالات کی لازوال نعمتیں میسر آئیں۔ رُشد وہدایت کا یہ فیضان سینہ بہ سینہ اور سلسلہ بہ سلسلہ ابدالآباد تک جاری وساری رہے گا:

یاں گروہ کہ از ساغرِ وفا مستند
سلامِ ما برسانید، ہر کجا ہستند

نجات یافتہ گروہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پیش گوئی کے طور پر فرمایا ہے کہ میری امت تہتر (۷۳) فرقوں میں بٹ جائے گی، جن میں فرقۂ ناجیہ صرف ایک ہی ہوگا، باقی سب کے

سب جہنم کے مستحق قرار پائیں گے۔ صحابہؓ نے دریافت کیا کہ یا رسول اللہ! وہ نجات پانے والا گروہ کون سا ہے؟ اس پر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا۔ مَا اَنَا عَلَیْہِ وَاَصْحَابِیْ. یعنی یہ وہ لوگ ہیں جو عقیدہ و عمل میں اس طریقہ پر ہوں گے جس پر خود میں اور میرے اصحابؓ گامزن ہیں۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے وَاَصْحَابِیْ کے لفظ سے یہ صراحت بھی فرمادی کہ میرے اصحاب کا طریقہ بعینہٖ میرا طریقہ ہے۔ چنانچہ علمائے اہل السنت والجماعت کے جس قدر طبقات ہیں، وہ سب کے سب جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ کرامؓ کے اقوال و اعمال کو سرچشمۂ ہدایت اور معیارِ صداقت تسلیم کرتے ہیں۔

مذاہب ومسالکِ فقہیہ

اہل السنت والجماعت، جن میں سے چار مسلک: حنفیہ، شافعیہ، مالکیہ اور حنابلہ رواج عام پاسکے، گو بظاہر مختلف فقہی مذاہب و مسالک پر منقسم نظر آتے ہیں مگر سب کا مطمح نظر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی سنت اور صحابہ کرامؓ کے عمل کا اتباع ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ان تمام مسالکِ فقہیہ میں جو امتیازی شان اور دوامی قبولیت مسلک حنفیہ کو نصیب فرمائی وہ اس کا خصوصی فضل و انعام ہے۔ مگر جہاں تک حقانیت کا سوال ہے محققین کا فیصلہ ہے کہ حق ان مسالک اربعہ سے باہر نہیں اور انہی چار میں دائر و سائر ہے، لہٰذا چاروں فقہی مسالک برحق ہیں۔

مسالکِ تصوف

سلوک و طریقت کے مسالک بھی اگرچہ بے شمار ہیں مگر ان میں چار طریقے؛ نقشبندیہ، چشتیہ، قادریہ اور سہروردیہ مقبول عام ہیں۔ ان سب کا مقصد وحید زندگی کو پیروانِ کتاب و سنت کی صحبت میں گزار کر رضائے الٰہی اور قرب خداوندی حاصل کرنا ہے۔ الحمدللہ کہ انعام و اکرام کے اس حصول میں چاروں طریقے برابر کے شریک ہیں۔ یہ بات علیحدہ ہے کہ کسی طریقہ میں یہ مقصد سہولت اور سرعت کے ساتھ حاصل ہوتا ہے اور کسی میں ریاضت و مجاہدہ درکار ہے۔ مگر سب کا اصل الاصول کتاب و سنت کا اتباع اور آئمہ مجتہدین کی

پیروی ہے۔ اگرچہ روحانیت کے ارتقاء میں ان کے افکار و نظریات ایک دوسرے سے مختلف ہیں لیکن مطلوب و مقصود حق تعالیٰ کی رضا ہے۔ لہٰذا یہ چاروں طریقے حق پر ہیں۔ ان میں سے کسے اختیار کیا جائے؟ یہ سالک کی قلبی مناسبت پر موقوف ہے۔ جس طریقہ کے معارف سے اسے مناسبت ہو اس کا اختیار کرنا اس کے لیے مفید و موزوں رہے گا۔

اقرب و اکمل طریق

یہ فیصلہ کرنا ہر کسی کا کام نہیں کہ تمام طریقہ ہائے تصوف میں کون سا طریقہ اور کون سا مسلک عرفانِ الٰہی کے حصول کے لیے قریب تر، کامل تر اور سہل تر ہے۔ بلاشبہ یہ فیصلہ کرنا صرف اسی جامع کمالات ہستی کا کام ہے جسے ان طریقوں پر کامل عبور حاصل ہو اور جس نے ہر طریقہ کے نشیب و فراز، درجات و مقامات اور معارف و اسرار کا ذاتی مشاہدہ کیا ہو اور پھر اللہ تعالیٰ نے اسے ناقدانہ بصیرت اور عارفانہ فراست سے بھی نوازا ہو۔

حضرت مجدد الف ثانیؒ کا فیصلہ

سلاسلِ تصوف میں اس امر کی ضرورت ہوتی ہے کہ طالب حق جس درجہ کی استعداد لے کر آئے، فیوض و برکات سے محروم نہ رہے۔ مقامِ حسرت ہے کہ آج سالکانِ راہ میں اتنی ہمت نہیں کہ وہ ان مشقتوں کو برداشت کر سکیں جو حضراتِ متقدمین نے اٹھائیں۔ اس لیے اگر کسی میں جذبہ طلب پیدا بھی ہوتا ہے تو اس کی آرزو یہی ہوتی ہے کہ کسی سہل تر اور مفید تر طریق کو اختیار کرے جو اسے ساحلِ مراد تک پہنچا دے۔

اللہ تعالیٰ ہمارے پیشوا و مقتدا حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کو جزائے خیر عطا کرے کہ انہوں نے تصوف کے سلاسل پر مکمل عبور حاصل کیا اور وصول الی اللہ کے تمام مدارج و مقامات کی تکمیل کے بعد طریقۂ نقشبندیہ کی تجدید فرمائی۔ آپ نے حسب ذیل الفاظ میں اس کی تعریف کرتے ہوئے سالکین کو اس کے اختیار کرنے کی ترغیب دی:

بدانکہ طریقہ کہ اقرب است و اسبق و اوفق و اوثق و اسلم و احکم و اصدق و اولیٰ و اعلیٰ و اجل و ارفع و اکمل و اجمل طریقۂ علیہ نقشبندیہ است قدس اللہ

تعالیٰ ارواح اھالیھا واسرار موالیھا۔ ایں ہمہ بزرگی ایں طریق وعلو شان ایں بزرگواراں، بواسطۂ التزام سنت سنیہ است علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام والتحیہ واجتناب از بدعت نامرضیہ، ایشانند کہ در رتبۂ اصحاب کرام علیہم الرضوان من الملک المنان نہایت کار در بدایت شان مندرج است و حضور وآگاہی ایشاں دوام پیدا کردہ وبعد از وصول بدرجۂ کمال فوق آگاہی دیگراں شدہ۔

(مکتوب ۲۹۰، دفتر اول)

ترجمہ: واضح ہو کہ سب طریقوں میں قریب تر، سابق تر، موافق تر، اوثق تر، اسلم تر، محکم تر، صادق تر، بہتر، عالی تر، جلیل تر، رفیع تر، کامل تر اور اکمل تر طریقہ عالیہ نقشبندیہ ہے، اللہ تعالیٰ اس کے اکابر کی ارواح اور اُس کے بزرگوں کے اسرار کو پاکیزگی عطا فرمائے۔ اس طریقہ کی یہ بزرگی اور ان اکابر کی یہ سرفرازی حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی سنت مطہرہ کے اتباع اور ناپسندیدہ بدعت سے پرہیز کے باعث ہے۔ حضرات نقشبندیہ ہی وہ بزرگ ہیں کہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی طرح سلوک کا انتہائی مقصود اُن کی ابتدا میں سمو دیا گیا ہے۔ انہیں دائمی حضور و آگاہی سے نوازا گیا ہے اور مقام کمال پر فائز ہونے کے بعد ان کا حضور دوسروں سے سبقت لے گیا ہے۔

حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ نے ان چند مختصر اور جامع الفاظ میں طریقۂ نقشبندیہ کی افضلیت و برتری کا جس طرح اظہار فرمایا وہ کوئی یک طرفہ فیصلہ نہیں، بلکہ آپ نے نقشبندیہ سلوک سے پہلے چشتیہ، قادریہ، سہروردیہ، کبرویہ وغیرہ متعدد طریقہ ہائے تصوف کو طے کیا اور ان کے مقامات واحوال کا عرفان حاصل کیا۔ مزید یہ کہ آپ کو اُن میں خلافت اور سند اجازت بھی مل چکی تھی۔ بلاشبہ ایسی ہی شخصیت کو حق پہنچتا ہے کہ وہ ان طریقوں میں سے آسان تر اور مفید تر طریقہ منتخب کرکے طالبان حق کی رہبری کرے۔ اَللّٰھُمَّ اجْزِہٖ عَنَّا

جَزَاءً حَسَنًا كَافِيًا مُوَافِيًا لِمُقْتَضَاهِ الْفَائِضِ فِي الْآفَاقِ۔

اگر حضرت مجدد علیہ الرحمہ کے ان الفاظ کی شرح مقصود ہو تو مکتوباتِ امام ربانی کے تینوں دفتروں کا مطالعہ کرنا چاہیے۔ حضرتؒ نے طریقہ نقشبندیہ کی شان میں جن تیرہ صفات کا ذکر صیغۂ تفصیل کے ساتھ فرمایا، مکتوبات شریفہ کے دفتر اُن کی تفصیلات سے لبریز ہیں۔

طریقۂ پاک کی آٹھ بنیادی اِصطلاحات

حضرت عبدالخالق غجدوانی قدس سرہٗ کے مندرجہ ذیل آٹھ اصطلاحی کلمات ہیں جو طریقہ نقشبندیہ میں سنگِ میل کا درجہ رکھتے ہیں:

۱۔ نظر برقدم

اس اصطلاح کے دو معنی ہیں، ایک ظاہری اور دوسرے باطنی۔ ظاہری معنی یہ ہیں کہ راستہ چلتے اور شہر و صحرا میں آتے جاتے سالک اپنی نظر کو پشتِ قدم پر رکھے کہ وہ نامناسب جگہ پر نہ پڑے اور پریشانیِ خیال کا موجب نہ بنے۔ اور باطنی معنی یہ ہیں کہ سالک کی رفتار سیر و سلوک میں اتنی تیز ہونی چاہیے کہ جس مقام پر نظر پہنچے فی الفور قدم بھی وہاں پہنچ جائے۔ مولانا جامی[۱] حضرت خواجہ بہاؤالدین قدس سرہٗ کی شان میں فرماتے ہیں:

۱۔ یہ عبارت رشحات سے ماخوذ ہے۔ امام ربانی حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ العزیز نے اس اصطلاح کے جن معانی کو اختیار فرمایا ہے، وہ حسب ذیل دو ہیں:
(۱) ظاہری طور پر نظر برقدم کے یہ معنی ہیں جو صاحب رشحات نے بیان کیے ہیں کہ نظر کو قدم پر مرکوز رکھا جائے تاکہ وہ نامناسب جگہ پر نہ پڑے۔ یہ معنی حضرت مجدد رحمہ اللہ کے نزدیک مبتدی کے لیے مفید ہیں۔
(۲) نظر برقدم سے مراد یہ ہے کہ قدم اس طور پر نظر سے پیچھے نہ رہ جائے کہ دوسری وقت [illegible] اس سے یہ [illegible] قدم [illegible] مراتب [illegible] قدم کا [illegible] کے منافی ہے۔

بسکہ ز خود کردہ بہ سرعت سفر
باز نماندہ قدمش از نظر

یعنی منزل ہستی کو اتنی تیزی سے طے فرمایا کہ قدم نظر سے پیچھے نہیں رہا۔ جس مقامِ بلند پر نظر پہنچی، قدم بھی وہاں فی الفور پہنچ گیا۔

۲۔ ہوش دردم

اس سے مراد یہ ہے کہ جو سانس اندر سے باہر نکلے وہ حق تعالیٰ کی طرف توجہ، حضور اور آگاہی سے خالی نہ ہو۔ حضرت خواجہ بہاؤ الدین نقشبند قدس سرہٗ فرماتے ہیں کہ اس طریق میں ذکر و شغل کی بنیاد سانس پر رکھنی چاہیے کہ کسی سانس کو ضائع نہ ہونے دیا جائے۔ سانس کی آمد و رفت، اس کا درمیانی وقفہ ذات باری تعالیٰ کے حضور میں گزارنا چاہیے۔ تا آنکہ یہ کیفیت ایک ملکہ کی حیثیت اس طور پر حاصل کر لے کہ اس میں کسی تکلف اور تصنع کا عمل دخل نہ رہے۔

۳۔ سفر در وطن

اس سے مراد سیر انفسی ہے، یعنی سالک کا اپنی ذات کے اندر سفر کرنا اور ناپسندیدہ صفات بشریہ سے پاکیزہ صفات ملکوتیہ کی طرف بڑھتے ہوئے مقامات عشرہ: توبہ، انابت، صبر، شکر، قناعت، ورع، تقویٰ، تسلیم، توکل اور رضا پر فائز ہو جانا۔ سیرِ آفاقی بھی اسی کے ضمن میں طے ہو جاتی ہے۔ رباعی:

یا رب چہ خوش است بے دہاں خندیدن
بے واسطۂ چشم جہاں را دیدن
بنشین و سفر کن کہ بہ غایت خوب است
بے منت پا گرد جہاں گردیدن

۴۔ خلوت در انجمن

حضرت خواجہ بہاؤ الدین نقشبند قدس سرہٗ سے دریافت کیا گیا کہ آپ کے طریقہ کی بنیاد کس چیز پر ہے؟ آپ نے فرمایا، خلوت در انجمن پر، یعنی ظاہر میں خلق کے ساتھ رہنا اور

باطن میں حق تعالیٰ کے ساتھ۔ زندگی کا اس انداز پر گزارنا کہ خلقِ خدا کے ساتھ روابط سالک کو مطلوبِ حقیقی سے باز نہ رکھ سکیں۔

از دروں شو آشنا و از بروں بیگانہ وش
ایں چنیں زیبا روش کم می بود اندر جہاں

قرآنی آیت رِجَالٌ لَّا تُلْهِيهِمْ تِجَارَةٌ وَلَا بَيْعٌ عَن ذِكْرِ اللَّهِ وَإِقَامِ الصَّلٰوةِ وَإِيتَاءِ الزَّكٰوةِ میں بھی اسی مقام کی طرف اشارہ ہے کہ وہ ایسے لوگ ہیں جنہیں تجارت اور اشیاء کی خرید و فروخت، ذکرِ الٰہی، پابندیٔ صلوٰۃ اور ادائیگیٔ زکوٰۃ سے غافل نہیں کر سکتی۔

۵۔ یاد کرد

شیخ نے مرید کو جو ذکر تلقین فرمایا ہے، اسمِ ذات ہو یا نفی و اثبات، لسانی ہو یا قلبی، ہر وقت اس میں مشغول رہے، یہ شعر زبانِ حال بن جائے۔

دائم ہمہ جا با ہمہ کس در ہمہ کار
می دار نہفتہ چشمِ دل جانبِ یار

۶۔ بازگشت

اس سے مراد یہ ہے کہ ذاکر ذکر کرتے ہوئے جس طرح زبانِ دل سے اللہ یا لا الٰہ الا اللہ کہہ رہا ہے اسی طرح اس کے باطن میں خشوع و خضوع کے ساتھ کہے: "خداوندا! مقصودِ من توئی و رضائے تو، ترک کردم دنیا و آخرت را برائے تو، محبت و معرفت خود دہ۔" شروع میں اگر سالک خود کو اس قول میں صادق نہ بھی جانتا ہو تب بھی کہے کیونکہ اس سے تضرع و زاری اور ندامت و خجالت کے احساس میں اضافہ ہوگا۔ پھر رفتہ رفتہ اس قول میں صداقت کے آثار ان شاء اللہ آشکارا ہو جائیں گے۔

۷۔ نگاہداشت

اس سے مراد یہ ہے کہ سالک ذکر کی حالت میں خطرات و وساوس سے دل کی حفاظت کرتا رہے اور خیالاتِ پریشاں سے دل کو متاثر نہ ہونے دے۔ ایک گھنٹہ، دو گھنٹے یا اس سے زائد وقت تک اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی خیال نہ آنے دے اور اس کی مشق یہاں تک کرے

کہ ماسوا اللہ بالکل فراموش ہو جائے۔

۸۔ یادداشت

اس سے مراد یہ ہے کہ حق سبحانہٗ و تعالیٰ کی طرف ذوقِ وجدانی کے طور پر دائمی حضور و آگاہی حاصل ہو جائے۔ اسی کو حضورِ بے غیبت سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ اہلِ تحقیق ذاتِ باری تعالیٰ کی محبت کے سلسلے میں جس شہود اور غلبہ کے قائل ہیں، اس سے بھی یہی ملکۂ یادداشت مراد ہے، اور نسبتِ خاصۂ نقشبندیہ بھی اسی کو کہا جاتا ہے۔

خصوصیاتِ طریقہ

۱۔ امامِ طریقت حضرت خواجہ بہاؤ الدین نقشبند بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے بارگاہِ خداوندی میں عجز و نیاز کے ساتھ پندرہ روز تک سربسجود ہو کر دعا مانگی تھی کہ خدایا! مجھے وہ طریقہ القاء فرما جو بندے کو سہولت اور آسانی کے ساتھ تیری ذات تک پہنچا دے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کی دعا کو شرفِ قبولیت بخشا اور یہ طریقۂ خاص عطا فرمایا جو آپ کے مشہور لقب نقشبند کی مناسبت سے نقشبندیہ کہلایا۔ یہ سب طریقوں سے قریب تر اور سہل تر ہونے کے ساتھ مقصودِ حقیقی تک بالیقین پہنچانے والا ہے۔

۲۔ اس سلسلے کا انتساب حضرت سیدنا صدیقِ اکبر رضی اللہ عنہ سے ہے جو انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے بعد بالاتفاق افضل البشر ہیں۔ اس کی بنیاد خالصتاً اتباعِ سنتِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم پر ہے جس کے لیے بدعت کی ہر نوع سے اجتناب لازمی شرط ہے۔

۳۔ اس طریقہ میں جذبہ سلوک پر مقدم ہے جو طالبِ صادق کو شیخِ کامل کی توجہ سے حاصل ہو جاتا ہے۔ احوال و کیفیات طاری ہونے لگتے ہیں جن سے طلب میں ذوق و شوق بڑھ جاتا ہے، ذکر و عبادت میں خاص لذت و سرور اور روح کو سوز و گداز نصیب ہوتا ہے اور یہی سوز و گداز سالک کو مقصودِ حقیقی کی طرف کشاں کشاں لے جاتا ہے۔

وادیِ عشق بسے دور و دراز است ولے

طے شود جادۂ صد سالہ بآہے گاہے

۴۔ اس طریقہ میں فیض و ترقیِ درجات کا دارومدار صحبتِ شیخ اور توجہِ شیخ پر ہے۔

صحبتِ شیخ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سنتِ مطہرہ کے اتباع میں ممد و معاون ہے۔ لہٰذا مرید ادب و احترام کے ساتھ جس قدر صحبتِ شیخ کا التزام کرے گا، اُسی قدر سرعت کے ساتھ منازلِ ترقی و مدارجِ کمال طے کرتا چلا جائے گا۔

۵۔ اس طریقہ میں انعکاسِ فیضان اسی طرح ہے جس طرح صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس میں حاصل ہوا کرتا تھا۔ جنابِ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبتِ مبارکہ میں صدقِ دل اور جاذبۂ محبت کے ساتھ ایک مرتبہ حاضر ہونے والا شخص بھی کمالِ ایمانی کے اعلیٰ و ارفع مقام پر فائز ہو جاتا تھا۔ کم و بیش حضراتِ نقشبندیہ کی خدمت میں صدقِ دل سے آنے والا شخص عرفان و آگاہی کے اس مقام کو محسوس کر لیتا ہے جو دوسرے طریقوں میں مدتِ مدید کے بعد نصیب ہوتا ہے۔ اسی لیے اکابرِ نقشبندیہ رحمہم اللہ تعالیٰ کا قول ہے کہ "طریقہ ما بعینہٖ طریقہ اصحاب کرامؓ است۔" یعنی ہمارا طریقہ صحابہ کرامؓ کے طریقہ کے عین مطابق ہے۔ ان حضرات نے افادہ و استفادہ کا وہی انداز اختیار کیا ہے جو صحبتِ نبوی کا طرۂ امتیاز تھا۔ اسی لیے فرماتے ہیں: "در طریقہ ما محرومی نیست و ہر کہ محروم است در طریقہ ما نخواہد آمد۔" یعنی جو شخص ہمارے طریقہ میں داخل ہوا وہ محروم نہ رہے گا، اور جو ازلی محروم ہے وہ ہمارے سلسلہ سے منسلک نہ ہو سکے گا۔

۶۔ وجودِ انسانی دس لطائف پر مشتمل ہے۔ پانچ کا تعلق عالمِ خلق سے اور پانچ کا تعلق عالمِ امر سے ہے۔ عالمِ امر سے تعلق رکھنے والے لطائف قلب، روح، سر، خفی اور اخفیٰ ہیں جبکہ نفس اور اس کے چار عناصر عالمِ خلق سے منسوب ہیں۔ اس طریقہ مبارکہ میں ان لطائف کے تصفیہ و تزکیہ اور ذکر و مراقبہ کے لیے چند مقرر کردہ اصول و ضوابط ہیں جن پر عمل پیرا ہو کر سالک ایک قلیل مدت ہی میں ان سب کے انوار و تجلیات اور احوال و کیفیات سے بہرہ ور ہو جاتا ہے۔

۷۔ اس طریقہ میں آغاز سیرِ انفسی سے ہوتا ہے اور سیرِ آفاقی اس کے ضمن میں طے کرا دی جاتی ہے۔ سیرِ آفاقی سے مراد یہ ہے کہ دائرہ امکان کے، جو ارض و سما، عرش و کرسی اور جمیع ممکناتِ عالم کو محیط ہے، حوال کا تفصیلی طور پر ظہور و انکشاف ہو جائے، جبکہ سیرِ انفسی

عالمِ امر کے پنجگانہ لطائف سے تعلق رکھتی ہے اور یہ تمام لطائف فوق العرش ہیں۔ اکابرِ نقشبندیہ خصوصاً خواجہ عبید اللہ احرار قدس سرہٗ نے اس سیر کو سیرِ مستدیر یعنی اپنی ذات کے گرد گھومنا، سے تعبیر کیا ہے اور سیر آفاقی کو سیرِ مستطیل قرار دیا ہے۔ مزید یہ بھی ارشاد فرمایا ہے کہ سیرِ مستدیر قرب در قرب ہے، اور سیرِ مستطیل بُعد در بُعد۔

اس طریقۂ پاک میں عالمِ امر کے لطائف کی سیر اجمال و تفصیل کے ساتھ کرائی جاتی ہے۔ تفصیل حسبِ ذیل ہے:

لطیفۂ قلب زیرِ قدمِ حضرت آدم علیہ السّلام، لطیفۂ روح زیرِ قدمِ حضرت نوح و ابراہیم علیہما السّلام، لطیفۂ سِرّ زیرِ قدمِ حضرت موسیٰ علیہ السّلام، لطیفۂ خفی زیرِ قدمِ حضرت عیسیٰ علیہ السّلام اور لطیفۂ اخفیٰ زیرِ قدمِ حضرت محمد مصطفیٰ صلّی اللہ علیہ وسلّم ہے۔ ان لطائف کے عروج و کمال اور فنا و بقا سے مشاربِ ولایت وابستہ ہیں۔ لطیفۂ قلب سے ولایتِ آدم علیہ السّلام کا تعلق ہے۔ جو سالک اس راہ سے واصل ہوتا ہے اسے آدمی المشرب کہتے ہیں۔ لطیفۂ روح سے واصل ہونے والا ابراہیمی المشرب کہلاتا ہے۔ لطیفۂ سِرّ سے درجۂ وصول پر فائز ہونے والا موسوی المشرب کے نام سے موسوم ہوتا ہے۔ لطیفۂ خفی کی راہ سے واصل عیسوی المشرب کا نام پاتا ہے اور لطیفۂ اخفیٰ کی ولایت پر فائز ہونے والا سالک ولایتِ خاصۂ محمدیہ صلّی اللہ علیہ وسلّم سے مشرف ہوتا ہے۔ ان تمام ولایات کا تعلق دائرۂ ولایتِ صغریٰ سے ہے جو اولیائے عظام کی ولایت کا دائرہ کہلاتا ہے۔ دوسرا دائرہ ولایتِ کبریٰ کا ہے جو انبیائے کرام کی ولایت کا دائرہ ہے۔ تیسرا دائرہ ملاءِ اعلیٰ، یعنی ملائکۂ مقربین کی ولایت کا دائرہ ہے جو دائرۂ ولایتِ علیا کہلاتا ہے۔

۸۔ اس سلسلے میں لازم ہے کہ سالک کا خیال[1] دل کی طرف مرکوز رہے اور دل ذاتِ باری تعالیٰ کی طرف متوجہ رہے۔ پھر یہ کہ ذاکر ذکرِ نفی و اثبات کرتے وقت سانس کو روک لے اور طاق[2] اعداد پر چھوڑے۔ نفس کا محاسبہ[3] کرتا رہے۔ اگر عملِ خیر کی توفیق ہو تو

۱۔ اصطلاحِ تصوف میں اس کا نام وقوفِ قلبی ہے۔

۲۔ وقوفِ عددی ۳۔ وقوفِ زمانی

اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرے۔ اگر کوئی لمحہ غفلت میں گزرے تو اُس پر نادم ہونے کے بعد استغفار کرے۔

۹۔ اس طریقہ عالیہ میں دوامِ حضور و آگاہی وہ پاکیزہ مقام ہے جس کا نام حضرات صحابہ کرامؓ کے نزدیک احسان ہے اور اصطلاحِ صوفیہ میں اس کو مشاہدہ و شہود، یادداشت اور عین الیقین وغیرہ ناموں سے پکارا جاتا ہے، درحقیقت وَاعْبُدْ رَبَّكَ كَأَنَّكَ تَرَاهُ کے مصداق یہی حالت ہے جو بعینہٖ دیدارِ الٰہی نہ سہی مگر مثلِ دیدار ضرور ہے۔

ذریعہ حصولِ فوائد

شیخ کامل کی صحبت آداب و شرائط کے ساتھ مسلسل اختیار کرنا اور حسبِ تلقینِ شیخ اس طریقہ پاک کے اذکار و اشغال پر کاربند رہنا تمام فیوض و برکات کے حصول کا ذریعہ ہے، پھر اس سلسلہ میں بلند تر مقامات اور ارفع و اعلیٰ واردات بھی موجود ہیں جو اولوالعزم سالکین اور صاحبِ ہمت مقربین کا حصہ ہیں۔ فطرت نے جنہیں اہلیت و استعداد بخشی ہے وہ ان سے شرف اندوز ہوتے ہیں اور بڑھتے چلے جاتے ہیں:

جنابِ عشق بلند است ہمتے حافظ
کہ عاشقاں رہِ بے ہمتاں بخود ندہند

طریقہ نقشبندیہ کے یہ وہ خصائص ہیں جنہیں حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی قدس سرہٗ نے اپنے مکتوبات شریفہ میں بڑی تفصیل کے ساتھ متعدد مقامات پر ذکر فرمایا ہے۔ یہ حقیقت ہے کہ آپ سے پیشتر طریقہ نقشبندیہ کے نظریات و تعلیمات ایک مرتب شکل میں موجود نہ تھے۔ آپ ہی نے اس سلسلہ عالیہ کے مقامات و مشاہدات کو ترتیب دیا اور انہیں ایک تدریجی مکمل صورت عطا کی، پھر اسی پر اپنے طریقہ مجددیہ کی بنیاد رکھی۔ مزید بے شمار حقائق و معارف کے انکشاف کے بعد معرفتِ الٰہی کا ایک نیا قصرِ رفیع تعمیر فرمایا جہاں پہنچ کر رنگ بے تصویر پکار اٹھتا ہے، "اس نسبت کی چوٹیاں [illegible] پیشانیاں [illegible] کے کار آمد ہیں" یعنی جو کمالاتِ رسالت و نبوت صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کو حضورِ پُرنور کی مرتبت صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت کے طفیل میسر تھے، ہزار سال بعد

حضرت مجدد الف ثانی رحمہ اللہ کے وسیلے سے بار دگر منصۂ شہود پر جلوہ گر ہیں اور ان کی تحریر اُمتِ مسلمہ کے قلوب کو حیاتِ جاوداں عطا کر رہی ہے۔ فَجَزَاهُ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنَّا وَعَنْ سَائِرِ مُتَّبِعِي الطَّرِيْقَةِ الشَّرِيْفَةِ:

نقشبندیہ عجب قافلہ سالارانند
کہ برند از رہِ پنہاں بہ حرم قافلہ را

مولانا عرشی مرحوم کے احوال وآثار

نذیر بیگ نام، عرشی تخلص، ولدیت مولانا عبدالکریم، پیدائش ۱۸۸۴ء، وفات ستمبر ۱۹۴۷ء، عمر ۶۳ سال، وطن قصبہ دھنولہ، ریاست نابھہ۔

آپ مستند عالم، ماہر طبیب، نامور ادیب، فاضل مصنف اور پختہ کلام شاعر تھے۔ مدرسہ نعمانیہ لاہور سے فارغ التحصیل ہوئے اور پنجاب یونیورسٹی سے علوم شرقیہ میں مولوی فاضل اور منشی فاضل کی سندات حاصل کیں۔ علم دین اور فن طب میں کمال حاصل کیا۔ فراغت کے بعد آپ نے اپنے وطن قصبہ دھنولہ ہی میں قیام فرمایا۔ مطب کے ساتھ ساتھ تصنیف وتالیف کا شغل خاص بھی جاری رکھا اور مدرسہ کریمیہ دھنولہ میں تدریس وتعلیم کا آغاز کیا۔ آپ کے والد ماجد کا اسم گرامی مولانا عبدالکریم تھا۔ اس مناسبت سے درس گاہ کا نام "مدرسہ کریمیہ" رکھا۔ مشاغل تصنیف وتالیف، فارسی وعربی کتب کی تدریس اور مصروفیات طب کے علاوہ آپ خطابت میں بھی ید طولیٰ رکھتے تھے۔ آپ کا وعظ عالمانہ اور پُرتاثیر ہوتا تھا۔ تصنیف وتالیف کے سلسلہ میں آپ نے چھوٹی بڑی تقریباً ۲۰ کتابیں، رسالے اور تراجم مرتب کیے، جن میں سے بعض شائع بھی ہو چکے ہیں اور باقی مسودات کی شکل ہی میں پڑے رہے۔ وہ غالباً برصغیر کی تقسیم کے ہنگاموں میں تلف ہو گئے۔ مطبوعہ رسائل وکتب کا اجمالی خاکہ حسب ذیل ہے:

تعلیم نسواں کے سلسلہ میں ایک مکمل نصاب مرتب فرمایا جو "تعلیم البنات" کے نام سے آٹھ حصوں میں شائع ہوا۔ اپنے مواعظ پر مشتمل ایک رسالہ "مواعظ عرشی" کے نام سے شائع کیا۔ ایک اور مجموعہ "خطبات عرشی" کے نام سے طبع ہوا۔ مثنوی مولانا رومؒ کی شرح عام فہم اور سلیس اردو میں اکیس جلدوں میں مرتب فرمائی جو لاہور سے نہایت عمدہ طرز پر شائع ہوئی۔ اس شرح کے دیکھنے کا اتفاق راقم الحروف کو بھی ہوا، جب تقسیم ہند کے بعد لاہور آ کر

پرائیویٹ ادارہ تعلیم جامعہ شرقیہ کے نام سے گوالمنڈی، لاہور میں قائم کیا تھا۔ اس ادارہ میں پنجاب یونیورسٹی کے امتحانات منشی فاضل، ادیب عالم اور ادیب فاضل کی تیاری کرائی جاتی تھی۔ چونکہ مثنوی مولانا رومؒ کا پہلا دفتر منشی فاضل کے نصاب میں شامل تھا، لہٰذا اس سلسلہ میں مولانا نذیر احمد عرشی مرحوم کی شرح مفتاح العلوم کی زیارت ومطالعہ کا شرف حاصل ہوا۔ حق یہ ہے کہ فاضل مصنف نے تشنگانِ علم کی تسکین کے لیے جہاں پیر رومیؒ کے حقائق و معارف کو وضاحت کے ساتھ بیان کیا ہے وہاں اُردو دان حضرات کی دلچسپی کا سامان بھی بہم پہنچایا ہے۔ ہر شعر کی تقطیع، حلِ لغات اور نحوی تراکیب کا التزام بھی فرمایا ہے۔ مثنوی کی تعداد شروح کو پیشِ نظر رکھتے ہوئے مطالب ومعانی کی تسہیل میں کوئی دقیقہ فروگزاشت نہیں کیا۔ زبان نہایت فصیح اور اُسلوب بیان بیحد دل نشیں ہے۔ بلا مبالغہ کہا جاسکتا ہے کہ اُردو زبان میں مثنوی رومی کی اس سے بہتر شرح موجود نہیں۔ اس شرح کے علاوہ آپ نے ''درِ مختوم'' کے نام سے مثنوی مولانا روم علیہ الرحمہ کا ایک حاشیہ بھی تحریر فرمایا اور فنِ حدیث میں ''کنز الآثار'' تالیف فرمائی۔

فنِ طب کے سلسلہ میں ''کلیدِ مطب''، ''بیاضِ کریمی''، ''مفرداتِ عرشیؒ''، ''اُصول علاج'' اور ''کلید عطاری'' ایسی متعدد کتابیں ترتیب دیں جن میں معمولاتِ مطب، نسخہ جات اور ادویہ مفردہ کے خواص و امزجہ اور دوا سازی کے اصول وطریق مفصل طور پر بیان کیے گئے ہیں۔

تحفۂ سعدیہ

یوں تو مثنوی مولانا رومؒ کی شرح بھی مضامینِ تصوّف کا ایک بحرِ ذخار ہے اور اس میدان کو ہمارے مؤلف رحمۃ اللہ علیہ نے بڑی خوبی اور کامیابی کے ساتھ سَر کیا ہے، لیکن تصوّف کے سلسلے میں آپ کی گرانقدر تالیف ''تحفۂ سعدیہ'' ایک ایسی عظیم الشان ہستی کے تعارف و حالات پر مشتمل ہے جن سے مؤلف موصوف نے خود بھی کسبِ فیض کیا اور پھر اُن کی وساطت سے طریقۂ نقشبندیہ مجددیہ کے عرفان کی منازل کو طے کیا۔ گویا عالمِ تصوّف میں شرحِ مثنوی اگر جبتیؔ کا اظہار ہے تو ''تحفۂ سعدیہ'' ایک حد تک آپ بیتی کا بیان ہے۔

مؤلف کی تصنیفات و تالیفات میں سے یہی مذکورہ بالا اُنیس (۱۹) رسائل و کتب ہیں جو ہمیں دستیاب ہو سکے۔ اگر اُن کی تصنیف کردہ شرح مثنوی کی ہر جلد کو الگ شمار کیا جائے تو تعداد ۳۹ ہو جاتی ہے۔ جناب حکیم مہر محمد صاحب مدظلہٗ (کاموئکی منڈی، ضلع گوجرانوالہ) سے معلوم ہوا ہے کہ آپ کی تصنیفات و تالیفات کی تعداد بہتر (۷۲) تک پہنچتی ہے۔ راقم الحروف حکیم صاحب کا تہِ دل سے شکر گزار ہے کہ انہوں نے عرشی مرحوم کے احوال و آثار مرتب کرنے میں اس کی مدد فرمائی۔

اخلاق و کردار

آپ نہایت علم دوست اور پابند سنت تھے۔ درس و تدریس سے والہانہ ربط تھا۔ طب اور اس کی جزئیات پر کامل عبور تھا۔ اخلاقِ عالیہ اور خلوص و وفا اُن کی سیرت و کردار کے امتیازی نشان تھے۔ رزقِ حلال حاصل کرنا اور اسے جائز مصارف میں لانا آپ کی زندگی کا اُصول تھا۔ اہلِ تقویٰ کے شعار کو ملحوظ رکھتے ہوئے لباس اور وضع قطع میں اس قدر سادگی پسند تھے کہ ان کے بعض ملاقاتی انہیں پہچاننے میں دھوکا کھا جاتے تھے۔ اکثر احباب کسی اہلِ مجلس کو مولانا عرشی سمجھتے ہوئے اس سے مصافحہ کر کے بیٹھ جایا کرتے تھے، یا پوچھا کرتے تھے کہ آپ میں عرشی صاحب کون سے ہیں؟ خلقِ خدا سے معاملات میں آدابِ شرعی کا لحاظ رکھنا اُن کی فطرتِ ثانیہ بن چکا تھا۔ نہایت نیک نفس، خوش خلق، متواضع اور دیانت دار انسان تھے۔ شدید احتیاج کے وقت بھی قریبی احباب میں سے کسی کا دست نگر ہونا عار سمجھتے تھے اور اپنی شانِ استغنا ہمیشہ برقرار رکھتے تھے۔ اگر بر سبیلِ تذکرہ احباب کو اُن کی کسی ضرورت کا احساس ہو جاتا تو یہ ایک علیحدہ بات تھی مگر بہ حیثیت استمداد کسی کے سامنے لب کشائی ان کی ذات سے بعید تھی۔ ذکر و شغل اور مراقبہ کی پابندی ہر حال میں پیشِ نظر رہتی تھی۔ آپ کے مواعظِ حسنہ کا سلسلہ لوگوں کو اُمورِ شریعت و طریقت کی طرف متوجہ کرنے اور اُن پر عمل کرنے کے لیے برابر جاری رہتا تھا۔

اظہارِ حق میں جرأت

شہر میں ہندو، بنیے اور مہاجن سودی کاروبار کرتے تھے۔ اس ننگِ انسانیت طبقے کا

بکار زیادہ تر مفلس اور قلاش مسلمان ہوا کرتے تھے۔ اس لیے آپ اپنے مواعظ میں خاص طور پر اس امر کا التزام کرتے تھے کہ سود کے لین دین سے مسلمانوں کو نفرت دلائی جائے۔ بینک کے سود سے بھی منع کیا کرتے تھے۔ ہر چند حکام ریاست اور مہاجنوں کو آپ کا طرز عمل سخت ناگوار گزرتا تھا مگر آپ کسی ناسقاف قوت کو خاطر میں نہ لاتے ہوئے مسلمانوں کو سود کی کاروبار سے، جسے خدا اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جنگ کرنے کے مترادف قرار دیا گیا ہے، ہمیشہ روکتے تھے۔ سلف صالحین کی سنت پر عمل کرتے ہوئے ایک غیر مسلم اور متعصب حیثیت میں احکام شرعیہ کی برملا تبلیغ کرتے تھے۔

واقعۂ بیعت

مؤلف موصوف نے اپنی بیعت کا واقعہ آغاز رسالہ میں عجب والہانہ انداز کے ساتھ تحریر کیا ہے۔ تاریخ بیعت تو ذکر نہیں فرمائی، البتہ خانقاہ سراجیہ میں آپ کی حاضری پہلی مرتبہ ۲۳ شوال ۱۳۵۰ھ بروز چہارشنبہ ہوئی۔ بیعت کا شرف اس تاریخ سے پیشتر مالیر کوٹلہ میں مستری ظہور الدین رحمہ اللہ کے مکان پر حاصل ہو چکا تھا۔ مستری صاحب موصوف ہی نے آپ کو اس طرف توجہ دلائی تھی۔ چنانچہ مؤلف محترم نے زیر عنوان ''خوش قسمتی کا پہلا دن'' یہ رقم فرمایا ہے:

> ''یہ وہ دن تھا جب برادر طریقت مستری ظہور الدین صاحب کا ایک خط بدیں مضمون مجھے ملا کہ عالی حضور (مرشدنا ومولانا ابوالسعد احمد خان) دامت برکاتہم کوٹلہ تشریف فرما ہیں۔ تمہیں حاضر ہو کر ضرور بہرہ اندوز سعادت ہونا چاہیے۔''

مستری صاحب مرحوم کے اس جملہ نے مؤلف موصوف کے قلب مضطرب میں ایک تحریک پیدا کر دی اور آپ اگلے ہی روز مالیر کوٹلہ کی طرف چل پڑے۔ موٹر پر سوار ہوتے ہی حضرت اعلیٰ قدس سرہ کی طرف سے غائبانہ توجہ اور فیضان کا احساس ہونے لگا۔ لکھتے ہیں:

> ''دھنولہ، برنالہ کی وہی پامال سڑک جہاں روز آنا جانا رہتا تھا، آج نہ معلوم

اس کا اتصال کس جنت النعیم سے تھا کہ عطر بیز ہوائیں برابر میرے مشامِ روح کو معطر کر رہی تھیں۔"

نسیم کوئے تو از لطف می برد ہر دم
غمے کہ بر دلِ ایں جانِ فگار می گزرد

اگرچہ مؤلف موصوف ابھی تک کسی بزرگ کے حلقۂ ارادت و بیعت میں شامل نہ ہوئے تھے مگر مرشد کامل اور رہنمائے حقیقت کی طلب کا جذبہ آپ کے دل کو بے چین کیے رکھتا تھا۔ دوسری طرف ظاہر پرست اور دنیا طلب پیروں کا انبوہِ کثیر بھی نظروں میں تھا جو ایک شیخِ کامل اور صاحبِ ولایت تک رسائی حاصل کرنے میں ہنوز حائل تھا۔ اب جو حضرتِ اعلیٰ کی خدمت میں حاضری کی سعادت نصیب ہوئی تو فرمایا:

"دل نے باور کرلیا کہ جس نادیدہ و ناشنیدہ منزلِ مقصود کے لیے میں برسوں سے سرگرمِ سعی تھا، وہ یہی تھی۔"

غرض حاضری سے اگلے ہی روز داخلِ طریق ہوگئے اور شیخ کی پہلی نگاہِ التفات نے جو اثر کیا اُس کا بیان انہی کے الفاظ میں سنیے:

حضرت المرشد کی پہلی نگاہِ التفات نے قلبِ ہائم (سرگرداں) کو اطمینانِ دائم بخش دیا۔ یہ دو شعر اُسی ساعت کی یادگار ہیں:

بہ شہر کوٹلہ مردے بدیدہ ام کہ مپرس
بجانِ خویش کسے برگزیدہ ام کہ مپرس
چہ روزہا بسر آمد مرا بہ تشنہ لبی
کنوں بآبِ حیاتے رسیدہ ام کہ مپرس

فرماتے ہیں کہ میں نے شہر مالیر کوٹلہ میں جس مردِ خدا کو پایا ہے نہ پوچھو کہ وہ کس شان کا مالک ہے۔ میں نے دل و جان سے جس ہستی کا انتخاب کیا ہے مجھ سے اس کے کمالات کی تفصیل نہ پوچھو۔ روحانی تشنگی کے عالم میں بیشمار دن گزر چکے تب کہیں جا کر آج آبِ حیات تک رسائی نصیب ہوئی۔ اس کی دل نوازی و جاں پروری کا حال کیا پوچھتے ہو؟

غرض بیعت اور اس کے پاکیزہ ثمرات سے فیضیاب ہو کر مؤلف موصوف جلد ہی اپنے وطن قصبہ اشتولہ واپس تشریف لے گئے۔ لکھتے ہیں:

”پیچھے وطن میں ایک مسجد کی توسیع و تعمیر کا کام چھیڑ رکھا تھا اس لیے جلدی اجازت لے کر وطن جانا پڑا اور قرار پایا کہ تربیت باطن کے حصول کی غرض سے پھر کبھی ایک خاص مدت کے لیے خانقاہ شریف حاضر ہوں گا۔“

لیکن جب آتش شوق بھڑک اٹھتی ہے تو پھر بجھائے نہیں بجھتی۔

عشق پر زور نہیں ہے یہ وہ آتش غالب
کہ لگائے نہ لگے اور بجھائے نہ بجھے

فرقت کے ان ایام میں حضرت اعلیٰ قدس سرہٗ سے مراسلت جاری رہی۔ شیخ کامل بھی جب کسی جوہر قابل کو دیکھ لیتا ہے تو اس کی تربیت کا جذبہ اسے بھی بے تاب و مضطرب بنا دیتا ہے۔ پھر اس کی توجہ کی حرارت طالب کے وجود میں ما سوا اللہ کی ہر قوت کو جلا کر راکھ کر دیتی ہے۔ مؤلف کے خطوط میں شوق و طلب کا اظہار برابر ہوتا رہا اور حضرت اعلیٰ قدس سرہٗ کے مکاتیب شریفہ میں اس سوز و تپش کو تیز تر کرنے کا سامان بہم پہنچایا جاتا رہا۔ البتہ دنیوی مشاغل کی نوعیت ہی ایسی ہے کہ ہر چند ان میں بعض دینی امور بھی شامل ہوں پھر بھی وہ ایک اچھے خاصے صاحب عزم انسان کو تردد و انتشار میں ڈال دیتے ہیں۔ کچھ ایسا ہی معاملہ ہمارے مؤلف مرحوم کو اس وقت درپیش تھا کہ تعمیر مسجد کا عذر خانقاہ شریف حاضری دینے میں رکاوٹ بنا ہوا تھا۔ شیخ و مرید کے درمیان جو خط و کتابت ان چند ایام کے دوران ہوئی وہ کچھ اسی مضمون کی تھی کہ شیخ کی طرف سے بتقاضائے شفقت جلد آنے کی ہدایت ہوتی تھی اور مرید کی طرف سے تعمیر مسجد کا عذر تھا اور فراغت میسر آنے کے بعد حاضری کا قصد ظاہر کیا جاتا تھا۔ جب اس تاخیر نے طول پکڑا تو جذبۂ شفقت نے شیخ کے قلم سے وہ جملہ بھی لکھوا دیا جسے پڑھ کر مؤلف مرحوم حاضری کے لیے بے تاب ہو گئے۔ اس کیفیت کا بیان انہی کے الفاظ میں سنیے:

آخری مکتوب شریف کا ایک جملہ یہ تھا کہ:

''اگرچہ تعمیر مسجد ایک بڑی فضیلت ہے مگر تہذیب اخلاق اور تزکیۂ نفس جو
بحقیقت تعمیر باطن ہے اس سے بدارج افضل اور مقدم تر ہے۔''

اس ارشاد پر مؤلف موصوف کا تاثر:

''یہ ارشاد پا کر مجھے تاب تاخیر نہ رہی اور بعجلت تمام عازمِ خانقاہ شریف
ہوا۔ ۲۳؍شوال ۱۳۵۰ھ چہار شنبہ کا دن تھا کہ خداوند تعالیٰ کے فضل وکرم
سے اس غریب الوطن کو اپنے مرشدِ کامل کے متبرک وطن کی خاکِ پاک پر
سجدۂ شکر بجالانے کا شرف حاصل ہوا۔''

وہاں پہنچ کر کیا نقشہ دیکھا اور کیا کیا کوائف واحوال قلب وروح پر طاری ہوئے اُن کا اظہار کچھ مؤلف مرحوم نے ''کیا دیکھا'' کے زیرِ عنوان اپنے فصیح وبلیغ فارسی قصیدہ میں کیا ہے، جسے ناظرین رسالۂ مذکور میں ملاحظہ فرما کر لطف اندوز ہوں گے۔

حاصلِ کلام یہ کہ ہمارے مؤلف آغازِ سلوک ہی سے ایک خاص جذبہ وکیف کے ساتھ شیخ کی خدمت میں حاضر ہو کر کسب فیض کرتے رہے۔ وطن واپس جانے کے بعد بذریعۂ مکاتیب عرضِ احوال کر کے اسباقِ طریق حاصل کرتے رہے۔ رفتہ رفتہ وہ منزل بھی آگئی کہ شیخ نے اجازتِ طریقہ پاک سے سرفراز فرمایا۔

اصلاحِ نفس اور کرامتِ شیخ کا ایک واقعہ

بعض دوستوں سے ذکر فرمایا کہ سلوک کے ابتدائی دور میں ایک بار خانقاہ شریف
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]

سن کر شرمندگی سے زمین میں گڑ گیا۔ چنانچہ زردہ پلاؤ آ گیا اور کھا بھی لیا، عرصہ دراز تک شرمسار رہا۔ شیخ کے کشف وکرامت کا یہ منظر دیکھ کر ایسی ہیبت اور رعب طاری رہا کہ بیان سے باہر ہے۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے تزکیۂ نفس کے سلسلہ میں میری مدد فرمائی۔

تبلیغ طریقہ

مؤلف موصوف چونکہ حضرت شیخ کی حیات ہی میں منازلِ سلوک معتدبہ درجات و مقامات تک طے فرما کر طریقہ نقشبندیہ کی تبلیغ وترویج کے مجاز قرار دیے جا چکے تھے، لہٰذا سلسلۂ عالیہ کی تبلیغ میں سرگرم رہنا ان کے فرائضِ منصبی میں شامل تھا۔ چنانچہ آپ کی رہنمائی سے سینکڑوں طالبانِ حق متوجہ خانقاہ شریف ہوئے اور حضرت اعلیٰ قدس سرہٗ کے فیوض و برکات سے بہرہ ور ہوئے۔ اعلیٰ حضرت قدس سرہٗ کی وفات حسرت آیات ۱۳۶۰ھ میں ہوئی۔ اس طرح ہمارے مؤلف محترم کو شیخ کامل سے تکمیلِ سلوک کے لیے دس سال کا عرصہ نصیب ہوا۔ صوفیائے کرام نے ایک متوسط سالک کی تکمیل کے لیے اتنی ہی مدت کا تعین کیا ہے۔ حضرت شیخ کے وصال کے بعد آپ کا تعلق اگرچہ خانقاہ پاک سے بدستور رہا مگر کثرتِ آمد ورفت کا وہ سلسلہ نہ رہا جو شیخ قدس سرہٗ کے زمانۂ حیات میں تھا، لیکن آپ اپنے مقام پر اسی طرح استقامت واخلاص کے ساتھ معمولاتِ طریقہ عالیہ بجالاتے رہے اور معارفِ سلسلہ کی ترویج واشاعت میں کوشاں رہے۔

زندگی کے آخری ایام

تقسیم ہند کے بعد وہ خونیں انقلاب رونما ہوا جس کی نظیر تاریخ عالم میں نہیں ملتی۔ جیسا کہ سابقاً مذکور ہوا، آپ مسلمانوں کی دینی ودنیوی خیرخواہی کو ہر عمل پر مقدم سمجھتے تھے اور انہیں سودی کاروبار سے منع کرتے رہتے تھے۔ پھر اس سے بڑھ کر یہ کہ حکام وقت کے ظلم و ستم کے خلاف ہمیشہ اپنی آواز بلند کرتے تھے۔ ایسا کلمۂ حق چونکہ زندگی کا دستور تھا اس لیے آپ حکام ریاست کی نظروں میں ایک انقلابی رہنما تصور کیے جاتے تھے۔ سود خوار ہندو اور سکھ آپ کو ایک متعصب مسلمان سمجھتے تھے۔ تقسیم کے بعد جب قتل وکشت کا مرحلہ آیا اور کفار نے بے دریغ مردوں، عورتوں اور معصوم بچوں کو تہ تیغ کرنا شروع کر دیا تو اس وقت

آپ اپنے ساتھیوں کی ہمت افزائی کرتے رہے اور اہل اسلام کو ہلاکت وخونریزی کے اس دھارے سے بچانے کی کوشش میں اپنی تمام قوتوں کو بروئے کار لاتے رہے۔ آپ نے یہ تلقین شروع کر دی کہ اگر دشمن تم پر ہتھیار اٹھائے تو تم بھی دلاوری و پامردی سے اس کا مقابلہ کرو اور اسے کیفر کردار تک پہنچاؤ۔ اگر اللہ کی راہ میں گردن کٹ جائے تو اسے سرخروئی کی دلیل سمجھو اور کسی صورت اپنے آپ کو بے دین قوم کے حوالے نہ کرو۔ غرض آپ اپنے ساتھیوں سمیت کفار سے دست بدست لڑتے رہے، تا آنکہ بمقام مٹھو منڈی بڈالوالی علاقہ ریاست نابھہ میں جام شہادت نوش کیا۔ وَلَا تَقُولُوا لِمَنْ يُقْتَلُ فِي سَبِيلِ اللَّهِ أَمْوَاتٌ ۚ بَلْ أَحْيَاءٌ وَلَٰكِن لَّا تَشْعُرُونَ.

بنا کردند خوش رسمے بخون و خاک غلطیدن
خدا رحمت کند ایں عاشقان پاک طینت را

زمین نے اہل اللہ کے خون سے اپنی تاریخ دہرائی اور چشم فلک نے اس جانگداز منظر کو دیکھا۔ بلاشبہ اس خطۂ زمین کا ہر وہ ذرہ جو آپ اور آپ کے ساتھیوں کے خون سے رنگین ہوا، حشر تک آپ کی شجاعت پر شاہد رہے گا، اور آپ کے علو درجات کے لیے خالق ارض و سما کی بارگاہ میں بزبان حال دعا کرتا رہے گا۔

نذیر عرشی عارف و عالم و فقیہ وحید
بریدہ ز اہل جہاں کسوت ابد پوشید
بہ فیض صحبت پیر طریقت احمد خان
ز خاک تیرہ بہ عرش کبریا برسید

اکابر موسیٰ زئی شریف کے مختصر حالات

خانقاہ سراجیہ مجددیہ، کندیاں، ضلع میانوالی درحقیقت خانقاہ احمدیہ سعیدیہ موسیٰ زئی شریف کی ایک مثمر، فیض رساں اور بہار افزا شاخ سر بلند ہے جس نے حضرات اکابر موسیٰ زئی شریف رحمہم اللہ تعالیٰ کی روحانی تعلیمات اور ان کی تبلیغ واشاعت کا فریضہ وسیع پیمانے پر سنبھال رکھا ہے۔ خانقاہ موسیٰ زئی شریف کے بانی حضرت خواجہ حاجی دوست محمد قندھاری قدس سرہ العزیز ہیں۔ ان کے جانشین حضرت خواجہ محمد عثمان دامانی رحمۃ اللہ علیہ ہوئے۔ بعد ازاں آپ کے فرزند گرامی قدر خواجہ سراج الدین رحمہ اللہ نے مسند ارشاد کو زینت بخشی۔ ان حضرات ثلاثہ کے مبارک اور سعادت آفریں دور میں ایک جہان اکابر نقشبندیہ مجددیہ کے بے پایاں فیوض و برکات سے بہرہ ور ہوا۔ خصوصاً حضرت خواجہ سراج الدین قدس سرہ کے عہد مبارک میں خانقاہ موسیٰ زئی شریف کی عظمت وشان نقطۂ عروج پر تھی۔ بے شمار طالبانِ حق اطراف واکناف ہند وکابل، خراسان وقندھار وغیرہ سے حصول فیض کے لیے آپ کے آستانہ عالیہ پر ناصیہ فرسا ہوئے اور اپنا دامن مراد کمالات مجددیہ کے گوہر ہائے آبدار سے بھر کر اپنے اپنے وطن واپس لوٹے۔ پھر ان حضرات نے اپنے گردوپیش کے تمام علاقوں کو عرفان الٰہی سے سیراب کیا۔

حضرت خواجہ سراج الدین رحمہ اللہ نے اپنے زمانۂ مبارک میں شریعت وطریقت کی ترویج جس انداز پر فرمائی، بحمد اللہ حضرت اعلیٰ قدس سرہٗ نے خانقاہ سراجیہ میں اسی طریق کو اپنایا اور فروغ بخشا جس کے نتیجہ میں اس خانقاہ عالیہ نے ایک مرکزی حیثیت حاصل کر لی۔ چونکہ اس چشمۂ عرفان کا تعلق اکابر موسیٰ زئی شریف کے خرمنِ کمال سے ہے اور یہ گوہر نایاب اسی معدنِ فیض سے منسوب ہے، اس لیے تحفۂ سعدیہ کی اشاعت ثانیہ کے وقت حضرت اقدس سیدنا ومولانا ابوالخلیل خان محمد صاحب مدظلہ العالی نے ارشاد فرمایا کہ حضرات

موسیٰ زئی شریف کا ذکر خیر بھی تیمناً وتبرکاً رسالۂ مذکور کے آغاز میں بالاختصار ہونا چاہیے، لہٰذا ہم بطور ضمیمہ ان حضرات ثلاثہ کے احوال وآثار شامل رسالہ کرتے ہیں۔

مسودات حضرت قاضی شمس الدین صاحب مدظلہٗ کے مرتب کردہ ہیں۔ راقم الحروف نے ان مسودات کو صاف کیا اور مناسب مقامات کی تشریح وتوضیح کردی ہے۔

خاکپائے اکابر مجددیہ
محمد محبوب الٰہی عفی عنہ

حالاتِ حضرت حاجی دوست محمد قندھاری رحمۃ اللہ علیہ

حضرت حاجی صاحب قبلہ قدس سرہٗ کی ولادت باسعادت ۱۲۱۶ھ میں قندھار کے قریب اپنے آبائی قریہ میں ہوئی۔ جب ہوش سنبھالا تو تحصیلِ علم کا شوق دامن گیر ہوا۔ سب سے پہلے قرآن مجید پڑھا اور اس کے بعد عربی و فارسی زبان میں دینی علوم کا آغاز کیا۔ ابھی ظاہری علوم سے فراغت حاصل نہ کر پائے تھے کہ عرفانِ الٰہی کا جذبہ پیدا ہوا جو فطرت نے روزِ ازل سے آپ کی سرشت میں ودیعت کر رکھا تھا۔ چنانچہ حضرت والا اپنے خود نوشت سوانح میں یوں فرماتے ہیں:

"ابتدائے عمر ہی سے فقیر کو اہل اللہ اور عارفانِ حق سے ایک خاص قسم کا اُنس رہا ہے۔ اگرچہ شروع میں ظاہری علوم کی مشغولی فقراء کے زمرہ میں شامل ہونے سے مانع تھی لیکن پھر بھی جب کسی بزرگ اور عارف باللہ کا علم ہوتا، ان کی خدمت میں حاضر ہو کر اپنے حق میں دعا کی درخواست کیا کرتا تھا۔"

اس کے بعد حاجی صاحب قبلہ یوں رقم طراز ہیں:

تلاشِ حق

کابل میں قیام کے دوران عجیب و غریب کشمکش سے گزر رہا تھا کہ ایک طرف میلانِ طبع اہل اللہ کی جانب تھا اور دوسری طرف تحصیلِ علم کا شوق پابند مدرسہ رکھنا چاہتا تھا۔ فقیر نے ابھی صرف و نحو کی چند کتابیں اور منطق کے بعض رسالے پڑھے تھے کہ درسی علوم سے طبیعت اچاٹ ہو گئی۔ اسی اثنا میں ایک روز رات کے وقت میرے سینہ میں ایسا درد اُٹھا کہ جس کی شدت سے بے ہوش ہو گیا۔ بے ہوشی کی یہ کیفیت جیسا کہ دیکھنے والوں نے بعد

۱۔ اس سے معلوم ہوا کہ آپ نے درسی علوم ابتدائی طور پر علمائے کابل کی خدمت میں رہ کر حاصل کیے اور علوم عربیہ کی تکمیل بیعت کے بعد کی۔ (محبوب الٰہی عفی عنہ)

میں بتایا، مسلسل تیرہ دن تک طاری رہی۔ پھر خود بخود ہوش آگیا۔ اس وقت زبان پر بے ساختہ ''اللہ ھو'' اور ''سبحان اللہ'' کا ورد جاری تھا۔ یہ ذکر کبھی آہستہ اور کبھی بآوازِ بلند جاری رہتا تھا۔ ہونٹوں پر کبھی نالہ ہائے جاں گداز ہوتے تھے اور کبھی پُردرد آہیں بھرتا تھا۔ کچھ سمجھ میں نہ آتا تھا کہ اس کیفیت کا باعث کیا ہے اور اس کا انجام کیا ہوگا؟ اس زمانہ میں پشاور کے مضافات میں کسی بزرگ کے بارے میں علم ہوا۔ ان کی خدمت میں حاضر ہوا۔ ان کی صحبت سے وہ ذوق وشوق جو ذکر کے جاری ہونے کے باعث مجھے نصیب ہوا تھا، بلکہ ختم ہوگیا اور اس کی بجائے باطنی اضطراب و ہیجان پیدا ہوگیا۔ آخرکار اس بے چینی کے ہاتھوں تنگ آکر یہ ارادہ کرلیا کہ جس طرح ممکن ہو بغداد شریف جاکر حضرت غوث الثقلین شیخ سید عبدالقادر جیلانی قدس سرہ العزیز کے دربارِ اقدس میں حاضری دوں، شاید وہاں سے درد کا مداوا حاصل کرسکوں۔ چنانچہ رختِ سفر باندھا اور بغداد شریف پہنچ کر حضرت غوث الاعظم کے مزارِ مبارک پر حاضر ہوا۔ فاتحہ پڑھی، دعائیں مانگیں۔ لیکن وہ بے چینی اور اضطراب بدستور باقی رہا۔

جانم بلب رسید کجائی بیا بیا
وقت است گر بپرسشم آئی بیا بیا

تلاشِ مرشد میں سرگردانی اور بشارت

چند روز بغداد شریف قیام کرنے کے بعد جب اس جانگداز کیفیت نے چین سے نہ بیٹھنے دیا تو بامرِ مجبوری وہاں سے کردستان کے شہر سلیمانیہ پہنچا۔ وہاں قیام کے دوران کسی شخص نے مجھے شیخ عبداللہ ہروی رحمۃ اللہ علیہ کے متعلق بتایا کہ خطۂ ہرات میں ان کی بزرگی و ولایت کی بہت شہرت ہے اور اُن کا تذکرہ زبان زدِ خاص و عام ہے۔ میں فوراً سلیمانیہ سے چل کر ہرات پہنچا اور دو تین ماہ شیخ موصوف کی خدمت میں گزارے، مگر اضطرابِ باطن روز بروز افزوں ہوتا چلا گیا۔ بالآخر حضرت شیخ عبداللہ ہروی نے میری زبوں حالی دیکھ کر ارشاد فرمایا کہ تم حضرت شاہ ابوسعیدؒ صاحب کی خدمت میں دہلی چلے جاؤ، وہاں تمہیں سکون نصیب ہوگا۔ لیکن سفرِ دہلی کے بارے میں کچھ فیصلہ نہ کرپایا تھا کہ اسی تذبذب کے عالم میں

بار دیگر بغداد کا رُخ کیا اور شیخ محمد جدیدؒ کی خدمت میں حاضر ہوا، وہاں کچھ دن قیام کے بعد بصرہ چلا گیا اور حضرت حسین دوسریؒ بصری کی خدمت میں مسلسل سات مہینے مقیم رہا۔

وہاں سے براہِ خشکی متعدد شہروں میں گھومتا پھرتا رہا۔ ہر جگہ، ہر شہر کے بزرگوں کی زیارت کی اور اُن سے طالبِ دعا ہوا۔ آخر کار شہرِ قلات نصیر خان پہنچا۔ یہاں اس اضطراب انگیز کیفیت نے پھر جوش مارا۔ بارگاہِ الٰہی میں عجز و نیاز کے ساتھ گریہ زاری کی اور خشوع و خضوع کے ساتھ استخارے کیے جن کے نتیجے میں متعدد بشارت آمیز خواب دیکھے اور اب مصمم ارادہ کر لیا کہ حضرت شاہ ابوسعیدؒ دہلوی کی خدمت میں باریابی حاصل کی جائے۔ براہِ بمبئی دہلی کے قصد سے روانہ ہوا۔ بمبئی پہنچا تو معلوم ہوا کہ حضرت شاہ صاحبؒ سفرِ حج کی نیت سے یہاں تشریف لائے ہوئے ہیں اور جہاز کے انتظار میں شہر بمبئی ہی میں قیام پذیر ہیں۔ یہ خبر سن کر بیحد مسرت ہوئی۔ فوراً حضرت شاہ صاحبؒ کی خدمت میں حاضر ہوا اور بیعت کی درخواست کی جو حضرت والا نے قبول فرمائی۔ ایک دن موقع پا کر حضرت شاہ صاحبؒ کی خدمت اقدس میں سارا ماجرا از اوّل تا آخر بیان کر ڈالا، جسے سن کر آپ نے فرمایا، تمہاری باطنی کشائش کے لیے وقت درکار ہے۔ میں حج پر جا رہا ہوں اور روح کی تمام لطافتیں سرزمینِ حجاز کی طرف مرکوز ہیں، لہٰذا اس قلبی اضطراب کی تسکین کے لیے دہلی جا کر میرے فرزند احمد سعید کی صحبت اختیار کرو اور اُن سے کسب فیض کرتے رہو، یا پھر بمبئی ٹھہر جاؤ اور میری واپسی کا انتظار کرو۔

بارگاہِ مرشد میں رسائی

میں نے پہلی شق کو ترجیح دی کہ دہلی جا کر حضرت شاہ احمد سعید صاحبؒ کی خدمت میں رہنمائی مناسب ہوگا۔ بمبئی ویسے بھی ایک ایسا شہر تھا جہاں کسی سے میری شناسائی نہ تھی اور موسم گرما کی شدت بھی ناقابل برداشت تھی۔ چنانچہ بمبئی سے دہلی کے لیے روانہ ہو گیا۔ سفر کے دوران ایک رات خواب دیکھا کہ حضرت شاہ صاحب قبلہ تشریف فرما ہیں اور مجھ سے یوں مخاطب ہیں:

قرۂ دل ما احمد سعید۔ یعنی تم ہمارے خلیفہ ہو۔

صبح کو بیدار ہوا تو دل نے دہلی کی طرف شدید کشش محسوس کی۔ الغرض دہلی پہنچ گیا۔ خانقاہ مظہریہ میں داخل ہوتے ہی شیخ طریقت، امامی و مرشدی حضرت شاہ احمد سعید صاحب کے روئے انور پر نظر پڑی اور آپ کی زیارت و برکت سے سابقہ تردد و انتشار لمحہ بھر میں کافور ہو گیا۔ دل میں ایک انقلاب آچکا تھا۔ اب اضطراب راحت میں اور بے قراری سکون میں بدل چکی تھی:

منم کہ دیدہ بدیدار دوست کردم باز
چہ شکر گویمت اے کار ساز بندہ نواز

حضرت والا کے دستِ مبارک پر تجدید بیعت کی۔ ایک سال دو ماہ اور پانچ روز آپ کی خدمت اقدس میں رہا۔ حضرتِ ممدوح نے اس قلیل مدت میں فقیر کو طریقہ نقشبندیہ، قادریہ اور چشتیہ کی نسبتوں سے سرفراز فرمایا اور ہر سہ سلاسل میں خرقۂ خلافت عطا کیا۔

محبتِ شیخ

آپ کے سوانح حیات میں یہ واقعہ صراحت کے ساتھ مذکور ہے کہ آپ کو اپنے شیخ حضرت شاہ احمد سعید قدس سرہٗ سے اس قدر والہانہ عقیدت تھی کہ شیخ کی جوتیاں اٹھا کر اپنے سر پر رکھتے، انہیں آنکھوں سے لگاتے اور فطرتِ رقت سے دیر تک روتے رہتے تھے۔

خاکروبوں کی کمی کسی شہر میں نہیں ہوا کرتی۔ یہاں بھی حضرت کے ہاں بیت الخلاء کی صفائی کے لیے خاکروب مقرر تھا۔ مگر دہلی میں اپنے قیام کے دوران حضرت حاجی صاحب قدس سرہٗ شیخ کے ذاتی بیت الخلاء کی صفائی خود اپنے ہاتھ سے کیا کرتے تھے اور اسے اپنے لیے موجب افتخار و شرف سمجھتے تھے۔ سبحان اللہ! نیاز مندی و انکساری کا یہ مقام کسے میسر آسکتا ہے؟ حقیقت یہ ہے کہ رابطۂ محبت ایک ایسی چیز ہے کہ وہ محب کو محبوب کی ذات میں فنا کر دیتا ہے۔ اس بے پناہ عقیدت کے پیش نظر شاہ صاحب قبلہ بھی حضرت حاجی صاحب کے ساتھ اپنی محبت کا تذکرہ ان الفاظ میں فرمایا کرتے تھے:

> ”حاجی صاحب نے جو کچھ پایا ہے وہ انہیں میری محبت کے طفیل ملا ہے اور مجھے جو محبت ان کے ساتھ ہے، متوسلین سلسلہ میں سے کسی اور کے ساتھ نہیں۔“

پیشگوئی اور بشارت

نیز حضرت شاہ احمد سعید صاحب قدس سرۂ حضرت حاجی صاحبؒ کے بارے میں فرمایا کرتے تھے کہ جس طرح حضرت شاہ غلام علی رحمۃ اللہ علیہ کے خلفاء میں مولانا خالد رومیؒ امتیازی حیثیت رکھتے ہیں اور اُن کے طفیل سلسلۂ عالیہ نقشبندیہ مجددیہ کا فیضان کثرت کے ساتھ خلقِ خدا کو پہنچا، اسی طرح حضرت حاجی صاحب ولایت میں ایک عظیم الشان مقام پر فائز ہوں گے اور لاکھوں افراد اُن کے رُشد و ہدایت سے بہرہ اندوز ہوں گے۔

اجازت نامہ میں کلماتِ مدح

قبلہ شاہ صاحب رحمہ اللہ نے جو تحریری اجازت نامہ بوقتِ رخصت حضرت حاجی صاحبؒ کو مرحمت فرمایا، اس میں آپ کی شان میں جو مدحیہ کلمات استعمال فرمائے ہیں، وہ ایک عارفِ کامل ہی اپنے باکمال جانشین کے لیے استعمال کرسکتا ہے۔ تحریر فرماتے ہیں:

فَصَارَ مَجْمَعَ الْاَنْوَارِ وَمَعْدِنَ الْبِحَارِ فَاَجَزْتُهٗ بِاِجَازَةٍ مُّطْلَقَةٍ.

ترجمہ: حاجی صاحب (بفضلہٖ تعالیٰ) انوارِ الٰہیہ کے جامع اور بحارِ معرفت کے منبع بن گئے ہیں۔ لہٰذا میں نے انہیں طریقہ کی کامل اجازت دے دی ہے۔

جائے قیام کی وصیت

جب حاجی صاحبؒ قبلہ شاد کام اور فائز المرام ہو کر اپنے شیخ سے رخصت ہوئے تو حضرت شاہ صاحب قدس سرۂ نے جائے قیام کے انتخاب کے لیے یہ وصیت فرمائی کہ آپ ایسی جگہ قیام کریں جو پشتو اور پنجابی دونوں زبانوں کے سنگم پر واقع ہو۔ مراد یہ کہ اس کے ایک جانب آباد علاقہ میں پشتو اور دوسری جانب پنجابی بولی جاتی ہو۔ گویا شاہ صاحب قبلہ کی نگاہِ پیش بیں نے دیکھ لیا تھا کہ مرید رشید صاحبِ کمالات اور جامع صفات ہے۔ نیز اُس کے انوارِ فیض خطۂ کابل و قندھار کے علاوہ پشتو اور پنجابی بولنے والے خطوں میں بھی پھیلیں گے، لہٰذا اس کا مرکزی مقام ایسی جگہ ہونا چاہیے جہاں مختلف تہذیب و ثقافت رکھنے والے لوگ بآسانی پہنچ سکیں۔ مرشدِ کامل کی پیشگوئی درست ثابت ہوئی اور ہزارہا گم گشتگانِ طریق نے حاجی صاحب قبلہ کے توسل سے دولتِ ایمان و آگہی پائی۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد للہ افضل الحمد واجلہ واعلاہ کما یلیق بجناب قدسہ تعالی
والصلوٰۃ والسلام علی سید الوریٰ کل حین و بحری وعلی آلہ الاتقیٰ
واصحابہ الاتقیٰ اما بعد باعث این سطور آنکہ از مدت آرزوی
زیارت حرمین شریفین زادہما اللہ شرفاً وکرامۃً در دل
بود حالا ارادۂ الٰہی سبحانہ آن متمم گردید و بنیت طواف
آنجا راسخ شد و متوجہ آنحدود مع اہل و عیال شدیم اللہ تعالی
از کرم خویش آنجا رساند لہذا در قوم پس ماندہ برادران خود کہ
در ہندستان و خراسان سکونت میدارند کہ بجای من مقبول
بارگاہ اللہ حاجی دوست محمد صاحب را کہ خلیفۂ من اند بدانند و
توجہات از ایشان گرفتہ باشند وہو خلیفتی و یدہ کیدی فطوبیٰ
لمن اقتدی بہ وہو خلیفتی علی الاطلاق بای طریق یامرکم فعلیکم
باستثالہ ولا یجوز لاحد ان یخالف حکمہ اللہم اجعلہ لنا سعیداً واجعلہ للناس
طرا علی سبیل الدوام والاستمرار و زد فی عمرہ و رشدہ و صلاحہ و
فلاحہ یارب العالمین بجاہ سید المرسلین صلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ
اجمعین ایرحم اللہ عبداً قال آمینا والسلام اولاً و آخراً

عکس مکتوب گرامی حضرت احمد سعید قدس سرہ

موسیٰ زئی کا انتخاب

حضرت حاجی صاحبؒ نے قریہ موسیٰ زئی کو اپنے قیام کے لیے منتخب فرمایا۔ آج کل وہاں پختہ سڑک جاتی ہے اور یہ مقام ڈیرہ اسمٰعیل خاں سے اکتالیس میل کے فاصلہ پر جنوب مغربی سمت پر واقع ہے۔ مشہور قصبہ درابن سے جنوب کی طرف اس کا فاصلہ تین میل ہے۔ یہ بستی واقعی پشتو اور پنجابی زبانوں کا سنگم ہے۔ اس کے مغرب کی طرف تمام علاقوں کی زبان پشتو ہے اور مشرقی سمت تمام علاقوں کی زبان پنجابی ہے۔ خود موسیٰ زئی شریف میں پنجابی اور پشتو دونوں زبانیں بولی اور سمجھی جاتی ہیں۔

قیام کے سلسلہ میں کرامت کا ظہور

حضرت حاجی صاحبؒ قبلہ نے اس جگہ کو اپنے قیام کے لیے پسند فرمالیا اور اپنے مریدانِ باصفا کی معیت میں پانی کی کمیابی کے پیشِ نظر موسیٰ زئی شریف کے مغرب میں ایک پہاڑی نالے کے کنارے ڈیرہ لگایا تاکہ خورونوش اور دیگر ضروریاتِ زندگی میں سہولت رہے۔ تھوڑے ہی عرصہ میں قبیلہ تاجوخیل کے لوگ آپ سے بیحد مانوس ہوگئے اور بہت سے داخلِ طریق بھی ہوگئے، لیکن دوسرے قبائل کے چند رئیسوں کو، جو اسی بستی میں رہتے تھے، آپ کا یہاں ٹھہرنا اور آپ کے درویشوں کا نالے کے پانی کو استعمال کرنا سخت ناگوار گزرا۔ انہیں حاجی صاحبؒ کے ساتھ تاجوخیل قبیلہ کی گرویدگی دیکھ کر آپ پر سختی کرنے کی ہمت تو نہ پڑتی تھی، البتہ اس فکر میں ضرور رہتے تھے کہ کوئی ایسا ذریعہ اور حیلہ ہاتھ آجائے کہ حضرت حاجی صاحبؒ اور آپ کے درویشوں کو اس جگہ سے بے دخل کر کے ہجرت پر مجبور کردیا جائے۔

اتفاقاً ایک روز ایک ہندو تحصیلدار دورہ کرتے ہوئے اُدھر آنکلا۔ مخالفین، جو موقع کی تلاش میں تھے، فریادی بن کر تحصیلدار کے پاس پہنچ گئے کہ ایک فقیر نے ہماری شاملاتِ دہ زمین پر قبضہ جما لیا ہے، اس کے ساتھ فقیروں کی ایک بڑی جماعت ہے۔ یہ سب ہمارے نالے کا پانی خراب کرتے ہیں۔ ہمارے کہنے پر یہ قبضہ نہیں چھوڑتے اور یہاں سے نہیں جاتے۔ اگر آپ ان فقیروں کو یہاں سے نکال دیں تو ہم احسان مند ہوں

گے۔ تحصیلدار اُن کی خاطر مدارات اور تکلف و چاپلوسی سے متاثر ہو گیا۔ فوراً گھوڑے پر سوار ہو کر بڑی آن بان کے ساتھ حضرت حاجی صاحبؒ قبلہ کے پاس آ دھمکا اور تحکمانہ لہجے میں کہا، ''فقیر صاحب! تم یہاں سے چلے جاؤ۔''

حاجی صاحبؒ نے اس کا یہ طمطراق دیکھ کر ذرا نرم لہجے میں اسے مخاطب کرتے ہوئے فرمایا، ''شیخ صاحب! ہم یہاں سے نہیں جائیں گے۔'' تحصیلدار ہندو تھا اور اہلِ اسلام کا خطاب ''شیخ'' سن کر وہ مزید طیش میں آ گیا اور مکرر تختی و ترش روئی کے لہجے میں کہا کہ تمہیں یہاں سے جانا ہوگا۔ اس کے اندازِ تکلم پر اب حاجی صاحبؒ قبلہ نے بھی قدرے سخت لہجے میں مگر اُسی شیخ صاحب کے لقب کے ساتھ ارشاد فرمایا کہ شیخ صاحب! ہمیں یہاں سے ہٹایا نہیں جا سکتا۔ تحصیلدار کی ہندوانہ رَگ پھڑکی، کیونکہ وہ اپنے لیے مسلمانوں کا خطاب بلفظِ شیخ بار بار گوارا نہ کر سکتا تھا۔ مزید تلخ و گستاخ لہجہ اختیار کرتے ہوئے کہا کہ میں ابھی زبردستی تمہیں یہاں سے نکال دوں گا۔ یہ سن کر حضرت حاجی صاحبؒ قبلہ کی غیرتِ فقر کو بھی جوش آ گیا۔ فرمایا، ''شیخ صاحب! کسی کی مجال نہیں جو فقیر کو یہاں سے ہٹا سکے۔'' یہ فرماتے ہوئے آپ نے ایک جلال انگیز نگاہ تحصیلدار پر ڈالی۔ نگاہ کا پڑنا تھا کہ تحصیلدار صاحب گھوڑے سے نیچے گر کر زمین پر تڑپ رہے تھے۔ حافظ شیرازیؒ نے اس مقام پر بجا ارشاد فرمایا ہے:

بس تجربہ کردیم دریں دارِ مکافات
با دردکشاں ہر کہ در افتاد، بر افتاد

یہ منظر دیکھ کر تحصیلدار صاحب کے ساتھ آنے والے پیادے اور قبیلے کے رئیس، جو اپنی مقصد برآری کے لیے تحصیلدار کو ورغلا کر لائے تھے، سخت گھبرا گئے اور اسے وہاں سے اٹھا کر اپنے گھر لے گئے۔ تھوڑی دیر بعد جب اسے کچھ ہوش آیا تو منت سماجت کے ساتھ کہنے لگا کہ مجھے انہی فقیر صاحب کے پاس لے چلو۔ چنانچہ وہ اسے حاجی صاحبؒ کے پاس لے آئے۔ یہاں آ کر سب سے پہلے اس نے اپنی بے ادبی و گستاخی کی معذرت پیش کی اور کہا کہ حضور! میں اسلام قبول کرنے کے لیے تیار ہوں، بشرطیکہ میری تین آرزوئیں پوری ہو

جائیں۔ وہ یہ کہ میری بیوی بھی حلقہ بگوشِ اسلام ہو جائے، میں اپنی جائیداد، ورثہ وغیرہ سے اسلام قبول کرنے کے بعد محروم نہ رہوں اور وہ بدستور مجھے مل جائے، اور آخر میں یہ کہ ملازمت بھی برقرار رہے۔ حضرتؒ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے تمہاری جمیع آرزوؤں کو بَر لائے گا۔ اس پر وہ مشرف بہ اسلام ہوا۔ اِدھر اُس نے اسلام قبول کیا تھا کہ گھر میں اس کی اہلیہ کو دِل کا شدید دورہ پڑا۔ تمام برہمن و ہندو اُس کے پاس گئے اور اس مرض کی مدافعت میں ہر ممکن کوشش کی مگر کوئی تدبیر راس نہ آئی۔ بالآخر کسی شخص نے اسے کلمہ طیبہ پڑھنے کے لیے کہا۔ وہ اپنی زبان سے کلمہ طیبہ کے الفاظ ادا ہی کر پائی تھی کہ درد جاتا رہا۔ اس طریق سے غائبانہ طور پر ہی اس نے اسلام قبول کر لیا۔ بعد ازاں حاجی صاحبؒ قبلہ کی کامل توجہ اور باطنی عنایت سے اس کی بقیہ آرزوئیں بھی پوری ہو گئیں۔

حضرت حاجی صاحبؒ قبلہ نے اس کا نام شیخ عبداللہ تجویز فرمایا۔ اب اس پر "شیخ صاحب" کے لقب سے بار بار مخاطب کرنے کی حکمت بھی ظاہر ہو گئی۔ شیخ عبداللہ نے مزید التماس کیا کہ مسلمان ہونے کے بعد سابقہ قومیت سے میرا کوئی علاقہ نہیں رہا، اس سلسلہ میں حضرتِ والا کا کیا ارشاد ہے؟ آپ نے فرمایا، آج سے تمہاری قومیت فقیر ہے۔ چنانچہ اس کی ذریت و اولاد آج تک فقیر کے لقب سے معروف ہے، جن میں فقیر فیض اللہ، فقیر ابوسعید، فقیر احمد سعید اور فقیر ابوالحسن خاص طور پر مشہور ہیں۔ حضرت حاجی صاحبؒ کی کرم نوازیوں سے آج تک ان کی نسل چلی آ رہی ہے۔

اہلِ قریہ کی کثرت سے رجوع

یہ حیرت انگیز کرامت دیکھ کر تمام اہلِ دہ، بلکہ مخالفین بھی آپ کی عظمت کے معترف ہو گئے اور حضرت حاجی صاحبؒ کی طرف رجوع کرنے پر مجبور ہو گئے اور بالاتفاق تمام اہلِ قریہ نے آپ کی تشریف آوری اور قیام کو اپنے لیے باعثِ خیر و برکت سمجھا۔ اس طرح خانقاہ احمدیہ سعیدیہ کی صورت میں رشد و ہدایت کا ایک عظیم مرکز قائم ہو گیا۔ یہ نام آج بھی تسبیح خانہ کی مرمریں لوحِ پیشانی پر کندہ ہے۔ اس مرکز کا قیام درحقیقت حضرت شاہ صاحب قدس سرہٗ کی پیشگوئی کا ثمرہ تھا اور جائے قیام کے انتخاب کرنے کی طرف جو اشارہ فرمایا تھا

یہ سب اس کی برکات تھیں۔

ترویجِ سلسلہ

بعدازاں اس تخمِ ہدایت نے، جو حضرت شاہ صاحبؒ کی توجہ عالی نے حضرت حاجی صاحبؒ کے ہاتھوں اس سرزمین میں بویا تھا، تھوڑے ہی عرصے میں اپنے شاخ و برگ پھیلا کر اطراف و جوانب کے وسیع علاقوں کو اپنے سائے میں لے لیا۔ فارسی، پشتو اور پنجابی بولنے والے تقریباً تمام ہی علاقے آپ کے ذکر وفکر سے مستفیض ہوئے، بلکہ جا بجا آپ کے تربیت یافتہ با کمال خلفاء نے اس دریائے معرفت سے ہر ذرۂ زمین کو، جو آتشِ فسق و فجور سے جل رہا تھا، سیراب کیا۔ رجوعِ خلق عام ہو گیا۔ عقیدت مندوں اور مریدوں کی تعداد لاکھوں تک پہنچ گئی جن میں سے سینکڑوں نے خرقۂ خلافت اور سندِ اجازت سے سرفرازی حاصل کی۔ یہ خلفاء بھی گویا اس شجرِ معرفت کی بارآور شاخیں تھیں، جنہوں نے ثمراتِ شریعت اور تجلیاتِ معرفت سے ہزارہا نفوس کو تنویرِ باطن عطا کی، حتیٰ کہ ان شاخوں سے نئی کونپلیں پھوٹیں اور وہ بھی سایہ گستری اور فیض رسانی میں اپنی اصل کی ممد و معاون ثابت ہوئیں۔ گویا چشمِ بصیرت، وَمَثَلُ كَلِمَةٍ طَيِّبَةٍ كَشَجَرَةٍ طَيِّبَةٍ أَصْلُهَا ثَابِتٌ وَّفَرْعُهَا فِي السَّمَآءِ کی تفسیر کا مشاہدہ کر رہی تھی۔ آپ کی حیاتِ مبارک ہی میں آپ کے خلفاء اور متبعین کا سلسلہ وسیع پیمانہ پر کابل، قندھار، ہرات اور اضلاع سرحد و پنجاب میں دور دور تک پھیلا اور یہ دائرہ وسیع تر ہوتا چلا گیا۔ حاجی صاحبؒ نے جو عریضہ حضرت شاہ صاحبؒ کی خدمت میں بھیجا اُس میں اپنے خلفاء کی تعداد سو کے قریب بیان کی ہے۔ آپ سراپا عجز و انکسار تھے۔ اپنے ارادت مندوں کا ذکر کرتے ہوئے بغرضِ اطلاع اس تعداد کو تحدیثِ نعمت کے طور پر تحریر فرمایا کرتے تھے۔ یہ عریضہ "مناقب احمدیہ سعیدیہ" اور آپ کے مجموعۂ مکتوبات میں شامل ہے۔

تربیتِ سالکین

آپ کا اندازِ تربیت وہی تھا جو آپ نے اپنے شیخ حضرت شاہ صاحبؒ کی صحبت میں رہ کر دیکھا اور آپ کی تربیت سے سیکھا تھا۔ معمولاتِ طریقۂ نقشبندیہ یعنی تلقینِ ذکر و

وظائف، توجہات شبانہ روز، لطائف و مراقبات، وعظ و تذکیر، سالکین کے احوال کی خبر گیری، ان پر غایتِ شفقت، تحریص وترغیب، ترویج سلسلہ میں سرگرمی اور اصلاح و تربیت میں گرم جوشی، الغرض جو محاسن وکمالات ایک کامل ومکمل خدا رسیدہ اور خدا رساں بزرگ کی شان کے شایاں ہیں، وہ سب کے سب آپ میں بدرجۂ اتم موجود تھے۔ تمام درویشوں کو آپ کے لنگر سے دونوں وقت کھانا ملتا تھا۔ طالبانِ حق ہر قسم کی دنیوی پریشانیوں سے آسودہ ہو کر تکمیلِ سلوک میں مشغول رہتے تھے۔ شریعتِ مطہرہ کا اتباع اور بدعات سے کامل اجتناب لوازمِ سلسلہ میں سے تھا۔ یہ آپ کی عظمتِ ولایت کا ادنیٰ کمال تھا کہ تمام وابستگانِ طریقہ پر ہمیشہ ہیبت طاری رہتی تھی اور کوئی فرد اپنے اوراد ووظائف میں تساہل نہ کر سکتا تھا۔ گاہے گاہے سالکین کے حجروں میں جا کر ان کے کپڑوں، کھانے پینے کے برتنوں اور کتابوں تک کا جائزہ لیا کرتے تھے کہ کوئی امر آدابِ طریقہ اور ضوابطِ خانقاہ کے منافی نہ ہونے پائے، جو انتشارِ توجہ کا موجب بنے۔

طریقت کے اصولوں میں یہ بات بہت اہم ہے کہ شیخ نے سالک کو جس ذکر وشغل پر کاربند رہنے کا حکم دیا ہے وہ اس سے سرِ مو تجاوز وانحراف نہ کرے۔ صلوٰۃ پنجگانہ اور فرائض و سنن سے فراغت کے بعد فکر ونظر کی تمام صلاحیتوں کو اپنے معمولات پر صرف کرے تا کہ یکسوئی اور جمعیتِ باطن حاصل کر سکے۔

لنگر سے جو غذا ملتی تھی وہ سادہ اور بقدرِ کفاف ہوتی تھی۔ خانقاہ میں کم خوردن، کم گفتن اور کم با خلق بودن کا اصول کار فرما تھا۔

ایک واقعہ

ایک افغان درویش نے، جو نوجوان وتنومند تھا اور لنگر کے کھانے کے بعد بھی اس کی اشتہا باقی رہتی تھی، کچھ مکئی اور جوار وغیرہ بھنوا کر اپنے پاس رکھ لی تھی تا کہ جب بھوک غلبہ کرے تو ان فراہم کردہ اشیاء سے اس کی مدافعت کر سکے۔ اتفاقاً ایک روز حاجی صاحب قبلہ درویشوں کے حجروں کا معائنہ کرنے کے لیے آگئے۔ خادمِ خاص حضرت خواجہ محمد عثمانؒ جلدی سے اس درویش کے پاس آئے اور اسے مطلع کیا کہ حضرت آرہے ہیں اور وہ چیزیں

کی تھیلی کو فوراً کسی جگہ چھپا دے، مبادا حضرت دیکھ لیں اور آپ اس کی بے صبری وہوس پر کبیدہ خاطر ہوں۔

اس واقعہ سے بیان کرنا یہ مقصود ہے کہ آداب خانقاہ میں یہ بات شامل ہے کہ درویش کو جو غذا جتنی مقدار میں لنگر سے ملتی ہو اسی پر قناعت کرنی چاہیے اور خود کو قلت طعام کا عادی بنانا چاہیے کہ شکم سیری اس راہ میں سخت مضرت ہے اور عرفان خداوندی سے محرومی کا باعث ہے۔ بقول شیخ سعدیؒ:

اندرون از طعام خالی دار
تا درو نور معرفت بینی

تدوین مکاتیب

حضرت حاجی صاحب قدس سرہ کی تالیفات میں اس وقت دو مجموعے دستیاب ہیں۔ ایک مجموعہ ان مکاتیب پر مشتمل ہے جو آپ کے شیخ حضرت شاہ احمد سعید صاحب دہلوی ثم مہاجر مدنی قدس سرہ نے آپ کے نام تحریر فرمائے ہیں۔ آپ نے بہ نیت تبرک ان کی تدوین و ترتیب فرمائی۔ ان مکاتیب کے مطالعے سے شیخ و مرید کے قریب ترین روابط کا علم ہوتا ہے۔ اس کے علاوہ ان میں سلوک کے بے شمار فوائد مندرج ہیں جو قلب و روح کو طراوت و جلا بخشتے ہیں۔

دوسرا مجموعہ آپ کے ذاتی مکتوبات کا ہے جو تلقین، ذکر اور تعلیم طریقت کے مضامین پر مشتمل ہیں اور جنہیں آپ نے اپنے شیخ، دیگر عزہ و اقارب اور مریدین و مخلصین کی طرف تحریر کیا تھا۔

اول الذکر مجموعۂ مکاتیب حضرت شاہ احمد صاحبؒ بنام حضرت حاجی صاحب قبلہ کو مولانا سید زوار حسین صاحب نقشبندی کے ایک متوسل پروفیسر ڈاکٹر غلام مصطفیٰ صاحب نے "تحفۂ زواریہ" کے نام سے حیدر آباد، سندھ سے شائع کیا ہے۔ فَجَزَاهُ اللّٰهُ تعالیٰ اَحْسَنَ الْجَزَاء۔ آخر الذکر مجموعہ اکتیس (۳۱) مکاتیب پر مشتمل ہے، جو حضرت مفتی عطا محمد صاحب مدظلہ ساکن چودھوان، ڈیرہ اسمٰعیل خان کو کہیں سے دستیاب ہوا۔ آپ نے اسے

حافظ نصر اللہ خان خاکوانی کی اعانت سے طبع کروایا۔ مکتوبات کے ہر دو مجموعے فارسی میں ہیں۔ زبان نہایت شیریں، صاف اور سلیس ہے۔ فارسی کی معمولی استعداد رکھنے والا قاری ان کی لطافت بیان سے حظ وافر اٹھا سکتا ہے اور معارف سلوک کا استفادہ بھی کرسکتا ہے۔

آخری التماس

حضرت اقدس سیدنا ومطاعنا حاجی دوست محمد قندھاری قدس سرہ کے احوال وآثار کا یہ بہت ہی مختصر سا خاکہ ہے جسے راقم الحروف نے "مناقب احمدیہ سعیدیہ" اور دیگر مکاتیب ورسائل سے اخذ کر کے بعض ثقہ روایات کے اضافہ کے ساتھ ترتیب دیا ہے۔ اسے حضرت والا کے سوانح حیات کا نام دینا تو جسارت بے جا ہے، اس وقت پیش نظر مدعا صرف اس قدر ہے کہ رسالہ متبرکہ "تحفۂ سعدیہ" اپنے مرکز اور منبع کے اجمالی ذکر سے مزید برکات کا حامل ہو جائے۔ ورنہ حضرت حاجی صاحب قبلہ رحمہ اللہ کے اسرار ومعارف اور احوال ومقامات کے لیے بڑی فرصت اور طویل دفتر درکار ہیں۔ بہر حال فقیر مالا یدرک کلہ لا یترک کلہ کے مصداق جس قدر معلومات فراہم کر سکا ہے، اس میں طریقہ پاک کے متوسلین کے لیے آنکھوں کی ٹھنڈک اور دلوں کی تسکین کا کافی سامان موجود ہے۔ وفقنا اللہ تعالیٰ للاتباع والتأسی بہ بمنہ وکرمہ۔
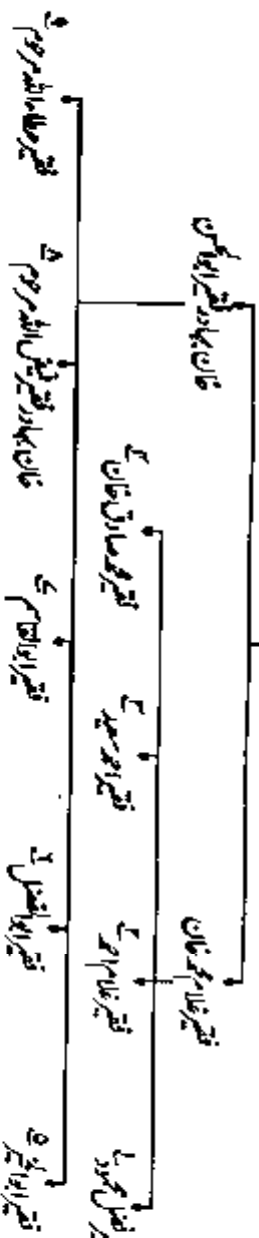
نوٹ: حضرت فقیر عبداللہؒ کی نسل کا یہ شجرہ ناظم ادارہ سعدیہ کی درخواست پر آپ کے پوتے فقیر احمد سعید صاحب ایڈوکیٹ بنوں نے فراہم کیا۔

۱۔ کورٹ انسپکٹر، پولیس بنوں ۲۔ لائل پور یونیورسٹی میں پروفیسر ہیں۔

۳۔ ۱۹۳۰ء میں علی گڑھ سے وکالت کا امتحان پاس کیا۔ پھر پی سی ایس کے عہدہ پر فائز ہوئے۔ ۱۹۶۷ء میں ریٹائر ہوئے۔ آج کل بنوں میں ایڈوکیٹ ہیں۔

۴۔ سیکرٹری میونسپل کمیٹی، بنوں تھے۔ ۱۹۶۲ء میں وفات پائی۔ ۵۔ اے سی، پی ڈبلیو ڈی، پشاور

۶۔ سوات میں ایڈیشنل ڈپٹی کمشنر تھے۔ حال ہی میں رخصت پر آئے ہیں۔ چند ماہ میں پنشن ہو جائے گی۔

۷۔ علی گڑھ سے بی اے، بی ایس سی، ایل ایل بی کے امتحانات پاس کیے۔ آجکل زمینداری کرتے ہیں۔ ۸۔ ڈپٹی کمشنر تھے۔ پنشن پائی۔ دو سال کا عرصہ ہوا وفات پائی۔

۹۔ ایکسائز انسپکٹر تھے۔

ذکر احوال حضرت خواجہ محمد عثمان دامانی رحمۃ اللہ علیہ

ولادت

حضرت خواجہ محمد عثمان قدس سرہ اپنے آبائی وطن موضع لونی[1] میں ۱۲۴۴ھ میں پیدا ہوئے۔ آپ ایک علمی گھرانے کے چشم و چراغ تھے۔ آپ کے والد ماجد بڑے عابد، زاہد اور جلیل القدر فقیہ تھے جو اپنے علاقے میں فقیہ لونی کے لقب سے معروف تھے۔

ابتدائی تعلیم

آپ نے ابتدائی تعلیم گھر ہی پر حاصل کی۔ جب سن تمیز کو پہنچے اور والد ماجد کی تجویز کے مطابق وطن سے باہر دیگر مدارس میں تعلیم کے لیے بھیجے گئے تو تھوڑے ہی عرصے میں آپ نے عربی صرف ونحو کی تحصیل فرما کر عربی وفارسی کی مبادیات پر عبور حاصل کرلیا اور متوسطات نصاب تک پہنچ گئے۔ لیکن ابھی تحصیل علم سے فارغ نہ ہونے پائے تھے کہ جاذبۂ حق آپ کو مدرسے سے خانقاہ میں لے آیا، جس کا محرک حسب ذیل واقعہ ہوا۔

مدرسے سے خانقاہ میں

آپ کے بڑے بھائی اخوند محمد سعید صاحب موضع کھوئی بہاراں میں اپنے ماموں مولانا نظام الدین صاحب کے پاس پڑھا کرتے تھے اور یہ مولانا نظام الدین حضرت حاجی دوست محمد قندھاری قدس سرہ کے حلقۂ ارادت میں شامل تھے۔ ایک دفعہ آپ اپنے بھائی محمد سعید صاحب کے پاس ان کے ملبوسات لے کر موضع کھوئی بہاراں تشریف لے گئے۔ آپ کے ماموں مولانا نظام الدین نے ان سے دریافت کیا کہ ہمارے پیر و مرشد حضرت حاجی صاحب کا قافلہ چودھوان کے قریب فروکش ہے، ان کے بارے میں تمہیں کچھ معلوم ہے۔ مقصد خیریت معلوم کرنا تھا۔ آپ نے جواب دیا کہ میں ان سے متعارف نہیں اور مجھے

---

[1] از مضافات کلاچی، ڈیرہ اسمٰعیل خاں

ان کے بارے میں علم نہیں کہ وہ کون بزرگ ہیں اور کس جگہ قیام فرما ہیں؟

کھوئی بہاراں سے جب واپس گھر جانے لگے تو ماموں صاحب نے ہدایت کی کہ تمہارے راستے میں چودھوان آئے گا اور ڈسی کے قریب حاجی صاحب کا قافلہ قیام پذیر ہے۔ تم ان کی خدمت میں حاضر ہو کر میرا سلام عرض کرنا اور یہ پیغام دینا کہ حضور کے خدام، جو یہاں کھوئی بہاراں تشریف لائے ہوئے ہیں، کل خدمتِ اقدس میں حاضر ہو جائیں گے۔

حضرت خواجہ محمد عثمان رحمہ اللہ کا بیان ہے کہ جب میں گھر واپس جاتے ہوئے چودھوان سے گزرا تو میں نے حضرت حاجی صاحب قبلہ کے قافلے کے بارے میں اہلِ قریہ سے پوچھا۔ معلوم ہوا کہ حضرتِ والا یہیں قیام فرما ہیں۔ خدمتِ اقدس میں حاضر ہو کر ماموں صاحب کا سلام و پیام پہنچایا۔ پھر وہاں سے رخصت ہو کر اپنے تعلیمی مشاغل میں مصروف ہو گیا۔ کچھ عرصہ بعد طلبِ الٰہی کے ذوق و شوق نے دل میں ایک تلاطم برپا کر دیا۔ ان ایام میں فقہ کی مشہور اور اہم کتاب "ہدایہ" پڑھ رہا تھا۔ مگر جذبۂ طلب بڑھتے بڑھتے اس حد تک پہنچ گیا کہ ہر وقت استغراق کی کیفیت طاری رہنے لگی۔ نہ مطالعہ کر سکتا تھا اور نہ سبق پڑھ سکتا تھا۔ آخر جب جاذبۂ حق کے ہاتھوں مجبور ہو گیا تو استادِ محترم کی خدمت میں عرض کیا کہ میرے لیے اب تعلیم کا مزید جاری رکھنا مشکل ہو گیا ہے۔ محبتِ الٰہی کا غلبہ روز بروز بڑھتا جا رہا تھا اور اب یہ عزمِ صمیم کر لیا ہے کہ فی الحال سلسلۂ تعلیم کو ملتوی کرتے ہوئے کسی اہل اللہ کی خدمت میں حاضر ہو کر بیعت کا شرف حاصل کروں، شاید اس طرح غلبۂ حال اور جوشِ دروں کا مداوا ہو سکے۔

استادِ محترم یہ سن کر حیران ہوئے اور مشورہ دیا کہ "ہدایہ" کا جو تھوڑا سا آخری حصہ باقی رہ گیا ہے اُس کی تکمیل کر لو، پھر میں بھی تمہارے ہمراہ چلوں گا اور استاد و شاگرد باہم کسی اہل اللہ کے ہاتھ پر بیعت کریں گے۔ میں نے عرض کیا کہ حضرت! ہدایہ ختم ہونے میں کافی دن لگ جائیں گے، میری طبیعت میں بے حد اضطراب ہے اور میں نے اس امر کا پختہ ارادہ کر لیا ہے کہ کل صبح ہوتے ہی حضرت حاجی صاحب قبلہ کی خدمت میں حاضر ہو کر بیعت کی

درخواست کروں گا۔

حضرت خواجہ صاحبؒ نے مزید فرمایا کہ استاذِ محترم نے ہرچند روکنا چاہا لیکن جذب دل نے مجھے رکنے کی مہلت نہ دی۔ میں اگلے دن صبح سویرے اپنے مدرسہ سے روانہ ہو گیا اور سیدھا چودھوان پہنچا۔ اُس وقت چودھوان سے دو میل جنوب کی طرف حضرت حاجی صاحب کا قافلہ فروکش تھا۔ چنانچہ بروز جمعہ ۹ رجمادی الثانی ۱۲۶۶ھ[1] حضرت حاجی صاحب قبلہ کی خدمت میں حاضر ہوا اور بوقتِ عصر بیعت کی درخواست کی۔ حضرت نے یہ فرماتے ہوئے انکار کیا کہ فقیری اختیار کرنا بڑا دشوار کام ہے۔ لیکن میں نے اصرار کیا کہ حضرت! میں تو فقیری کے حصول کے لیے تیار ہو کر آیا ہوں:

دست از طلب ندارم تا کام من برآید
یا تن رسد بجاناں، یا جاں ز تن برآید

مزید عرض کیا کہ میں جذبۂ دل کے ہاتھوں بے بس ہو کر ہر چیز سے قطع تعلق کرنے کے بعد آپ کی خدمت میں پہنچا ہوں۔ اس پر حضرت نے فرمایا: ''اچھا مغرب کی نماز کے بعد دیکھا جائے گا۔'' الحمد للہ تعالیٰ کہ آپ نے بعد نمازِ مغرب درخواست منظور کر لی اور فقیر کو اپنے حلقۂ ارادت میں داخل کر لیا۔ اُس وقت عجیب و غریب کیفیات وارد ہوئیں۔

انشراحِ باطن

صرف، نحو، علمِ عقائد، فقہ، اصولِ فقہ اور تفسیر و حدیث کی جو کتابیں میں نے پڑھی تھیں، اگرچہ یاد تھیں اور ان کے نقوش ذہن میں محفوظ تھے لیکن نگاہ ان کے ظواہر سے آگے نہ جا سکتی تھی۔ اس لیے حضرت حاجی صاحبؒ نے ازراہِ مرحمت فقیر کو دوبارہ تفسیر و حدیث اور کتبِ تصوف کا درس دینا شروع کر دیا۔ گویا یوں سلسلۂ تعلیم، جو معرضِ التواء میں پڑ گیا تھا، اسے نہ صرف تازہ کر دیا بلکہ علمِ ظاہر کے ساتھ اس کے تمام باطنی حقائق و معارف بھی مجھ پر آشکارا فرما دیے۔ چنانچہ حضرت حاجی صاحب قبلہ سے مندرجہ ذیل کتابیں بڑی تحقیق و توجہ سے پڑھیں:

۱۔ سن پیدائش ۱۲۴۴ھ کے اعتبار سے اس وقت آپ کی عمر ۲۲ سال تھی۔

مشکوٰۃ شریف، صحاح ستہ یعنی بخاری، مسلم، ترمذی، ابوداؤد، نسائی اور ابن ماجہ۔ علم اخلاق میں احیاء العلوم کامل۔ علم تفسیر میں بغوی کامل۔ اور علم تصوف میں مکتوبات مجددیہ ہر سہ دفتر اور مکتوبات معصومیہ ہر سہ دفتر۔

ان کے علاوہ حضرت نے تصوف کے متعدد رسائل اور کتب اپنی خاص توجہ سے فقیر کو پڑھائیں۔ بحمد للہ حضرت والا کی عنایت سے روح علمی استدلال سے گزر کر عرفان وایقان کے درجے پر پہنچ گئی۔

درسِ مشکوٰۃ کا ایک واقعہ

درسِ مشکوٰۃ کی نوبت جب کتاب البیوع پر پہنچی تو حضرت حاجی صاحب قدس سرہ نے فرمایا کہ ملا عثمان! کتاب البیوع بھی پڑھو گے؟

میں نے عرض کیا، حضرت! میرے پاس کوئی نقد مال یا جائیداد نہیں، بظاہر مجھے تو بیع و شریٰ (خرید وفروخت) کی ضرورت پیش نہ آئے گی۔ فرمایا، خوب! نہ میرے پاس متاع دنیا، نہ تمہارے پاس کہ ہمیں لوگوں سے خرید وفروخت اور لین دین کی نوبت آئے۔ پھر یہ شعر پڑھا:

علم کثیر آمد و عمرت قصیر
آنچہ ضروری ست بداں شغل گیر

اور کتاب البیوع[1] چھوڑ کر کتاب الآداب شروع کرادی۔

فراستِ شیخ اور استعدادِ مرید

حضرت خواجہ محمد عثمان رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ایک روز کچھ مدت کے بعد حضرت حاجی صاحب قدس سرہ نے دریافت فرمایا، کیوں ملا عثمان! تمہیں وہ دن یاد ہے جب تم اپنے ماموں مولانا نظام الدین کا سلام و پیام پہنچانے کے لیے ہمارے پاس آئے تھے؟

---

[1] یہ اشارہ اس طرف تھا کہ فقہ کا سرمایہ، حقیقت اخلاق الٰہیہ اور آداب نبویہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ ان کا حاصل کرنا مقصود ہے بلکہ ان کے حصول کے بغیر وصول بحق تعالیٰ محال ہے۔

عرض کیا، حضور! خوب یاد ہے۔ یہ واقعہ یاد دلا کر حضرت حاجی صاحب قبلہ نے فرمایا کہ ہم نے اُسی روز تمہاری پیشانی میں نسبتِ نقشبندیہ کا نور مشاہدہ کر لیا تھا اور ہمیں یقین تھا کہ تم ضرور اکابرِ نقشبندیہ رحمہم اللہ کی نسبتِ عالیہ سے بہرہ ور ہو گے۔ لیکن کافی دن گزر گئے اور تم نہ آئے تو گمان ہونے لگا کہ شاید ہمارے کشف اور وجدان میں خطا واقع ہوئی ہے۔ جب تم یہاں پہنچ گئے تو ہمارے اس کشف کی صداقت ظاہر ہوگئی۔[1]

شیخ کی صحبت و خدمت

حضرت خواجہ محمد عثمان رحمۃ اللہ علیہ بیعت کے بعد حضرت حاجی صاحبؒ قبلہ سے ایسے وابستہ ہوئے کہ سفر و حضر میں ہمیشہ ساتھ رہے۔ یہاں تک کہ جب ۱۲۸۴ھ میں حضرت حاجی صاحبؒ کا وصال ہوا تو کل مدت، جو آپ نے شیخ کی خدمت میں گزاری، وہ اٹھارہ سال چار ماہ اور تیرہ روز تھی۔

شیخ و مرید کا باہمی رابطہ

وہ رابطۂ محبت جو شیخ و مرید کے درمیان استوار ہو چکا تھا، اُس کا تقاضا بھی یہی تھا کہ ایک دوسرے سے زندگی بھر جدا نہ ہوں۔ حضرت خواجہ محمد عثمان رحمہ اللہ نے جس خلوص اور وفا شعاری سے حضرت حاجی صاحبؒ کی صحبت میں رہ کر ہر قسم کی خدمات انجام دیں اس میں آپ کا کوئی سہیم و شریک نظر نہیں آتا۔ دوسری طرف، هَلْ جَزَآءُ الْإِحْسَانِ إِلَّا الْإِحْسَانُ کے بموجب حضرت حاجی صاحب قدس سرہٗ کی جانب سے جو محبت، اُنس اور شفقت آپ کے شاملِ حال رہی اُس نے آپ کو تمام ارادتمندوں میں ایک امتیازی مقام عطا کر دیا تھا۔ جب مرید شیخ کی ذات پر ہر چیز کو نثار کر دیتا ہے تو یہ جذبۂ ایثار ایک لافانی رابطے کی صورت اختیار کر لیتا ہے۔ مرید شیخ کے علاوہ کسی دوسرے کی طرف متوجہ ہونا احترام کے منافی سمجھتا ہے اور شیخ بھی یہ گوارا نہیں کرتا کہ مرید کا غیر کی طرف متوجہ ہونا اسے اخلاصِ عمل سے محروم کر دے۔

---

[1] ماخوذ از فوائد عثمانی

ایک سخت امتحان

مستند روایات سے منقول ہے کہ جس زمانے میں حضرت خواجہ محمد عثمانؒ درسی تعلیم سے فارغ ہونے کے بعد مقاماتِ سلوک کے حصول میں ہمہ تن مشغول تھے، ایک دن حضرت حاجی صاحبؒ قبلہ، جو کبھی کبھی درویشوں کے حجروں کا معائنہ کیا کرتے تھے، خواجہ محمد عثمان کے حجرہ میں تشریف لے آئے۔ اس وقت آپ حجرہ میں موجود نہ تھے، مگر وہاں دو کتابیں رکھی ہوئی تھیں۔ حضرتؒ نے شریکِ حجرہ سے دریافت کیا کہ یہ کتابیں کس کی ہیں؟ اس نے بتایا کہ ملاّ محمد عثمان کی ہیں۔ یہ سن کر حاجی صاحب قبلہ نے فرمایا: ''اچھا ملاّ عثمان کا میں بھی ہوں اور کتابیں بھی۔''[1]

سبحان اللہ! کسی نے کیا خوب کہا ہے:

من تو شدم، تو من شدی، من جاں شدم، تو تن شدی
تا کس نگوید بعد ازیں من دیگرم، تو دیگری

حاجی صاحبؒ کے اس باطنی جوشِ غیرت کے نتیجے میں آپ کی نسبت مستور ہو گئی۔ اب جو خواجہ محمد عثمان اپنے باطن کی طرف دیکھتے ہیں تو خود کو نسبت سے خالی پاتے ہیں۔ اس کی وجہ معلوم ہو گئی مگر حضرت کے جلال و ہیبت کے سامنے یہ جرأت کہاں کہ عذر و معذرت کر سکیں۔ تسلیم و رضا کا مسلک اختیار کرتے ہوئے تمام فرائضِ خدمت کی بجا آوری میں حسبِ سابق آمادہ و مستعد رہے۔ اور اسی حالت میں ایک طویل مدت گزر گئی۔ معمولات کی پابندی برقرار، خدمات کی بجا آوری بدستور، مگر دل حسرت و یاس کا مرقع بنا ہوا تھا۔ بیم و امید کی یہ حالت جس پر گزرتی ہے، وہی جانتا ہے۔ تاہم آپ نے اس غم کو سینہ میں پنہاں رکھتے ہوئے کسی سے اس کا افشا نہ فرمایا۔

قضارا ایک روز نماز تہجد کے بعد بوقت سحر بے اختیار چیخ نکل گئی۔ شریکِ حجرہ

---

[1] حضرت حاجی صاحب رحمہ اللہ کے ارشاد کا مفہوم یہ تھا کہ جب ملا عثمان نے حصولِ فقر کے لیے مجھ سے رابطہ استوار کر لیا ہے تو پھر کتابوں کے مطالعہ میں مشغول ہونا قرضِ وقت سے غفلت کے مترادف ہے۔

درویش نے ہر چند اس راز سے پردہ اٹھانے کی درخواست کی، مگر حضرت خواجہؒ نے اس کا اخفاہی مناسب سمجھا۔ جب اس نے بیحد اصرار کیا تو بامرِ مجبوری کنایتاً اسے حقیقتِ حال سے آگاہ کرتے ہوئے فرمایا کہ حضرت قبلہ نے جو نعمت مجھے عطا کی تھی، وہ مجھ سے چھن گئی ہے۔ مدت مدید تک ضبط کیا مگر آج حسرت وندامت کا یہ احساس بے اختیار آہ بن کر لبوں پر آ گیا۔

یہ سن کر ساتھی کے دل کو بہت صدمہ پہنچا۔ اس کا خیال تھا کہ آپ تمام مقاماتِ سلوک طے کر چکے ہوں گے۔ خواجہ صاحبؒ کی آہ دلسوز نے اس میں جذبۂ غمگساری پیدا کر دیا۔ آخر ایک دن اس نے مناسب موقع پا کر حضرت حاجی صاحبؒ قبلہ سے اپنے ساتھی (ملا محمد عثمان) کی سفارش کر دی کہ حضرت! ان کے حال پر بھی نظرِ کرم ہو جائے۔ یہ سن کر حضرت حاجی صاحبؒ کے چہرۂ مبارک پر جلال کے آثار نمودار ہو گئے۔ فرمایا:

''تم میرے اور ملا عثمان کے درمیان حائل ہونے والے کون ہو؟ میں جانوں اور ملا عثمان، تمہیں اس سے کیا سروکار؟''

تذکرات میں آتا ہے کہ سفارش کنندہ کی خودرائی کا نتیجہ یہ نکلا کہ ملا عثمان کی نسبت تو بحال ہو گئی البتہ سفارشی صاحب خالی از نسبت[1] ہو گئے۔

اسی بنا پر بزرگوں نے فرمایا ہے کہ فنا فی الشیخ حقیقت میں فنا فی اللہ کا مقدمہ ہے۔ شیخ و مرید میں جب تک ایک عظیم اور مستحکم روحانی رابطہ نہ ہو، بارگاہِ قرب میں رسائی ناممکن ہے۔

حضرت خواجہ محمد عثمان رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت حاجی صاحبؒ قبلہ کی خدمت میں رہتے ہوئے جہاں سلوک کے مراحل و منازل طے فرمائے وہاں عظمتِ شیخ کو ملحوظ رکھتے

۱۔ حضرت حاجی صاحب قبلہ نے ہر دو مریدوں کے حق میں جو تصرف فرمایا اس کا مقصد ضرر رسانی یا اظہارِ آزردگی نہ تھا، صرف تنبیہ مقصود تھی۔ حاشا وکلا، اس سے یہ مراد نہیں کہ حضرت قبلہ ان کی روحانی تربیت سے دست کش ہو گئے تھے۔ تربیت بدستور جاری تھی اور مقامات بھی طے ہو رہے تھے مگر ترقی کا ادراک و احساس نہ ہوتا تھا۔

ہوئے وہ محیر العقول خدمات انجام دیں کہ باید و شاید کوئی خوش قسمت ارادتمند ہی اس دشوار منزل کو طے کرسکتا ہے جس پر آپ بڑی استقامت سے گامزن رہے۔ حضرت خواجہؒ نے اس وادی کو حیرت انگیز مستعدی اور جاں نثاری کے ساتھ عبور کیا۔

ایک بار حاجی صاحبؒ قبلہ نے اہلیہ محترمہ کی علالت کے سلسلے میں خواجہ محمد عثمان رحمہ اللہ سے فرمایا کہ ڈیرہ اسمٰعیل خان میں فلاں حکیم صاحب کو کیفیاتِ مرض بتا کر اُن سے دوا لے آؤ۔ اگرچہ اس وقت دن بہت تھوڑا باقی تھا اور شب کی آمد قریب تھی، راستہ ناہموار اور دشوار گزار تھا، نیز پیدل سفر سے ڈیرہ تک کا فاصلہ ۳۲ میل تھا۔ بایں ہمہ آپ ارشادِ گرامی سنتے ہی فوراً سفر پر روانہ ہوگئے۔ تمام رات چلتے رہے، صبح کو ڈیرہ پہنچے۔ حکیم صاحب سے ملے اور دوا لے کر اُسی وقت واپس چل پڑے۔ اُدھر آپ راستہ کی صعوبتوں کو خاطر میں نہ لاتے ہوئے موسیٰ زئی شریف کی طرف جادہ پیما تھا، اِدھر حاجی صاحبؒ روحانی طور پر آپ کی طرف متوجہ تھے اور فرمارہے تھے، ہائے! میں نے ملا عثمان کو ہلاک کردیا، نہ معلوم اس پر راستے میں کیا کیا اُفتاد پڑی ہوگی۔ زیادہ دیر نہ گزری تھی کہ حضرت خواجہ صاحبؒ تشریف لے آئے۔ اس طرح چونسٹھ میل کی کٹھن منزلیں پیدل طے کرنے کے بعد بھی آپ تازہ دم نظر آتے تھے۔ نہ تکان کا احساس تھا اور نہ اضمحلال کا اثر۔ شعر حافظؒ اس حال کا ترجمان ہے:

در رہِ منزلِ لیلیٰ کہ خطرہاست بجاں
شرطِ اوّل قدم آنست کہ مجنوں باشی

رحمتِ حق بہانہ می جوید

دوسری طرف ایک معمولی خدمت ملاحظہ فرمایئے کہ وہ کس طرح خدماتِ جلیلہ پر فوقیت لے جاتی ہے۔ حضرت حاجی صاحبؒ قبلہ خانقاہ میں شب کو آرام فرماتے تھے اور خواجہ محمد عثمانؒ آپ کے خادمِ خاص ایک گوشہ میں دیا سلائی کی ڈبیہ ہاتھ میں لیے ذکر و مراقبہ میں مشغول بیٹھے تھے۔ اس خیال سے نہ لیٹے اور نہ سوئے کہ نہ معلوم کس وقت حضرت شیخؒ بیدار ہوں اور خدمت کے لیے آواز دیں۔ بوقتِ تہجد حاجی صاحبؒ بیدار ہوئے اور ''ملا عثمان'' کہہ کر پکارا۔ آپ نے ''جی حضور'' کہنے کے ساتھ ہی دیا سلائی جلا کر چراغ روشن کردیا۔

حضرت حاجی صاحبؒ قبلہ بہت مسرور ہوئے اور خدمت گزاری میں یہ سرگرمی و مستعدی دیکھ کر فرمایا:

''ملا عثمان! تم نے بڑی اہم اور صبر آزما خدمات انجام دی ہیں، مگر تمہاری یہ خدمت سب پر فوقیت لے گئی۔''

حضرت حاجی صاحبؒ کی طرف سے رضا و خوشنودی کے اس اظہار نے حضرت خواجہ محمد عثمانؒ کو جو کیفِ روحانی اور سرورِ جاودانی عطا کیا ہوگا، وہ کچھ انہی کا دل جانتا ہوگا۔ خوشنودی کے الفاظ بتا رہے ہیں کہ حضرت حاجی صاحبؒ قبلہ نے آج اپنے عطا و کرم کا معاملہ انتہا کو پہنچا دیا ہوگا۔

غرض خواجہ محمد عثمان قدس سرہٗ شیخ کے ساتھ اپنی والہانہ محبت، خدمت اور جذبۂ ایثار و قربانی کی بدولت نہ صرف طریق نقشبندیہ، بلکہ قادریہ، چشتیہ، سہروردیہ، کبرویہ، قلندریہ، شطاریہ اور مداریہ میں بھی خلیفۂ مجاز قرار دیے گئے اور شرفِ ضمنیت[1] سے سرفراز ہوئے۔

جانشینی

چونکہ حضرت حاجی صاحب قدس سرہٗ کے خلفاء میں حضرت خواجہ محمد عثمان قدس سرہٗ خلیفۂ اعظم تھے اور کمال و تکمیل کے منصب جلیل پر فائز تھے، اس لیے حاجی صاحبؒ قبلہ نے اپنی زندگی کے آخری ایام میں آپ کو اپنا جانشین نامزد فرمایا اور اپنی زیرِ نگرانی متعدد خانقاہوں کا انتظام و انصرام بھی آپ کے حوالے کر دیا جن میں موسیٰ زئی شریف اور خراسان کی خانقاہوں کے علاوہ خانقاہِ مظہریہ دہلی بھی شامل تھی جو شاہ احمد سعید صاحب قدس سرہٗ بوقتِ ہجرت آپ کے حوالے کر گئے تھے۔

۱۲۸۷ ہجری میں حضرت حاجی صاحب قبلہؒ کے وصال کے بعد آپ مستقل طور پر عالی ہمتی اور بلند حوصلگی کے ساتھ تمام خدماتِ مفوضہ انجام دینے لگے اور تقریباً تیس سال تک سلسلۂ عالیہ کی اشاعت و تبلیغ میں مشغول رہے اور ایک عالم کو اپنے فیوض و برکات سے مالا مال فرمایا۔

۱۔ ''تحفۂ سعدیہ'' صفحہ ۴۴۳ پر ضمنیت کی تشریح ملاحظہ ہو۔

چند ملفوظاتِ گرامی

ملفوظِ اوّل: حضرت ثانی مولانا محمد عبداللہ رحمہ اللہ تعالیٰ حضرت اعلیٰ مولانا ابوالسعد قدس سرہٗ سے نقل کرتے ہیں کہ حضرت اعلیٰ نے فرمایا کہ ایک مرتبہ حضرت خواجہ محمد عثمان قدس سرہٗ حویلی سے باہر تشریف لائے۔ میں (ابوالسعد احمد خان صاحبؒ) حاضرِ خدمت ہوا۔ حضرت نے ازروئے نصیحت فرمایا: ''مولوی صاحب! عہدِ جوانی کو غنیمت سمجھنا چاہیے۔ اس میں آدمی محنت کرسکتا ہے، بڑھاپے میں کچھ نہیں ہو پاتا۔ مجھے دیکھو! اب ضعفِ بصر سے یہ حال ہو گیا ہے کہ رات کو تہجد کے لیے اٹھا تو گنگ (پہاڑی نالہ) تک، جو گھر کے صحن میں جاری ہے اور روزانہ اس پر وضو کرنے کا معمول ہے، تلاشِ بسیار کے باوجود نہ پہنچ سکا۔ مجبوراً چھوٹی بہو کو آواز دی۔ اس نے آگ جلائی تو گنگ نظر آئی۔''

نیز اسی مجلس میں ترکِ دنیا کے سلسلے میں فرمایا کہ جس شیخ کے دل میں کسی مالدار و زمیندار کو دیکھ کر یہ خیال پیدا ہو کہ یہ امیر آدمی میرا مرید ہو جائے تو وہ شیخ کافر[1] ہو جاتا ہے۔

ملفوظِ دوم: مولانا حسین علی صاحب نے ایک بار درس و تدریسی کتب سے قساوتِ قلبی پیدا ہونے کی شکایت کی۔ اس پر حضرت خواجہ محمد عثمان قدس سرہٗ نے فرمایا: ''چشتیہ میں تو یہ معلوم ہوتا ہے، ورنہ طریقِ نقشبندیہ میں اخلاصِ نیت کے ساتھ دینی کتابوں کا درس و مطالعہ نسبت کو تقویت بہم پہنچاتا ہے اور روحانی ترقی کا موجب ہے۔''

ملفوظِ سوم: مولانا امیر علی جامع فوائدِ عثمانی بعض اوقات حضرت خواجہؒ کی طرف سے خطوط کے جوابات بھی لکھا کرتے تھے۔ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ میں نے حضرت والا کے عزیز پیر لعل شاہ کی وفات پر حضرت خواجہؒ کی طرف سے تعزیت کے سلسلے میں یہ جملے تحریر کر دیے:

> ''اس واقعۂ جانکاہ سے غم و اندوہ اس قدر ہوا کہ قلمِ تحریر اور زبانِ تقریر اس کی ادائیگی سے قاصر ہے۔ دل میں وہ آگ لگی ہے جس کا سرد ہونا ممکن نہیں۔''

۱۔ یعنی کافرِ طریقت ہو جاتا ہے۔ کیونکہ طریقت کا تقاضا اختیارِ فقر اور دنیا سے بے رغبتی ہے۔

حضرت خواجہؒ نے جب یہ عبارت دیکھی تو مولانا موصوف کو مخاطب کر کے فرمایا، ایسی مبالغہ آمیز عبارت جو واقع اور نفس الامر میں جھوٹ قرار پائے، کبھی نہیں لکھنی چاہیے۔ پھر عبارتِ مذکورہ کی بجائے اپنے قلمِ حقیقت رقم سے یوں تحریر فرمایا:

''یقیناً حضرت لعل شاہ صاحب کی وفات بہت سخت حادثہ ہے۔ اللہ تعالیٰ مرحوم کو غریقِ رحمت فرمائے اور اکابر رحمہم اللہ کے صدقہ میں ان کے پسماندگان کو حضرات کرام کے فیوضات سے سرفراز فرمائے۔ آمین''

پھر فرمایا کہ میں بھی حضرت حاجی صاحبؒ کی طرف سے خطوط کے جواب لکھا کرتا تھا۔ ایک دفعہ ''گلہ شتران'' کی بجائے میں نے ''اُرواتہ جات'' تحریر کر دیا۔ حضرت حاجی صاحب قبلہ نے تنبیہ فرمائی کہ جو لفظ عام فہم نہ ہو وہ ہرگز نہیں لکھنا چاہیے، آئندہ اس کا خیال رکھنا۔

ملفوظ چہارم: فرمایا، خانقاہ ذکر کرنے کی جگہ ہے، مطالعۂ کتب گھر کرنا چاہیے۔ البتہ کوئی کتاب اگر مرید کے مناسب حال ہو اور شیخ امر کرے تو اس کا مطالعہ حدِ اجازت تک کرے، زیادہ نہیں۔[1]

کشف وکرامات

مجموعہ فوائد عثمانی میں حضرت خواجہ محمد عثمان قدس سرہ کے کشف وکرامات کا ذکر تفصیلی طور پر موجود ہے۔ ہم یہاں صرف دو کا ذکر کرتے ہیں:

۱۔ ایک روز بوقتِ عشاء حضرت خواجہؒ نے مولانا حسین علی صاحبؒ کو فرمایا، ''مولوی صاحب! آپ اپنے گھر جائیں اور پھر واپس آ ئیں۔ اس عرصہ میں جو احوال و واقعات آپ کو پیش آئیں گے وہ میں بفضلِ تعالیٰ سب کے سب آپ کو بتا دوں گا۔ کسی ایک واقعہ میں بھی خطا نہ ہوگی۔''

نیز ان کے تردد کو دور کرنے کے لیے آپ نے دوسرے موقع پر بھی فرمایا کہ مولوی

۱۔ مزید توضیح وتشریح کے لیے رشحات: صفحہ ۱۲۳ اور صفحہ ۱۹۱ پر مولانا سعد الدین کاشغریؒ اور مولانا شمس الدین روجیؒ کے ملفوظات کا مطالعہ کیا جائے۔ (قاضی شمس الدین عفی عنہ)

صاحب! اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے اولیاء اللہ سب کچھ جانتے ہیں مگر ان کو ظاہر کرنے کی اجازت نہیں:

مصلحت نیست کہ از پردہ بروں افتد راز
ورنہ در مجلس رنداں خبرے نیست کہ نیست

۲۔ ایک روز مولانا حسین علی صاحبؒ اہل و عیال کے خیال میں غلطاں و پیچاں تھے۔ حضرت خواجہؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ آپ نے مولانا کو دیکھتے ہی یہ آیت تلاوت فرمائی اور مضمون آیت کی طرف توجہ دلا کر انہیں اہل و عیال کی پریشانی سے نجات دلائی:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنَّ مِنْ اَزْوَاجِكُمْ وَاَوْلَادِكُمْ عَدُوًّا لَّكُمْ فَاحْذَرُوْهُمْ۔

اے ایمان والو! تمہارے بیوی بچوں میں تمہارے دشمن موجود ہیں، پس ان سے اپنے آپ کو بچاؤ۔

مکاتیب

حضرت خواجہ محمد عثمان قدس سرہٗ کے مکاتیب میں سے ہم یہاں دو مکتوب درج کرتے ہیں جو حضرت مولانا ابوالسعد احمد خان قدس سرہٗ بانی خانقاہ سراجیہ کے نام ہیں:

مکتوب اول: یہ مکتوب حضرت خواجہؒ نے مولانا ابوالسعد علیہ الرحمۃ کو ان کے شیخ اول حضرت پیر لعل شاہ کی وفات پر تعزیت کے سلسلے میں لکھا ہے۔ تسلی و تشفی دیتے ہوئے فرماتے ہیں:

"بے شک مخلص مریدوں کے لیے شیخ کی وفات ایک سانحۂ عظیم ہوا کرتی ہے۔ پیر لعل شاہ صاحب کی وفات باعث حد درجہ رنج و الم کا موجب ہے مگر صبر سے کام لینا چاہیے۔ جزع و فزع نہ کریں اور فقیر کو تحصیل صبر اور تحصیل علم میں اپنا ممد و معاون تصور کریں۔"

مکتوب دوم: تعزیت نامہ کے وصول کے بعد جب حضرت اعلیٰؒ نے حضرت خواجہ صاحبؒ سے تجدید بیعت کی درخواست کی تو آپ نے یہ جواب تحریر فرمایا:

۱۔ حضرت مولانا حسین علی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا ذکر کثرت کے ساتھ اس لیے آیا ہے کہ آپ اس علاقہ میں حضرت خواجہ کے اجلۂ خلفاء میں سے تھے۔

الحمد للہ وسلام علی عبادہ الذین اصطفیٰ، اما بعد: فقیر حقیر راقم محمد عثمان عفی عنہ کی طرف سے محب مخلص میاں احمد خان صاحب سلمہ اللہ تعالیٰ تسلیمات و دعوات مزید درجات فی الدارین کے بعد مطالعہ فرماویں کہ آپ کا مکتوب شریف جس میں آپ نے تجدید بیعت اور حصول ورد کے متعلق استدعا کی تھی، پہنچا۔ جناب من! حضرت اعلیٰ شاہ کے سب مرید ان کے پیر (اشارہ بخود) ہی کے مرید ہیں، اس لیے فی الحال تجدید بیعت کی ضرورت نہیں۔ جب اللہ تعالیٰ نے آپ کو تحصیل علم سے فراغت نصیب فرمائی اور اس کے بعد نسبت باطنی حاصل کرنے کے لیے آپ کا پختہ ارادہ ہوا تو اس وقت تجدید بیعت کی ضرورت ہوگی۔ اس وقت آپ اپنے علمی مشاغل جاری رکھیں، اور اوقات فراغت میں جناب شاہ صاحب سے جو درود اور ختمات کا ورد جاری رکھیں۔ ہمارے بزرگوں کی توجہ اہم ذات میں رسوخ حاصل کرنے کی طرف رہتی ہے۔ مقدور بھر کوشش کریں کہ پنجگانہ نمازیں بغیر سستی کے وقت مستحب پر باجماعت ادا ہوں۔ نیز غیر مشروع امور سے بچنے کی پوری کوشش کرتے رہیں۔ والسلام"

شانِ استغنا

ایک بار کڑی افغاناں کے تمام لوگوں نے حاضر ہو کر درخواست کی کہ ہم اپنی کاریز اور اس کی متعلقہ زمین جس کی مالیت دس ہزار روپیہ سے کم نہیں اور دو ہزار روپیہ اس کی سالانہ آمدنی ہے، آپ کے لنگر شریف کے خرچ کے لیے ہدیۃً پیش کرتے ہیں، اسے قبول فرمائیں۔ مگر حضرت خواجہ قدس سرہ نے یہ فرما کر انکار کر دیا کہ "گنج کا فقیر بر توکل خدا تعالیٰ جاری است" یعنی ہمارے سب کام اللہ تعالیٰ کے بھروسے پر چلتے ہیں:

دوست ما را از دہر منت نہد
رازق ما رزق بے منت دہد

۲۔ ایک بار ملک غلام نبی قوم پراچہ نے عرضداشت کی کہ میں اپنی تمام جائیداد زمین، حصہ خراس، باغ اور پختہ مکان جس کی مجموعی مالیت گیارہ ہزار روپیہ ہے، حضور کے لنگر کے لیے پیش کر کے خود بھی درویشوں کے زمرہ میں شامل ہونا چاہتا ہوں، از راہِ کرم

۲۔ از خان حقداد خان ترینؒ

دلِ محزون بہ سالِ وصلش گفت | دوست با کام دل بدوست[1] رسید

۱۳۱۴ھ

۳۔ ازمولوی محمد حسین صاحبؒ

روحِ مرغش بود چوں قدسی وطن | شد بہ قدسی آشیانے متکا

۱۳۱۴ھ

۴۔ از محمود حسین خان نازاں رئیسِ جھجر

سالِ وصالِ حضرت، بہرِ ثواب نازاں | عثمانِ نقشبندی کامل ولی نوشتہ

۱۳۱۴ھ

سقا اللّٰہ تعالٰی مضجعہ شآبیب الرحمۃ والغفران

واسکنہ فی بحبوحتہ الجنان و افاض علٰی جمیع مخلصیہ

و مریدیہ بواسطۃ او بلا واسطۃ اولاء الفیضان والرضوان

۱۔ یہاں دوست سے مراد ذاتِ باری تعالٰی ہے۔ اور حضرت صاحبؒ کے اسمِ گرامی کی طرف بھی اشارہ ہے۔

شجرۂ اولاد
حضرت خواجہ محمد عثمان دامانی رحمۃ اللہ علیہ
صاحبزادہ محمد بہاء الدین رحمۃ اللہ علیہ
حضرت خواجہ سراج الدین قدس سرہٗ
صاحبزادہ محمد سیف الدین رحمۃ اللہ علیہ
محمد علاء الدین
زین العابدینؒ
سیف الدینؒ
مصباح الدین سلمہٗ
شمس الدین سلمہٗ
دوست محمد سلمہٗ
حضرت صاحبزادہ محمد عارف صاحب مدظلہٗ
حضرت خواجہ حافظ محمد ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ
حضرت صاحبزادہ محمد زاہد صاحب مدظلہٗ
صاحبزادہ محمد سلمان سلمہٗ
صاحبزادہ محمد داؤد سلمہٗ
محمد محمود
محمد ذاکر
محمد ظاہر
محمد صابر
حضرت صاحبزادہ مولانا محمد جان صاحب مدظلہٗ
حضرت خواجہ محمد اسمٰعیل صاحب سلمہٗ
سجادہ نشین خانقاہ موسیٰ زئی شریف
حضرت صاحبزادہ احمد جان صاحب مدظلہٗ

احوال و آثار حضرت خواجہ سراج الدین رحمۃ اللہ علیہ

ولادت باسعادت

حضرت خواجہ محمد سراج الدین رحمہ اللہ، حضرت خواجہ محمد عثمان قدس سرہ کے فرزند گرامی، خلیفہ اعظم اور جانشین ہیں۔ ولادت باسعادت خانقاہ احمدیہ سعیدیہ موسیٰ زئی شریف میں بروز دوشنبہ بوقت اشراق ۱۵ محرم الحرام ۱۲۹۷ ہجری ہوئی۔

تعلیم

قرآن مجید اخوند ملا شاہ محمد بابڑ ساکن چودھوان سے پڑھا۔ فارسی میں نظم و نثر کی حصہ اول کتابیں، عربی میں صرف و نحو، منطق و عقائد اور علم تجوید و قرأت کے رسائل، فقہ میں کنز الدقائق، شرح وقایہ جلدین اولین و ہدایہ اخیرین، اصول فقہ میں نور الانوار اور چند جزو حسامی، تفسیر میں جلالین، حدیث میں مشکوٰۃ شریف نصف اول، ابن ماجہ نصف اول حضرت مولانا محمود شیرازی رحمہ اللہ سے پڑھیں اور بقیہ کتب یعنی حسامی کامل، شرح وقایہ جلدین اخیرین، ہدایہ اولین، تفسیر مدارک، تنقیح اصول بزدوی اور معانی میں تلخیص المفتاح، ترجمہ قرآن مجید، مشکوٰۃ شریف نصف آخر اور صحاح ستہ مولانا حسین علی صاحب رحمہ اللہ ساکن واں بھچراں ضلع میانوالی سے پڑھیں۔ تصوف میں مکتوبات امام ربانی بر سہ دفتر و مکتوبات معصومیہ بر سہ دفتر اپنے والد ماجد حضرت خواجہ محمد عثمان قدس سرہ سے پڑھے۔

مسند مشیخت

جب حضرت خواجہ سراج الدین رحمہ اللہ فارسی و عربی کی متداول کتب، معقول و منقول اور کتب متداولہ سے ۱۳۱۱ ہجری میں فارغ ہو گئے تو حضرت خواجہ محمد عثمان قدس سرہ نے اپنے فرزند ارجمند کو چودہ سال کی عمر میں تمام سلاسل طریقت کی اجازت مطلقہ عطا فرمائی اور سند اجازت تحریر فرمانے کے بعد آپ کو اپنا جانشین مقرر فرمایا۔

[illegible] شوال ۱۳۱۴ کو والد بزرگوار نے اپنی صحت ہی میں [illegible]

امامتِ نماز، ختمِ خواجگان اور ذکر و مراقبہ کے سلسلے میں اپنی نیابت سونپ کر حضرت خواجہ سراج الدین رحمہ اللہ کی جانشینی کا اعلان و اظہار فرما دیا۔ آپ نے یہ فرائضِ منصبی احسن طریق پر انجام دینا شروع کر دیے اور آپ کے فیضانِ صحبت سے طالبانِ حق تاثیراتِ فائقہ اور مقاماتِ عالیہ طے کرنے لگے۔

ترویجِ سلسلہ

حضرتؒ والا نے خود بھی مقاماتِ عالیہ مجددیہ میں وہ عروج حاصل کیا کہ اس پر مشائخِ وقت رشک کرتے تھے۔ آپ نے اپنے متوسلین کو بھی ان مقاماتِ بلند پر پہنچایا کہ وہ خواب و خیال میں بھی ان کا تصور نہ کر سکتے تھے۔ چنانچہ طلب گارانِ حق اور فدا کارانِ سنتِ مصطفوی علیٰ صاحبہا التحیۃ والتسلیم قندھار، کابل، بخارا، ترکستان اور بلادِ اسلامیہ سے معرفتِ الٰہی کے حصول کے لیے حضرت کی خدمت میں آتے تھے اور سلسلۂ عالیہ کی نسبت اور کمالات حاصل کرتے تھے۔ آپ نے بھی جس خلوص، ہمدردی اور جاں نوازی سے ان کی تربیت فرمائی اور انہیں اصلاحِ ظاہر و باطن سے نوازا، اس کی نظیر بھی شاید ہی چشمِ فلک نے کہیں دیکھی ہو۔ حضرت کو عربی، فارسی اور دیگر علومِ دینیہ پر کافی عبور تھا۔ نیز آپ کو اعلیٰ درجہ کی علمی و ادبی کتابوں کا بہت شوق تھا۔ لہٰذا بلادِ اسلامیہ سے آنے والے حضرات اکثر و بیشتر اپنے ہمراہ مختلف اسلامی مطبوعات اور نادر کتب لاتے تھے۔ چنانچہ بلا مبالغہ موسیٰ زئی شریف میں آپ کا کتب خانہ نوادرِ علمی کا ایک بیش بہا خزانہ تھا۔ آپ کے وصال کے بعد کتاب خانہ کی وہ ہیئت مخصوصہ نہ رہی تاہم اس میں اسلامی تہذیب و ثقافت، علم و ادب، تصوف اور دیگر موضوعات پر ہنوز کافی کتابیں موجود ہیں۔

تزکیۂ باطن میں ریاضت کی احتیاج

حضرت خواجہ سراج الدین قدس سرہ نے جب مسندِ ارشاد کو سنبھالا تو آپ کی عمر مبارک سترہ (۱۷) سال سے متجاوز نہ تھی۔ اور پھر بعد ازاں آپ نے سینکڑوں متوسلین کو مقاماتِ سلوک بھی طے کرائے۔ علمِ تصوف میں ایسی مثالیں بہت کم ملتی ہیں کہ اس قدر نوعمری میں کسی شخص کو ولایت کی بلند منازل پر رسائی نصیب ہوئی ہو۔ لہٰذا معارفِ سلوک کا

مطالعہ کرنے والے عام قاری کے ذہن میں یہ سوال ضرور اُبھرتا ہے کہ آیا عرفانِ الٰہی کے حصول میں ریاضت و مجاہدہ کی احتیاج ہے یا اس کے بغیر بھی تزکیۂ باطن میسر آ سکتا ہے۔ اس سلسلہ میں یہ کہنا بے محل نہ ہوگا کہ ریاضت و مجاہدہ اس بنا پر ناگزیر ہے کہ اس سے تہذیبِ نفس ہوتی ہے، قلب ہوا و ہوس کی ریشہ دوانیوں سے محفوظ ہو جاتا ہے اور معرفتِ الٰہی کے حصول کے لیے راہ ہموار ہو جاتی ہے۔ پھر اس سے بڑھ کر یہ کہ اولیاء اللہ ریاضت و مجاہدہ کرنے والی جماعت پر مشتمل ہیں۔ سالک کی فطرت میں پاکیزگی ہو اور اہلیت و استعداد کا جوہر موجود ہو تو ریاضت اس جوہر کو کندن بنا دیتی ہے۔ جہاں فطرت میں لطافت اور استعداد کا فقدان ہوگا، وہاں ریاضت بالکل اثر انداز نہ ہوگی۔ بقول سعدیؒ:

ع ناکس بہ تربیت نشود اے حکیم کس

دوسری صورت میں یہ ایک ناقابلِ انکار حقیقت ہے کہ اللہ تعالیٰ کے بے پایاں الطاف اور اُس کی لامحدود عنایات ریاضت سے وابستہ نہیں، بلکہ اس کے فضل و کرم پر موقوف ہیں۔ اس کے انعام و اکرام کی راہیں جداگانہ ہیں۔ وہ جب چاہے، جسے چاہے نواز دے۔ وقت اور فاصلے کے اصول زمان و مکان میں بسنے والوں کے لیے ہیں۔ ذاتِ لم یزل ان سے اَرفع و اعلیٰ ہے۔ اس پر نصِ قرآنی کی شہادت کافی و وافی ہے:

لَا يُسْئَلُ عَمَّا يَفْعَلُ وَهُمْ يُسْئَلُوْنَ.

یعنی: اللہ تعالیٰ سے اس کے فعل کے بارے میں پرسش نہیں ہو سکتی۔ سوال لوگوں ہی سے کیا جائے گا۔

[illegible]

نے ستر ہ برس گزارے، وہ ماحول بھی قرآن وسنت کے اتباع کا ایک درخشندہ نمونہ تھا۔ اس کا ذرہ ذرہ اور گوشہ گوشہ ذکر الٰہی سے منور تھا اور یہ فضا نفسانی خواہشات اور تمام کدورتوں سے منزہ تھی۔ ایسی پاکیزہ فضا نے حضرت خواجہؒ کے باطن کی نقش نگاری کی تھی۔ بلاشبہ آپ جس مقام پر فائز ہوئے وہ روزِ ازل سے آپ ہی کا مقدر تھا۔

اس سلسلہ میں حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کا ارشاد قولِ فیصل کا حکم رکھتا ہے۔ آپ نے فرمایا ہے:[1]

''امروز حصولِ ایں دولتِ عظمیٰ وابستہ بتوجہ واخلاص یارانِ طریقۂ علیہ نقشبندیہ است بریاضتِ شاقہ ومجاہداتِ شدیدہ آں میسر نگردد کہ بیک صحبتِ ایشاں حصول یابد۔''

اہل اللہ کا وقار

حضرت مولانا محمد عبداللہ صاحب سجادہ نشین خانقاہ سراجیہ[2] فرمایا کرتے تھے کہ سلسلۂ عالیہ نقشبندیہ میں تین ہستیاں ایسی گزری ہیں جو عظمت ووقار اور شان وشوکت میں بے مثال تھیں۔ ان میں سب سے پہلے حضرت خواجہ عبید اللہ احرار رحمۃ اللہ علیہ کا نامِ نامی آتا ہے کہ امرائے وقت اور وزرائے عہد سب کے سب آپ کے نیاز مند تھے اور اہلِ ثروت آپ کے جاہ وجلال سے لرزہ براندام رہتے تھے۔ حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ نے ان کا ایک ملفوظ یوں نقل کیا ہے: ''اگر من شیخی کنم، ہیچ شیخے در عالم مرید نیابد، اما مرا کارِ دیگر فرمودہ اند و آں ترویجِ شریعت وتائیدِ ملت است۔''[3]

۱۔ دفتر اوّل، مکتوب نمبر ۹۰۔ آج اس دولتِ عظمیٰ کا حصول سلسلۂ عالیہ نقشبندیہ کے اخلاص و توجہ کے ساتھ وابستہ ہے۔ شدید مجاہدوں اور سخت ریاضتوں سے وہ حاصل نہیں ہوسکتا جو ان کی ایک صحبت سے مل جاتا ہے۔

۲۔ آپ بانی خانقاہ سراجیہ کندیاں حضرت مولانا ابوالسعد احمد خان قدس سرہٗ کے خلیفۂ مجاز تھے اور موجودہ سجادہ نشین حضرت قبلہ خان محمد صاحب دام اللہ فیوضہ کے پیر ومرشد۔

۳۔ یہ قول حضرت خواجہ عبید اللہ احرار رحمۃ اللہ علیہ کا ہے: اگر میں پیری مریدی شروع کردوں تو

(بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر)

دوسرے حضرت خواجہ سیف الدین رحمۃ اللہ علیہ تھے جو قیوم زماں حضرت خواجہ محمد معصوم رحمۃ اللہ علیہ کے صاحبزادے اور سجادہ نشین تھے۔ شہنشاہ اورنگ زیب عالمگیر آپ کے زیر تربیت رہے۔ خط و کتابت بھی اکثر جاری رہتی تھی۔ چنانچہ مکتوبات سیفیہ میں اورنگ زیب کے نام آپ کے متعدد مکاتیب موجود ہیں۔ آپ کی کرم گستری اور فیض رسانی زباں زد خلائق تھی۔ آپ کے مریدوں اور خلفاء کی تعداد ہزاروں سے متجاوز ہے۔

تیسری عظیم الشان ہستی حضرت خواجہ سراج الدین رحمۃ اللہ علیہ سجادہ نشین موسیٰ زئی شریف تھے۔ آپ کے آستانہ عالیہ پر تین سو سے چار سو تک متوسلین وارادتمند اکثر موجود رہتے تھے۔ شاہانہ طور پر تقسیم لنگر، داد و دہش اور عطا و نوال کا بازار گرم رہتا تھا۔ تمام مہمانوں کو خورد و نوش کا سامان وافر مہیا کیا جاتا تھا۔ بایں ہمہ آپ بے غرض اور بے نفس تھے۔ عقیدت مندوں کی یہ تعداد سفر و حضر دونوں صورتوں میں یکساں رہتی تھی۔ قافلے کی شکل میں روانہ ہوتے جس میں اکثر و بیشتر شتر سوار بھی ہوتے تھے۔ کسی اہل دنیا کی دعوت قبول نہ فرماتے۔ دوران سفر سارے کا سارا انتظام حضرت خواجہؒ کا ذاتی ہوتا تھا:

ع خدا خود میر سامان است ارباب توکل را

وَمَنْ يَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ فَهُوَ حَسْبُهٗ۔

یعنی: اور جو اللہ تعالیٰ پر متوکل ہو جائے پس وہ اس کے لیے کافی ہے۔

چنانچہ آپ کے زمانے میں ہر خاص و عام کی زبان پر یہ گفتگو رہتی تھی کہ اگر حضرت خواجہؒ چند سال مزید زندہ رہے تو کوئی شیخ طریقت ان کے عہد میں مسند آرائی نہ کر سکے گا۔

موسم گرما کے دوران مختلف سفر

موسم گرما میں حضرت حاجی صاحب قبلہ قندھار تشریف لے جاتے تو حضرت خواجہ محمد عثمان اور خواجہ سراج الدین رحمہما اللہ بھی آپ کے ساتھ شریک سفر ہوا کرتے تھے۔ لیکن بعد میں پاسپورٹ وغیرہ کے حصول کا مسئلہ پیدا ہو گیا۔ اور ہر دو حکومتوں میں حسب سابق داخلہ

(گذشتہ سے پیوستہ) دنیا میں کسی پیر کو کوئی مرید نہ ملے۔ لیکن میرے سپرد جو کام ہے وہ جداگانہ نوعیت کا ہے اور وہ ملت کی تائید اور شریعت کی ترویج ہے۔

پر پابندیاں عائد کردی گئیں۔ اس کے پیش نظر حضرت خواجہ سراج الدین رحمہ اللہ اکثر تین چار سو عقیدتمندوں کی معیت میں ایبٹ آباد تشریف لے جاتے۔ وہاں بڑے وقار و تمکنت کے ساتھ موسم گرما ایک ریسٹ ہاؤس میں گزارتے جسے آپ کرایہ پر لے لیتے تھے۔ ایک مرتبہ جب آپ ایبٹ آباد تشریف لے گئے تو کسی شخص نے وہاں کے انگریز ڈی. سی کے پاس مخبری کے طور پر کہا کہ ریسٹ ہاؤس میں فقیروں کی ایک جماعت مدتِ مدید سے مقیم ہے۔ ان کے مصارف کلی طور پر ذاتی ہیں، پھر وہ کسی کی دعوت بھی قبول نہیں کرتے۔ اس سلسلہ میں شہر کے افسر مجاز کو اُن حضرات کے مصارف اور ذرائع آمدن کے بارے میں تحقیق و تفتیش کرنی چاہیے۔ چنانچہ ڈی.سی بذاتِ خود حضرتِ اقدسؒ کی خدمت میں حاضر ہوا اور دعوت کی پیشکش کی۔ حضرت خواجہؒ نے فرمایا، ''آپ کی دعوت اس شرط پر قبول کی جاسکتی ہے کہ جب تک ہم یہاں قیام کریں، ہر روز صبح و شام کا کھانا آپ ہماری طرف سے بھی قبول کریں۔ یہ کھانا حسب منشا آپ کی رہائش گاہ پر ہماری طرف سے پہنچ جایا کرے گا۔'' یہ سننے کے بعد انگریز افسر بھونچکا سا رہ گیا اور ندامت و خجالت کے ساتھ اٹھ کر چلا آیا۔

مقامِ استغنا

جن ایام میں آپ ایبٹ آباد قیام پذیر تھے، ایک فوجی افسر نے ہدیہ کے طور پر پھلوں کی ایک ٹوکری خدمتِ اقدس میں پیش کی۔ آپ نے اسے قبول فرمایا۔ پھر اس کے بعد یہ التزام کیا کہ ہر روز عمدہ پھلوں کی ایک ٹوکری اس فوجی افسر کے گھر بھیج دیا کرتے تھے۔ چند روز کے بعد فوجی افسر نے عجز و نیاز کے ساتھ یہ عرض کی کہ حضور! آپ میرے لیے یہ زحمت نہ فرمایا کریں۔[1]

شانِ توکل

حضرت خواجہ سراج الدین رحمہ اللہ فرمایا کرتے تھے کہ فقیر[1] اپنے والد صاحب سے کچھ حاصل نہیں کر سکا۔ البتہ ان کے فیضانِ صحبت سے میرا دل دنیوی امور کے بارے میں

۱۔ یہ عجز و انکساری کی انتہا ہے۔ شیخ سعدیؒ نے جو فرمایا ہے:

بزرگاں نکردند در خود نگاہ   خدا بینی از خویشتن بیں مخواہ

کبھی مشوش نہیں ہوا اور ساتھ ہی قلب سے محبتِ دنیا کلی طور پر نکل گئی ہے۔ اس خیال سے کبھی تردد پیدا نہیں ہوا کہ اس قدر سینکڑوں کی تعداد میں آنے والے عقیدتمندوں کا انتظام اور اُن کے اسباب خورونوش کہاں سے میسر آئیں گے۔ بس ہر چیز کو اللہ تعالیٰ کے سپرد کرنے کے بعد وہ طمانیتِ قلب نصیب ہوئی ہے جسے حادثات روزگار کبھی زائل نہیں کر سکتے۔

خاص عنایات

حافظ محمد عبداللہ صاحب حضرت خواجہؒ کے مریدوں میں سے تھے اور صاحبزادگان کے استاد بھی تھے۔ وہ ایک مرتبہ ڈیرہ اسمٰعیل خان گئے۔ اس زمانہ میں حفاظت کی غرض سے شہر کے چاروں طرف قلعہ نما فصیل تعمیر کی گئی تھی اور شہر کے سب دروازوں کو عشاء کے بعد بند کر دیا جاتا تھا تا کہ ساکنانِ شہر محفوظ رہیں۔ ان دروازوں کو صبح کے بعد کھولا جاتا تھا۔ حافظ صاحب موصوف کا بیان ہے کہ میں حضرت قبلہ کی خدمت میں جلد ہی موسیٰ زئی شریف پہنچنا چاہتا تھا۔ دروازوں پر پولیس کا عملہ متعین تھا اور ڈیرہ اسمٰعیل خان سے موسیٰ زئی شریف کی مسافت ۴۰ میل تھی۔ طلوعِ آفتاب کے بعد سفر کا آغاز کیا جاتا تو دوپہر سفر میں ہو جاتی اور سخت دشواری پیش آتی۔ اللہ کا نام لے کر سحری کے وقت شہر کے ایک دروازے سے نکلا اور پولیس کے عملے نے مجھ سے کچھ تعرض نہ کیا۔ شہر سے باہر آتے ہی آستانہ شیخ کا رُخ کیا۔ میں حضرت پیرومرشد کی محبت میں سرمست اور ذکر اسمِ ذات سے سرشار جا رہا تھا۔ چند میل کی مسافت کے بعد میرا قدم چلتے ہوئے یکا یک رک گیا۔ ہزار کوشش کے باوجود [illegible]

[illegible]

ریا و اخلاص میں فرق

ایک افغان مدت دراز سے حضور کی خدمت میں رہتا تھا۔ اس کے ذمے گھوڑوں کو چارہ ڈالنا اور تھان کی صفائی کرنا تھا۔ اپنی خدمت کی اہمیت ظاہر کرنے کے لیے وہ گھوڑوں کی لید اپنے دامن میں بھر لیتا اور صفائی کا کام اس وقت شروع کرتا جب حضرت کا گزر خانقاہ سے حویلی کی طرف ہوتا۔ مگر حضرت نے کبھی اس کے حال کی طرف توجہ نہ فرمائی اور اُس کی محنت و مشقت سے ہمیشہ صرفِ نظر فرماتے رہے۔ ایک دن مسجد میں آپ نے ایک چٹائی کو دیکھا جو نہایت مناسب و موزوں انداز کے ساتھ مرمت کی ہوئی تھی۔ آپ نے پوچھا، یہ خدمت کس نے انجام دی ہے؟ حاضرین میں سے کسی نے کہا کہ حضور کے فلاں دیرینہ خادم افغان نے اسے مرمت کیا ہے۔ آپ بیحد مسرور ہوئے اور اِس مسرّت و کیف کے عالم میں اس کے حال پر چشمِ التفات ڈالی جس نے اس کا دامن عرفانِ خداوندی سے بھر دیا۔ پہلا عمل ریا پر مبنی تھا اِس لیے اکارت گیا۔ دوسرے میں اخلاصِ نیت تھا، یہی رحمتِ الٰہی کا موجب بنا۔

حضرت خواجہؒ کی بے مثال شفقت

حضرت خواجہ سراج الدین قدس سرہٗ ایک مرتبہ حج پر روانہ ہوئے۔ اس سفر میں حضرت مولانا ابوالسعد احمد خانؒ اور دیگر ارادتمند بھی شریک تھے۔ حضرت خواجہؒ کا ڈبہ کراچی تک کے لیے ریزرو تھا اور اُس سے ملحقہ ڈبے میں آپ کے تمام مرید بیٹھے ہوئے تھے۔ کراچی پہنچنے پر گارڈ نے حکم دیا کہ حضرت خواجہؒ کے ملحقہ ڈبے کو علیحدہ کر کے عازمین حج کو قرنطینہ میں بھیجا جائے۔ جب ریلوے ملازمین ڈبے کو علیحدہ کرنے لگے تو حافظ محمد عبداللہ صاحب نے، جو صاحبزادگان کے استاد تھے، حضرت خواجہؒ سے فرمایا کہ قیامت کا علم تو اللہ تعالیٰ کو ہے لیکن ہمیں تو قیامت آج ہی نظر آ رہی ہے کہ وَامْتَازُوا الْيَوْمَ أَيُّهَا الْمُجْرِمُوْنَ کے تحت ہمیں آپ سے جدا کیا جا رہا ہے۔ یہ سن کر حضرت خواجہؒ نے ریلوے حکام سے کہا کہ میری جماعت کے کسی فرد کو قرنطینہ میں نہ بھیجا جائے۔ چنانچہ کسی نے آپ کے مریدوں سے کچھ تعرض نہ کیا۔ سبحان اللہ! حضرت خواجہ کی رأفت و شفقت نے یہ گوارا نہ کیا کہ آپ

کے مریدوں کو اُن سے کسی مقام پر علیحدہ رکھا جائے:

من از تو ہیچ مرادے دگر نمی خواہم
ہمیں قدر بکنی کز خودم جدا نکنی

حضرت خواجہؒ کی دنیا سے بے نیازی

صوفی مواز خان صاحب کا بیان ہے کہ ایک مرتبہ میں حضرت اعلیٰ کی معیت میں کھولہ شریف سے سون سکیسر حضرت خواجہ سراج الدین قدس سرہٗ کی خدمتِ اقدس میں حاضر ہوا۔ اس وقت حضرت خواجہ ایک خیمہ میں جلوہ افروز تھے۔ دریں اثنا ایک جوگی ہاتھ میں کوزہ لیے ہوئے آیا اور دُودھ کے ایک مٹکے کا مطالبہ کیا۔ حضرت خواجہؒ کے حکم سے خدام نے اسے دودھ کا ایک مٹکا فوراً مہیا کر دیا اور ساتھ ہی اس کا کوزہ بھی دودھ سے بھر دیا۔ وہ اس دودھ کو لے کر پہاڑ کی چوٹی پر، جہاں اس کا ڈیرہ تھا، چلا گیا۔

جوگی اگلے روز دُودھ والے مٹکے میں چاندی بھر کر لایا اور التماس کیا کہ اسے لنگر کے مصارف میں لایا جائے۔ حضرت خواجہؒ نے پانی کا ایک پیالہ منگوایا اور بسم اللہ شریف پڑھ کر اپنی چھنگلی اس میں پھیری۔ حضرت خواجہؒ کی کرامت سے مٹی کا وہ پیالہ پانی سمیت سونا بن گیا۔ اس کے بعد حضرت خواجہ اس جوگی سے مخاطب ہوئے اور فرمایا:

"تم نے دودھ کی چاندی بنائی اور ہم نے پانی کا سونا بنا دیا۔ بحمد للہ ہمیں سونا اور چاندی دونوں میں سے کسی کی حاجت نہیں۔ لہٰذا یہ تم اُٹھا لو۔"

چنانچہ وہ جوگی سونا اور چاندی لے کر وہاں سے رخصت ہو گیا

جدا از فقر و [illegible] عشق و عقل [illegible]
[illegible] ہمت [illegible] خویشتن است

اژدہا کی فرمانبرداری

سون سکیسر میں قیام کے دوران ایک دن حضرت خواجہؒ نے [illegible] احمد خانؒ نے فرمایا [illegible] ساتھ [illegible] ہے۔ چنانچہ حضرت خواجہؒ کی معیت میں [illegible] احمد خانؒ [illegible] دوسرے [illegible] بھی چل دیے [illegible]

کر حضرت خواجہؒ نے اپنے کپڑے اتار کر ملک فتح محمد صاحب کو دے دیے اور تہ بند باندھ کر تالاب میں غسل کرنے لگے۔ تھوڑی دیر میں سنگریزوں کی کھڑکھڑاہٹ سنائی دی اور ایک بہت بڑا اژدہا نمودار ہوا۔ یہ منظر دیکھ کر تمام درویش دہشت زدہ ہو گئے، مگر حضرت خواجہؒ بالکل متاثر نہ ہوئے۔ چند منٹوں بعد تالاب سے باہر تشریف لائے۔ اپنا لباس زیب تن کیا اور وضو فرمایا۔ اس کے بعد اژدہا کے پاس جا کر اُس کے سر پر ہاتھ پھیرتے ہوئے فرمایا:

''تو ہر روز کسی بھیڑ، بکری یا گائے بھینس کو مار ڈالتا ہے، یہاں پہاڑ میں بسنے والی مخلوقِ خدا تجھ سے بیزار ہے، قیامت کے روز جب تجھ سے باز پرس ہو گی تو اللہ تعالیٰ کو کیا جواب دے گا؟ اب تالاب کا پانی پی اور اس میں نہا کر اپنے جسم کی حرارت کو ٹھنڈا کر لے۔''

حضرت خواجہؒ کے اس ارشاد کے بعد وہ تالاب میں کود گیا اور اُس کے کودنے سے سارے پانی میں تموج پیدا ہو گیا۔ کچھ دیر بعد اُس نے تالاب سے باہر آ کر حضرت خواجہؒ کے قدموں میں سر رکھ دیا۔ آپ نے فرمایا، اب تجھے اجازت ہے۔ حضرت خواجہؒ ایک فرلانگ بمشکل گئے ہوں گے کہ وہ پھر حاضر ہوا۔ اس پر حضرت خواجہ نے تاکیداً فرمایا کہ اب اس پہاڑ کو چھوڑ کر کسی دوسری جگہ چلا جا، ہم تجھے رخصت کرتے ہیں۔ چنانچہ وہ وہاں سے غائب ہو گیا اور حضرت خواجہؒ اپنی قیام گاہ پر واپس تشریف لے آئے۔

تو ہم گردن از حکمِ داور مپیچ
کہ گردن نہ پیچد ز حکم تو ہیچ

حضرت کی عظمت پر ایک بے مثال شہادت

جب حضرت خواجہ محمد عثمان رحمہ اللہ کے وصال کے بعد آپ کے صاحبزادے حضرت خواجہ سراج الدینؒ مسندِ ارشاد و ہدایت پر جلوہ افروز ہوئے تو عمر مبارک سترہ سال سات ماہ اور سات دن تھی۔ عنفوانِ شباب کا عالم تھا۔ ابھی مسیں بھیگ رہی تھیں۔ آپ کی نوعمری اور منصبِ ولایت کی رفعت کو دیکھ کر بعض قدیم خدام قلبی خلفشار اور تردد کا شکار ہو گئے۔ مگر پھر وہی لوگ وقائع اور مبشرات دیکھ کر حضرت کے گرویدہ ہو گئے اور اس شمع

عرفان پر پروانہ وار نثار ہونے لگے۔ اس سلسلے میں حضرت خواجہ محمد عثمان رحمہ اللہ کے خلیفہ مولانا محمد حسین صاحب کا واقعہ خصوصی اہمیت کا حامل ہے۔ آپ کانپور کے رہنے والے تھے اور خانقاہ حسینیہ کے بانی مبانی تھے۔ شیخ کے وصال کے وقت موسیٰ زئی شریف ہی میں قیام پذیر تھے۔ آپ کو اپنے شیخ سے بیحد والہانہ عقیدت تھی۔ چنانچہ پیر کامل کے فراق کا صدمہ ان کے لیے ناقابلِ برداشت تھا۔ پھر خواجہ سراج الدین صاحب قبلہ پر جوانی کا عالم تھا۔ اس خیال کے پیشِ نظر کہ نہ معلوم شیخ کے وصال کے بعد اہلِ خانقاہ کا رویہ میرے ساتھ کیسا رہے اور یہاں زندگی کس نہج پر گزرے، تجدیدِ بیعت نہ کی اور کانپور واپس تشریف لے گئے۔ ایک سال تک وہیں قیام کیا۔ اپنے شیخ کی جدائی کا ہر لمحہ سوہانِ روح تھا۔ آخر الامر حج کا ارادہ کیا اور زیارتِ بیت اللہ شریف سے دیدہ و دل کا سکون پایا۔ وہاں مکہ مکرمہ میں حضرت حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکی علیہ الرحمہ کے ایک مرید سے ملاقات ہوئی جو باطنی نعمتوں سے سرفراز تھے اور صاحبِ کشف مشہور تھے۔ مولانا محمد حسین صاحب نے ان سے پوچھا کہ اس وقت عالمِ اسلام میں سب سے بڑے عارف کامل کون ہیں؟ اس بزرگ نے کہا کہ میں تمہیں اس بات کا جواب کل دوں گا۔ دوسرے دن جب مولانا محمد حسین صاحب ان کی خدمت میں حاضر ہوئے تو انہوں نے کہا کہ اس وقت صرف دو ہستیاں ہیں جو ولایت و عرفان کے عظیم الشان منصب پر متمکن ہیں۔ ان میں ایک بزرگ مصر میں ہیں جو خاصے معمر ہیں اور دوسرے بزرگ ہندوستان میں ہیں جو ہنوز نوعمر ہیں۔ چنانچہ مولانا محمد حسین صاحب حج سے فارغ ہونے کے بعد حضرت سراج الدینؒ صاحب قبلہ کی خدمت میں خانقاہ موسیٰ زئی شریف حاضر ہوئے۔ آپ [illegible] کے انوار [illegible] مبارک [illegible] گئی تھی۔ آپ نے مولانا محمد حسین صاحب کو [illegible] فرمایا

[illegible]

ایک مثالی رابطہ

مولانا [illegible] صاحب [illegible] حضرت خواجہ محمد عثمان قدس سرہ کے مرید تھے [illegible] ولایت کی [illegible] آپ ہی کی خدمت میں [illegible] گئے۔ چنانچہ حضرت نے [illegible]

نقشبندیہ مجددیہ میں خلافت عطا کی لیکن حضرت خواجہ محمد عثمان رحمۃ اللہ علیہ کے وصال کے بعد جیسا کہ اجازت نامہ ذیل سے ظاہر ہوتا ہے، مولانا نے سلوک نقشبندیہ کے مقامات کو ازسرِ نو طے کرنے کی درخواست حضرت خواجہ سراج الدین قدس سرہٗ کی خدمت میں پیش کی تھی۔ حضرتؒ نے نہ صرف سابقہ مقامات کو تازہ کر دیا بلکہ جو مقامات باقی رہ گئے تھے ان کی تکمیل بھی کرادی۔ سلسلہ عالیہ نقشبندیہ کے ساتھ انہیں دیگر سلاسلِ طریقت میں بھی مجاز قرار دیا۔ اس اعتبار سے خلافتِ جامعہ وکاملہ اور اجازتِ مطلقہ مولانا حسین علی صاحب رحمہ اللہ کو حضرت خواجہ سراج الدین قدس سرہٗ سے نصیب ہوئی۔

حضرت خواجہؒ کا رابطہ مولانا حسین علیؒ سے ایک مثالی نوعیت کا ہے۔ ایک طرف حضرت خواجہؒ نے حسبِ ارشادِ والدؒ مولانا حسین علی رحمہ اللہ سے علومِ دینیہ کی متعدد کتابیں پڑھیں اور دوسری طرف مولانا حسین علی صاحبؒ نے آپ سے ہشت سلاسلِ طریقت میں خلافت وسندِ اجازت حاصل کی۔ گویا حضرت خواجہ سراج الدین قدس سرہٗ مولانا کے تلمیذ بھی تھے اور شیخِ طریقت بھی۔

اجازت نامہ کی چند سطور ملاحظہ ہوں:

''پس مولانا صاحب رجوع بہ فقیر آوردند کہ اسباقِ باقی ماندہ تکمیل کنم و باز از سرِ نو شروع کنم۔ بایں ہمہ عدمِ لیاقت از اجازتِ مسئول چارہ ندیدم۔ سبقِ حقیقتِ احمدی و حبِ صرف ولاتعین... و دائرہ سیفِ قاطع و دائرۂ حقیقتِ صوم دادم۔ احوالیکہ مناسب آنہا مشاہدہ خود کردند و فقیر ہم مشاہدہ کرد۔ فصار مجمع البحرین و معدن الانوار فاجزت لہ اجازۃ مطلقۃ فی الطریقۃ النقشبندیۃ والقادریۃ والچشتیۃ والسہروردیۃ والکبرویۃ وغیرہا لارشاد الطلاب والقاء السکینۃ والحضور فی قلوب الاحباب واخذ البیعۃ المسنونۃ عن طالب الطریق المذکورۃ فہو خلیفتی دیدۂ کیدی فطوبیٰ لمن اقتدیٰ بہ۔''

حضرت خواجہؒ کے پسماندگان

آپ نے اپنے پیچھے تین صاحبزادے حافظ محمد ابراہیم صاحب رحمہ اللہ، حضرۃ مولانا

محمد زاہد صاحب اور حضرت مولانا محمد عارف صاحب سلمہما اللہ تعالیٰ، دو صاحبزادیاں اور بے شمار متوسلین چھوڑے۔ حضرت خواجہ سراج الدین رحمہ اللہ کے وصال پر سجادہ نشینی کا مسئلہ پیدا ہوا۔ مولانا حسین علی صاحبؒ نے حضرت خواجہؒ کے سب سے بڑے صاحبزادے حافظ محمد ابراہیم صاحب کو مجازِ طریقت قرار دے کر اُن کی دستار بندی کی۔ حضرت خواجہؒ کے خدام وخلفاء، جو وہاں موجود تھے، سب نے ان کی خلافت و جانشینی کو تسلیم کرلیا۔ آج کل حافظ صاحب مرحوم ومغفور کے فرزندِ اکبر مولانا محمد اسمٰعیل صاحب خانقاہ شریف کی تولیت اور اہتمام وانتظام کے فرائض انجام دے رہے ہیں۔ اَوْصَلَهُ اللّٰهُ تَعَالٰى اِلٰى مَقَامِ آبَائِهِ الْكِرَامِ.

حافظ صاحب مرحوم کے دوسرے صاحبزادے مولانا محمد جان صاحب دریا خاں میں حضرت خواجہ سراج الدین قدس سرہٗ کے بنگلہ میں اقامت پذیر ہیں۔ قریب ہی مسجد کی تعمیر بھی کرا رہے ہیں۔ الحمدللہ کہ اکابر کے فیوض سے بہرۂ وافر رکھتے ہیں۔ مہمانوں اور ارادتمندوں کی خدمات بجالاتے ہیں۔ اخلاقِ کریمانہ کا مجسمہ ہیں۔ تیسرے صاحبزادے احمد جان صاحب ہیں۔ آپ بھی دریا خاں ہی میں مقیم ہیں۔ اَوْصَلَهُمَا اللّٰهُ تَعَالٰى اِلٰى مَقَامَاتِ الْوَلَايَةِ وَالْعِرْفَانِ.

حضرت خواجہ سراج الدین قدس سرہٗ کے دو صاحبزادے بحمدہٖ تعالیٰ اس وقت بقیدِ حیات ہیں جن کے اسمائے گرامی خواجہ محمد زاہد صاحب اور خواجہ محمد عارف صاحب سلمہما ہیں۔ آبائے کرام کے مسلک پر استقامت کے ساتھ گامزن ہیں۔ بڑے مہمان نواز، خوش اخلاق اور بلند کردار ہیں۔ خواجہ محمد عارف صاحب متذکرہ بالا صفات کے ساتھ ایک نغزگو شاعر بھی ہیں۔ آپ کا کلام صوفیانہ اور عارفانہ رموز کا حامل ہے۔ اَبْقَاهُمَا اللّٰهُ تَعَالٰى وَاَطَالَ حَيَاتَهُمَا.

خلفائے عظام

۱۔ حضرت مولانا ابوالسعد احمد خان صاحب رحمۃ اللہ علیہ: حضرت خواجہ سراج الدین رحمۃ اللہ علیہ کے خلیفۂ اعظم و نائب اتم صحبتِ شیخ سے سربلند، منصب قیومیت پر سرفراز

امام الواصلین رئیس الکاملین، بانی خانقاہ سراجیہ کندیاں سیدنا و مرشدنا حضرت مولانا ابوالسعد احمد خان قدس اللہ تعالیٰ سرہ العزیز ہیں۔ رسالہ "تحفۂ سعدیہ" آپ کے احوال و آثار پر مشتمل ہے۔ حضرت اعلیٰ کے بعض ابتدائی حالات جو رسالہ میں نہیں آسکے تھے، ان شاء اللہ کتاب ہذا میں تحریر کیے جائیں گے۔

۲۔ حضرت مولانا حسین علی صاحب رحمۃ اللہ علیہ: آپ واں بھچراں، ضلع میانوالی کے رہنے والے تھے۔ علوم عربیہ کے جید عالم، محدث اور فقیہ تھے۔ حدیث مولانا رشید احمد گنگوہی اور مولانا محمد مظہر نانوتوی رحمہما اللہ سے پڑھی۔ سلوک حضرت خواجہ محمد عثمان رحمہ اللہ کی خدمت میں طے کرنا شروع کیا اور خواجہ محمد سراج الدین قدس سرہٗ سے تکمیل کے بعد مجاز فی الطریقہ ہوئے۔ دیگر سلاسلِ طریقت میں بھی اجازت مطلقہ سے سرفراز ہوئے۔ اپنے شیخ حضرت خواجہ محمد عثمان کے مجموعہ فوائدِ عثمانی کی تصحیح فرمائی اور اُن پر حواشی بھی تحریر کیے۔ حواشی میں (ح) آپ کے نام حسین علی کی طرف اشارہ ہے۔

بہت سے سالکانِ طریق آپ سے مستفید ہوئے۔ درسِ قرآن و حدیث آپ کا خصوصی مشغلہ تھا۔ بڑی سختی سے بدعاتِ مروجہ کی تردید کرتے تھے۔ ترویج سنت اور تبلیغ توحید میں ہمہ عمر سرگرم رہے۔ تَغَمَّدَهُ اللّٰهُ تَعَالٰى بِغُفْرَانِهٖ۔

۳۔ حضرت مولانا غلام حسن رحمۃ اللہ علیہ: آپ بھی حضرت خواجہ سراج الدین رحمہ اللہ کے مشہور خلفاء میں سے تھے۔ حق تعالیٰ نے انہیں تبلیغ و اشاعتِ دین کے لیے چُن لیا تھا۔ کثیر تعداد میں ہندو اور سکھ آپ کی بدولت مشرف باسلام ہوئے۔ ان نومسلم حضرات میں حفاظِ قرآن اور علمائے دین بھی بکثرت ہوئے۔ آپ نے قصبہ کروڑ میں ایک خانقاہ تعمیر کی اور اپنے شیخ کی نسبت سے اس کا نام خانقاہ سراجیہ رکھا۔

آپ کی کرامات اور تصرفات بے شمار ہیں۔ بحمدہٖ تعالیٰ آپ کے فیض کا سلسلہ جاری ہے۔ رحمہ اللہ رحمۃً واسعۃً۔

وصال

حضرت خواجہ سراج الدین صاحب قدس سرہٗ اٹھارہ سال تک مسندِ ارشاد پر متمکن

رہے۔ اس عرصہ میں آپ نے ایک عالم کو رُشد و ہدایت سے نوازا۔ شریعتِ مطہرہ کی ترویج میں شب و روز کوشاں رہے۔ سنتِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کی ترویج واشاعت میں بے مثال خدمات انجام دیں اور ملتِ اسلامیہ کو سعادتِ دارین سے ہمکنار فرمایا۔ عمر مبارک پینتیس (۳۵) سال پائی۔ زندگی کے آخری ایام میں ورمِ امعاء کا عارضہ لاحق ہوا۔ حکیم حافظ محمد اجمل رحمہ اللہ کے ہاں دہلی میں زیرِ علاج رہے اور ۲۶ ربیع الاول ۱۳۳۳ھ کو عین شباب میں اپنے خالقِ حقیقی سے جا ملے اور اپنے والد ماجد حضرۃ خواجہ محمد عثمانؒ کے پہلو میں جگہ پائی۔

مقدور ہو تو خاک سے پوچھوں کہ اے لئیم

تو نے وہ گنج ہائے گرانمایہ کیا کیے

حضرت کی وفات حسرت آیات نے ایک عالم کو اندوہ گیں بنا دیا۔ بعض متوسلین نے قطعاتِ تاریخِ وصال لکھے۔ مولانا حکیم عبدالرسول صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے ایک طویل قطعہ نظم فرمایا۔ اس کے چند اشعار مادۂ تاریخ کے ساتھ یہاں نقل کیے جاتے ہیں:

آہ! صد آہ! قبلۂ عالم — قطبِ اقطابِ وقت، شاہِ شہاں

خواجۂ خواجگاں، سراج الدینؒ — شمسِ اوجِ ہدایت و عرفاں

خلفِ اسعد، خلیفۂ ارشد — غوثِ آفاق حضرتِ عثمانؒ

کرد رحلت ازیں جہان ناگاہ — تیرہ شد و صفحۂ دوراں

وارہ جز کس کہ دید حضرت را — سینہ بریان و دیدۂ گریاں

مرکزِ فیض آں امامِ ہمام — مہرِ دولی زنی ست در داماں

بہرِ تاریخِ وصلِ آں حضرت — جوششم ز کلکِ خوں افشاں

از جہاں رفتہ آفتابِ زمن — شبِ غم سوخت جانِ حسرتیاں

۱۳۳۳ھ

حالِ زارم چو دید ہاتفِ غیب — گفت مستور شد سراجِ جہاں

۱۳۳۳ھ

بسم الله الرحمن الرحيم

مجددِ عصر قیومِ زماں

حضرت مولانا ابوالسعد احمد خان قدس سرہٗ

کے احوال و آثار

شجرۂ نسب مجدد عصر قیوم دوراں مولانا ابو السعد احمد خانؒ

(پیدائش ۱۸۸۰ء، وفات ۱۲ صفر المظفر ۱۳۶۰ھ/۱۱ مارچ ۱۹۴۱ء)

مقاماتِ مظہری کے آخری صفحہ پر
حضرت اعلیٰ کے دستِ مبارک کی تحریر کردہ الہامی عبارات

مَنْ جَاءَکَ زَائِرًا فَهُوَ مَغْفُورٌ اَنْتَ مَغْفُورٌ وَّمَنْ يُّصَافِحُکَ مَغْفُوْرٌ. مَنْ دُفِنَ حَوْلَکَ مَغْفُوْرٌ اَنْتَ مُجَدِّدُ هٰذِهِ الْمِأَةِ اَنْتَ خَلِيْفَتُنَا فِي الْاَرْضِ.

تو قطبِ جمیعِ دیارِ ہستی

خَلَقْتُ الْخَلْقَ لِاَجْلِکَ. مَنْ اَهَانَکَ فَقَدْ اَهَانَ اللّٰهَ.

ایں فقیر را بہ سیر مرادی مبشر ساختند وشرک از عبادت او برداشتند وندا در دادند کہ اَنْتَ مِنَ الْمُخْلَصِيْنَ بِفَتْحِ اللَّامِ. واز حضرت سرورِ کائنات (صلی اللہ علیہ وسلم) بایں بشارت مبشر شد، اَنْتَ مِنِّيْ بِمَنْزِلَةِ هَارُوْنَ مِنْ مُوْسٰى. وارشاد کردند کہ از نسبت خاصۂ من تراحظ وافر ست۔

ترجمہ: جو تیری زیارت کے لیے آیا بخشا گیا۔ جو تجھ سے مصافحہ کرے گا، بخشا جائے گا۔ جو تیرے پاس مدفون ہوا، اُس کی مغفرت ہوئی۔ تو اِس صدی کا مجدد ہے۔ تو زمین میں ہمارا خلیفہ ہے۔ تو سارے عالم کا قطب ہے۔ میں نے مخلوق[1] کو تیرے لیے پیدا کیا۔ جس نے تیری توہین کی اُس نے اللہ تعالیٰ کی توہین کی۔

اس فقیر کو سیر مرادی سے سرفراز فرمایا گیا اور شرک اس کی عبادت سے رفع کر دیا گیا اور غیب سے ندا آئی کہ تو مخلَصین (بفتح لام) میں سے ہے اور حضرت سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب سے یہ بشارت دی گئی کہ تیرا رابطہ مجھ سے ایسا ہے جیسا موسیٰ علیہ السلام سے ہارون علیہ السلام کا۔ اور یہ فرمایا کہ تجھے میری نسبت خاص سے بہرۂ کامل نصیب ہے۔

۱۔ یہ ضمیت کبریٰ کی طرف اشارہ ہے۔ چونکہ آپ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ضمیت سے سرفراز تھے۔ لہٰذا یہاں اسی خطاب سے ممتاز ہوئے جس سے رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کو نوازا گیا تھا۔

در شانِ حضرت ابوالسعد احمد خان قدس سرہٗ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم — بر ہمہ عالم ز عنایت کریم

می چکد از خامۂ رمز آشنا — مدحتِ سرخیلِ ہمہ اولیاء

حضرت بوسعد احمد خانِ پیر — جانہا در قالب از وے مستنیر

ہر کہ شد از دیدارش بہرہ یاب — فائز گردید بہ حسن المآب

و آنکہ زیارت بہ مزارش نمود — منزلِ او جنتِ فردوس بود

مدفون شد در بہ جوارش کسے — یافتہ ز آلائے بہشتی بسے

کرد ہمہ عمر ز صدق و صفا — پیرویٔ سنتِ خیر الوریٰ

تاجِ سرافرازیٔ حق برسرش — خلعتِ فیضِ ابدی در برش

در توحید آمدہ عالی مقام — عارف باللہ، مجددِ امام

مرشدِ کامل، قیومِ زماں — دینِ نبیؐ یافتہ زو عز و شاں

یا رب! تا عالمِ امکاں بود

مہرِ سراجیہ درخشاں بود

حافظ محمد افضل فقیر عفی عنہ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد للہ وسلام علی عبادہ الذین اصطفیٰ

[illegible]

مکتوب گرامی نقل حضرت قدس سرہ

حضرت سیّدنا ومولانا ابوالسعد احمد خان صاحب قدس سرہٗ

احوالِ خاندان

حضرتِ والا کا اسمِ گرامی احمد خان اور کنیت ابوالسعد ہے۔ سلسلۂ نسب اس طرح ہے: احمد خان بن ملک مستی خان بن ملک غلام محمد بن ملک فتح محمد۔ قوم راجپوت تلوکر، پیشہ زمینداری اور اپنے علاقہ کی سرداری۔

آپ کے والد ماجد ملک مستی خان رحمہ اللہ تین بھائی تھے، دوسرے دو بھائیوں کے نام ملک ہستی خان اور ملک مرزا خان تھے۔ تینوں بھائیوں کی اولاد اور نسل تین خیلوں کے نام سے مشہور ہوئی: مستی خیل، ہستی خیل، اور مرزا خیل۔ مستی خیل کے اوّلین سردار، وارثِ علومِ نبوی حضرت اعلیٰ ابوالسعد احمد خان قدس سرہٗ ہیں، جو سرخیلِ اولیائے وقت ہوئے۔ اور مرزا خیل کی اولاد میں عہدِ حاضر کے سجادہ نشین، حضرت اعلیٰ کے فرزندِ نسبتی سیّدنا ومولانا ابوالخلیل خان محمد صاحب مدظلہ العالی ہیں۔ گویا زمرۂ اولیاء کی تاجداری کے لیے مشیت الٰہی نے حضرت مستی خان صاحب رحمہ اللہ کے فرزند اور مرزا خان مرحوم کے نبیرہ کو منتخب فرما رکھا تھا۔

بشارتِ ظہور قبل از ولادت

موضع بھکھوال ملک مستی خان صاحب کا مسکن تھا۔ قریب ہی اس زمانہ کے ایک بزرگ مولانا غلام محمد صاحب رہتے تھے جو اسرار ومعارفِ ولایت میں مہارتِ کاملہ اور بصیرتِ تامہ کے مالک تھے۔ خاصے معمر ہو چکے تھے۔ وہ ملک مستی خان صاحب کا بڑا احترام کرتے تھے۔ اپنے خدام کو ہدایت کر رکھی تھی کہ جب ملک مستی خان صاحب ہمارے ڈیرے کے پاس سے گزرا کریں تو ہمیں پنگوڑے میں بٹھا کر ان کے استقبال کے لیے لے جایا کرو۔ چنانچہ جب ملک صاحب موصوف گھوڑے پر سوار ان کے ڈیرے کے پاس سے گزرتے تو دور سے دیکھ کر مولانا کے خدام آپ کو پنگوڑے میں بٹھا کر گزرگاہ پر لے آیا کرتے تھے۔

ملاقات ہوتی اور تھوڑی دیر بعد ملک صاحب اپنے کام کاج کی غرض سے چلے جایا کرتے۔ پھر مولانا واپس اپنے مکان میں تشریف لے آتے۔ مولانا کے خدام حیران ہوتے تھے کہ حضرت مولانا ایک دنیا دار زمیندار کا اتنا احترام کیوں کرتے ہیں کہ باوجودِ ضعف خود اُن کے استقبال کے لیے تکلیف اٹھاتے ہیں۔ خدام سے جب نہ رہا گیا تو انہوں نے ایک روز جسارت کر کے پوچھ ہی لیا کہ آخر اس میں کیا راز ہے کہ آپ ایک دنیادار زمیندار کا اس قدر احترام کرتے ہیں اور اُس کے لیے باوجود ضعف بہت اہتمام فرماتے ہیں۔ ایک دنیادار کا اس قدر احترام ہم خدام پر سخت گراں گزرتا ہے۔ حضرت مولانا نے فرمایا، "تمہیں خبر نہیں، درحقیقت میں اُس ولی کا احترام کرتا ہوں جو ملک مستی خاں کی پشت میں موجود ہے۔ جب ملک صاحب یہاں سے گزرتے ہیں تو میں اُس ولی کا نور اور اُس کی خوشبو محسوس کرتا ہوں اور عالمِ امکان میں عنقریب ظاہر ہونے والی اس عظیم ہستی کے احترام پر مجبور ہو جاتا ہوں۔"

ولادت باسعادت

اللہ تعالیٰ کی رحمت سے اب وہ ساعتِ سعید آ پہنچی کہ ہمارے حضرت اعلیٰ موضع بلھروا، تحصیل میانوالی[1]، ضلع بنوں میں ملک مستی خان صاحبؒ کے گھر ۱۲۹۷ھ میں جلوہ افروز ہوئے۔ چونکہ ملک صاحب مرحوم مولانا غلام محمد صاحبؒ سے عقیدت مندانہ ربط وضبط رکھتے تھے، اس لیے عالمِ صغرسنی ہی میں حضرت والا کو اُن کے دوسرے بھائی ملک محمد خان صاحب کے ساتھ حضرت مولانا غلام محمد صاحب کی خدمت میں لے گئے اور دونوں کے لیے دعا کی درخواست کی۔ حضرت مولانا نے صاحبزادہ احمد خان کے حق میں علومِ ربانیہ کے حصول کی دعا کی اور ملک صاحب سے فرمایا، اس بچہ کو علمِ دین سکھانا، یہ دین کے قابل ہے۔ اور دوسرے صاحبزادے محمد خان کے متعلق فرمایا، یہ بچہ بڑا ہو کر عزّ و وقار کا مالک ہو گا۔ آغاز شان وشوکت کے ساتھ معلوم ہوتا ہے لیکن یہ وقار و تمکنت ایک دن زوال پذیر ہو گا۔

پیشگوئی کا ظہور

چنانچہ صاحبزادہ احمد خان صاحبؒ نے علومِ دینیہ ظاہر و باطن دونوں لحاظ سے حاصل

---

[1] اُس وقت میانوالی ضلع بنوں کی تحصیل تھی۔

کر کے "حضرت قیوم زماں محبوب رب العالمین مولانا ابوالسعد احمد خان" کا نام پایا۔
دوسرے بھائی ملک محمد خان صاحب نے دنیوی تعلیم حاصل کر کے اولاً فوج کی ملازمت اختیار کی اور بعد ازاں کوئٹہ میں تحصیلدار متعین ہوئے۔ کچھ عرصہ بڑی شان و شوکت اور دبدبہ سے گزرا لیکن پھر مولانا غلام محمد بگھروی کی پیشگوئی کے مطابق ستارۂ عروج زوال میں آ گیا۔ حساباتِ مال میں تین روپیہ اور ایک روایت کے مطابق صرف ایک پیسہ کی غلطی پائی گئی، جس کی پاداش میں معزول ہو کر گھر آ بیٹھے۔[1]

تعلیم

آپ کا خاندان، جیسا کہ سابقاً مذکور ہوا، زمینداروں اور ملکوں کا خاندان تھا، لیکن دنیاداری کے ساتھ ساتھ دینداری کا بھی چرچا تھا۔ مولانا غلام محمد صاحب بگھروی نے حضرت اعلیٰ کے والد ماجد کی توجہ آپ کے علومِ دینیہ سکھانے کی طرف مبذول کروائی تھی۔ اس لیے سنِ شعور کو پہنچنے کے بعد تعلیمِ قرآن کا آغاز بگھروے کی مسجد ہی میں ہوا جہاں ایک امام مسجد تعلیم دیا کرتے تھے۔ قرآن مجید انہی سے پڑھا۔

تعلیمِ قرآن سے فارغ ہونے کے بعد آپ کو عربی علوم کی تحصیل کا شوق دامن گیر ہوا۔ بگھروے میں درسِ عربی کا انتظام نہ تھا۔ اس لیے کسی کو اطلاع دیے بغیر آپ موضع سیلوان میں حضرت مولانا عطا محمد قریشی کی خدمت میں چلے گئے۔ ان اطراف میں مولانا موصوف کے درس کی شہرت تھی۔ استاد کی خدمت میں حاضر ہوئے تو انہوں نے صاحبزادہ کی ملکانہ ہیئت دیکھ کر خیال کیا کہ یہ بچہ ملکوں کا ہے جو زمینداری و سرداری کرنے والے لوگ ہیں، انہیں اپنے بچوں کو عربی پڑھانے کا خیال کہاں آ سکتا ہے؟ پوچھا، کیا نام ہے اور کس کے لڑکے ہو؟ عرض کیا، احمد خان نام ہے اور ملک مستی خان کا لڑکا ہوں۔ استاد نے حضرت کے والد ماجد کا نام سنا تو یقین ہو گیا کہ یہ بچہ گھر سے بھاگ کر آیا ہے اور محض ٹھہرنے کے لیے مدرسہ میں داخل ہونا چاہتا ہے۔ ملکوں کے ہاں سر پر پٹھے رکھنے کو رواج تھا اور یہ حضرات سر منڈانا عیب تصور کرتے تھے۔ اس لیے استاد نے امتحان کے طور پر فرمایا،

---

[1] تفصیل واقعہ انشاء اللہ اپنے موزوں مقام پر آئے گی۔

''اچھا! اگر تم یہاں رہ کر پڑھنا چاہتے ہو تو سر منڈا کر آؤ، یہاں پڑھنے کے لیے یہ اولین شرط ہے۔''

استاد کا خیال تھا کہ ملکوں کے رسم ورواج کے مطابق یہ بچہ بھی سر نہیں منڈوائے گا اور یوں سر سے بلا ٹل جائے گی۔ لیکن آپ استاد کا یہ ارشاد سن کر فوراً باہر چلے گئے اور ایک حجام سے سر منڈوا کر تھوڑی دیر بعد حاضر ہو گئے۔ اب تو استاد بھی قائل ہو گئے اور سمجھ گئے کہ واقعی یہ عزیز علم ہی کی خاطر آیا ہے۔ داخل کر لیا اور جو کھانا (نانِ جویں) طلبہ کو دیا جاتا تھا وہ آپ کو بھی ملنے لگا۔ اور آپ ذوق وشوق سے پڑھنے لگے۔ گھر والوں کو کسی قسم کی اطلاع بہم نہ پہنچائی۔ خیال تھا کہ اگر انہیں میری اقامت کا پتہ چل گیا تو یہاں سے گھر واپس لے جائیں گے اور سلسلۂ تعلیم منقطع ہو جائے گا۔

غرض آپ نے عربی صرف ونحو کی ابتدائی کتابیں مولانا عطا محمد قریشیؒ کے درس میں پڑھیں۔ پھر بندھیال، ضلع میانوالی چلے گئے۔ یہاں ایک مدرسہ میں داخل ہوئے جہاں حضرت مولانا نائی درس دیا کرتے تھے۔ آپ بھی ان کے حلقۂ درس میں شریک ہو گئے۔ اب بھی گھر والوں کو نہ اطلاع دی، اور نہ ان سے خرچ مانگا۔ مولانا کے لنگر سے جو کچھ کھانے کو مل جاتا، صبر وقناعت سے اسی پر اکتفا کرتے ہوئے بڑے انہماک سے درس ومطالعۂ کتب میں مشغول رہتے۔ خود حضرت اعلیٰ بیان فرمایا کرتے تھے کہ بندھیال میں تعلیم کے دوران کھانا اکثر وبیشتر ایک دن ناغہ کے بعد ملتا تھا اور وہ بھی جو کی ایک روٹی۔

فقر خیبر گیر با نانِ شعیر
بستۂ فتراک او سلطان و میر

لیکن تشنگیٔ علم ایسی چیز ہے کہ ظاہری اسباب اور دنیوی ساز وسامان کا فقدان اس کے سامنے کچھ حقیقت نہیں رکھتا۔ صبر وشکر سے اسی تیسرے دن ملنے والی جو کی ایک روٹی پر گزارا کرتے۔ دینی علوم کے مطالعہ میں شب وروز ایسے منہمک رہتے کہ اشتہائے شکم کا دھیان تک نہ آتا۔ حضرت اعلیٰ فرماتے تھے کہ اس درجہ انہماک رہتا تھا کہ مجھے گردوپیش کی چیزوں تک کا احساس نہ ہوتا تھا۔

انہماکِ مطالعہ کی ایک مثال

حضرتِ اعلیٰ نے فرمایا کہ جب والدین کو میرے بندھیال میں تعلیم حاصل کرنے کا علم ہو گیا تو والد صاحب نے بھائی ملک محمد خان صاحب کو خیریتِ احوال معلوم کرنے کے لیے وہاں بھیجا۔ وہ گھوڑے پر سوار بکھروے سے بندھیال پہنچے۔ مدرسہ پہنچ کر استادِ گرامی سے دریافت کیا کہ احمد خان کہاں ہے؟ استادِ محترم نے فرمایا کہ باہر جنگل میں کسی درخت کے نیچے بیٹھا ہوا مطالعہ کر رہا ہوگا۔ چنانچہ بھائی صاحب گھوڑے پر سوار میرے قریب آ کر دیر تک کھڑے رہے اور مجھے مطالعہ میں محو ہونے کی وجہ سے کچھ خبر نہ ہوئی۔ وہ آدھ گھنٹے تک اسی انتظار میں کھڑے رہے کہ میں کتاب سے نظر ہٹاؤں تو وہ مجھ سے بات کریں۔ بعد میں جب ان سے ملاقات ہوئی تو انہوں نے بتایا کہ آدھ گھنٹے سے تمہارے پاس کھڑا انتظار کرتا رہا کہ تمہیں اپنی طرف متوجہ پاؤں تو گفتگو کروں۔[1]

تحصیلِ علم کے لیے ہندوستان کا سفر

بندھیال میں آپ عربی کی متوسطات تقریباً پڑھنے کے بعد تکمیلِ علم کے لیے ہندوستان چلے گئے۔ پہلے مراد آباد پہنچے، وہاں کچھ عرصہ مدرسۂ شاہی میں پڑھا۔ پھر وہاں سے کانپور تشریف لے گئے۔ یہاں مولانا احمد حسین صاحب کانپوری اور مولانا عبید اللہ صاحب بکھروی تعلیم فقہ و حدیث دیتے تھے۔ ان حضرات سے آپ نے تکمیل دورۂ حدیث فرمائی۔ صرف و نحو، منطق و فلسفہ، ادب و معانی اور فقہ و تفسیر کی کتابیں بیحد ذوق و شوق اور محویت و انہماک سے پڑھیں جس کا تھوڑا سا اندازہ ناظرین نے بندھیال میں قیام کے دوران واقعہ مذکورہ سے لگا لیا ہوگا کہ آپ کے بھائی صاحب آپ کی تلاش میں پہنچے اور آدھ گھنٹے تک اسپ سوار انتظار میں کھڑے رہے، مگر آپ کو کچھ خبر نہ ہوئی اور مطالعہ میں استغراق کے باعث اوپر نظر اٹھا کر بھی نہ دیکھا۔ ظاہر ہے کہ دورۂ حدیث اور تفسیر قرآن حکیم میں آپ کا انہماک اور ذوق و شوق اس سے بدر جہا زیادہ ہوگا۔ اس کا تصور کچھ وہی حضرات کر سکتے

---

[1] تحصیلِ علم کے سلسلے میں یہ تفصیلات اُن روایات سے ماخوذ ہیں جو حضرت مولانا خان محمد صاحب مدظلہ العالی نے خود ہی حضرت سے روایت فرمائی ہیں۔ (محمد محبوب الٰہی عفی عنہ)

ہیں جو دینی علوم کا ذوق خداداد رکھتے ہیں۔

تکمیلِ سلوک

غرض حضرت والا عربی و فارسی علوم کے جامع اور قرآن و حدیث کے انوار سے مستنیر اپنے وطن مالوف خیرآباد تشریف مراجعت فرما ہوئے۔ معقول و منقول کی تکمیل کے بعد قلب و روح کا طائر بلند نظر عالم قدس کی فضا میں سیر کے لیے آمادۂ پرواز ہوا۔ گویا بقول حافظ شیرازی صورت حال اس طرح تھی:

کہ اے بلند نظر شاہباز سدرہ نشیں
نشیمن تو نہ ایں کنج محنت آباد است

آپ تحصیل کے زمانہ طالب علمی ہی میں حضرت سید میر افضل شاہ قدس سرہٗ خلیفہ مجاز حضرت خواجہ محمد عثمان نور اللہ مرقدہٗ کے دستِ حق پرست پر سلسلۂ عالیہ نقشبندیہ میں بیعت ہو کر ذکر و اشغال قلبی سے بہرہ یاب ہو چکے تھے۔ چنانچہ تھوڑے عرصے بعد جب حضرت پیر افضل شاہ رحمہ اللہ رحلت فرما گئے تو آپ نے حضرت خواجہ محمد عثمان قدس سرہٗ کی خدمت میں تجدید بیعت کی درخواست کی۔ حضرت خواجہ نے تسلی و تشفی دیتے ہوئے یہ ارشاد فرمایا کہ سید افضل شاہ کے سب مرید ان کے شیخ ہی کے مرید ہیں۔ اور آپ کو مشورہ دیا کہ فی الحال اسم ذات کے اسی ذکر و شغل پر عمل پیرا رہیں جس کی تلقین حضرت شاہ صاحبؒ سے حاصل کر چکے ہیں، اور کامل توجہ تحصیل علم کی طرف مبذول کریں۔ فارغ التحصیل ہونے کے بعد اگر تحصیل سلوک کا [illegible] کریں تو اس وقت تجدید بیعت کی ضرورت پیش [illegible]

چکے ہیں۔

[illegible]

شریف حاضر ہوئے اور نہایت یکسوئی کے ساتھ روحانی کمالات حاصل کیے۔ لیکن مشیتِ الٰہی میں آپ کی تکمیل حضرت خواجہ سراج الدین قدس سرہٗ سے استفادہ پر مقدر ہو چکی تھی۔ شغلِ ذکر قلبی، جو حضرت پیر لعل شاہ صاحبؒ سے حاصل کر چکے تھے، اس سے آگے ابھی ولایتِ صغریٰ کی نہایت تک ہی پہنچ سکے تھے کہ حضرت خواجہ محمد عثمان قدس سرہٗ نے اس خاکدانِ عالمِ فانی سے پردہ اختیار فرمالیا۔

حضرت خواجہ سراج الدین قدس سرہٗ سے تجدید بیعت

شیخ کا وصال مریدانِ باصفا کے لیے سانحۂ عظیم ہوا کرتا ہے۔ اس صورت میں مقامِ ارادت واستقامت پر گامزن رہنا سالکانِ بلند نظر کے لیے بھی دشوار ہو جاتا ہے اور آپ تو اس قسم کے سانحہ سے بار دگر دوچار ہوئے تھے لیکن پہلا صدمہ بزمانۂ طالب علمی پیش آیا تھا اور دوسرا سانحہ تو اُس وقت پیش آیا جب آپ خود کو اصلاحِ باطن ایسے عظیم مقصد کے لیے شیخِ وقت کے سپرد کر چکے تھے۔ اور تیزی و سرگرمی سے مدارج و مقاماتِ سلوک طے فرما رہے تھے۔ ایسے حالات میں سرپرستِ روحانی کی جدائی نہ پوچھیے کہ طالب صادق کے دل و دماغ پر کیا قیامت برپا کرتی ہے۔ فقیر بھی حضرت سیدنا و مولانا محمد عبداللہ قدس سرہٗ (نائب قیوم زمان حضرت مولانا ابوالسعد احمد خان قدس سرہٗ) کے وصال کے بعد یہ صدمہ دیکھ چکا ہے اور اس طوفانِ غم سے گزرا ہے۔ بلا مبالغہ فضائے عالم تاریک نظر آتی تھی اور حسرت و یاس کی الناک پرچھائیاں قلب و نظر کو محیط تھیں۔ ایسے موقع پر اگر مربی حقیقی تعالیٰ شانہٗ کی رحمت دستگیری نہ فرمائے تو سالک اتھاہ ظلمتوں اور گھٹا ٹوپ اندھیروں میں گھر کر رہ جاتا ہے جہاں اس کی قوت فیصلہ جواب دے دیتی ہے اور پائے استقامت میں لغزش پیدا ہو جاتی ہے۔

بہر حال یہ اللہ تعالیٰ کی خاص رحمت تھی کہ آپ نے بغیر کسی تذبذب اور تردد کے اپنے ہم عمر شیخ حضرت خواجہ سراج الدین قدس سرہٗ سے تجدید بیعت فرمائی۔ اپنی سیر و سلوک کو جاری رکھا اور مدارج روحانیت طے فرماتے رہے۔

ایں سعادت بزورِ بازو نیست
تا نہ بخشد خدائے بخشندہ

رابطۂ شیخ

اعلیٰ حضرت رحمہ اللہ کو حضرت خواجہ محمد عثمان قدس سرہٗ کی خدمت میں آنے کے بعد اپنے شیخ کی محبت کا جو قوی رابطہ نصیب ہوا تھا وہ اب اسی شان سے حضرت خواجہ سراج الدین نور اللہ مرقدہٗ سے استوار تھا:

خدا ار بہ حکم بہ بندد درے ۔۔۔۔ کشاید ز فضل و کرم دیگرے

غرض آپ نہایت گرم جوشی کے ساتھ صحبت شیخ میں مقاماتِ عالیہ کا اکتساب کر رہے تھے اور حضرت خواجہؒ بھی بیحد دلنوازی و جانفشانی کے ساتھ کرم گستری اور فیض رسانی میں پیش پیش تھے۔ رابطۂ روحانی بلکہ اتحادِ جانی کا یہ عالم تھا کہ آپ کا بار بار بکھڑ ے سے موسیٰ زئی شریف پاپیادہ سفر کرنا حضرت خواجہ سراج الدین قدس سرہٗ کو شاق گزرتا تھا، لہٰذا ایک روز فرمایا:

> "مولانا! آپ پیدل سفر نہ کیا کریں کیونکہ بکھڑ ے سے یہاں تک جو قدم آپ زمین پر رکھتے ہیں، مجھے یوں محسوس ہوتا ہے کہ وہ میرے قلب پر پڑتا ہے۔"

اس فرمان کے پیشِ نظر آپ ڈیرہ اسمٰعیل خان تک سواری پر جانے لگے لیکن وہاں سے موسیٰ زئی شریف کا سفر پھر بھی پاپیادہ ہی طے کرنا پڑتا تھا اور اُس زمانہ میں وہاں اونٹ کے سوا کوئی دوسری سواری دستیاب نہ تھی۔

شیخ کی خصوصی توجہ

حضرت خواجہ سراج الدینؒ آپ کو سرگرم طلب دیکھ کر ہمیشہ کرم نوازی فرماتے اور آپ پر راہِ رافت و رحمت کشادہ رکھتے تھے۔ جس قدر آپ کی طلب روز افزوں ہوتی جاتی تھی اسی قدر حضرت خواجہؒ کی طبیعت میں گرمی اور جوش بڑھتا تھا۔ چنانچہ اس خاص کیفیت کا اظہار حضرت خواجہؒ نے برملا طور پر ان الفاظ میں فرمایا:

> "اس زمانہ میں طالبانِ صادق کے ناپید ہو جانے کی وجہ سے طبیعت سرد ہو گئی تھی۔ بسا اوقات خیال آتا تھا کہ کاروبارِ مشیخت ترک کر دیا جائے لیکن

اب مولوی احمد خان کے آجانے سے طبیعت میں گرمی آگئی ہے۔"

اس کے بعد آپ کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا "من پیری و مریدی برائے تو کی کنم" یعنی یہ سلسلۂ مشیخت تمہارے لیے جاری کر رکھا ہے۔ سبحان اللہ! کیا استعداد طلب تھی اور کیا بارش کرم۔

ع قسمت بادہ باندازۂ جام است اینجا

ذکر و شغل میں سرگرمی

حضرت اعلیٰ مولانا ابو السعد احمد خان قدس سرہٗ اپنے عالم درویشی میں حضرت خواجہ سراج الدین قدس سرہٗ کے الطاف و عنایات کے زیر اثر ذکر و شغل میں اس درجہ منہمک اور مشغول رہتے تھے کہ ذکر الٰہی سے اندرونی حرارت بیحد بڑھ گئی تھی اور اس کے آثار جسم مبارک پر اس قدر نمودار تھے کہ موسم سرما میں اگر جمے ہوئے گھی کا پیالہ آپ کے سینہ مبارک پر رکھ دیا جاتا تو گھی پگھل جاتا تھا۔ ذکر کی کثرت سے تسبیح کا مضبوط سے مضبوط دھاگا دو چار روز ہی میں بوسیدہ ہو کر ٹوٹ جاتا تھا، پھر نیا دھاگا ڈالنا پڑتا تھا۔

خدمتِ شیخ کا بے مثال ذوق

خدمت شیخ کی بجا آوری میں سرشاری و ہمت کا یہ حال تھا کہ سردی کے موسم میں تمام رات صرف ایک ململ کا کرتہ پہنے ہوئے شیخ کے دروازے کے باہر کھڑے ذکر و شغل میں مصروف رہتے تھے اور اس آرزو میں ایستادہ رہتے کہ شیخ جب حویلی سے باہر تشریف لائیں تو پہلی نگاہ مجھی پر پڑے اور اس دن کی پہلی خدمت بجا لانے کا شرف بھی مجھی کو حاصل ہو:

از کرم شاید دمے بر روئے مسکیں واکند

بیشتر شبہا دریں درگہ فقیری سائل است

حیرت انگیز روحانی قوت اور جسمانی توانائی

حضرت خواجہ سراج الدینؒ نے سون سکیسر کے پہاڑی علاقہ میں بھی اپنی ایک اقامت گاہ (خانقاہ) تعمیر کرائی تھی۔ موسم گرما میں اکثر وہاں تشریف لے جاتے۔ درویشوں کا ایک بڑا قافلہ بھی ساتھ ہوتا تھا۔ حضرت خواجہؒ اس طویل راستے کو جیپ یا

خوشاب سے اسپ سوار طے کرتے اور حضرت اعلیٰ پا پیادہ ہوتے تھے۔ مٹی کے چند ڈھیلے اور پانی کا کوزہ ہاتھ میں لیے حضرت خواجہ کے گھوڑے کے آگے آگے دوڑا کرتے تھے کہ نہ معلوم کس وقت حضرت کو حاجت پیش آ جائے اور مٹی کے ڈھیلے اور پانی کی ضرورت پڑ جائے۔ درویشوں کا باقی قافلہ، جو بار بردار اونٹوں اور پیادوں پر مشتمل ہوتا تھا، بہت پیچھے رہ جاتا تھا۔ یہ فاصلہ بھی کوئی دو چار میل کا نہ تھا بلکہ ۳۵ یا ۴۰ میل کی مسافت تھی، جسے آپ دوڑتے ہوئے قطع کرتے تھے:

خدای را مددے اے دلیل راہِ حرم
پیادہ می روم و ہمرہاں سوارانند

خدمتِ آب کشی

فرماتے تھے کہ ان دنوں میری جسمانی قوت کا یہ عالم تھا کہ بھرا ہوا پانی کا گھڑا انگوٹھے اور انگلی سے پکڑ کر اٹھا لیتا اور اسے منہ سے لگا کر پانی پی لیا کرتا تھا۔ سون سکیسر میں قیام کے دوران پانی پہاڑی چشمہ سے لانا ہوتا تھا اور چشمہ اقامت گاہ سے دور اور کافی نیچے تھا۔ دو مشکیزے، جن میں سے ہر ایک میں سات سات گھڑے پانی آتا تھا، نیچے چشمے سے بھر کر اپنے کندھوں پر اٹھاتا اور ننگے پاؤں دوڑتا ہوا اوپر خانقاہ میں لے آتا تھا اور اس طریق سے پورے لنگر کے لیے پانی کا ذخیرہ کر دیا کرتا تھا۔ دوسرے درویش دو مشکیزے تو درکنار، ایک بھی اٹھانے کی طاقت نہ رکھتے تھے۔

دریا خاں میں قیام

حضرت خواجہ سراج الدینؒ دریا خاں والے بنگلے پر بھی اقامت اختیار کرتے تھے۔ بعض اوقات حضرت اعلیٰ مع اہل و عیال حضرت خواجہؒ کی خدمت میں حاضری دیتے تھے۔ بڑی بی بی صاحبہ فرماتی ہیں اس وقت میں پانچ چھ سال کی تھی اور مجھے والد محترم حضرت اعلیٰ کے ساتھ وہاں کا آنا جانا یاد ہے۔

اسباقِ کتبِ تصوف

حضرت خواجہ سراج الدین قدس سرہٗ کی خدمت میں ہمارے حضرت اعلیٰ نے جس

ذوق وشوق، ولولہ و جوش اور والہانہ انداز کے ساتھ مقاماتِ مجددیہ بہ سرعت طے فرمائے، اس دور میں اس کی نظیر نہیں ملتی۔ آپ نے تفصیل کے ساتھ سلوک نقشبندیہ مجددیہ کو پایۂ تکمیل تک پہنچایا اور ساتھ ہی تصوف کے متعدد رسالے اور کتابیں بھی حضرت شیخ سے سبقاً سبقاً پڑھیں۔

مکتوباتِ امام ربانیؒ کا درسِ خصوصی

ایک بار حضرت خواجہؒ نے آپ سے خصوصی شفقت وعنایت کے پیشِ نظر یہ ارشاد فرمایا:

''مولوی صاحب! ایک وعدہ میں آپ کے ساتھ کرتا ہوں اور ایک وعدہ آپ میرے ساتھ کریں۔''

آپ نے اس خیال سے قطع نظر کہ حضرت خواجہؒ کیا وعدہ فرمانا چاہتے ہیں اور مجھ سے کیا عہد لینا چاہتے ہیں علی الفور جواب دیا:

''حضرت! میری طرف سے وعدہ ہے۔ جو آپ ارشاد فرمائیں گے مجھے منظور ہے۔''

حضرت خواجہؒ نے فرمایا، آپ مجھ سے یہ وعدہ کریں کہ جب تک مکتوباتِ امام ربانیؒ کا درس پورا نہ ہو جائے آپ گھر نہیں جائیں گے، اور میں یہ وعدہ کرتا ہوں کہ ہر مکتوب کے سبق پر توجہ دوں گا۔

اعلیٰ حضرت یہ بشارت سن کر بے حد مسرور وشاد ماں ہوئے۔ چنانچہ حضرت مجدد الف ثانی رحمہ اللہ کے مکتوبات کا درس اسی پایۂ واحترام کے ساتھ شروع ہو گیا۔ آپ پڑھتے رہے اور حضرت خواجہؒ ہر سبق پر خصوصی توجہات مبذول فرماتے رہے۔

حضرتِ اعلیٰ فرمایا کرتے تھے کہ شروع شروع میں اسباق وتوجہات کے دوران کوئی خاص عرفانی ووجدانی کیفیت اور مقاماتِ عالیہ کا ادراک وشعور نمایاں طور پر معلوم نہ ہوتا تھا۔ ایک روز حضرت خواجہؒ نے دریافت فرمایا: ''کیوں مولوی صاحب! کچھ قدم معلوم ہوتا ہے؟''

آپ نے اس خیال سے کہ عدمِ ادراک کا اظہار کرنے پر کہیں حضرت کی طبیعت پر

سرہٗ نے فرمایا، سچی عقیدت اور ارادت اس عورت سے سیکھنی چاہیے کہ اپنے پیر کے سوا کسی کی طرف نگاہ اٹھا کر دیکھنا گوارا نہیں کرتی۔

طالبانِ حق کو حضرت خواجہؒ کا مشورہ

حضرت خواجہ قدس سرہٗ نے جب آپ کے کمالات، رسوخِ نسبت اور شانِ افاضہ کو ملاحظہ فرمایا تو آپ نے ارادتمندانِ سلسلہ کو مشورہ دیا کہ جو لوگ دور دراز علاقوں میں رہائش پذیر ہوں اور مشکلاتِ سفر برداشت نہ کر سکتے ہوں وہ موسیٰ زئی شریف آنے کی بجائے حضرت مولانا سے رجوع کریں اور اُن سے کسبِ فیض کریں۔ انشاء اللہ انہیں میرے پاس آنے سے بھی زیادہ فائدہ پہنچے گا۔

بکھڑے سے کھولہ شریف نقلِ مکانی

موضع بکھڑا دریائے سندھ کے سیلابی علاقہ یعنی کھادر میں واقع تھا۔ جب کبھی دریا میں سیلاب آتا، وہ موضع کو بہالے جاتا اور طغیانی فرو ہونے کے بعد دوبارہ آباد کیا جاتا تھا۔ اس وقت بھی جب آپ نے تکمیلِ سلوک اور اجازتِ شیخ کے بعد یہاں مسندِ ارشاد بچھائی، ایک مرتبہ سیلاب آیا اور پورا موضع تباہ ہوگیا۔ لہٰذا حضرت اعلیٰ نے وہاں سے نقلِ مکانی فرما کر موضع کھولہ میں اقامت اختیار کر لی۔ چند سال آپ نے کھولہ شریف میں قیام کیا لیکن جب اس موضع کے بھی دریا بُرد ہونے کے باعث مستقل قیام کی صورت نہ بن سکی تو ایک نئی بستی آباد کرنے کا خیال پیدا ہوا جس نے بالآخر موجودہ خانقاہ سراجیہ مجددیہ کے نام سے شہرت پائی۔

بنائے خانقاہ سراجیہ مجددیہ

خانقاہ سراجیہ کی تعمیر کے بیان سے پہلے یہ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ مختصر الفاظ میں ان روایات کے اس زندہ ماخذ کا تعارف کرا دیا جائے جو بفضلہٖ تعالیٰ بقیدِ حیات ہیں، قوتِ حافظہ اور یادداشتِ واقعات کے لحاظ سے سند کا درجہ رکھتے ہیں۔ ہماری مراد صوفی محمد نواز خان صاحب عرف میاں مواز خان[1] ساکن سہ جری، ضلع میانوالی ہیں۔ اس وقت جبکہ ان

(حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں)

سے یہ روایات قلمبند کی جا رہی ہیں، موصوف کی عمر تقریباً ننانوے برس ہو چکی ہے۔ اطال اللہ تعالیٰ حیاتہ و ابقاہ مع الخیر و الصحۃ و العافیۃ۔

موصوف متوسط درجہ کے زمیندار ہیں۔ بفضلہ تعالیٰ ان کے پانچ بیٹے ہیں۔ زندگی ہی میں زمین اور اراضی تقسیم کر دی ہے۔ ہر بیٹے کو چھ چھ ایکڑ زمین دے کر چھ ایکڑ اپنے لیے بھی مخصوص کر لی ہے تا کہ زندگی میں ان کے دست نگر نہ ہوں۔

آپ نے حضرت خواجہ سراج الدین قدس سرہ کو اچھی طرح دیکھا اور اُن سے فیضِ صحبت اٹھایا ہے۔ مگر بیعت حضرت مولانا ابوالسعد احمد خان رحمہ اللہ سے کی۔ بوقت بیعت آپ کی عمر تقریباً ۲۵-۲۶ برس تھی اور اُس وقت اعلیٰ حضرت کا قیام کھولہ شریف میں تھا۔

بکھڑا میں قیام کے دوران آپ حضرت اعلیٰ کی خدمت میں آتے جاتے رہے ہیں۔ بکھڑے سے موضع کھولہ از حافی تین میل کے فاصلہ پر آباد تھا۔ ساحل دریا کے قریب ہونے کے باعث یہ علاقہ بھی ہمیشہ دریائی اثرات کی آماجگاہ بنا رہتا تھا۔

اپنی بیعت کا واقعہ یوں بیان کرتے ہیں کہ ان کے دوست حافظ احمد صاحب ایک دفعہ ماہِ رمضان المبارک میں جامع شیخ محمود والی مسجد میں قرآن شریف سنا رہے تھے۔ حاجی مواز خان صاحب بھی تراویح میں شریک ہوتے تھے۔ حافظ صاحب نے ایک دن تراویح سے فارغ ہونے کے بعد اپنی چارپائی کھلے میدان میں سونے کے لیے بچھائی۔ صوفی مواز خان صاحب بھی قریب ہی لیٹ گئے۔ دیکھتے ہیں کہ حافظ صاحب گہری نیند سو رہے ہیں مگر ان کے قلب سے اللہ اللہ کی آواز نکل رہی ہے۔ یوں معلوم ہوتا تھا جیسے کوئی بچہ بلند آواز سے اللہ اللہ پکار رہا ہو۔ یہ سمجھے کہ شاید کوئی بچہ آس پاس ہو گا۔ اِدھر اُدھر دیکھا مگر اتنی رات گئے کوئی بچہ کہاں نظر آتا۔ تلاش کرتے کرتے جب حافظ صاحب کے پلنگ کے پاس پہنچے تو دیکھا کہ ذکر الٰہی کی یہ آواز حافظ صاحب کے سانس کے ساتھ آ رہی ہے۔ بہت متاثر ہوئے اور صبح

۱۔ افسوس ہے کہ صوفی مواز خان صاحب کتاب کی اشاعت سے پیشتر ۲۲ رجولائی ۱۹۷۲ء بمطابق ۱۰ رجمادی الثانی ۱۳۹۲ھ کو وفات پا گئے۔ آپ خانقاہ سراجیہ کے احاطہ قبرستان میں مدفون ہوئے۔ رحمہ اللہ تعالیٰ

حافظ صاحب سے کہا کہ جہاں آپ مرید ہیں مجھے بھی وہاں بیعت کرا دیں۔ میرے دل میں بھی اللہ اللہ کرنے کا جذبہ موجزن ہے۔

حافظ صاحب حضرت خواجہ سراج الدین قدس سرہٗ کے مرید تھے۔ صوفی موازخان صاحب کی درخواست پر انہوں نے فرمایا کہ حضرت خواجہ صاحب نے اس علاقہ کے لوگوں کو دوریٔ مسافت اور درازیٔ راہ کی وجہ سے یہ ہدایت کر رکھی ہے کہ وہ کھولہ شریف جا کر مولانا احمد خان صاحب سے بیعت ہوں اور اُن کی صحبت سے فیض اٹھائیں۔ انہیں انشاء اللہ میرے پاس آنے سے بھی زیادہ فائدہ ہوگا۔ حاجی موازخان صاحب مدظلہٗ فرماتے ہیں کہ یہ سن کر مجھے حضرت اعلیٰ کی طرف کشش پیدا ہوگئی اور میں ملک فتح محمد صاحب[1] کے ساتھ کھولہ شریف حاضر ہوا۔ اعلیٰ حضرت کی خدمت میں بیعت کی درخواست کی جو بحمداللہ تعالیٰ منظور ہوگئی اور میں طریقہ پاک میں داخل ہوگیا۔

بنائے خانقاہ شریف کے محرکات

جیسا کہ پہلے مذکور ہوا، کھولہ شریف بھی دریا کے اثرات کی زد میں رہنے کی وجہ سے ایک مستقل اقامت اور رہائش کے لیے کسی صورت موزوں نہ تھا۔ نیز حضرت اعلیٰ کی آبائی جائیداد بھی کافی تھی جو بیشتر مزروعہ قطعاتِ اراضی پر مشتمل تھی، مگر یہ جائیداد سب بھائیوں کے ساتھ مشترکہ تھی۔ آپ کے چار بھائی اور تھے۔ پانچوں بھائیوں کے نام حسب ذیل ہیں:

۱۔ ملک غلام محمد خان　　　۲۔ ملک حاکم خان

۳۔ ملک خان محمد　　　۴۔ ملک محمد خان

۵۔ مولانا احمد خان صاحب یعنی اعلیٰ حضرت قدس سرہٗ

---

۱ ملک فتح محمد صاحب موجودہ حضرت صاحب قبلہ مولانا ابو الخلیل خان محمد صاحب مدظلہٗ کے چچا تھے۔ آپ کے باقی دو چچا ملک محمد امیر اور ملک احمد بخش تعالیٰ بقید حیات ہیں۔ والد صاحب کا نام گرامی خواجہ محمد تھا۔ آپ حضرت کی صحبت میں [illegible] سے چند سال بعد راہی ملک بقا ہوئے۔ [illegible]

اعلیٰ حضرت کی شانِ فقر

تمام مشترکہ اراضی چاروں بھائیوں کے زیر اہتمام و نگرانی تھی اور آپ کسی فصل پر بھی اپنے لیے حصۂ پیداوار کا مطالبہ نہ کرتے تھے۔ گویا آپ کھولہ شریف میں گنج فقر کے امین تھے اور دیگر برادران مالک و متصرف زمین تھے۔ بھائیوں کا خود ہی دل چاہتا تو فصل پر ایک گونی چنا پیداوار زمین کے سلسلے میں بھیج دیا کرتے تھے۔ حالانکہ حضرت اعلیٰ کے والد بزرگوار کی مزروعہ اراضی تین ہزار کنال پر مشتمل تھی جس میں چاہی، بارانی اور سیلابی ہر قسم کے قطعات زمین تھے اور آپ کا حصہ چھ سو کنال بحساب علاقہ تھل چھ مربع بنتا تھا، مگر آپ اسی ایک گونی چنا پر اکتفا کرتے اور مزید مطالبہ نہ فرماتے۔ حالانکہ ایک گونی چنا حضرت کے لنگر کے لیے کیا کفایت کرتا، ایک گھوڑے کو مہینہ بھر کے لیے بھی دانہ مہیا نہ کر سکتا تھا۔

اس وقت افراد خانہ کی تعداد چار اور مستقل قیام کرنے والے مریدوں اور درویشوں کی تعداد دس بارہ تھی، اس لیے پندرہ سولہ افراد کو فراہمی خوراک اور مویشیوں کے لیے چارے کا خرچ مجموعی طور پر اُس زمانہ ارزانی کے مطابق ڈیڑھ سو روپیہ کے قریب بنتا تھا۔ یہ سب حضرت اعلیٰ کے ذمے تھا اور کارسازِ حقیقی کرم نوازی اور بہم رسانی فرماتا تھا۔

کارسازِ ما بہ فکرِ کارِ ما		فکرِ ما در کارِ ما آزارِ ما

حضرت اعلیٰ نہایت خندہ پیشانی اور عالی حوصلگی کے ساتھ درویشوں کی خاطر داری اور تربیت فرماتے تھے اور کبھی بھائیوں سے خانگی ضروریات یا لنگر کے مصارف کے لیے پیداوار زمین کی تقسیم کا مطالبہ نہ فرماتے تھے اور نہ تقسیم جائیداد کے خواہشمند تھے۔ بعض دردمند مریدوں اور جاں نثاروں کو اس بات کا احساس ہوتا تھا کہ اگر پیداوار کا حصہ پورا ملنے لگے یا جائیداد تقسیم ہو جائے تو حضرت اعلیٰ کے اہل خانہ اور درویش ذرا فراغت سے زندگی گزار سکیں گے۔ علاوہ ازیں کھولہ شریف سے نقل مکانی کر کے کسی جگہ مستقل رہائش اختیار کرنا بھی ایک حل طلب مسئلہ تھا۔ اس لیے خدام بارگاہ میں سے دو جرأت مند بزرگوں نے، جن میں حضرت کے ایک ارادت مند میاں اللہ یار ٹلوکرا اور دوسرے صوفی سواز خان صاحب تھے، ہمت کر کے اعلیٰ حضرت سے تقسیم جائیداد کے سلسلے میں تحریک کی اور عرض کیا کہ اگر

جائیداد تقسیم ہو کر حضور کا حصہ الگ ہو جائے تو خدامِ آستانہ خود اس کی آبادکاری اور زراعت کا انتظام کر لیں گے۔

لیکن آپ نے ان کی معروضات پر کوئی خاص توجہ نہ فرمائی، بلکہ ملک اللہ یار صاحب کو مخاطب کر کے فرمایا: "میاں اللہ یار! گزارا ہو ہی رہا ہے۔ کیوں پریشانی مول لیتے ہو، نخواہ اقارب کی دل شکنی ہو گی۔"

کچھ دنوں بعد پھر اللہ یار صاحب نے میاں مواز خان صاحب کو اس کام پر آمادہ کیا۔ انہوں نے ہمت و جرأت کے ساتھ تقسیم جائیداد پر گفتگو کرتے ہوئے بالآخر یہ عرض کیا کہ حضرت والا! جب جائیداد میں اپنا حصہ شرعی ہو پھر اسے طلب نہ کر کے اخراجات کی تنگی اٹھانا اپنی ہی کوتاہی تصور کی جائے گی۔ شریعتِ مطہرہ میں اس امر کی کیا اہمیت ہے، آپ اس سے بخوبی آشنا ہیں۔ لہٰذا بندہ کے خیال میں اہلِ قرابت کے حقوق کی ادائیگی کے لیے شرعی طور پر جائیداد کا حاصل کرنا عین صواب ہوگا۔ پھر اس کی آبادکاری کا سارا کام ہم خدام اپنے وسائل سے انجام دے لیں گے۔ نیز اہل و عیال اور خدام کے لیے ایک مستقل قیام گاہ اور خانقاہ کی تعمیر بھی اشد ضروری ہے۔ کافی بحث و تمحیص اور عرض و معروض کے بعد بالآخر حضرتِ اعلیٰ نے تقسیم جائیداد کے مسئلہ پر بھائیوں سے گفتگو کرنے کی اجازت مرحمت فرما دی۔

اجازت ملتے ہی اگلے دن علی الصبح میاں اللہ یار اور میاں مواز خان اعلیٰ حضرت کے برادرِ بزرگ ملک غلام محمد کے پاس پہنچے۔ غیر متوقع طور پر ان دونوں کے ایک ساتھ بیک وقت پہنچنے پر ملک صاحب نے حیرت و استعجاب کے ساتھ تشریف آوری کا سبب پوچھا۔

اعلیٰ حضرت کی کرامت

ہر دو حضرات کو یہ تشویش لاحق تھی کہ کہیں تقسیم جائیداد کا نام سن کر ملک صاحب و دیگر برادران برہم نہ ہو جائیں، مگر انہوں نے حضرتِ اعلیٰ کی طرف متوجہ رہتے ہوئے ادب و احترام کے ساتھ عرض کیا کہ حضرت صاحب کے لنگر اور اہلِ خانہ کا خرچ کافی بڑھ گیا ہے، لہٰذا یہ قرار پایا ہے کہ اگر حضرت کی زمین کا حصہ الگ کر دیا جائے تو خدام اُسے آباد کر لیں گے۔ یہ حضرت کے لیے موجبِ راحت ہوگا اور اخراجات کی تنگی بھی رفع ہو جائے گی۔ یہ سن

کر ملک غلام محمد صاحب حیران کن خندہ پیشانی کے ساتھ فوراً اُٹھے اور کہا، بہت اچھا، آپ دونوں میرے ساتھ چلیں، میں ابھی زمین کی پیمائش کر کے نشان دہی کیے دیتا ہوں۔ چنانچہ تقریباً پانچ سو کنال رقبہ ٹھل اور سو کنال بیلا پانچ قطعات پیمائش کر کے زمین پر بُرجیاں نصب کر دیں۔[۱] بہرحال ملک غلام محمد صاحب نے حضرت اعلیٰ کے دونوں خادموں کی بہت پذیرائی کی اور یہ کام نہایت خوش دلی سے انجام پا گیا۔ زمین کی تقسیم کے بعد فوراً ہی احمد یار خاں اور موازخاں واپس کھول شریف حضرت کی خدمت اقدس میں پہنچ گئے۔

حضرت اعلیٰ نے صورتِ حال کے متعلق استفسار فرمایا تو انہوں نے عرض کیا، ''حضور! ہم نے آپ کی کرامت اور تصرف کا مشاہدہ کیا ہے۔ ملک غلام محمد صاحب سے بات ہوئی اور انہوں نے بلا چون و چرا رقبہ تقسیم کر دیا ہے اور ہم حد بندی کرنے کے بعد برجیاں قائم کر کے آ رہے ہیں اور اب زمین کی آباد کاری کے لیے یہ سکیم بنائی ہے کہ میاں موازخان صاحب اپنے گاؤں سے بارہ جوڑے بیل ہل کے لا کر فصل ربیع کے لیے گندم اور چنا کاشت کر دیں گے۔''

مکان اور کنوئیں کی تعمیر

حضرت اعلیٰ قدس سرہٗ نے خدام کی اس کارگزاری پر اظہارِ مسرت کے ساتھ ارشاد فرمایا، اب ہمیں سب سے پہلے کنوئیں، مسجد اور مکان کی تعمیر کا بندوبست کرنا چاہیے اور ان تعمیرات کے لیے محلِ وقوع تجویز کرنا چاہیے۔ جس وقت یہ گفتگو جاری تھی کوئی دس بجے دن کا عمل تھا۔ میاں موازخاں صاحب نے عرض کیا کہ حضور! ظہر کے وقت تک مہلت عطا فرمائیں تو خادم غور و فکر کرنے کے بعد کچھ عرض کر سکے گا۔ حضرت اعلیٰ نے یہ سن کر فرمایا، ''میاں مواز! ایک مستقل قیام گاہ کی تعمیر خاص اہمیت رکھتی ہے اور تم نے ظہر کے وقت تک کی مختصر مہلت مانگی ہے۔'' عرض کیا، ''حضور! جو کچھ بندہ کی ناقص رائے ہوگی، عرض کر دے

۱۔ یہ حضرت اعلیٰ کا تصرف تھا کہ جو بھائی قبضہ پر صرف ایک کوئی چنا بھی نہ معلوم کس مشکل سے دیتے تھے وہ بطیب خاطر چھ سو کنال کا رقبہ اپنے قبضہ سے دینے پر رضامند ہو گئے اور اس طرح یہ مرحلہ حسن و خوبی کے ساتھ طے پا گیا۔

گا۔ پھر حضرتِ والا کی منشائے مبارک کے مطابق اس میں ترمیم کرلی جائے گی۔"

آپ نے فرمایا، بہت اچھا۔

تجویز

میاں مواز خان صاحب نے غور وخوض کرنے کے بعد بوقتِ ظہر اعلیٰ حضرت کی خدمت میں عرض کیا کہ تھل میں تین سو کنال کا رقبہ یکجا ہے، اس لیے میرے خیال میں کنواں، مسجد اور مکانات اس رقبہ میں تعمیر ہوں تو موزوں رہے گا۔ یہ تجویز سن کر حضرت اعلیٰ نے فرمایا: "اچھا! پہلے مجھے چل کر وہ رقبہ دکھاؤ۔" چنانچہ حضرت قبلہ گھوڑے پر سوار ہوئے۔ میاں اللہ یار صاحب اور مواز خان صاحب کے ہمراہ تمام خدام پا پیادہ ظہر کی نماز کے بعد تھل والے رقبہ پر، جہاں اب خانقاہ موجود ہے، پہنچ گئے۔

منظوری

رقبہ ملاحظہ کرنے کے بعد اعلیٰ حضرت نے اس تجویز سے اتفاق فرمایا کہ اسی رقبہ میں تعمیرات ہونی چاہئیں اور میاں مواز خان صاحب سے فرمایا کہ قدموں سے پیمائش کر کے حویلی کے لیے سات کنال کی جگہ بھی تم ہی تجویز کرو۔ چنانچہ مواز خان صاحب نے قدموں سے پیمائش کر کے جگہ متعین کر دی اور عرض کیا کہ حویلی کے لیے جگہ کی پیمائش کر دی گئی ہے۔ دریافت فرمایا کہ مکانات کے لیے جو جگہ متعین کی ہے، وہ اپنی زمین کی آخری حد سے کچھ رقبہ چھوڑ کر مقرر کی گئی ہے یا بالکل حدِ اراضی کے کنارے ڈال گئی ہے؟ اس پر عرض کیا گیا کہ حدِ ملکیت کے کنارے متعین کی گئی ہے۔ فرمایا، یہ درست نہیں۔ حد سے پچاس قدم زمین چھوڑ کر حویلی تعمیر ہونی چاہیے تا کہ اگر کسی وقت کوئی اپنا مویشی کھل جائے تو وہ اپنے ہی کھیتوں میں چلے پھرے، نقصان کرے تو اپنا کرے اور کسی ہمسایہ کے کھیت کو برباد نہ کرے۔ چنانچہ حضرتِ اعلیٰ کی مبارک منشا کے مطابق دوبارہ پیمائش کرنے کے بعد حویلی جات کے لیے اپنی حد سے پچاس قدم زمین چھوڑ کر جگہ متعین کر دی گئی۔

کھولہ شریف سے نقل مکانی

میاں نامدار خان صاحب[1] کا بیان ہے کہ ایک مرتبہ حضرت اعلیٰ نے کھولہ شریف سے

(حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں)

گل میری ہمیں یہ پیغام بھیجا کہ ہم فوراً آپ کی خدمت میں حاضر ہو جائیں۔ چنانچہ دس پندرہ افراد فوراً تعمیلِ ارشاد کے پیشِ نظر حضرت کی خدمتِ اقدس میں پہنچ گئے۔ اس وقت دریا کی روانی زوروں پر تھی اور آپ دریا کے کنارے ٹہل رہے تھے۔ حضرت نے اپنے رہائشی مکانات کو منہدم کرنے کا حکم دیا۔ چنانچہ ہم نے حضرت کے تمام مکانات کو گرا کر ضروری سامان، شہتیر اور کڑیاں ایک محفوظ مقام پر کھولہ شریف کی شرقی جانب منتقل کر دیں۔ اس اثناء میں حضرت نے اہل و عیال، کتب خانہ اور دیگر سامانِ خانہ داری کو میاں غلام محمد صاحبؒ قادری چشتی کی خانقاہ میں بھجوا دیا۔ چنانچہ ان حفاظتی اقدامات کے دو تین روز بعد دریا میں اس شدت کی طغیانی آئی کہ قصبہ کے تمام مکانات سیلاب کی نذر ہو گئے۔ سبحان اللہ! حضرت کی عارفانہ بصیرت نے حیرت انگیز طور پر حادثات کا جائزہ لے لیا تھا اور علم و ادب کے جواہر پاروں کو محفوظ مقام پر منتقل کر دیا تھا۔ نیز دوسرے تمام مناسب انتظامات بھی فرما دیے تھے جن کے باعث خدام اور دیگر اہل و عیال سلامت رہے۔

میاں غلام محمد صاحبؒ قادری چشتی کی خانقاہ، جہاں آپ فروکش ہوئے، خانقاہ نور محمد کے متصل واقع تھی۔ یہاں پہنچ کر آپ نے اپنی خانقاہ کے مجوزہ مکانات، مسجد اور کنوئیں کی تعمیر کا ارادہ فرمایا۔ چنانچہ مذکورہ تعمیرات جونہی تکمیل کے قریب پہنچیں آپ وہاں سے اپنے مستقر پر تشریف لے آئے۔

تعمیرِ چاہ

اب سب سے پہلے کنوئیں کی کھدائی اور تعمیر کا مرحلہ پیش آیا، کیونکہ پانی کا حصول سب پر مقدم تھا۔ اس علاقے کی ایک قدیم رسم ہے کہ جو شخص اپنے رقبہ میں کنواں لگانا چاہتا ہے وہ

۱۔ میاں نامدار خان صاحب اعلیٰ حضرت کے متوسلین میں سے ہیں۔ عمر مبارک ۹۰ سال سے متجاوز ہے۔ رہائش قصبہ گل میری، ضلع میانوالی ہے۔ اعلیٰ حضرت کی ذات اقدس سے بے حد محبت اور والہانہ عقیدت رکھتے ہیں۔ حضرت اعلیٰ کے بارے میں گفتگو کرتے وقت ان کے بیان سے سوز و گداز ٹپکتا ہے۔ خانقاہ شریف سے بدستور وابستہ ہیں۔ مولا کریم انہیں تادیر سلامت رکھے۔ آمین

آس پاس کے دیہات والوں کو اُس کام کے لیے دعوت دیتا ہے۔ سب اپنی اپنی کدالیں لے کر آ جاتے ہیں اور بلا معاوضہ کنوئیں کی کھدائی اور تعمیر میں حصہ لیتے ہیں بلکہ اپنے رواج کے مطابق کھانا بھی گھر ہی سے کھا کر آتے ہیں اور شام کو گھر واپس جا کر کھاتے ہیں۔

چنانچہ اس دستور کے مطابق یہ اطلاع کر دی گئی کہ مولوی احمد خان صاحب کے کھوہ[۱] (کنوئیں) کی کھدائی کے لیے تمام اہلِ دیہات کو دعوت دی جاتی ہے۔ اعلان کی دیر تھی کہ اگلے دن صبح کو ایک سو بیس جوان کدالیں اور پھاوڑے وغیرہ لے کر پہنچ گئے اور صوفی مواز خان صاحب تقسیمِ شیرینی کے لیے اپنے گاؤں سے تین بوری گُڑ لے آئے۔

آغازِ کار

اعلیٰ حضرت نے میاں مواز خان کو فرمایا کہ کنوئیں کی زمین پر پہلا پھاوڑا آپ ہی ماریں، اس کے بعد دوسرے لوگ کھودنا شروع کریں گے۔ حسب ارشاد صوفی مواز خان صاحب نے بسم اللہ پڑھ کر پہلا پھاوڑا مارا۔ پھر دوسروں نے کھدائی شروع کر دی۔ چنانچہ اس روز شام تک تقریباً بارہ فٹ قطر کے کنوئیں کی دس فٹ گہری کھدائی ہو گئی۔ دوسرے دن اٹھارہ فٹ گہرائی پر پانی نکل آیا۔ پانی نہایت شیریں نکلا۔ سب حضرات نے یہ بابرکت پانی پیا اور شیرینی کے طور پر گُڑ بھی خوب تقسیم کیا گیا۔

کنوئیں کی تیاری

پہلے روز تو ایک سو بیس آدمیوں نے کنواں کھودنے میں حصہ لیا۔ اس کے بعد آٹھ دس آدمی کام کرتے رہے اور یہ وسیع و عمیق کنواں کل تیرہ روز میں تیار ہو گیا۔ چار پانچ دن تک سب لوگ اپنے رواج کے مطابق گھر سے کھانا کھا کر آتے اور اپنے گھر ہی جا کر کھاتے رہے، لیکن بعد ازاں حضرتِ اعلیٰ نے حکم دے دیا کہ سب کام کرنے والے دوپہر کا کھانا ہمارے ہاں کھایا کریں گے۔ میاں اللہ یار صاحب نے اس کا اہتمام کیا اور وہ کھولہ شریف

۱۔ اس علاقے میں چھوٹی چھوٹی بستیاں کھوہ (کنوئیں) کے نام سے موسوم کی جاتی ہیں، البتہ ان کی نسبت مالک کے نام کی طرف ہوتی ہے۔ چنانچہ پہلے پہل اعلیٰ حضرت کی خانقاہ کا نام بھی "مولوی صاحب دا کھوہ" تھا۔

سے کھانا پکوا کر لایا کرتے۔ گویا تمام کام کرنے والے حضرت اعلیٰ کے خوانِ کرم سے کھانا کھاتے رہے اور کام کرتے رہے۔

حویلی کی تعمیر خام

کنوئیں کی تعمیر سے فارغ ہو کر اب مسجد اور حویلی کی باری آئی۔ پہلے مسجد اور پھر حویلی کی متعینہ چہار دیواری بنائی گئی۔ پھر مسجد اور مکانات کی تعمیر شروع ہوئی اور سات کمرے خام تعمیر کیے گئے۔

تعمیر مسجد

اعلیٰ حضرت کے مزاج گرامی میں اللہ تعالیٰ نے ایک خاص لطافت، پاکیزگی اور نفاست ودیعت فرمائی تھی۔ لہٰذا قیام کے بعد آپ نے ایک چھوٹی سی مگر بے حد خوبصورت اور حسین مسجد تعمیر کرائی۔ حویلی کے مکانات اور کمرے وغیرہ خام تعمیر ہوئے تھے لیکن مسجد کی تعمیر پختہ شروع کی گئی۔ کنوئیں کے شمال میں مسجد اور مسجد کے شمال میں حویلی واقع تھی۔ مستری جلال الدین ساکن بکھر بار، ضلع شاہپور نے کنوئیں اور مسجد کی تعمیر کو پایۂ تکمیل تک پہنچایا۔ تقریباً پون کنال رقبہ میں مسجد تعمیر کی گئی۔ اندرونی حصہ اور برآمدہ میں دو دو صفوں اور ہر صف میں تقریباً چودہ پندرہ نمازیوں کی گنجائش رکھی گئی۔ صحن مسجد میں پانچ چھ صفیں آجاتی تھیں۔

مسجد کی ابتدائی صورت

ابتدائی صورت یہ تھی کہ مسجد کے سامنے ایک ۳۵،۳۰ فٹ لمبا بڑا دالان تھا۔ دالان کے عین شمال میں دو خام کمرے تھے۔ ایک تخمیناً ۱۶، ۱۷ فٹ لمبا تھا اور دوسرے کا طول ۲۵،۳۰ فٹ کے قریب تھا اور اس بڑے کمرے کے متصل شرقی جانب غسل خانہ تھا۔ چھوٹے کمرے کے ساتھ غربی جانب میں اندر آنے جانے کا دروازہ تھا۔ دروازے اور مسجد کے درمیان خالی جگہ چھوڑ دی گئی تھی۔ اس کے بعد دو کمرے مسجد کی شمالی دیوار کے ساتھ ایک کتب خانہ کے نام سے اور ایک تسبیح خانہ کے نام سے تعمیر ہوئے۔ دو کمروں کے درمیان ۴، ۵ فٹ کی گلی کو مسقف کر دیا گیا تھا۔ بعض حضرات عقیدت و محبت کے پیش نظر اسے بہشتی گلی کہہ کر پکارا کرتے تھے۔ ان کے سامنے چھوٹا سا برآمدہ اور برآمدے کے آگے مسجد کے برابر

صحن رکھا گیا تھا۔ موسم گرما میں اعلیٰ حضرت یہاں اکثر تشریف رکھتے تھے۔ مسجد کے جنوب میں ایک برآمدہ بنایا گیا تھا جس میں وضوخانہ اور دو غسل خانے تعمیر کیے گئے تھے۔ اس برآمدے کے سامنے بھی ان دو کمروں کے مطابق صحن رکھا گیا تھا۔ اندر باہر پلاسٹر کر کے اوپر سفید چونے کی رگڑائی کی گئی جس سے سطح اتنی شفاف اور تابناک ہو گئی تھی کہ دیواریں آئینہ کی طرح چمکتی تھیں اور ان میں آنے جانے والے کا عکس نظر آتا تھا۔ چھت کڑیوں کی تھی، مگر اُن پر لوہے کی چادر کا مسقف پوش چڑھایا گیا تھا اور اُس پر مستری ظہور الدین اور اُن کے ساتھیوں نے خوبصورت نقش نگاری اور رنگ وروغن کی صنعت کاری میں وہ جوہر دکھایا تھا کہ لوگ دور دور سے مسجد کو دیکھنے کے لیے آیا کرتے تھے۔

اس کام کے پایۂ تکمیل تک پہنچنے کے بعد اعلیٰ حضرت، آپ کے اہلِ خانہ اور تمام خدام کو سکون واطمینان حاصل ہوا۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے خاص فضل وکرم سے ہر طرح کا سامانِ راحت عطا فرمایا اور تمام اسبابِ فراغت وجمعیت مہیا فرما دیے۔

ع خدا خود میر سامان است اربابِ توکل را

تعمیر چاہ و خانقاہ ۱۳۳۸ھ مطابق ۱۹۲۰ء سے شروع ہو کر ۱۳۴۰ھ مطابق ۱۹۲۲ء میں مکمل ہو گئی۔

ازواج واولاد

حضرت اعلیٰ کا عقدِ اوّل کھول شریف میں قیام کے دوران حقیقی چچا مرزا خان کی صاحبزادی سے ہوا تھا۔ ان کے بطن سے فرزند اکبر مولانا محمد معصوم صاحبؒ پیدا ہوئے اور زوجہ محترمہ قضائے الٰہی سے ایک فرزند چھوڑ کر وفات پا گئیں۔ پھر عقدِ ثانی مرزا خان کی دوسری صاحبزادی سے ہوا۔ ان کے بطن سے دو صاحبزادے مولانا محمد صادق صاحب، مولانا محمد سعید صاحب اور چار صاحبزادیاں پیدا ہوئیں۔ صاحبزادہ محمد صادق صاحب بزبانِ طالب علمی وصال فرما گئے۔ صاحبزادہ محمد سعید صاحب جوان ہونے اور علمِ دین حاصل کیا۔ شادیاں دو ہوئیں، ایک بیوی سے صاحبزادہ محمد عارف صاحب سلمہٗ اور اُن کی بہن اور دوسری بیوی سے صاحبزادہ حافظ محمد زاہد صاحب سلمہٗ پیدا ہوئے۔ لیکن مولانا محمد

سعید صاحب بھی اس دنیا میں کم عمر لے کر آئے تھے، وہ بھی والدین کے سامنے ہی وفات پا گئے۔ اب آپ کے صاحبزادوں میں سے صرف بڑی زوجہ محترمہ کے بطن سے تولد ہونے والے صاحبزادہ محمد معصوم زندہ تھے۔ مگر وہ شادی کے بعد سسرال کے ہو کر رہ گئے تھے اور وہیں قیام پذیر ہو گئے تھے۔ اس لیے آپ کی زوجہ محترمہ والدہ محمد صادق و محمد سعید مرحومین نے خود تحریک فرمائی کہ آپ ایک عقد اور کر لیں۔ شاید اُن سے اللہ تعالیٰ کوئی فرزند صالح عطا فرمائے جو آپ کی خدمت و صحبت میں رہ کر پایۂ کمال کو پہنچے اور ظاہری و باطنی کمالات کا وارث ہو۔ دونوں پوتے محمد عارف و محمد زاہد سلمہما اس وقت بہت ہی کم عمر تھے۔

غرض آپ نے اہلیہ محترمہ کی تحریک و رضا سے تیسرا عقد فرما لیا۔ اب آپ کے حبالۂ عقد میں بیک وقت دو زوجہ محترمہ ہو گئیں۔ پہلی بڑی مائی صاحبہ کہلائیں اور دوسری مائی صاحبہ کلاچی والی کے نام سے موسوم ہوئیں۔ لیکن مشیت ایزدی کو یہی منظور تھا کہ سلسلۂ توالد اب ختم ہو جائے۔ چنانچہ کلاچی والی مائی صاحبہ کے بطن سے کوئی اولاد نہ ہوئی اور ۱۳۶۰ھ مطابق ۱۹۴۱ء میں حضرت اعلیٰ کا وصال ہو گیا۔ کلاچی والی مائی صاحبہ آپ کی وفات کے بعد کچھ مدت تک خانقاہ شریف میں قیام فرمانے کے بعد کلاچی اپنے میکے چلی گئیں۔ بحمد للہ تعالیٰ تعلقات خوشگوار ہیں۔ تقریبات میں خانقاہ شریف آنا جانا رہتا ہے۔ بڑی مائی صاحبہ کا وصال ۱۳۷۶ھ میں ہو چکا ہے۔ آپ کی ازواج میں سے اس وقت کلاچی والی مائی صاحبہ بقید حیات ہیں۔ سلمہا اللہ تعالیٰ وابقاہا۔

ایک حیرت انگیز واقعہ

جس زمانہ میں اعلیٰ حضرت کا قیام کھولہ شریف میں تھا، اس زمانہ کا ایک عجیب و غریب واقعہ، جس سے اعلیٰ حضرت کے مرتبہ و مقام کی رفعت کا کچھ اندازہ لگایا جا سکتا ہے، صوفی سواز خان صاحب نے بیان فرمایا۔ جس طرح سابقاً مذکور ہوا میاں سواز خان صاحب اپنی جاں نثارانہ خدمات اور اخلاص باطن کی وجہ سے اعلیٰ حضرت کے ساتھ خصوصی تقرب رکھتے تھے۔ بیعت کے بعد پندرہ سال تک کھولہ شریف میں اعلیٰ حضرت کی خدمت میں حاضری کی سعادت حاصل کرتے رہے۔ اس دوران انہوں نے یہ چشم دید واقعہ بیان فرمایا۔

حضرت مولانا حسین علی صاحبؒ، جو اعلیٰ حضرت سے عمر میں بڑے اور تمام سلاسلِ طریقت میں مجاز تھے، ایک روز علو والی اسٹیشن پر ریل گاڑی سے اتر کر پاپیادہ اعلیٰ حضرت کی خدمت میں کھولہ شریف پہنچے، جس وقت وہ کھولہ شریف میں داخل ہو رہے تھے، حضرت اعلیٰ برادر محترم حاکم خان[1] صاحبؒ کے پاس جانے کے لیے حویلی سے باہر تشریف لا رہے تھے۔ آپ نے مولانا کا پُرتپاک خیر مقدم کیا اور فرمایا، اچھا ہوتا آپ اطلاع فرما دیتے تو علو والی اسٹیشن پر سواری کے لیے گھوڑا بھیج دیا جاتا۔ آپ پاپیادہ تشریف لائے، بہت زحمت اٹھائی۔ مولانا نے فرمایا کہ میں اس وقت محض اس لیے حاضر ہوا ہوں کہ آپ کی زیارت میرے لیے موجبِ نجات ہو کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اپنے فضلِ خاص سے مجھے القاء فرمایا ہے کہ جو شخص مولانا احمد خان صاحب کی زیارت کرے گا، وہ نجاتِ اُخروی سے سرفراز ہوگا اور آتشِ دوزخ اس پر حرام ہوگی۔ برائے تاکید آپ نے یہ جملے تین بار دُہرائے۔

حضرت اعلیٰ نے ازروئے انکسار و تواضع فرمایا کہ مولانا! آپ ہمارے بڑے ہیں، فقیر کے لیے آپ کی زیارت کے واسطے جانا باعثِ عزّ و شرف ہے۔ اعلیٰ حضرت جس قدر تواضع کا اظہار فرماتے، مولانا اُسی قدر قسم کھا کر اس بشارت کا ذکر کرتے اور بیحد محبت و عقیدت سے پیش آتے۔ اس واقعۂ بشارت کو سُن کر تمام حاضرین پر ایک عجیب کیفیت طاری تھی اور دیر تک پوری مجلس ایک کیف و مستی کے عالم میں ڈوبی رہی۔

اعلیٰ حضرت نے مولاناؒ کی تشریف آوری سے مسرور ہو کر خادم کو فرمایا کہ ہمیں برادرِ محترم حاکم خان صاحبؒ کے پاس ان کے فرزند کی تعزیت کے سلسلے میں جانا تھا۔ آج حضرت مولانا تشریف لے آئے ہیں، لہٰذا گھوڑے کی زین اتار دو، اب ہم کل جائیں گے۔

مولانا حسین علی صاحبؒ نے یہ سنا تو فرمایا، نہیں حضرت! آپ اپنے سفر کو ملتوی نہ فرمائیں، بلکہ میں بھی ان کے فرزند کی تعزیت کے لیے آپ کے ہمراہ چلتا ہوں۔ حضرت اعلیٰ نے جب مولانا کو اپنے ساتھ چلنے کے لیے آمادہ پایا تو خود بھی رضامند ہو گئے۔ چنانچہ حضرت اعلیٰ اور مولانا موصوف گھوڑوں پر سوار اور دوسرے خدام پیچھے پیچھے پاپیادہ روانہ

۱۔ کھولہ شریف سے حاکم خان صاحب کا ڈیرہ کوئی ڈیڑھ دو میل کے فاصلے پر تھا۔

ہوئے۔ ملک حاکم خان صاحبؒ کے ڈیرہ پر پہنچے۔ تعزیت اور فاتحہ خوانی فرمائی۔ اس کے بعد مجلس میں کچھ اور تذکرے ہوتے رہے۔ فقر و درویشی کا ذکر بھی چل نکلا۔ حاکم خان صاحب اعلیٰ حضرت کے بڑے بھائی تھے مگر صرف ایک دنیادار زمیندار کی حیثیت رکھتے تھے۔ باتوں باتوں میں کہنے لگے کہ آپ لوگ خود کو پیر فقیر کہتے ہیں آج ہمیں بھی کوئی کرامت دکھائیں کہ ہم آپ کی فقیری کے قائل ہو جائیں۔

اس وقت اعلیٰ حضرت کی غیرتِ فقر میں جوش آ گیا اور فرمایا، بھائی صاحب! آپ کس قسم کی کرامت دیکھنا چاہتے ہیں؟ حاکم خان صاحب کو اور تو کچھ نہ سوجھی، بس یہ کہہ بیٹھے کہ آپ ہمیں جنات دکھا دیں۔ حضرت اعلیٰ کے ساتھ آنے والے درویش، جن میں مولوی خان صاحبؒ راوی قصہ بھی شامل تھے، حاکم خان صاحب کی اس عجیب و غریب فرمائش پر ہاتھ پاؤں سے اشارے کرتے رہے جس کا منشا یہ تھا کہ یہ کیا مانگ رہے ہو؟ مانگنا ہے تو قربِ خداوندی اور دینداری مانگو۔ مگر وہ یہ نہ سمجھے اور اپنے اسی مطالبہ پر اصرار کرتے رہے۔ ادھر اعلیٰ حضرت کے عقیدت مند درویش آپ کے چہرۂ مبارک سے یہ اندازہ کر رہے تھے کہ آج جو کچھ آپ ارادہ فرمائیں گے، ان شاء اللہ ویسا ہی ہو کر رہے گا۔ چنانچہ جب ملک صاحب کا اصرار حد سے بڑھ گیا تو آپ نے فرمایا، اچھا اپنی آنکھیں بند کر لو۔ آنکھیں بند کرتے ہی کیا دیکھتے ہیں کہ سامنے والے درخت کی شاخوں کو پکڑے ہوئے بے شمار جنات زمین تک لٹک رہے ہیں اور وہ اپنے پاؤں کو ایک دوسرے کے ساتھ چمٹائے ہوئے ہیں۔ پھر آپ نے فرمایا کہ آنکھیں کھول دو۔ اب تمام حاضرین کو کھلی آنکھوں جنات نظر آنے لگے۔ یہ کیا تھا کہ [illegible] بڑے بڑے قد [illegible] درخت کی شاخوں سے زمین تک [illegible] رہے [illegible] آنکھیں بند [illegible] تمام آنکھوں سے [illegible] ان کا [illegible] پہنچ گئے۔ سب پر دہشت اور خوف طاری ہو گیا۔ فرمائش کرنے والے حاکم خان صاحب اور دیگر اہل قریہ کا یہ حال ہوا کہ [illegible] بالکل [illegible] ہو گئے۔ یہ نظارہ سب نے دیکھا۔ مولانا [illegible] علی صاحب بھی ان میں شامل تھے۔

وما ذلک علی اللہ بعزیز۔

خشک سالی اور بارانِ رحمت

ایک دفعہ سخت خشک سالی پیش آئی۔ بارش نہ ہونے سے خلقِ خدا بیحد پریشان تھی۔ لوگوں نے اعلیٰ حضرت سے بارش کے لیے دعا کی درخواست کی۔ پیر عبداللہ شاہ صاحب[1]

۱۔ پیر عبداللہ شاہ بن احمد شاہ بن سلطان شاہ، حضرت جلال الدین بخاری رحمۃ اللہ علیہ (اُچ شریف) کی اولاد سے تھے۔ احمد پور سیال وطن تھا۔ حضرت خواجہ سراج الدین قدس سرہٗ سے بیعت ہوئے۔ استعداد بلند اور رفتارِ سلوک تیز تھی۔ چنانچہ تقریباً ہر ہفتہ نیا سبق مل جاتا تھا۔ حضرت خواجہؒ نے اپنے وصال سے کچھ عرصہ پیشتر شاہ صاحب کو اعلیٰ حضرت کے سپرد فرما دیا تو آپ اعلیٰ حضرت کی خدمت میں کھولہ شریف آ کر کسبِ سلوک فرمانے لگے، تکمیلِ سلوک کے بعد جلد ہی خلافتِ مطلقہ سے سرفراز ہو گئے پھر اعلیٰ حضرت کی طرف سے طالبانِ حق کی تربیت کے لیے اپنے وطن احمد پور سیال تشریف لے گئے۔ جب جانے لگے تو اعلیٰ حضرت نے میاں مواز خان صاحب سے فرمایا کہ شاہ صاحب کو علو والی اسٹیشن پر گاڑی میں بٹھا آؤ۔ حسب الحکم میاں مواز خان صاحب، شاہ صاحبؒ کے ساتھ علو والی اسٹیشن تک آئے اور سکون و اطمینان کے ساتھ گاڑی میں سوار کرانے کے بعد کھولہ شریف واپس چلے گئے۔ شاہ صاحب نے ملتان پہنچنے کے بعد اعلیٰ حضرت کی خدمت میں بدیں مضمون ایک عریضہ بھیجا، "علو والی اسٹیشن پر گاڑی میں بیٹھنے کے بعد راستہ ہی میں لوگ فقیر کی طرف رجوع کرنے لگے۔ حیرت ہے کہ یہ رجوع اس قدر بڑھا کہ ملتان پہنچتے پہنچتے تقریباً آٹھ سو آدمی بندہ کے ہاتھ پر حضور کے مرید ہو گئے۔" لیکن افسوس کہ عمر زیادہ نہ پائی، اعلیٰ حضرت کی زندگی ہی میں وفات پا گئے۔ حضرت کو بہت صدمہ ہوا۔ جب بھی شاہ صاحب کا خیال آتا تو اعلیٰ حضرت بڑے افسوس کے ساتھ فرمایا کرتے: "آہ! عبداللہ شاہ صاحب زندہ ہوتے تو مجھے اپنے مرنے کا غم نہ ہوتا۔" اعلیٰ حضرت انہیں اپنی جانشینی کا اہل تصور فرماتے تھے۔ حق تعالیٰ شانہٗ نے اعلیٰ حضرت کے اس جوشِ غم کو فرو کرنے کے لیے پیر عبداللہ شاہ رحمہ اللہ کا نعم البدل حضرت ثانی مولانا محمد عبداللہ نور اللہ مرقدہٗ کی شکل میں عنایت فرما دیا۔ جن کی تکمیل کے بعد اعلیٰ حضرت اس بارِ غم سے اپنی طبیعت کو ہلکا پا کر اللہ تعالیٰ کا بے پایاں شکر ادا فرمایا کرتے تھے۔

اس وقت مسجد میں سو رہے تھے۔ اعلیٰ حضرت نے میاں مواز خان اور اُن کے دوسرے دو ساتھیوں کو، جو اُس وقت وہاں موجود تھے، فرمایا تم تینوں میں سے کوئی پانی کے گھڑے بھر بھر کر عبداللہ شاہ صاحب پر، جو مسجد میں لیٹے ہوئے ہیں، ڈالے۔ انہیں ٹھنڈا کرنے سے امید ہے کہ انشاء اللہ خوب بارش ہوگی۔ مواز خان صاحب نے عرض کیا، حضرت! میں ابھی یہ خدمت انجام دیتا ہوں۔ اعلیٰ حضرت نے ارشاد فرمایا، یہ خیال رکھنا کہ اگر پانی سر کی طرف ڈالو تو سر کی طرف ہی ڈالتے رہنا، اور پاؤں کی طرف ڈالو تو پاؤں کی طرف ہی ڈالتے رہنا۔ حسب ہدایت مواز خان صاحب نے پانی کے بارہ گھڑے بھرے اور یکے بعد دیگرے شاہ صاحب کے پاؤں کی طرف ڈالنا شروع کر دیے۔ پہلی مرتبہ جب پانی ڈالا گیا تو شاہ صاحب نے رُخ سے چادر ہٹا کر دیکھا اور پھر منہ ڈھانک کر بڑے سکون کے ساتھ لیٹے رہے، نہ کروٹ بدلی اور نہ ہی کچھ استفسار کیا کہ کیا ہو رہا ہے؟ کون پانی ڈال رہا ہے اور کیوں ڈال رہا ہے؟ غالباً اپنے کشف وجدانی سے اس امر کا مقصد سمجھ گئے اور لیٹے لیٹے بارش کی دعا کرتے رہے۔

تھوڑی دیر بعد شمال جانب سے ایک زوردار آندھی آئی اور آناً فاناً بادلوں کی شکل اختیار کر گئی۔ چنانچہ اس قدر بارش ہوئی کہ تقریباً سو میل کا علاقہ جل تھل ہو گیا اور بفضلِ خداوندی خشک سالی کا اثر جاتا رہا اور خلقِ خدا کی جان میں جان آگئی۔ وما کان هذا الا من فضل الله ببركة دعاء اوليائه.

واقعہ سرہند شریف اور خلعتِ قیومیت سے سرفرازی

صوفی محمد مواز خان صاحب کا بیان ہے کہ حضرت اعلیٰ کھولہ شریف میں قیام کے دوران ایک مرتبہ بالہامِ خداوندی حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی قدس سرہٗ کے مزار اقدس پر بزمانِ عرس یکا یک تشریف لے گئے۔ چند خادم بھی آپ کے ہمراہ چل دیے۔

آپ کے تشریف لے جانے کے بعد مولوی عبدالستار صاحب میانہ، جو اعلیٰ حضرت کی طرف سے امامت پر مامور تھے، اتفاقاً کتب خانہ میں گئے تو وہاں چند منتشر کتابوں پر نظر پڑی، ایک کتاب کو اُٹھا کر دیکھا تو اُس پر اعلیٰ حضرت نے یہ تحریر فرمایا تھا:

''سرہند شریف کے اس سفر میں جو شخص ہمارے ساتھ حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ کے مزار پر حاضر ہوگا، وہ اہل اللہ کے زمرہ میں شمار کیا جائے گا۔''

حضرتِ اعلیٰ کے دستِ مبارک کی یہ تحریری بشارت دیکھ کر مولانا عبدالستار صاحب مغلوب الحال ہو گئے اور عالمِ بے اختیاری میں کھولہ شریف سے سرہند شریف کے لیے عازمِ سفر ہوئے۔ اِدھر ساجری سے میاں مواز خان صاحب اعلیٰ حضرت کی خدمت میں حاضری کے قصد سے کھولہ شریف آرہے تھے۔ راستہ میں دونوں کی ملاقات ہو گئی۔ غلبۂ حال میں مولانا عبدالستار صاحب صوفی مواز خان صاحب سے بغلگیر ہو کر رونے لگے اور بتایا کہ حضرت قبلہ سرہند شریف تشریف لے جا چکے ہیں۔ مولانا نے اعلیٰ حضرت کی تحریری بشارت بھی سنائی اور ساتھ ہی یہ بھی کہا کہ اس بشارت سے فیض یاب ہونے کے لیے میں سرہند شریف جا رہا ہوں۔

بشارتے سحر از پردہائے غیب رسید
کہ بابِ لطف و کرم بر شکستگاں باز است

اس پر صوفی مواز خان صاحب نے کہا کہ پھر میں کیوں محروم رہوں، اس سفر میں آپ کے ساتھ میں بھی شرکت کروں گا۔ چنانچہ وہ اپنے گاؤں واپس گئے، رختِ سفر باندھا اور کندیاں سے ٹرین پر سوار ہو کر لاہور پہنچے۔ پھر یہ دونوں حضرات لاہور سے سرہند شریف کے لیے گاڑی پر سوار ہوئے اور خیر و عافیت کے ساتھ سرہند شریف پہنچ گئے۔ گاڑی سے اترے تو ظہر کا وقت ہو چکا تھا۔ نمازِ ظہر سرہند شہر میں پڑھی۔ نماز سے فراغت کے بعد پیدل چل پڑے۔ روضہ شریف شہر سے تقریباً ڈھائی میل کے فاصلے پر بسی اور سرہند کے درمیان واقع ہے، آدھ گھنٹے میں وہاں پہنچ گئے۔ پہنچ کر دیکھا کہ اعلیٰ حضرت نمازِ ظہر سے فارغ ہو کر وابستگانِ سلسلہ کے ساتھ بیٹھے ہوئے ہیں۔ حضرت کا قیام مسجد کے بائیں جانب ایک کمرے میں تھا۔ اعلیٰ حضرت نے جب ان دونوں کو آتے ہوئے دیکھا تو فرطِ مسرت سے فرمایا: الحمد للہ! دو ساتھی اور آ گئے۔ تھوڑی دیر بعد اُٹھے اور حضرت امام ربانی قدس سرہٗ کے مزارِ اقدس کی چہار دیواری کے باہر دو مزاروں پر تشریف لے گئے۔ وہاں پہنچ کر چند منٹ

مراقبہ فرمایا، وہاں سے اٹھ کر حضرت شیخ مخدوم عبدالاحد والدِ بزرگوار امام ربانی قدس اللہ تعالیٰ اسرارہما کے مزارِ پُر انوار پر تشریف لے گئے۔ حضرت مخدوم قدس سرہٗ کا مزارِ مبارک خانقاہ مجددیہ سے ڈیڑھ میل دور بسی کی جانب جھڑی میں واقع ہے، وہاں مراقبہ فرمایا اور نمازِ عصر بھی وہیں ادا فرمائی۔ نمازِ عصر سے فارغ ہو کر واپس خانقاہ مجددیہ میں نمازِ مغرب سے پہلے پہنچ گئے اور خواجہ محمد معصوم فرزندِ امام ربانی رحمہما اللہ کے مزار پر چند منٹ مراقبہ فرما کر مسجدِ امام ربانیؒ میں نمازِ مغرب ادا کی۔ نمازِ مغرب سے فارغ ہو کر حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی قدس سرہٗ کے مزارِ اقدس پر خاصی دیر تک مراقبہ فرمایا، بارہ تیرہ ساتھی حضرتِ اعلیٰ کے ہمراہ تھے جو اُن تمام مقامات پر آپ کے ساتھ شریکِ مراقبہ رہے۔

امام ربانی قدس سرہٗ کے مزارِ مبارک پر مراقبہ کے دوران صوفی محمد معاذ خان صاحبؒ نے یہ خصوصی واقعہ دیکھا کہ کچھ کرسیاں اور تخت لا کر لگائے گئے اور اُن پر زرنگار رنگ ریشمی کپڑے کے تخت پوش، جن کے جھالر سبز تھے، بچھائے گئے۔ اس کے بعد امام ربانی قدس سرہٗ تشریف لائے۔ آپ ہاتھ میں ایک خوشنما اور اعلیٰ جبہ لیے ہوئے تھے۔ آپ نے وہ جبہ تخت پہ لا کر رکھ دیا اور اعلیٰ حضرت کو پاس بلا کر یہ ارشاد فرمایا کہ ہم نے آپ کو بہت تکلیف دی کہ یہاں بلایا۔ دراصل ہمارے پاس آپ کی یہ امانت تھی جسے آپ کے سپرد کرنا ضروری تھا۔ یہ فرما کر آپ کو کرسی پہ کھڑا کیا اور خود حضرت امام ربانیؒ نے وہ خلعتِ خاصہ آپ کو پہنا دیا جو آپ کے جسم مبارک پر راست آیا اور بیحد حسین و زیبا دکھائی دیا۔ جبہ مبارک کے ساتھ ایک مرصع اور زرنگار تاج تھا جو حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ نے آپ کے سر مبارک پر رکھا ہوا تھا، وہ تاج [illegible] کرسیوں پر تجلیوں کے انبار لگے ہوئے تھے، وہ تجلیاں بھی سب کی سب آپ نے [illegible] کر لیں۔ صوفی معاذ خان صاحب نے یہ واقعہ دیکھ [illegible] خلعت نسبتِ خاصہ مجددیہ اور منصبِ قیومیت [illegible] حضرت کو پہنایا گیا ہے۔ اس کے بعد مراقبہ ختم ہو گیا اور حضرت اعلیٰ اپنی قیام گاہ پر تشریف لے آئے۔ صوفی معاذ خان کو ارشاد ہوا کہ [illegible] چلا جائے۔ چنانچہ معاذ خان صاحب [illegible] حضرت اقدس کے ساتھ [illegible] تشریف

لے گئے اور واپسی پر مواز خان صاحب کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا: ''میاں مواز خان! کوئی بات دیکھی ہو تو بتاؤ۔'' انہوں نے مراقبہ کے دوران جو مشاہدہ کیا اُسے یوں بیان کیا:

جب ہم سب خدام حضور والا کے ساتھ حضرت خواجہ محمد معصوم قدس سرہٗ کے مزار پر مراقب تھے تو خادم کو یہ نظر آیا کہ نور کا ایک ستون ہے جس کا اوپر کا سرا آسمان میں پیوست ہے اور نیچے کا سرا حضرت خواجہ محمد معصوم رحمہ اللہ کے مزار اقدس میں اترا ہوا ہے۔[1]

پھر جب حضرت امام ربانی کے مزارِ مقدس پر مراقبہ ہو رہا تھا تو اعطائے خلعتِ خاصہ کا منظر دیکھا اور پورا واقعہ تمام جزئیات کے ساتھ عرض کر دیا۔ یہ سن کر اعلیٰ حضرتؒ نے ارشاد فرمایا:

''میاں مواز! تم نے بالکل درست دیکھا ہے۔ بالکل صحیح دیکھا ہے۔''

آپ نے یہ جملے تھوڑے وقفے کے بعد چلتے چلتے تین بار دہرائے:

فَالْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ فَوَّضَ اِلٰی سَیِّدِنَا وَشَیْخِنَا الْاَعْظَمِ هٰذَا الْمَقَامَ الْاَفْخَمَ وَ خَلَعَ عَلَیْهِ خِلْعَةَ الْقَیُّوْمِیَّةِ وَالنِّسْبَةِ الْخَاصَّةِ الْمُجَدِّدِیَّةِ وَمَا ذٰلِکَ عَلَی اللّٰهِ بِعَزِیْزٍ۔

انتخابِ آرام گاہِ آخریں اور بنائے احاطۂ مزارات

حضرت اعلیٰ قدس سرہٗ کھولہ شریف سے خانقاہ سراجیہ تشریف لا چکے تھے اور بفضلہٖ تعالیٰ رُشد و ہدایت کا سلسلہ جاری تھا، نزدیک و دُور سے اللہ تعالیٰ کی محبت کے متوالے اور اہل اللہ کی صحبت کے مشتاق اس شمعِ عرفان کے گرد پروانہ وار فدا ہو رہے تھے۔ حضرتِ والا کے ہر دو صاحبزادگان محمد صادق و محمد سعید اتّبی، ضلع گجرات میں زیرِ تعلیم تھے۔ تائیدِ ربانی ہر لحہ شاملِ حال تھی اور ایسا کوئی واقعہ پیش نہ آیا تھا کہ قبور کے لیے کسی جگہ کا انتخاب عمل میں آتا۔ دریں اثنا حضرت اعلیٰ نے سرہند شریف جانے کا عزم فرمایا۔ میاں مواز خان صاحب

---

[1] تعبیر واقعہ ظاہر ہے کہ وہ نور جو آسمان سے زمین تک پھیلا ہوا تھا، وہ صاحبِ مزار کی نسبتِ عالیہ کا نور تھا جس سے اُس وقت مراقبہ کرنے والے، اعلیٰ حضرت کی وساطت سے مستفیض ہو رہے تھے۔

کا قیام تقریباً مستقل طور پر خانقاہ شریف میں رہتا تھا۔ گھر کا کوئی کام ہوا تو چلے گئے اور فراغت کے بعد واپس آ گئے۔ لنگر شریف کے لیے کندیاں سے ضروری اشیاء کا لانا اُن کے سپرد تھا اس لیے حضرت انہیں سرہند شریف ساتھ نہیں لے جا رہے تھے۔ کندیاں اسٹیشن سے سوار ہونا تھا، چنانچہ میاں مواز خان صاحب کو ارشاد فرمایا کہ سواری کا گھوڑا تیار کریں۔ گھوڑا ساز و زین کے ساتھ تیار کر کے حاضر کر دیا گیا اور آپ چند خدام کے ہمراہ تشریف لے گئے۔ جاتے ہوئے ایک نگاہ کتب خانہ پر ڈالی، دیکھا کہ مولوی محمد زمان صاحب مصروفِ مطالعہ ہیں، ایک نظر دیکھا اور یہ شعر پڑھ کر باہر تشریف لے آئے:

در حقیقت مالکِ ہر شے خداست

این امانت چند روزہ نزدِ ماست

گویا روانگی کے وقت اپنی عزیز کتابوں سے یہ ملاقات وداع تھی۔

حضرت اعلیٰ کے سرہند شریف جانے کے بعد صاحبزادہ محمد صادق صاحب بیمار ہو کر انّی، ضلع گجرات سے پیر عبداللطیف کے ہمراہ گھر آ گئے اور بیماری شدت اختیار کر گئی۔ ایک کمرہ اُن کی رہائش کے لیے مخصوص کر دیا گیا اور مائی صاحبہ نے میاں مواز خان کو ان کی تیمارداری پر مامور کیا کیونکہ گھر اور لنگر شریف کے انتظامات کے لیے بھی حضرت مائی صاحبہ کو کافی وقت دینا پڑتا تھا، چنانچہ میاں مواز خان صاحب شب و روز صاحبزادہ کی خدمت ہی میں گزارتے اور ہر طرح ان کی دیکھ بھال کرتے تھے، صرف نماز کے لیے مسجد چلے جایا کرتے تھے۔ ایک روز ایسا ہوا کہ صاحبزادہ صاحب سو رہے تھے اور نماز کا وقت ہو گیا۔ مواز خان صاحب مسجد میں نماز ادا کر کے فوراً صاحبزادہ صاحب کے پاس آ گئے۔ آپ نے آنکھ کھولی اور پوچھا، "کیا ابھی نماز کا وقت نہیں ہوا؟" میاں مواز خان نے عرض کیا کہ نماز کا وقت ہو چکا ہے۔ آپ سو رہے تھے لہٰذا اُٹھانا اور جگانا مناسب نہ سمجھا، میں مسجد سے نماز پڑھ کر آ رہا ہوں۔ آپ نے افسوس کے ساتھ فرمایا کہ مجھے نماز کے لیے کیوں نہیں اٹھایا؟ مواز خان صاحب نے معذرت کی اور نماز پڑھوا دی۔

دوسرے روز جبکہ بخار شدید تھا، صاحبزادہ صاحب نے میاں مواز خان صاحب کو کہا

کہ میں حضرت قبلہ کی ملاقات کے لیے بے تاب ہوں، آپ انہیں تار دے کر جلدی بلائیں۔ یہ سمجھے کہ بخار کی گھبراہٹ میں حضرت صاحب کو یاد کر کے ایسا فرما رہے ہیں۔ بہرحال تار بھجوا دیا گیا۔ دوسرے روز پھر دریافت فرمایا کہ میں نے آپ سے حضرت صاحب کو بلانے کے لیے کہا تھا۔ مواز خان صاحب نے عرض کیا، حسب الحکم جوابی تار اَرسال کر دیا تھا اور حضرت کی طرف سے جواب بھی آ گیا ہے کہ حضرت جلد پہنچ رہے ہیں، آپ مطمئن رہیں۔

اس کے بعد بخار کی شدت میں اضافہ ہوتا چلا گیا۔ بالآخر ساعتِ مقدر آ گئی۔ صوفی مواز خان صاحب نے مائی صاحبہ کو اطلاع دی کہ حضرت صاحبزادہ صاحب کی طبیعت زیادہ خراب ہو رہی ہے، آپ جلد تشریف لائیں۔ مائی صاحبہ نے کہا کہ میں وضو کر کے ابھی آتی ہوں۔ چنانچہ جب تشریف لائے تو صوفی مواز خان صاحب کو اجازت دے دی کہ وہ مسجد میں نماز ادا کریں۔ حضرۃ مائی صاحبہ نے صاحبزادہ صاحب کے پاس جا کر دیکھا کہ وہ ہمیشہ کے لیے داغِ مفارقت دے کر رفیقِ اعلیٰ سے جا ملے ہیں اور روحِ مبارک قفسِ عنصری سے پرواز کر چکی ہے۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّآ اِلَیْہِ رٰجِعُوْنَ۔

اے ہم نقصانِ محفلِ ما
رفتید ولے نہ از دلِ ما

ادھر سوءِ اتفاق سے ایسا ہوا کہ اعلیٰ حضرت صاحبزادہ کی علالت سے مطلع ہو کر سرہند شریف سے روانہ ہوئے ہی تھے کہ دریائے راوی اور دیگر دریاؤں میں شدید طغیانی آ گئی اور سیلاب ریلوے لائنوں کو بہا لے گیا جس سے ریل گاڑیوں کی آمد و رفت کا سلسلہ معطل ہو گیا۔ چنانچہ اعلیٰ حضرت بروقت خانقاہ شریف نہ پہنچ سکے۔

جہاں اس صدمۂ جانکاہ پر شدید رنج و غم کا عالم تھا، وہاں اب یہ فکر بھی دامن گیر تھی کہ تجہیز و تکفین کا کام کیونکر انجام دیا جائے۔ حضرت صاحب قبلہ ابھی تشریف نہ لائے تھے، گھر میں پردہ نشین مائی صاحبہ اور دیگر مستورات تھیں، باہر میاں مواز خان صاحب اور چند دیگر درویش، اگرچہ اعزہ و اقارب بھی جمع ہو گئے تھے لیکن وہ سب برادری کے اہلِ دو حضرات

تھے۔ خانقاہ شریف کے آداب اور طور وطریق سے واقفیت نہ رکھتے تھے۔ مائی صاحبہ نے میاں مواز خان کو کہلا بھیجا کہ میں پردہ نشین ہوں، حضرت صاحب ابھی تشریف نہیں لا سکے، لہٰذا تمہیں اجازت ہے کہ اپنی صوابدید کے مطابق تجہیز وتدفین کا انتظام کرو۔

میاں مواز خان صاحب نے حضرت مائی صاحبہ سے عرض کیا کہ میں اس قابل نہیں کہ صاحبزادہ مرحوم کی تدفین کا معاملہ سلجھا سکوں۔ ممکن ہے حضرت اعلیٰ میری تجویز کردہ جگہ کو ناپسند فرمائیں اور بعد میں آپ بھی میری موافقت نہ فرمائیں جس کے نتیجہ میں میرا باطنی معاملہ خراب ہو جائے۔ مائی صاحبہ نے یقین دلایا کہ ایسا ہرگز نہیں ہوگا۔ اس سلسلے میں تمہیں کلی اختیار ہے۔ اس کے بعد میاں مواز خان صاحب دیر تک سوچتے رہے۔ ہر قسم کے خیالات آتے رہے کہ خانقاہ نور محمد کے قبرستان میں دفن کیا جائے یا اپنی خانقاہ میں دفن کیا جائے؟ پھر وہ جگہ عمارات کے قریب ہو یا فاصلہ پر؟ الغرض مختلف قسم کے افکار وخیالات میں حیراں وسرگرداں تھے۔

ناگاہ ان کا دھیان صاحبزادہ مرحوم کی اس ہدایت کی طرف گیا جو انہوں نے غلبۂ مرض کے دوران فرمائی تھی۔ وہ یہ تھی کہ میں بیمار ہو گیا ہوں اور بیماری کے دوران میرے ہمدرس اسباق میں مجھ سے آگے نکل گئے ہوں گے۔ ضرورت پڑ جائے تو میرا لنگٹ انہی والے ساتھیوں کے ہمراہ کٹوانا اور میانوالی کے حضرات کے ساتھ نہ کٹوانا۔ یہ اشارہ اس طرف تھا کہ مجھے صحیح العقیدہ اہل علم حضرات کے ساتھ دفن کیا جائے۔ اس لیے خانقاہ شریف ہی میں تدفین کا فیصلہ کیا گیا۔ بہت غور وخوض کے بعد موجودہ جگہ جو قدیم تسبیح خانہ کے بالمقابل اور حضرت اقدس کی راہ میں واقع تھی، تجویز کی۔ اس میں ایک خاص مصلحت بھی پیش نظر رکھی گئی تھی کہ آتے جاتے اور تسبیح خانہ میں بیٹھے ہوئے حضرت اعلیٰ کی نظر صاحبزادہ مرحوم کی قبر مبارک پر پڑتی رہے گی جو ان کے درجات کی رفعت کا موجب ہوگی۔

غرض صاحبزادہ صاحب کو تجہیز وتکفین اور نمازِ جنازہ ادا کرنے کے بعد مقرر کردہ جگہ میں سپردِ خاک کر دیا گیا۔ حضرت اعلیٰ اس واقعۂ ہائلہ سے تین دن بعد تشریف لائے۔ صاحبزادہ مرحوم کی قبر مبارک پر فاتحہ پڑھی اور توجہات مبذول فرمائیں۔ اس کے بعد میاں

مواز خان صاحب نے عرض کیا کہ حضرت! میری ناقص رائے میں یہی جگہ صاحبزادہ مرحوم کے لیے مناسب معلوم ہوئی تھی۔ اعلیٰ حضرتؒ نے میاں مواز خان صاحب کی تجویز کو بیحد پسند کرتے ہوئے ارشاد فرمایا:

''میاں مواز! مجھے بھی آخری جگہ کے انتخاب کا فکر رہتا تھا، جزاک اللہ! تم نے میرے لیے جگہ بنادی ہے۔''

وقائع متفرقہ

حضرتِ اعلیٰ قدس سرہٗ اپنے عہد میں سرخیل اولیاء و اتقیا اور سلف صالحین کا اعلیٰ نمونہ تھے۔ تمام مقاماتِ مجددیہ پر کامل عبور، ان کی تفصیلی سیر کے ساتھ رسوخ تام اور سالکین کو ان پر فائز کرنے کی قدرت، یہ سب ایسے کمالات ہیں جن میں حضرتِ اعلیٰ کا کوئی ہمسر اس دور میں نظر نہیں آتا۔ وہ خوش قسمت حضرات جنہوں نے اپنے دیدہ و دل کو اعلیٰ حضرت کے دیدار حقیقت آثار سے روشن کیا ہے وہ اس حقیقت کا اعتراف کیے بغیر نہیں رہ سکتے کہ آپ کی زیارت سے اسلاف کرام کی یاد تازہ ہو جاتی تھی۔ مقامِ قطب الارشاد و قطب المدار اور حسب اصطلاحِ طریقہ مجددیہ مقامِ قیوم زماں بارگاہِ ربانی سے آپ کو عطا ہوا تھا۔ تمام اولیائے زمانہ، خواہ انہیں اس امر کا ادراک ہو یا نہ ہو، آپ کی ذات والا صفات سے مستفید ہو رہے تھے۔ امورِ تکوینیہ کے کارپرداز، جنہیں اصطلاحِ تصوف میں اصحابِ خدمت کہتے ہیں، وہ سب آپ کے زیرِ امارت و سیادت تھے۔ اس سلسلہ میں حضرت مولانا سیّد جمیل الدین احمد صاحب مدظلہ العالی نے فقیر کو ایک عجیب واقعہ سنایا۔ مولانا موصوف عالم و فاضل اور دارالعلوم دیوبند کے فارغ التحصیل ہونے کے علاوہ ریاست بہاولپور میں مدارس عربیہ کے انسپکٹر رہے ہیں۔ جس دور کا یہ واقعہ ہے اُس وقت آپ مدرّس عربی کی حیثیت سے ایک ثانوی مدرسہ میں درس و تدریس کے فرائض انجام دے رہے تھے۔

امارتِ مجاذیب و اصحابِ خدمت

مولانا فرماتے ہیں کہ میں دورانِ ملازمت ہی حضرتِ اعلیٰ کی بیعت سے مشرف ہو چکا تھا اور بہت سے فوائد و انعاماتِ خداوندی سے سرفراز تھا۔ اس سلسلہ میں جو عجیب و

غریب معاملات مجھے پیش آ رہے تھے، وہ خود میرے لیے بھی حیران کن تھے۔ میں اس عقیدہ میں راسخ تھا کہ اس وقت میرے شیخ تمام اولیائے عصر پر فضیلت رکھتے ہیں۔

غلبۂ حال کی وجہ سے اپنی کلاس کے طلبہ سے بھی معرفت وسلوک اور حضرتِ اعلیٰ کے کمالات وفضائل کا ذکر کرتا رہتا تھا۔ ایک روز میری کلاس کے چند طلبہ نے بتایا کہ یہاں کبھی کبھی ایک مجذوب نظر آیا کرتا ہے اور لوگ اسے بڑا با کمال اور صاحب تصرف بتاتے ہیں۔ یہ سن کر میں نے ان طلبہ سے کہا کہ اگر وہ پھر کہیں تمہیں نظر پڑے تو مجھے اطلاع دینا، یا بصورتِ دیگر اُسے میرے پاس لے آنا۔

قضارا چند روز بعد اُس مجذوب کا گزر اسکول کے قریب سے ہوا تو مجھے طلبہ نے اس کے بارے میں مطلع کیا۔ میں اسکول سے باہر نکلا، ملاقات کی اور اُسے گھر لا کر کھانا کھلایا۔ جب اس کی طبیعت کو مانوس پایا تو میں نے اپنی ذہن میں سوال کیا کہ اس وقت سب سے بڑے بزرگ کون ہیں؟ وہ یہ سوال سن کر کچھ دیر مجذوبانہ طور پر بڑبڑاتا رہا لیکن اسی بڑبڑاہٹ میں "ذہن ذہن" کرتے ہوئے اتنا کہہ گیا کہ جو بزرگ اس وقت سب سے بڑے ہیں تو انہیں جانتا ہے اور ان کے پاس تیری آمد ورفت بھی ہے۔ اس نے اعلیٰ حضرت کا نام تو نہ لیا مگر حضرت قبلہ گاہی کی رفعت وشان کے بارے میں میرے خیال کی تصدیق ہو گئی اور اُس سے مجھے بے حد مسرت ہوئی۔

اتفاق سے اس واقعہ کے بعد میں خانقاہ شریف گیا اور سارا واقعہ تفصیلات کے ساتھ حضرت اعلیٰ کی خدمت میں عرض کیا۔ آپ سن کر خاموش ہو گئے، مزید کچھ نہ فرمایا اور بات آئی گئی ہو گئی۔

کافی دنوں کے بعد جب مجھے دوبارہ خانقاہ شریف حاضری نصیب ہوئی اور میں کسی کام کی غرض سے میانوالی گیا، وہاں میں نے اسی مجذوب کو دیکھا۔ دیکھ کر اُس کی طرف تیزی سے گیا کہ کوئی بات کر سکوں، مگر جونہی اس کی نگاہ مجھ پر پڑی یہ کہتے ہوئے بھاگ گیا: "ذہن ذہن! تو یہاں بھی میرے پیچھے[۱] آ گیا۔ وہاں سے تو نے مجھے نکلوا دیا تھا، کیا اب

۱۔ موجود ہیں، موجود ہیں۔

یہاں سے بھی نکلوانا چاہتا ہے؟"

کام سے فارغ ہو کر جب واپس خانقاہ شریف پہنچا اور حضرت اقدس کی خدمت میں حاضر ہوا تو کافی مدت کے بعد حضرت قبلہ نے از خود دریافت فرمایا: "شاہ صاحب! وہ مجذوب جو آپ کو بہاولپور میں ملا تھا اُس سے پھر کبھی ملاقات ہوئی؟" میں نے حیرت زدہ ہو کر عرض کی کہ حضرت! آج وہ مجھے میانوالی میں نظر آیا تھا، میں اس سے کوئی بات کرنا چاہتا تھا مگر وہ یہ کہتے ہوئے بھاگ گیا کہ تو یہاں بھی میرے پیچھے پڑ گیا ہے، تو نے مجھے بہاولپور سے نکلوایا تھا، اب یہاں سے بھی نکلوانے آیا ہے۔

حضرت اعلیٰ یہ سن کر مسکرائے اور غالباً یہ فرمایا کہ ہاں اب اسے ہوش آ گیا ہے۔[1]

سیادتِ اہلِ خدمت کی ایک اور مثال

حضرتِ اعلیٰ نے ایک مرتبہ فرمایا کہ جب برادرِ محترم ملک محمد خان صاحب کوئٹہ میں تحصیلدار کے عہدہ پر فائز تھے، ان سے محکمۂ مال کے حسابات میں تین روپے اور بروایت بعضے ایک پیسے کی کمی پائی گئی۔ حکومتِ وقت نے اس جرم کو قابلِ تعزیر سمجھا اور آپ پر ایک مقدمہ بنا کر پانچ سال قید کا حکم سنا دیا۔

جب حضرت اعلیٰ کو اس کا علم ہوا تو آپ خانقاہ شریف سے کوئٹہ روانہ ہوئے۔ راستے میں مولانا غلام محمد صاحبؒ دین پوری کے ہاں قیام کیا۔ وہاں پہنچ کر آپ نے اپنی باطنی نسبت کو اس شدت کے ساتھ مستور کیا کہ مولانا باوجود کمالات حضرت اعلیٰ کے احوال سے آگاہ نہ ہو سکے۔ چنانچہ ایک عام زائر کی حیثیت سے جو کی روٹی اور سالن کھانے کے لیے دیا گیا۔ رات وہاں بسر کی اور صبح کوئٹہ کی جانب چل دیے۔

کوئٹہ پہنچ کر حضرتِ اعلیٰ کو روحانی طور پر معلوم ہوا کہ امورِ تکوینیہ کی انجام دہی کے

۱۔ یہ اشارہ اس امر کی جانب تھا کہ اس نے پہلے اسرارِ الٰہیہ کو فاش کر دیا تھا جس کی وجہ سے معتوب ہو کر بہاولپور سے نکالا گیا، اب محتاط ہو گیا ہے۔ اس واقعہ سے یہ بھی معلوم ہوا کہ حضرت اعلیٰ اپنے آپ کو مستور و مخفی رکھنا پسند فرماتے تھے، اسی بنا پر مجذوب کا اظہار ناگوار گزرا اور اسے تبدیل کر دیا۔

لیے یہاں ایک عورت مامور ہے۔ چنانچہ آپ نے اُسے طلب فرمایا۔ جب وہ حاضرِ خدمت ہوئی تو حضرت اعلیٰ نے پوچھا کہ تم نے میرے بھائی کی قید کے احکامات کیوں جاری کیے؟ اِس پر اُس عورت نے معذرت کی کہ حضور! مجھے اس وقت خیال نہ آیا کہ وہ آپ کا بھائی ہے۔ اس کے کاغذات میرے سامنے پیش ہوئے تھے اور میں نے اس کے حکم نامۂ سزا پر دستخط کر دیے، اب اس کی رہائی کے لیے کوشش کروں گی۔ چنانچہ اپیل دائر کی گئی اور ملک محمد خان صاحب کوئی آٹھ نو ماہ بعد رہا ہو گئے۔

مبیں حقیر گدایانِ عشق را کایں قوم
شہانِ بے کمر و خسروانِ بے کلہ اند

جنات کی ارادت

نیز مولانا جمیل الدین صاحب نے فرمایا کہ بعض واقعات سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ بہت سے مسلمان جن بھی آپ کے حلقۂ ارادت میں شامل تھے، کیونکہ بارہا دیکھنے اور سننے میں آیا کہ اگر حضرت مائی صاحبہ سے کوئی ایسا امر سرزد ہو جاتا جو حضرت اعلیٰ کے خلافِ مزاج ہوتا تو جنات حضرت مائی صاحبہ کو پریشان کرنا شروع کر دیتے تھے۔ اور وہ اس طرح کہ مثلاً انہوں نے آلو کاٹنے کے لیے رکھے اور چھری لینے اندر چلی گئیں۔ چھری لائیں تو دیکھا کہ آلو غائب ہیں۔ پھر کسی کام سے کمرے میں گئیں اور کوئی بکس کھولا تو دیکھا کہ وہ آلو وہاں رکھے ہوئے ہیں۔ اسی طرح جنات بار بار چیزوں کو اُلٹ پلٹ کرنے لگ جاتے تھے۔ پھر جب وہ بات رفع ہو جاتی تو جنات بھی اپنی حرکات سے باز آ جاتے تھے۔

بعض مطائبات

مولانا موصوف نے ذکر کیا کہ ایک دفعہ اعلیٰ حضرت نے بعض وجوہ کی بنا پر یہ ارشاد فرمایا کہ کل سے درویشوں کی چائے بند رہے گی۔ اس پر حضرت خواجہ عبداللطیف صاحب جو کہ آپ کے مخصوص مقرب اور بے تکلف درویشوں سے اور چائے کے عادی تھے بطور ناز یہ عرض کر دیا کہ حضرت! اگر چائے ہمیں نہ ملے گی تو ہمیں نزلہ ہونے کا ڈر ہے۔ چنانچہ حسب سابق چائے بدستور رہی۔ حضرت اعلیٰ نے مولانا محمد عبداللہ صاحب کو جو آپ کے خادم خاص تھے، یہ

ہدایت فرمادی کہ مولوی عبداللہ جی! خیال رکھنا کہ باہر چائے نہ آنے پائے۔

حضرت مائی صاحبہ کو معلوم ہوا تو انہوں نے فرمایا، یہ نہیں ہوسکتا کہ میرے درویش چائے بند ہونے سے تکلیف اٹھائیں۔ حضرت مائی صاحبہ درویشوں پر مادرِ مہربان سے بھی زیادہ شفیق تھیں۔ بعد شفقت و مرحمت کے ساتھ درویشوں کی راحت و آرام کا خیال فرمایا کرتی تھیں۔ چنانچہ انہوں نے فرمایا کہ درویشوں کو چائے ضرور دی جائے گی۔

جب حضرت اعلیٰ اپنے معمولات و مراقبہ سے فارغ ہوئے تو مائی صاحبہ نے چائے باہر بھجوادی۔ جونہی خدام حویلی کے مغربی دروازے سے چائے لے کر باہر آئے، حضرت مولانا عبداللہ صاحبؒ نے انہیں ڈانٹ کر واپس کردیا۔ پھر مائی صاحبہ نے مشرقی سمت سے خدام کو چائے دے کر بھیجا تو مولانا عبداللہ صاحبؒ اس طرف بھاگتے ہوئے گئے اور اُدھر سے بھی چائے واپس کروادی۔ غرض اُس روز صبح کی چائے حضرت مولانا عبداللہ صاحبؒ نے باہر نہ آنے دی۔

اعلیٰ حضرت کو جب یہ صورتِ حال معلوم ہوئی تو خوش ہوکر مولانا عبداللہ صاحبؒ کو اِن الفاظ میں داد دی کہ "ساڈا کوتوال تکڑا اے۔" یعنی ہمارا محاسب تعمیلِ ارشاد میں چاق و چوبند ہے۔ گھر میں تشریف لے گئے تو مائی صاحبہ نے اعلیٰ حضرت سے کہا سنا اور حکم منسوخ کرنے کی درخواست کی۔ چنانچہ دوسرے وقت اعلیٰ حضرت نے فرمایا:

"ڈاکٹرنی[۱] صاحبہ نہیں مانتیں، اس لیے چائے آنے دی جائے۔"

تاثیرِ توجہ

ایک مرتبہ اعلیٰ حضرت نے بہ سلسلہ مطائبات مولانا جمیل الدین صاحب سے فرمایا کہ جب ہمارا اعلاجِ ثانی ہوا تو ایک روز ہماری خوشدامن صاحبہ نے فرمائش کی کہ آپ اپنی خصوصی توجہ میری بیٹی پر بھی مبذول فرمائیں۔ ہم نے جو توجہ کی تو ذرا تیز پڑگئی اور بیگم صاحبہ

۱۔ اعلیٰ حضرت مزاحاً اہلیہ محترمہ کو ڈاکٹرنی صاحبہ کے لقب سے یاد فرمایا کرتے تھے۔ لیکن اس مزاح میں ایک حقیقت بھی تھی کہ حضرت مائی صاحبہ چھوٹے بچوں کا علاج معالجہ بعض یونانی مجربات سے خود ہی کرلیا کرتی تھیں۔

کی چیخ نکل گئی۔ یہ دیکھ کر خوشدامن صاحبہ ہمارے سر پر ہاتھ پھیرتے ہوئے کہنے لگیں کہ میرے کہنے کا مطلب یہ تو نہیں تھا کہ اسے آج ہی ولی بنا دو۔ رفتہ رفتہ بناؤ، کچھ آج بناؤ، کچھ کل بناؤ۔ ان کی یہ بات سن کر سب گھر والے ہنسنے لگے اور ہم بھی ہنس پڑے۔

علامہ شبیر احمد عثمانی کی نظر میں حضرت اعلیٰ کی قدر و منزلت

علامہ شبیر احمد عثمانیؒ نے قرآن عزیز کی تفسیر لکھی تھی جو مدینہ پریس، بجنور سے طبع ہوئی۔ یہ تفسیر حضرت شیخ الہندؒ کے ترجمہ پر ہے، البتہ اس میں سورۂ بقرہ کی تفسیر حضرت شیخ الہندؒ کی تحریر کردہ ہے۔ حضرت اعلیٰ نے اس تفسیر کے مطالعہ کے بعد علامہ عثمانیؒ کی خدمت میں ایک گرامی نامہ ارسال فرمایا، جس میں تحریر کیا کہ آپ نے یہ تفسیر لکھ کر اہلِ اسلام پر ایک احسانِ عظیم فرمایا ہے اور میں تہجد کی نماز پڑھ کر روزانہ آپ کی درازیٔ عمر کی دعا کرتا ہوں کہ یہ علمی فیضان آپ کی ذات سے برابر جاری رہے۔

حضرت اعلیٰ کے وصال کے بعد مولانا محمد عبداللہ المعروف حضرت ثانی رحمہ اللہ، حضرت خان محمد صاحب قبلہ سجادہ نشین خانقاہ سراجیہ، حضرت جان محمد صاحب باگڑ والے اور ڈاکٹر محمد شریف صاحب ایک مرتبہ دیوبند تشریف لے گئے۔ ان ایام میں علامہ عثمانیؒ ریاحی امراض کے باعث صاحبِ فراش تھے، نیز حضرت ثانیؒ کو علامہ موصوف سے شرفِ تلمذ بھی حاصل تھا، لہٰذا اُن کی زیارت کو باعثِ برکت سمجھتے ہوئے آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ علامہ عثمانیؒ نے ان نفوسِ قدسیہ کو گھر کے اندر بلوا لیا اور گفتگو کا آغاز اس طریق پر فرمایا کہ میرے خصوصی معالج مجھے زیادہ گفتگو سے منع کرتے ہیں، لیکن میری نطاقت اور فکری صلاحیتیں حالتِ مرض میں عام لوگوں کے برعکس زیادہ اُبھرتی اور جلا پاتی ہیں۔ آپ نے سلسلۂ کلام جاری رکھتے ہوئے فرمایا:

بعض لوگ ظاہری علوم پڑھتے ہیں اور کسی شیخِ طریقت کی صحبت سے مستفید نہیں ہوتے جس کے باعث وہ خشک ملا رہ جاتے ہیں۔ امورِ شرعیہ میں ایسے لوگوں کی تائید و توثیق کچھ حقیقت نہیں رکھتی۔ کچھ لوگ علم سے بے بہرہ ہوتے ہیں مگر کسی شیخ کی صحبت میں رہ کر ذکر و شغل کی کیفیات حاصل کر لیتے ہیں، ان کی تائید و تصدیق بھی در خورِ اعتنا نہیں۔

پھر آپ نے حضرت مولانا عبیداللہ رحمہ اللہ کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا، آپ کے شیخ راسخ فی العلم تھے۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں علومِ شرعیہ سے کماحقہٗ نوازا تھا اور انہوں نے شیخ کامل کی صحبت میں تمام منازلِ عرفان کو بھی طے کیا تھا۔ میری تفسیر کے مطالعہ کے بعد جو گرامی نامہ انہوں نے مجھے لکھا ہے اُسے میں نے حرزِ جاں سمجھ کر محفوظ رکھا ہے اور اپنے اعزہ و اقارب کو وصیت کی ہے کہ میری وفات کے بعد اسے میری قبر میں رکھ دیا جائے تاکہ میرے لیے نجاتِ اخروی کا وسیلہ بن سکے۔ اہلِ طریقت کی ایمان افروزی کے لیے ہم علامہ عثمانیؒ کا جواب، جو انہوں نے حضرت اعلیٰ کی خدمت میں بھیجا تھا، زیبِ قرطاس کرتے ہیں:

از بندہ شبیر احمد عثمانی عفا اللہ عنہ

بخدمت گرامی مکرم و معظم جناب مولانا صاحب دامت برکاتہم

بعد سلامِ مسنون آنکہ۔ مدت ہوئی والا نامہ پہنچا تھا، میں مشغول بہت رہا۔ پھر علیل ہو گیا۔ آنکھوں میں تکلیف تھی، جس سے نوشت و خواند کا سلسلہ جاری نہ رہ سکا۔ اب الحمدللہ افاقہ ہے۔

آپ جیسے بزرگوں کی نظرِ عنایت اور دعواتِ صالحہ کا اُمیدوار ہوں۔ اگر میری کتاب اور فوائدِ قرآن سے جناب کو دلچسپی ہوئی اور آپ کی نگاہ میں پسندیدہ ٹھہری تو میں اس کو اپنے لیے اور کتاب کے حق میں فالِ نیک سمجھتا ہوں، شاید وہاں بھی حق تعالیٰ توشۂ آخرت بنا دے۔ حسنِ خاتمہ کے لیے دعا فرما کر بندے کو ممنون فرمائیں۔

از ڈابھیل، ضلع سورت

یوم عاشورا ۱۳۵۷ھ مطابق دسمبر ۱۹۳۸ء

حضرت مولانا انور شاہؒ صاحب کشمیری کی خانقاہ سراجیہ میں تشریف آوری

حضرت انور شاہؒ صاحب کشمیری مولانا حسین علی صاحبؒ کی دعوت پر سیانوالی تشریف لائے۔ تشریف آوری کا مقصد بعض فروعی مسائلِ شرعیہ پر تصفیہ و تحقیق تھا۔ اس اجتماع میں مولانا بدرِ عالم، مولانا حبیب الرحمٰن صاحب لدھیانوی، مولانا مرتضیٰ حسن، سید عطاء اللہ شاہ صاحب بخاری رحمہم اللہ اور دیگر اکابر علماء شریک تھے۔ حضرت اعلیٰ مولانا انور

شاہ صاحب کی ملاقات کے لیے میانوالی تشریف لے گئے اور خانقاہ سراجیہ آنے کی دعوت دی جسے حضرت انور شاہ صاحبؒ نے قبول فرمالیا۔ علامہ کشمیریؒ کی موجودگی میں مولانا حسین علی صاحبؒ نے فرمایا کہ حضرت احمد خان صاحب میرے پیر بھائی اور ہم مسلک ہیں مگر امور شرعیہ کے نفاذ میں شدت اختیار نہیں کرتے، حالانکہ قرآن عزیز میں وَاغْلُظْ عَلَيْهِمْ کی نص قطعی موجود ہے۔ حضرت اعلیٰ نے فرمایا کہ یہ آیہ مبارکہ جہاد سے متعلق ہے اور اس کا مصداق کفار ہیں جن پر شدت کا حکم دیا گیا ہے۔ مگر دین کی تبلیغ و اشاعت کے سلسلے میں فَقُوْلَا لَهٗ قَوْلًا لَّيِّنًا کا ارشاد ہے۔ علامہ کشمیریؒ نے اعلیٰ حضرت کی رائے مبارک سے اتفاق فرمایا۔

حضرت اعلیٰ نے خضاب بالسواد کے جواز میں بہت تحقیق کی تھی۔ علامہ کشمیریؒ کی خانقاہ سراجیہ میں تشریف آوری کے بعد آپ نے اپنے تحقیقی مآخذ اور تفصیلات کو ان کی خدمت میں پیش کیا جس پر حضرت انور شاہ صاحبؒ نے فرمایا کہ اس مسئلہ میں ہر چند علمائے دیوبند کا اختلاف ہے تاہم اتنی گراں بہا تحقیق کے پیش نظر آپ کے لیے گنجائش کی صورت نکل سکتی ہے۔

حضرت اعلیٰ کی تحقیق کا ماحصل یہ ہے:

مسلم شریف، کتاب اللباس والزینۃ میں حدیث جابرؓ غَيِّرُوْا هٰذَا بِشَيْءٍ وَّاجْتَنِبُوا السَّوَادَ (بالوں کی اس سفیدی کو کسی چیز سے بدل دو اور سیاہی سے پرہیز کرو) میں وَاجْتَنِبُوا السَّوَادَ کی زیادتی تنقیدِ رجال کے بعد ثابت نہیں۔ خلاصۂ بحث یہ ہے کہ اس حدیث کے چھ راوی ہیں۔ جن میں دو ثقہ اور چار مدلس ہیں۔ مدلس راویوں کی روایت میں وَاجْتَنِبُوا السَّوَادَ مروی ہے۔ جب ثقہ راویوں سے پوچھا گیا کہ کیا یہ الفاظ روی جابرؓ "واجتنبوا السواد" تو انہوں نے کہا "لا" یعنی حضرت جابرؓ نے وَاجْتَنِبُوا السَّوَادَ کی روایت نہیں کی۔ بس غَيِّرُوْا هٰذَا بِشَيْءٍ کی روایت کی ہے کہ سفید بالوں کا رنگ بدل دو اور یہ حکم عام ہے۔ خواہ سفیدی پر سیاہ رنگ کا خضاب کیا جائے یا سرخ مہندی وسمہ وغیرہ سے بدل دیا جائے۔

آپ امامِ نقشبندیہ ہیں

حضرت اعلیٰ کے علامہ سید انور شاہ صاحب کشمیریؒ سے بہت قریبی مراسم[1] تھے۔ آپ ایک مرتبہ اُن کی ملاقات کے لیے دیوبند تشریف لے گئے۔ دیوبند میں قیام کے دوران ایک روز حضرت علامہؒ نے اثنائے گفتگو حضرت اعلیٰ سے یہ فرمایا کہ مولانا! حدیث شریف کا درس دیتے ہوئے مجھے کبھی کبھی حلقۂ درس میں عفونت کا احساس ہوتا ہے جبکہ پیشتر درس کی فضا لطافت و پاکیزگی سے معمور ہوا کرتی تھی۔ حضرت اعلیٰ نے شاہ صاحب قبلہ سے اگلے روز فرمایا کہ آپ کے درس میں بعض طلبہ کا بے وضو اور ناپاک حالت میں شریک ہونا آپ کے اس احساس اور ناگواری کا باعث ہے۔ تحقیق کرنے پر حضرت اعلیٰ کا ارشاد درست نکلا۔ چنانچہ حضرت علامہؒ نے حضرت اعلیٰ کے اس ارشاد کو اپنے ہم عصر علماء کے سامنے پیش کرکے بیحد تعریف کی اور فرمایا کہ حضرت مولانا احمد خان صاحب اس وقت سلسلۂ عالیہ نقشبندیہ کے امام اور عارف کامل ہیں۔

حضرت سیّد عطاء اللہ شاہ صاحب بخاریؒ کے لیے دعا

حضرت خان محمد صاحب قبلہ سجادہ نشین خانقاہ سراجیہ نے بیان فرمایا کہ حضرت سیّد عطاء اللہ شاہ صاحب بخاریؒ راولپنڈی جیل میں اسیر تھے۔ وہاں مولانا ظہور احمد صاحب بگوی بھیروی نے ان سے ملاقات کی۔ شاہ جی نے مولانا کے ہاتھ اعلیٰ حضرت کی خدمت میں یہ پیغام بھیجا کہ آپ زندہ ہوں اور میں جیل کی کال کوٹھریوں میں بند رہوں، یہ بات مناسب نظر نہیں آتی۔ مقصود رہائی کے لیے دعا کی درخواست تھی۔ حضرت سجادہ نشین نے فرمایا کہ میں ان ایام میں بھیرہ میں درسیاتِ عربیہ کا طالب علم تھا۔ مولانا موصوف نے یہ پیغام مجھے پہنچایا۔ میں اعلیٰ حضرت کی خدمت میں حاضر ہوا اور شاہ جی کا پیغام دیا۔ حضرت اعلیٰ نے فرمایا، اگر علالتِ طبعی حائل نہ ہوتی تو میں شاہ جی کو ایک دن بھی جیل میں نہ رہنے

۱۔ مفتی محمد شفیع صاحب بانی سراج العلوم، سرگودھا نے یہ واقعہ مولانا شمس الحق افغانی مدظلہٗ شیخ التفسیر جامعہ بہاولپور سے بیان کیا اور مولانا موصوف سے حضرت خان محمد صاحب قبلہ سجادہ نشین خانقاہ سراجیہ نے سنا۔

دیتا۔ اس کے بعد لدھارام والے مشہور کیس کی سماعت شروع ہوئی۔ یہ اعلیٰ حضرت کی توجہ اور دعا کی تاثیر تھی کہ شاہ صاحب نے اس اسیری اور بھیانک سازشوں پر مبنی مقدمہ سے نجات پائی۔

حضرت امام ربانیؒ سے والہانہ عقیدت

خانقاہ سراجیہ سے حضرت مولانا غلام محمد صاحب قادری چشتی کی خانقاہ قریب ہی واقع ہے۔ مولانا غلام محمد صاحب ایک مرتبہ سرہند شریف حضرت امام ربانی مجدد الف ثانیؒ کے روضۂ اقدس پر حاضر ہوئے۔ وہاں حاضر ہو کر یہ درخواست کی کہ مجھے کوئی ہدیہ عنایت فرمایا جائے۔ درخواست کے بعد اپنی قیام گاہ پر تشریف لے گئے۔ جب دوبارہ حضرت کے مزارِ پُرانوار پر حاضر ہوئے تو دیکھا کہ قبر مبارک پر بچھے ہوئے غلاف کی درمیانی سطح اوپر اٹھی ہوئی ہے۔ مولانا سمجھ گئے کہ میری درخواست قبول ہو گئی ہے اور غلاف کے نیچے جو چیز بھی موجود ہے وہی میرے لیے ہدیہ ہے۔ غلاف کو اُٹھا کر دیکھا تو اس کے نیچے مٹی کی ایک مدوّر ڈلی رکھی ہوئی تھی۔ اسے اٹھالیا اور چند روز قیام کے بعد واپس اپنی خانقاہ میں تشریف لے آئے۔

جب مولانا کی وفات کا وقت قریب آیا تو انہوں نے حضرت اعلیٰ کو بلایا اور کہا کہ مجھے آپ پر کامل یقین ہے کہ آپ میری آخری آرزو کو پورا فرمائیں گے۔ یہ کہنے کے بعد انہوں نے حضرت مجدد الف ثانیؒ کے مزار مبارک سے ملنے والی مٹی کی ڈلی کا ذکر کیا جو اُنہیں ہدیہ کے طور پر عطا کی گئی تھی اور التماس کیا کہ اس مٹی کو باریک پیس کر اُن کی وفات کے بعد تمام اعضائے سجدہ پر مَل دیا جائے۔ حضرتِ اعلیٰ نے ان کی وصیت کے مطابق عمل کیا اور اُنگلیوں کے ساتھ تمام مٹی اُن کے اعضائے سجدہ پر حسب وصیت لگادی۔ آپ نے اس کے بعد برتن میں پانی ڈالا اور باقی ماندہ مٹی کو گھول کر تبرکاً وہ منا پی لیا۔

اصل فتنہ کی نشاندہی

جن ایام میں مسجد شہید گنج کی تحریک زوروں پر تھی اور اہلِ اسلام میں ہر فرد ولولہ و جوش کا مرقع تھا، حضرت اعلیٰ نے مجلسِ احرار کو ایک گرامی نامہ تحریر فرمایا جس میں لکھا کہ مسجد شہید گنج اگر مسلمانوں کے ہاتھ سے چلی جارہی ہے تو اس کا غم نہ کریں، اللہ تعالیٰ کے فضل و

کرم سے مساجد پھر بھی تعمیر کی جا سکیں گی۔ ان کی حیثیت ہر حال میں ثانوی ہے۔ اسلام کے تحفظ و بقا کو اولیں اہمیت حاصل ہے اور اصل فتنہ موجودہ دور میں مرزائیت کا ہے جو وجودِ اسلام کو مٹانا چاہتا ہے، اس کے خلاف جہاد جاری رکھنا چاہیے۔ اگر اسلام محفوظ رہا تو مساجد کی کمی نہ رہے گی۔ لہٰذا بقائے اسلام کی خاطر اپنی تمام کوشش و ہمت کو مبذول کرنا چاہیے۔

مولانا حبیب الرحمٰن صاحب لدھیانویؒ، حضرت عطاء اللہ شاہ صاحب بخاریؒ اور دیگر اکابر احرار فرمایا کرتے تھے کہ حضرت عبدالقادر رائے پوری اور حضرت اعلیٰ مولانا احمد خان صاحب وہ مبارک ہستیاں ہیں جنہوں نے مسجد شہید گنج کے سلسلے میں ہمیں صحیح مشورے دیے اور ہمیشہ ہماری حوصلہ افزائی فرمائی۔

شفائے قاضی عیاضؒ

حضرت اعلیٰ فرمایا کرتے تھے کہ حضور رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرتِ طیبہ کے سلسلہ میں قاضی عیاضؒ کی کتاب ''شفا'' کا مطالعہ ضروری ہے۔ یہ کتاب حضور ختمی مرتبت صلی اللہ علیہ وسلم کی حیاتِ مبارکہ کے تمام پہلوؤں پر روشنی ڈالتی ہے۔ علمائے کرام کو چاہیے کہ اس کتاب کو اکثر زیر مطالعہ رکھیں تاکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت جیسے پاکیزہ موضوع پر تقریر کرتے وقت وہ مستند، جامع اور صحیح آثار و روایات کو افرادِ امت کے سامنے پیش کر سکیں۔

مقبولیتِ مسجد کی پیشگوئی

میاں نامدار خان صاحب نے بیان کیا کہ خانقاہ سراجیہ کی موجودہ مسجد تعمیر کے آخری مراحل سے گزر رہی تھی اور ہم سب حضرت اعلیٰ کی خدمت میں بیٹھے ہوئے تھے۔ اہلِ مجلس میں سے کسی نے کہا کہ اگر یہ مسجد کسی شہر میں ہوتی تو کیا اچھا ہوتا۔ اس پر حضرت اعلیٰ نے جواب دیا کہ مسجد کسی شہر میں ہو یا جنگل میں، اس کی اصل زیب و زینت نمازیوں کے دم قدم سے ہے۔ انشاء اللہ ہماری مسجد قیامت تک آباد رہے گی اور دور دراز علاقوں سے لوگ اسے دیکھنے کے لیے آیا کریں گے۔ ایک نشست میں حضرت اعلیٰ نے یہ جملہ بھی فرمایا تھا کہ یہاں نمازِ جمعہ بھی پڑھی جایا کرے گی۔

صبر و رضا کی تلقین

نیز میاں نامدار خان نے بیان کیا کہ حضرت اعلیٰ ایک دفعہ سرہند شریف حضرت مجدد الف ثانیؒ کے روضۂ اقدس پر تشریف لے گئے۔ اُدھر صاحبزادہ محمد صادق صاحب علیل ہو کر گھر پہنچے اور چند روز میں اُن کا وصال ہو گیا۔ حضرت اعلیٰ واپس تشریف لائے تو سب سے پہلے محمد صادق صاحبؒ کی قبر پر فاتحہ پڑھی۔ پھر گھر جا کر جتلائے غم مستورات کو آہ و بکا سے روکا۔ جب آپ باہر آئے تو ہم سب عقیدت مند مولانا احمد دین صاحب بگھیلے والے کے ساتھ اُلٹی چارپائیوں پر بیٹھے ہوئے تھے۔ حضرت اعلیٰ نے جب یہ صورت حال دیکھی تو مولانا احمد دین صاحب سے مخاطب ہوئے کہ حضرت! آپ نے عالم فاضل ہو کر اظہارِ غم کا یہ کون سا طریقہ اختیار کیا ہے؟ انہوں نے کہا، حضور! ان لوگوں کے رسم و رواج ہیں۔ آپ نے فرمایا، اللہ تعالیٰ کی رضا جوئی اور احکامِ دینیہ کی پیروی ہر حال میں مقدم ہونی چاہیے اور اس قسم کے رسم و رواج سے کامل اجتناب کرنا چاہیے۔ پھر سلسلۂ کلام جاری رکھتے ہوئے فرمایا، ہر شخص کو موت کا مزا چکھنا ہے، بقائے دوام اسی ذات برتر و اعلیٰ کو زیبا ہے۔ اس کی رضا کا اختیار کرنا عین عبادت ہے۔ اور اس کی عظمت کے سامنے کسی کو دم مارنے کی جرأت نہیں۔

کسے ز چون و چرا دم نمی تواند زد
کہ نقشبند حوادث ورائے چون و چراست

ایک مقروض کی قرضے سے نجات

یہ واقعہ بھی میاں نامدار خان ہی نے بیان کیا کہ ایک مرتبہ اعلیٰ حضرت میرے پھوپھی زاد بھائی محمد بخش کی دعوت پر گل میری تشریف لے گئے۔ محمد بخش ایک ساہوکار بھانو کا مقروض تھا، جو اُسے قرضے کی ادائیگی کے سلسلے میں بار بار تنگ کیا کرتا تھا۔ وہ یہاں حضرت اعلیٰ کی موجودگی میں بھی آ دھمکا اور حساب بے باق کرنے کا مطالبہ کیا۔ حضرت اعلیٰ نے اسے اپنے بہی کھاتے لانے کے لیے کہا۔ جونہی وہ گھر پہنچا تو دورۂ اعصاب میں مبتلا ہو گیا اور جب بہی کھاتے لایا تو ان میں محمد بخش کا حساب کتاب سرے سے مفقود تھا۔ وہ تمام حسابات جن کا اندراج اس نے اپنے ہاتھوں سے کیا تھا، صفحات سے یکسر محو ہو چکے تھے۔

حضرتِ اعلیٰ نے فرمایا کہ ایک اونٹ لے اور اس کا حساب بے باق کر دو۔ مگر وہ برابر یہی کہتا
چلا جا رہا تھا کہ حضور! میری جاں بخشی فرمائی جائے، میں اس سے کسی قسم کا مطالبہ نہیں کرتا۔
آخر الامر محمد بخش نے اعلیٰ حضرت کی دعا و برکت سے مہاجن کے اس طویل سلسلۂ حسابات
سے نجات پائی۔

فیضانِ نظر

سردار علی خان صاحب[1] نے حضرتِ اعلیٰ کے ایک مرید عبدالجلیل صاحبؒ سے یہ
واقعہ سنا کہ آپ دورانِ سفر ایک جگہ قیام پذیر ہوئے۔ اس قصبہ میں ایک سیّد صاحب نے
فرمایا کہ آجکل پیروں فقیروں نے دکانداری چلا رکھی ہے اور خلقِ خدا کو گمراہ کرتے پھرتے
ہیں۔ ان کے یہ الفاظ اعلیٰ حضرت کے گوش گزار کیے گئے۔ آپ نے اگلے روز انہیں دس
بجے ملاقات کی دعوت دی۔ شاہ صاحب جونہی حضرت اعلیٰ کے کمرے میں داخل ہوئے،
آپ نے اُن پر توجہ فرمائی اور وہ زمین پر گر کر تڑپنے لگے۔ کچھ دیر بعد جب ہوش آیا تو شاہ
صاحب نے حضرت اعلیٰ کے قدموں پر سر رکھ دیا اور بیعت کی درخواست کی۔ آپ نے
فرمایا، ابھی تمہیں بیعت نہیں کریں گے۔ پہلے یہ دیکھو کہ کون سا سودا اس دکان میں موجود
نہیں ہے۔ اس کے بعد ارشاد فرمایا کہ دورانِ سفر تمہیں بیعت نہیں کریں گے البتہ اگر خانقاہ
سراجیہ آجاؤ تو وہاں داخلِ طریق کرلیں گے۔ چنانچہ وہ خانقاہ سراجیہ تشریف لا کر داخلِ
طریقہ ہوئے۔ ایک ماہ قیام کیا اور اُن مقاماتِ عالیہ پر فائز ہوئے جو سالہا سال کی ریاضت
کے بعد نصیب ہوتے ہیں۔

حضورِ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کا خطاب

حضرت سیّد مغیث الدین شاہ صاحبؒ نے فرمایا کہ حضرت اعلیٰ نے حج بیت اللہ
شریف سے فارغ ہو کر رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کے روضۂ اطہر کی زیارت کی۔ مدینہ
منورہ میں قیام کے دوران ایک روز حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے روضۂ اقدس پر اُس وقت
حاضر ہوئے جب مواجہ شریف کے پاس کوئی فرد موجود نہ تھا۔ آپ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ

۱۔ سردار علی خان صاحب نقشی ساکن کوٹلہ، ضلع گجرات

وسلم کی خدمت میں سلام پیش کیا اور حضور رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کا جواب مبارک اپنے کانوں سے سنا۔

انتہائے کرم

صوفی محمد عبداللہ صاحب نے، جو نصف صدی سے خانقاہ سراجیہ کے ساتھ وابستہ ہیں، بیان کیا کہ اعلیٰ حضرت زندگی کے آخری ایام میں فرمایا کرتے تھے کہ میں نے کسی مرید کو محروم نہیں رکھا۔ ہر شخص کو حسب استعداد سلسلۂ عالیہ نقشبندیہ مجددیہ کے فیوض و برکات سے بہرہ ور کیا ہے۔ تعلیم و تربیت کا یہ دور مکمل ہو چکا ہے اور اب آرزو ہے کہ اگر ذات باری تعالیٰ فرصت عطا فرمائے تو ایک نئے دور کا آغاز ہو۔ پہلے کی طرح طالبانِ حق کو داخلِ طریقہ کروں اور انہیں وصول الی اللہ کی تمام منازل طے کراؤں۔

جس مجلس میں حضرت اعلیٰ نے یہ ارشاد فرمایا، اس میں جس قدر متوسلین سلسلہ موجود تھے، تمام کو بیک وقت ترویج طریقہ کی اجازت مرحمت فرمائی۔ ڈاکٹر محمد شریف صاحب، میاں علی بہادر صاحب، میاں اللہ یار صاحب اور دیگر حضرات شریکِ مجلس تھے:

در فیض است ملتمس از اجابت ناامید اینجا
برنگ دانہ از ہر قفل می روید کلید اینجا

جامع کمالات ہستی

میاں نامدار صاحب کا بیان ہے کہ ہم حضرت اعلیٰ کی زمین میں ہل چلا رہے تھے، سخت گرمی کا موسم تھا۔ اتنے میں آپ گھر سے باہر تشریف لائے اور مجھ سے مخاطب ہوئے کہ احمد لانگری کو اللہ تعالیٰ نے فرزند عطا کیا ہے، اگر مولا کریم تمہیں بھی کوئی فرزند عطا فرمائے تو کس قدر مقام مسرت ہو۔ میاں صاحب موصوف نے جواب دیا کہ یہ حضور کی دعا اور کرم نوازی ہوگی۔ دریں اثنا حضرت اعلیٰ کا ایک مرید لنگر کے لیے سر پر اچار کا ایک بڑا برتن رکھے منڈیاں کی طرف سے آتا ہوا دکھائی دیا۔ آپ نے اسے دیکھ کر کہا، ہمارے ساتھیوں کو سفر میں سخت تکلیف برداشت کرنا پڑتی ہے۔ اس کے بعد آپ نے مغرب کی جانب اشارہ کرتے ہوئے فرمایا:

"درویشو اور دوستو! دعا کرو یہاں کوئی ریلوے سٹیشن بن جائے، جس سے آمد و رفت میں سہولت ہو۔"

پھر راوی کا بیان ہے کہ میں نے حضرت اعلیٰ کی تین کرامتوں کا بچشم خود مشاہدہ کیا:

۱۔ جس سمت آپ نے اشارہ کیا تھا، خانقاہ سراجیہ ریلوے سٹیشن وہیں بنا۔

۲۔ اللہ تعالیٰ نے مجھے فرزند عطا کیا۔

۳۔ فرزند مسعود ولادت کے چند روز بعد سخت بیمار ہوا اور اُس نے آپ کی دعا سے صحتِ کاملہ پائی۔ بحمد للہ حیات ہے اور صاحب اہل و عیال ہے۔

میاں نامدار صاحب کا کہنا ہے کہ ہم سالہا سال حضرت اعلیٰ کی خدمت میں رہے، آپ نے کسی معاملے میں کبھی تعلّی یا تمکنت کا اظہار نہیں فرمایا۔ ہمیشہ تواضع و انکساری کو شعار بنایا۔ البتہ جب کسی کام کے بارے میں حضرت اعلیٰ یہ فرما دیتے تھے کہ اگر اس طرح ہو جائے تو بہت اچھا ہے، اُس وقت ہمارا دل گواہی دیتا تھا کہ آپ کا یہ ارشاد اب تقدیرِ الٰہی کی صورت وارد ہونے والا ہے اور کائنات کی کوئی چیز اسے رد نہ کر سکے گی۔

چند ایمان افروز مشاہدات

اس عنوان کے تحت ہم قارئین کرام کو مولانا عبدالستار صاحب سے متعارف کراتے ہیں۔ وہ اعلیٰ حضرت کے خلیفۂ مجاز ہیں اور اس دور کے خدام میں سے ہیں جب حضرت اعلیٰ کا قیام بھکرا شریف میں تھا۔ عمر مبارک ۱۰۳ سال ہے۔ بڑے فاضل اور صاحب کمالات بزرگ ہیں۔ درج ذیل واقعات انہوں نے بیان کیے۔

سیّدنا مجدد الف ثانیؒ اور خواجگانِ سرہند کی روحانی زیارت

ایک مرتبہ اعلیٰ حضرت سرہند شریف حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی قدس سرہٗ کے روضۂ اقدس پر تشریف لے گئے۔ آپ کے ہمراہ درویشوں کی ایک خاصی جماعت تھی جن میں مولانا عبدالستار صاحب بھی شامل تھے۔ حضرت اعلیٰ نے شبانہ روز خدمات کی بجا آوری

پر مولانا موصوف کو مامور فرمایا تھا۔ قیام کے دوران ایک روز علی الصبح آپ حضرت مجدد الف ثانیؒ کے مزار مبارک پر تشریف لے گئے۔ کچھ دیر وہاں مراقبہ کرنے کے بعد اپنے حجرے میں واپس آ گئے، جہاں دیگر عقیدت مند آپ کے منتظر تھے۔ چائے تیار تھی جو خدمت میں پیش کر دی گئی۔ جونہی مولانا نے چائے کی پیالی کو ہاتھ لگایا، دیکھا کہ حضرت مجدد الف ثانی، خواجہ محمد معصوم، حجۃ اللہ نقشبند ثانی، خواجہ سیف الدین اور خواجہ محمد زبیر قدس اللہ تعالیٰ اسرارہم روحانی طور پر تشریف لے آئے ہیں۔ البتہ خواجہ محمد زبیر صاحبؒ ذرا پیچھے ہٹ کر کھڑے تھے۔ مولانا یہ منظر دیکھ کر یکایک احتراماً اٹھ کھڑے ہوئے۔ چائے کی پیالی ہاتھ سے گری اور چائے قالین پر بہہ گئی۔ حضرت اعلیٰ اور دیگر متوسلین بھی فوراً تعظیم کے لیے اٹھ کھڑے ہوئے۔ کچھ دیر بعد جب یہ نفوسِ قدسیہ تشریف لے جا چکے تو مولانا موصوف نے حضرت اعلیٰ سے کہا: "حضور! معافی کا خواستگار ہوں کہ میں نے اکابرِ مجددیہ کے احترام کی بجا آوری میں آپ پر سبقت کی۔" اس پر آپ نے فرمایا: "بھولے فقیر! تو نے بالکل درست کیا ہے، اس میں ناراضی کی کوئی بات نہیں۔"

عذاب قبر کا ازالہ

مولانا موصوف نے بیان کیا ہے کہ ہم حضرت غلام محمد صاحب قادری چشتی رحمہ اللہ کا جنازہ لے کر اُن کی ذاتی زمین میں تدفین کے لیے پہنچے۔ قبرستان بھی پاس ہی تھا۔ قبر ابھی کھودی جا رہی تھی، لہٰذا جنازہ وہاں رکھ کر ہم سب بیٹھ گئے۔ مولانا موصوف نے ایک قبر کے پاس بیٹھ کر مراقبہ کیا کہ قبر میں مدفون شخص آگ میں جل رہا ہے۔ یہ دیکھ کر مولانا کو پسینہ آ گیا اور چہرے کا رنگ متغیر ہو گیا۔ اعلیٰ حضرت قریب ہی تشریف فرما تھے، چنانچہ کسی نے مولانا کے اس مشاہدے کو آپ تک پہنچا دیا۔ حضرت اعلیٰ نے بنفسِ نفیس وہاں مراقبہ کیا، خصوصی توجہ مبذول فرمائی اور یوں لب کشا ہوئے کہ اللہ تعالیٰ نے اس شخص کا نصف عذاب دور کر دیا ہے، اب اس کے پسماندگان سے کہو کہ وہ اسے ختم قرآن شریف کا ایصالِ ثواب کریں جس سے باقی عذاب بھی ٹل جائے گا۔ چنانچہ انہوں نے حضرت اعلیٰ کے ارشاد کے مطابق عمل کیا۔ اس کے بعد مولانا دوبارہ اس شخص کی قبر پر گئے اور مراقبہ کیا، دیکھا کہ اس

سے عذاب الٰہی دور ہو گیا اور وہ جنت میں مقیم ہے۔

نسبتِ شیخ کا صحیح مقام

کھولہ شریف میں قیام کے دوران ایک مرتبہ اعلیٰ حضرت نے مولانا کو گل میری اور ناگنی سے مرغیاں لانے کے لیے بھیجا۔ ان ہر دو مقامات کا فاصلہ کھولہ شریف سے بارہ تیرہ میل تھا۔ چنانچہ مولانا کمربستہ ہو گئے اور منزلِ مقصود کی طرف روانہ ہوئے۔ اس ریگ زار کو آپ دوڑتے ہوئے طے کر رہے تھے۔ اثنائے سفر ایک نورانی چہرہ والے سفید ریش بزرگ ملے۔ انہوں نے سلامِ مسنون کے بعد مولانا سے مصافحہ کیا اور فرمایا کہ میں خضر ہوں، کچھ دیر میرے پاس ٹھہر جاؤ۔ مولانا نے جواب دیا:

"میرا خضر کھولہ شریف میں پیچھے بیٹھا ہوا ہے۔ اس نے مجھے گل میری اور ناگنی سے مرغیاں لانے کا حکم دیا ہے، لہٰذا اجازت دیجیے، میں ٹھہر نہیں سکتا۔"

اس پر سیدنا خضر علیہ السلام نے فرمایا، مبارک ہو، مبارک ہو۔

مولانا نے ہر دو قصبوں سے مرغیاں لے کر ایک ٹوکرے میں ڈالیں، جسے وہ اپنے ساتھ لے گئے تھے اور تیز رفتاری سے واپسی کا سفر شروع کیا۔ نمازِ مغرب موضع ٹبی کی مسجد میں ادا کی، مگر مرغیوں کا ٹوکرا ذہن سے اُتر گیا۔ جب اعلیٰ حضرت کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ نے فرمایا، عبدالستار! تم آ گئے، ہماری مرغیاں کہاں ہیں؟ اس پر مولانا موصوف کو یاد آیا کہ مرغیوں کا ٹوکرا مسجد میں چھوڑ آئے ہیں۔ چنانچہ اُسی وقت دوڑتے ہوئے وہاں پہنچے۔ ٹوکرے کو اُٹھایا اور حضرت اعلیٰ کی خدمت میں لے آئے۔ اعلیٰ حضرت نے مولانا سے فرمایا کہ اپنے سفر کی کیفیت بیان کرو۔ چنانچہ انہوں نے سیدنا خضر علیہ السلام سے ملاقات کا واقعہ من وعن بیان کر دیا۔ اعلیٰ حضرت نے فرمایا، تمہیں خضر علیہ السلام کو اس انداز سے جواب دینے کا طریقہ کس نے سکھایا؟ مولانا نے آسمان کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا، "اللہ تعالیٰ نے آپ کی بدولت۔" اس پر حضرتِ اعلیٰ نے آپ کو گلے لگا لیا اور فرمایا، "مرحبا! مرحبا!"

انوارِ الٰہیہ کا نزول

مولانا موصوف کو اعلیٰ حضرت کے سوانح حیات مرتب کرنے کے سلسلے میں ۷ر جولائی ۱۹۷۴ء کو خانقاہ سراجیہ بلایا گیا۔ آپ نے رات خانقاہ میں قیام کیا۔ سحری کے وقت اُٹھے اور حضرت اعلیٰ کے مزار کی جانب چل دیے۔ جب احاطۂ مزارات میں داخل ہوئے تو مدت مدید کے بعد حاضر ہونے کا احساس دامن گیر ہوا، جس کی ندامت کے باعث وہیں ٹھہر گئے۔ چنانچہ حضرتِ اعلیٰ کی قبرِ مبارک سے یہ ندا آئی:

اے دوست بیا کہ ما تراایم بیگانہ مشو کہ آشنا ایم

یعنی: اے دوست! آجا کہ ہم تیرے ہیں۔ بیگانگی اختیار نہ کر کہ ہم تیرے آشنا ہیں۔

اس ارشاد سے انہیں تسلی ہوئی۔ مزار کے قریب بیٹھ کر سوا گھنٹہ مراقبہ کیا۔ مولانا نے فرمایا کہ آج حضرت اعلیٰ کے مزار پر میں نے اللہ تعالیٰ کے انوار و تجلیات کا بعینہٖ مشاہدہ کیا ہے جو حرمین شریفین میں قیام کے دوران دیکھے تھے۔

حضرتِ اعلیٰ کا ذوقِ سخن

اللہ رب العزت نے حضرت اعلیٰ کو جہاں عرفانِ ذات کے بلند و بالا مقامات پر فائز کیا تھا، وہاں آپ کو ذوقِ سخن کی تمام صلاحیتوں سے بھی بدرجۂ اتم نوازا تھا۔ اس متاعِ گراں بہا کو آپ روزِ ازل سے اپنے ساتھ سمیٹ لائے تھے۔ ذوقِ سخن دراصل اس پاکیزہ کیفیت کا نام ہے جو دردمند، صاحبِ دل اور سوز و گداز سے معمور حضرات کو نصیب ہوتی ہے۔ جس دل میں دردمندی کا جوہر نہ ہو، وہ شعری لطافتوں سے بہرہ مند نہیں ہوسکتا۔ پھر یہ کیفیت ہمیشہ صاحبِ طرز ادیب کی پشت پناہی کرتی ہے۔ بسا اوقات کوئی مفہوم مبہم ہوتا ہے تو کسی عمدہ شعر کا پیوند اُسے واضح کر دیتا ہے۔ کوئی سادہ اور سلیس بیان ہو تو شعر اُس میں حسن اور رنگینی پیدا کر دیتا ہے۔ نیز بیان کے اس تنوع کے باعث قاری مسلسل آگے بڑھتا چلا جاتا ہے اور یکسوئی کا تار ٹوٹنے نہیں پاتا۔ مزید یہ کہ انشاپرداز بھی تحریر کرتے وقت نظم کے جواہر ریزوں سے مستفیض ہوتا ہے اور انہیں سلکِ آبدار کی صورت میں پروتا ہوا چلا جاتا ہے۔

حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ عظیم شاعر اور مداحِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم

تھے۔ حضور رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے حق میں یہ دعا فرمائی تھی کہ اے اللہ! روح القدس سے حسان بن ثابتؓ کی مدد فرما۔ چنانچہ آپ ارتجالاً قصائد لکھ دیتے تھے جن میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شان اور محاسنِ اسلام کا بیان ہوتا تھا۔

حضرت مجدّد الف ثانی قدس سرہٗ نے اپنے مکتوبات میں متعدد مقامات پر عربی و فارسی اشعار کے حوالے سے اپنے موضوعِ بحث اور مطالب کو روشن تر اور مزین فرمایا ہے۔ مثلاً مقاماتِ سلوک کی مشکلات و موانع کے بیان میں آپ نے اکثر یہ شعر تحریر کیا ہے:

کَیْفَ الْوُصُوْلُ اِلٰی سُعَادَ وَ دُوْنَهَا
قُلَلُ الْجِبَالِ وَ دُوْنَهُنَّ خُیُوْفُ[1]

اسی طرح حضرت امام ربانی قدس سرہٗ نے اہلِ طلب کا انوارِ الٰہیہ سے سیراب ہونے کے باوجود تشنگی کا اظہار کرنا اور لمحہ بھر کی مجبوری کو ایک عمر کی جدائی محسوس کرنا اور اس قسم کے دیگر احساسات کو اس شعر سے واضح کیا ہے:

وصال گر ہمہ عمر است، عمر یک نفس است
فراق گر سر موئے است، کوہِ الوند است

گویا سخن فہمی کا یہ پاکیزہ سرمایہ بھی فیضانِ مجدّدیہ میں شامل ہے۔ چنانچہ حضرت اعلیٰ کے فارسی انشاء کا انداز بالکل حضرت امامِ ربانیؒ کا ہے۔ اور اُردو فارسی کے وہ اشعار جو آپ نے اپنے مکتوبات میں تحریر فرمائے یا آپ کے ارادتمندوں نے حضرتِ اعلیٰ کی زبانِ فیض ترجمان سے سنے، آپ کے ذوق کی لطافت و نفاست پر شاہد ہیں۔ اعلیٰ حضرت کا ذوقِ سخن بہت بلند تھا۔ محفل میں بیٹھے ہوئے کبھی کوئی شعر پڑھتے تو سامعین پر وجد طاری ہو جاتا تھا۔

ماسٹر خوشی محمد صاحب نارسکنہ میاں چنوں نے، جو حضرتِ اعلیٰ کے دیرینہ متوسلین میں سے ہیں، راقم الحروف سے بیان کیا کہ حضرت اعلیٰ ایک مرتبہ جالندھر تشریف لے گئے۔ وہاں قیام کے دوران ایک ادبی محفل میں، مدرصاحب موصوف بھی شریک تھے۔ اعلیٰ

---

[1] یعنی: محبوب سعاد کی طرف رسائی کیسے ممکن ہے جبکہ اس سے پہلے بلند پہاڑ ہیں اور اُن سے آگے رہگزار ہیں۔

پایہ کے علمی موضوعات پر بحث جاری تھی۔ اسی اثناء میں اعلیٰ حضرت حالتِ استغراق میں چلے گئے۔ تھوڑی دیر بعد اس کیفیت کے ختم ہونے پر فرمایا:

''صاحب! وحدت الوجود کا تعلق دل سے ہے، کتنا ہی بڑا مولوی کیوں نہ ہو، مسئلے کی تہ تک نہیں پہنچ سکتا۔ ائمہ دین تمام اہلِ کشف تھے۔ اپنی قوتِ مکاشفہ سے دریافتِ مسئلہ کر لیتے تھے۔''

مجلس کے برخاست ہونے کے بعد تمام احباب اجازت لے کر چلے گئے۔ اعلیٰ حضرت چارپائی پر لیٹے ہوئے یہ رباعی دلآویز لہجے میں پڑھ رہے تھے:

سرمدِ غمِ عشق بوالہوس را ندہند سوزِ دلِ پروانہ مگس را ندہند

عمرے باید کہ یار آید بہ کنار ایں دولتِ سرمد ہمہ کس را ندہند

ٹوبہ میں قیام کے دوران ایک مرتبہ حضرت اعلیٰ نے ماسٹر خوشی محمد صاحب زار سے کوئی نظم سنانے کے لیے فرمایا، چنانچہ ماسٹر صاحب موصوف نے جلیل دکنی کی ایک غزل مترنم آواز کے ساتھ سنائی۔ اس غزل کا مقطع یہ تھا:

صحبتِ پیرِ مغاں سے یہ کھلا راز جلیل
خلد کہتے ہیں جسے، نام ہے میخانے کا

آپ نے یہ اشعار سن کر فرمایا، جلیل دکنی عمدہ شاعر ہے۔ جب ماسٹر صاحب نے یہ اشعار سنا دیے تو حضرت اعلیٰ نے فرمایا، تم میرا تصور کر لیا کرو۔ ماسٹر صاحب موصوف کا بیان ہے کہ حضرت اعلیٰ کی عنایت سے آپ کا تصور دل میں اس قدر راسخ ہو چکا ہے کہ اب مرتے دم تک نکل نہیں سکتا۔

ماسٹر صاحب موصوف نے ایک مرتبہ مقاماتِ سلوک تک حصول کا شوق ظاہر فرمایا تو حضرت اعلیٰ نے جواب میں سیر و سلوک کی دشواریوں اور موانع کو حضرت امیر خسروؒ کے اس شعر سے واضح فرمایا:

ایں شربتِ عاشقی است خسرو بے خونِ جگر نچشید نتواں

ایک مرتبہ حضرت اعلیٰ کسی سفر پر جا رہے تھے۔ کار کی ابھی دیر تھی لہٰذا بیٹھ رہے

میں تشریف فرما ہوئے۔ تمام ارادتمند اور وابستگانِ سلسلہ بھی آپ کے پاس بیٹھ گئے۔ اسی اثناء میں ایک عورت، جو کردار کے اعتبار سے ناپسندیدہ تھی، اعلیٰ حضرت کے لیے آگے بڑھی۔ خدام نے اس کی ہیئت کذائی دیکھ کر سختی سے روکا، مگر آپ نے تمام حضرات کو منع فرمایا اور اُسے آنے کی اجازت دے دی۔ اس نے پاس آکر درد انگیز لہجے میں اپنے حسب حال یہ شعر پڑھا:

ما و تو از یک گلستانیم از مار و متاب
آنکہ از قدرت ترا گل کرد، ما را خار ساخت

یہ شعر سن کر حضرت اعلیٰ پر رقت آگئی اور گریہ طاری ہوگیا۔ گاڑی میں سوار ہونے کے بعد بھی اشک باری کا یہ سیلاب مسلسل جاری رہا۔

صاحبزادہ محمد سعید رحمہ اللہ سے خاص قلبی لگاؤ تھا۔ ان کے وصال کا سخت صدمہ ہوا۔ چنانچہ حضرت اعلیٰ ان کے وصال کے بعد یہ شعر اکثر پڑھا کرتے تھے:

تو ز بیٹھے جبکہ ہم جام و سبو، پھر ہم کو کیا
آسماں سے بادۂ گلگوں اگر برسا کرے

حضرت اعلیٰ کے پسندیدہ پنجابی اشعار

حضرت اعلیٰ کی بارگاہ میں طالبانِ حق کی کمی نہ تھی جو اطراف و جوانب سے تہذیب نفس اور اصلاحِ باطن کے لیے آتے تھے۔ ان پر علمائے کرام کا اجتماع مستزاد تھا، لہٰذا اہل علم حضرات کی مجالس بڑی معلومات افزا ہوتی تھیں۔ فقہ، تفسیر، حدیث اور عرفانِ الٰہی ایسے عظیم الشان موضوعات اکثر زیرِ بحث رہتے تھے لیکن ان کے علاوہ ایک دوسرا طبقہ بھی حضرت اعلیٰ کے ارادتمندوں میں شامل تھا، جو معمولی پڑھا لکھا تھا یا ناخواندہ تھا۔ مگر یہ افراد آپ کی ذاتِ گرامی سے بے مثال نیازمندی اور لازوال عقیدت رکھتے تھے۔ ظاہر ہے کہ فارسی و عربی عبارات اور ان کے دقیق مسائل ان حضرات کی تشنگی کا مداوا نہ کر سکتے تھے، لہٰذا دنیا کی بے ثباتی، باطن کی صفائی، ذاتِ باری تعالیٰ کا عرفان اور ممدوح فقرا ایسے مقامات انہیں پنجابی زبان ہی میں سمجھائے جا سکتے تھے۔ چنانچہ صاحبِ دل اور باکمال پنجابی شعراء کا کلام تسہیلِ مطالب کا کام دیتا تھا۔ یہاں یہ کہنا بھی بے محل نہ ہوگا کہ متداول علوم میں

مناسبت کی وجہ سے حضرت اعلیٰ کو پنجابی زبان اور اس کے ادبیات پر کامل عبور تھا۔ پنجابی شعر پر آپ کا تبصرہ خصوصی اہمیت کا حامل ہوتا تھا۔ کھولہ شریف میں آپ کی سکونت کے دوران بچوں اور بچیوں میں یہ کافی خاص طور پر مشہور تھے

پانی بھرن آئیاں ندیاں دے
دو گھڑیاں بھر کے جیندا مرشد خواجہ اں تے

خانقاہ و مزید کے مضافات میں جتنے لوگ بھی عقیدت مند جب حضرت کی زیارت کے لیے آتے تو کیف وارفتگی و سرشاری کے عالم میں مختلف وارداتی پنجابی اشعار پڑھتے ہوئے حاضر ہوتے تھے۔ بعض مرید بڑی دردناک لے میں یہ شعر پڑھتے تھے۔

کھڑی ہاں چلی اے ملتان کولوں
منگاواں دعا میں بیٹھی حاجی احمد خان کولوں

میاں نامدار صاحب کا بیان ہے کہ حضرت اعلیٰ آخر میں مشہور پنجابی صوفی شاعر علی حیدر کا کلام سنا کرتے تھے اور ہم سے بھی سنا کرتے تھے۔ بارہا یہ فرمایا کہ علی حیدر کامل بزرگ بھی تھے اور بلند پایہ صوفی شاعر بھی۔

علی حیدر مرحوم کا ایک دل نشین بند جو آپ زبانِ فیض ترجمان سے اکثر ادا فرماتے

اک پردیس نوں اساں گھر وطن بنایا، تیں دیہڑے سانجھے
وطن جیندے تے محسن ندیاں، تارو ہوئے سارے اڄے
تارے سارے تر تر وہندے، پے غافل غوطے کھاندے
آ علی حیدر اساں گل لگ ملیے، مستاں مرونجاں تر ساندے

حضرت خواجہ غریب نوازؒ کا ارشادِ مبارک

حضرت مولانا قاضی صدر الدین صاحب مدظلہ نے فرمایا کہ میں حیدرآباد دکن میں تھا۔ وہاں ایک صاحب سے ملاقات ہوئی جو حضرت مسکین شاہ صاحبؒ کے مریدوں میں سے تھے۔ وہ اپنے شیخ کے وصال کے بعد سخت حیران و سرگرداں رہے۔ اسی حالت میں انہوں نے ارادہ کیا کہ حرمین شریفین کا سفر کریں اور رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کے

روضۂ پاک کی زیارت سے کشا کشِ باطن حاصل کریں لیکن یہ خیال مانع ہوا کہ آلودہ دامنی کے ساتھ اس مبارک و مقدس بارگاہ میں جانا مناسب نہیں۔ متعدد بزرگوں کی خدمت میں حاضر ہوئے لیکن سکون و جمعیت کی دولت کہیں سے میسر نہ آسکی۔ آخرکار اجمیر شریف گئے اور حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیری قدس سرہ العزیز کے مزار مبارک پر حاضر ہوئے۔ روحانیتِ خواجہؒ نے خطاب فرمایا کہ فلاں دریا کے کنارے موضع کھولہ میں فلاں بزرگ ہیں، تمہارا حصہ ان کے پاس ہے۔ اور راستہ کی نشاندہی بھی فرمادی۔ وہاں حاضر ہوئے تو اعلیٰ حضرت ابوالسعد احمد خان رحمہ اللہ کو مسندِ ارشاد پر متمکن پایا اور حضرت خواجہ غریب نوازؒ کے ارشاد کے بموجب شرفِ بیعت حاصل کر کے وہ کمالات و مقامات مشاہدہ کیے جو حیطۂ تحریر میں نہیں آسکتے۔

حضرت قاضی صاحب موصوف فرماتے ہیں کہ جب میں نے ان سے یہ واقعہ سنا تو میرے دل میں بھی حضرت اعلیٰ کی خدمت میں حاضری کا ایک جذبۂ قوی پیدا ہوا۔ وہاں سے واپس آکر خدمتِ اقدس میں حاضر ہوا اور آپ کی بیعت سے سرفراز ہوا۔

حضرت اعلیٰ کے وجودِ روحانی کی وسعت

حضرت قاضی صدر الدین صاحب مدظلہٗ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو روحانیت کے لحاظ سے اعلیٰ قوت عطا فرمائی اور مادیت کے اعتبار سے بھی بلند مقام عطا کیا ہے۔ چنانچہ روحانیت و مادیت کے معتدل امتزاج سے انسان احسن التقویم کی خلعت سے سرفراز ہوا ہے۔ تصفیہ و تزکیہ کے بعد جب روحانیت، مادیت پر غلبہ حاصل کر لیتی ہے تو وجودِ روحانی کو وہ عظمت و وسعت نصیب ہوتی ہے کہ عقلِ انسانی اس کے ادراک سے قاصر ہے۔ اعمال بلند ہوں گے تو وجودِ روحانی وسیع ہوگا اور اگر اعمال پست ہوں گے تو وجودِ روحانی اسی مناسبت سے فروتر ہوگا۔ ایک مرتبہ قاضی صاحب موصوف نے اعلیٰ حضرت کے وجودِ روحانی کا مشاہدہ کیا۔ یہ بیان انہی کی زبانی سنیے:

> ”مجھے اوائلِ سلوک میں بعض اوقات دنیا کی طرف رغبت ہوتی تھی مگر چاہتا تھا کہ یہ بھی زائل ہو جائے۔ اور اپنے خیالِ ناقص میں یہ سمجھتا تھا کہ اعلیٰ

حضرت کی خانقاہ شریف میں عمدہ قسم کی زیب و زینت اور بیش قیمت ساز و سامان موجود ہے۔ لہٰذا شیخ کو اسباب دنیوی کی طرف کسی مصلحت سے رغبت ہے اور میری یہ رغبت اسی کا عکس ہے۔ چنانچہ رغبتِ دنیوی کے ازالہ کی نیت سے ایک مجذوب کے پاس گیا جو پہاڑ کی ڈھلوان چوٹی پر بیٹھا رہتا تھا۔ ہر چند وہ ایک مجذوب تھا اور علم سے ناآشنا بھی، مگر اس نے نہایت عارفانہ گفتگو کی۔ دریں اثنا حضرت اعلیٰ روحانی طور پر ایسے عظیم و وسیع وجود کے ساتھ جلوہ گر ہوئے کہ سر آسمان تک پہنچا ہوا تھا۔ ایک ہاتھ جنوب اور دوسرا شمال کو محیط تھا جس کے آگے اس مجذوب کی ہستی لاشے ہوگئی۔ میں وہاں سے واپس آیا اور اپنے خیال سے تائب ہوا۔ پھر مولا کریم نے مجھے رابطہ و محبتِ شیخ میں رسوخ کامل عطا کیا۔"

اعلیٰ حضرت کی خصوصی توجہات

قاضی صاحب موصوف نے ایک دفعہ موسم گرما میں خانقاہ شریف قیام فرمایا اور بیمار ہوگئے۔ ان ایام میں اعلیٰ حضرت بھی علیل تھے اور حکیم چمن پیر صاحب اور حکیم عبدالجبار صاحب کے زیر علاج تھے۔ حضرت اعلیٰ نے اپنے اطباء سے فرمایا کہ وہ قاضی صاحب موصوف کے علاج کی طرف توجہ دیں۔ اطبا نے ان کی نبض وغیرہ دیکھ کر عرض کیا کہ یہاں کی گرمی کی وجہ سے ان کے ارواحِ طبعی جل چکے ہیں، لہٰذا یہ ایبٹ آباد رہ کر اپنا علاج معالجہ کرائیں۔ حضرت اعلیٰ نے فرمایا کہ نسخہ تجویز کردیں اور دوائیں بنادیں، یہ ایبٹ آباد جاکر انہیں استعمال کرلیں گے۔ قاضی صاحب موصوف کو یہ خیال گزرا کہ اب خانقاہ شریف میں مزید قیام ممکن نہیں، نیز یہاں کی حاضری اور تحصیلِ کمالات سے بھی محروم رہ جائیں گے، چنانچہ طبیعت میں سخت افسردگی پیدا ہوئی۔ اعلیٰ حضرت نے قاضی صاحب موصوف کے چہرے کے تاثرات کو پڑھنے کے بعد ان پر ایک نگاہِ التفات ڈالی جس سے تمام امراض کا ازالہ ہوگیا۔ اطبا نے دیکھا تو حیران رہ گئے کہ چشم زدن میں تمام امراض کیسے زائل ہوگئے؟

قاضی صاحب موصوف کو دردِ سر کی مسلسل تکلیف رہتی تھی جو کسی طرح دور نہ ہوتی

تھی۔ اسی دوران اعلیٰ حضرت نے کرم فرما کر آپ کو طریقہ پاک کی اجازت ان الفاظ کے ساتھ عطا کی کہ جس طرح میرے شیخ نے مجھے اجازت دی ہے، اسی طرح میں آپ کو اجازت دیتا ہوں۔ قاضی صاحب موصوف نے معذرت کے ساتھ کہا کہ حضور! میں مختلف عوارضِ جسمانی، درد سر وغیرہ میں مدتِ مدید سے مبتلا ہوں، لہٰذا اس بارِ امانت کے اٹھانے کی تاب نہ لا سکوں گا۔ حضرت اعلیٰ نے یہ سن کر فرمایا فکر نہ کریں، اللہ تعالیٰ آپ کو مکمل صحت و توانائی عطا فرمائے گا۔ چنانچہ آپ نے اس فرمان کے بعد تمام عوارضِ جسمانی، درد سر وغیرہ کافور ہو گئے اور بحمد اللہ تعالیٰ طاقت و صحت بھی بحال ہو گئی۔

درج ذیل روایات ماسٹر خوشی محمد صاحب زاہر کی وساطت سے، جو حضرت اعلیٰ کے قدیم متوسلین میں سے ہیں، ہم تک پہنچی ہیں۔ افسوس کہ اعلیٰ حضرت کے مبارک ارشادات جو فقہ، تفسیر، حدیث اور دیگر اُمورِ دینیہ سے متعلق تھے، آپ کے ارادتمندانِ باصفا کے سینوں میں محفوظ رہے اور کسی تحریری شکل میں نہ آ سکے۔ اگر انہیں جمع کیا جاتا تو ایک ضخیم کتاب تیار ہو جاتی اور اب تو اُن اسرار و رموز کے امین بھی بہت کم باقی رہ گئے ہیں۔ بہر حال اس سلسلہ میں جو کچھ دستیاب ہو سکا، قارئینِ کرام کے پیشِ خدمت ہے:

جاں پرور است قصۂ اربابِ معرفت
رمزے برو، بپرس و حدیثے بیا بگو

ایک تفسیری نکتہ

ماسٹر خوشی محمد صاحب زاہد کا بیان ہے کہ خانقاہ شریف میں مجلس منعقد تھی اور مختلف مسائل پر بحث ہو رہی تھی کہ حضرت اعلیٰ نے یعرفونہ کما یعرفون ابناءھم کی آیت مبارکہ پڑھی اور فرمایا کہ اس جگہ "ھو" کا مرجع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ اور اسی اثناء میں یہ بھی فرمایا کہ یہ توجیہ درعدم توجہ کا مستحق ہے۔

ناموسِ اسلام کی پاسداری

عربی میں ایک بہت بڑی کتاب کئی جلدوں میں چھپ رہی تھی۔ حضرت اعلیٰ نے ان جلدوں کی خرید کے لیے مطلوبہ رقم ارسال کر دی۔ ہر جلد چھپنے کے بعد آپ کی خدمت میں

پہنچ جاتی تو آپ اس کا مطالعہ فرما لیتے۔ ایک ایسی جلد موصول ہوئی کہ اس میں اسلام کے کچھ خلاف تھا۔ حضرت اعلیٰ نے تمام جلدیں واپس کر دیں اور یہ تحریر کیا کہ آپ ساری جلدیں واپس لے لیں اور میں رقم کا مطالبہ بھی نہیں کرتا۔

تلاوتِ کلام پاک کا معمول

حضرت اعلیٰ اکثر ظہر کے بعد قرآنِ عزیز کی تلاوت کرتے۔ آپ کی تلاوت خاموش ہوتی تھی۔ کلامِ پاک کی ایک منزل چالیس منٹ میں پڑھ لیتے تھے۔ اور جہاں فکر کی ضرورت ہوتی، وہاں توقف بھی فرماتے تھے۔ تلاوت میں ورق گردانی کرتے جاتے تھے۔ ایسا معلوم ہوتا کہ ابھی تلاوت کا آغاز کیا تھا اور ابھی ختم ہوگئی۔

نوافلِ تہجد میں چالیس مرتبہ سورۂ یٰسین پڑھنے کا معمول اکثر و بیشتر برقرار رہا۔

معارفِ مجددیہ

ایک مدت تک یہ معمول رہا کہ عصر کے بعد حضرت مولانا عبداللہ رحمہ اللہ مکتوبات شریف سبقاً سبقاً پڑھتے اور دیگر مرید پیچھے بیٹھے ہوئے سنتے۔ حضرت ثانی تیز پڑھتے تھے اور حضرت اعلیٰ خموش بیٹھے رہتے، شاید ہی کہیں بولتے ہوں گے۔

ایک مرتبہ اثنائے سبق فرمایا، صاحب! تجربہ کر دیکھو۔ مکتوبات امام ربانی پر کسی شخص کو کامل عبور اور دسترس حاصل نہیں۔

ذکرِ الٰہی کی خاص نوعیت

ماسٹر صاحب موصوف کا بیان ہے کہ مولانا ظہور احمد صاحب بگوئیؒ اپنے بھائی مولانا نصیر الدین صاحبؒ کو لے کر حضرت اعلیٰ کی خدمت میں خانقاہ شریف حاضر ہوئے۔ علیٰ حضرت اس وقت تسبیح خانہ میں تشریف فرما تھے اور آپ کے دستِ مبارک میں ایک تسبیح تھی۔ مولانا نصیر الدین صاحبؒ کے دل میں یہ خیال پیدا ہوا کہ اگر یہ بزرگ ہیں تو انہیں تسبیح کی کیا حاجت ہے؟ آپ نے اپنی تسبیح کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا، ''مولانا! یہ تو بیزی لگانے کی نشانی ہے۔'' پھر مولانا موصوف نے خیال کیا کہ اگر بیزی لگانا مقصود ہے تو پھر تعداد کی کیا ضرورت؟ حضرت اعلیٰ نے ایک دانہ پکڑا اور اسے نیچے گرا کر فرمایا، ''حضرت!

چوبیس ہزار ہو گیا۔ یہاں تھکاوٹ اور گنتی نہیں ہے۔" مولانا موصوف نے انوارِ الٰہیہ کی اس بارش کو، جو حضرت اعلیٰ پر ہو رہی تھی، مشاہدہ کیا اور طریقۂ پاک میں داخل ہو گئے۔

سجدے کی حالت میں ایڑیوں کا جوڑنا

مولانا غلام محی الدین صاحب ساکن مجوکہ مضافات سرگودھا مشہور اہلِ حدیث عالم تھے۔ ان کا ایک کتب خانہ بھی تھا۔ ہمیشہ تقویٰ اور اعتدال کی راہ پر گامزن رہتے۔ حضرت اعلیٰ کی خدمت میں خانقاہ سراجیہ تشریف لائے اور چار پانچ روز قیام کے دوران اپنا تعارف تک نہ کروایا۔ رخصت ہوتے وقت اتنا کہا کہ آپ کا باطنی معاملہ جو اللہ تعالیٰ کے ساتھ ہے اسے تو آپ ہی بہتر جانتے ہوں گے، میں نے تو یہ دیکھا ہے کہ نماز اور اس کے واجبات کی ادائیگی میں آپ کا عمل کامل طور پر سنتِ مطہرہ کے مطابق ہے اور اس سلسلہ میں آپ کی ذات مجدد کی حیثیت رکھتی ہے، البتہ آپ کا سجدے کی حالت میں ایڑیوں کا جوڑنا کتب احادیث سے ثابت نہیں۔ حضرت اعلیٰ نے فوراً بیہقی منگوا کر درج ذیل حدیث پیش کی جس سے وہ مطمئن ہو گئے:

عَنْ عُرْوَةَ بْنِ الزُّبَيْرِ يَقُوْلُ قَالَتْ عَائِشَةُ زَوْجُ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَدْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَكَانَ مَعِيَ عَلٰى فِرَاشِيْ فَوَجَدْتُهُ سَاجِدًا رَآصًّا عَقِبَيْهِ مُسْتَقْبِلًا بِاَطْرَافِ اَصَابِعِهِ الْقِبْلَةَ فَسَمِعْتُهُ يَقُوْلُ اَعُوْذُ بِرِضَاكَ مِنْ سَخَطِكَ وَبِعَفْوِكَ مِنْ عُقُوْبَتِكَ وَبِكَ مِنْكَ اُثْنِيْ عَلَيْكَ لَا اَبْلُغُ كُلَّ مَا فِيْكَ اِلٰى اٰخِرِ الْحَدِيْثِ۔ (السنن الکبریٰ مع الجوھر النقی الامام البیہقی رحمہ اللہ تعالیٰ، مطبوعہ حیدرآباد دکن، کتاب الصلوٰۃ، جلد نمبر ۲، صفحہ نمبر ۱۱۶، باب ماجاء فی ضم العقبین فی السجود)

ترجمہ: حضرت عروہ بن زبیرؓ سے روایت ہے کہ ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ میں نے (ایک رات) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بستر پر نہ پایا حالانکہ آپ پاس ہی لیٹے ہوئے تھے۔ پس میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس حالت میں پایا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سجدے میں تھے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دونوں پاؤں

کی ایڑیاں ایک دوسری کے ساتھ ملی ہوئی تھیں اور پاؤں کی انگلیوں کا رخ قبلہ کی جانب تھا۔ میں نے سنا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم یہ فرما رہے تھے: (اے اللہ!) میں تیری ناراضی سے تیری رضا کی، تیری عذاب سے تیرے عفو کی، اور تجھ سے تیری پناہ کا طالب رہوں۔ میں تیری حمد و ثنا کرتا ہوں اور تیرے وصف کا احاطہ نہیں کرسکتا تا آخر حدیث۔

خطبۂ جمعہ میں خلفائے راشدین کا ذکر

حضرت اعلیٰ ہزارہ میں قیام فرما تھے۔ وہاں جامع مسجد میں مولانا نور الحق خطیب تھے۔ اس روز جمعۃ المبارک تھا۔ حضرت نے مولانا نور الحق صاحب کو خطبہ جمعہ کے اختصار کے لیے فرمایا، مگر مولانا موصوف نے اسمائے خلفائے راشدینؓ کو بھی حذف کر دیا۔ حضرت نے اسے بہت ناپسند کیا اور اس سے آپ کے مزاج مبارک میں جلال آگیا۔ فرمایا کہ خلفائے راشدینؓ کا ذکر شعار اہل السنت والجماعت میں سے ہے اور اسے خطبۂ جمعہ کے دوران کسی صورت بھی چھوڑنا نہیں چاہیے۔

۱۔ دفتر دوم مکتوبات امام ربانی کے چودھویں مکتوب میں وارد ہے کہ سامانہ کے خطیب نے عید قربان کے موقع پر خطبہ دیتے ہوئے خلفائے راشدینؓ کا ذکر عمداً ترک کر دیا اور جب اس سے اس بارے میں پوچھا گیا تو اس نے ڈھٹائی کے ساتھ جواب دیا کہ اگر خلفائے راشدین کا ذکر نہیں ہوا تو اس میں کیا حرج ہے؟ اس پر حضرت امام ربانیؒ نے سادات سامانہ کو اس گستاخ خطیب کی فہمائش کے لیے یہ الفاظ تحریر فرمائے:

"ذکر خلفائے راشدین رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین گرچہ از شرائط خطبہ نیست لیکن از شعائر اہل حق است فَشَکَرَ اللّٰہُ تَعَالٰی سَعْیَهُمْ. ترک نکند آں را بعمد و تمرد مگر کسیکہ دلش مریض است و باطنش خبیث۔"

ترجمہ: خلفائے راشدین رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین کا ذکر اگرچہ خطبہ کی شرائط سے نہیں لیکن اہل السنۃ والجماعت (اللہ تعالیٰ ان کی مساعی کو قبول فرمائے) کا امتیازی نشان ہے۔ اسے ارادے اور سرکشی کے ساتھ وہی ترک کرتا ہے جس کا دل مریض ہے اور اس کا باطن خبیث ہے۔

اختتام

اعلیٰ حضرت کے کمالات و فضائل، حسنِ تلقین و موعظت، تربیت سالکین میں کمال دل سوزی، اتباعِ شریعت میں کامل رسوخ، بدعات سے اجتناب کی ترغیب، فرقہ بندی سے بیزاری، علومِ دینیہ خصوصاً تفسیر قرآن سے انتہائی شغف، تحقیق و تدقیق مسائل میں بعنایت جانفشانی، درویشوں کی ہمہ جہت نگرانی، ان کی ظاہری و باطنی اصلاح میں پوری تندہی، کتابوں سے عشق، ان کی آرائش کا شوق، استغنائے تام اور اخفائے کمال، یہ اور دوسرے بیشمار اوصاف حسنہ اور ان سے متعلق واقعات اس قدر ہیں کہ انہیں حیطۂ تحریر میں لانا زبانِ قلم کے بس کی بات نہیں۔ اس لیے اب فقیر حیاتِ مبارک کے آخری ایام کے بارے میں چند کلمات عرض کرتا ہے۔

ہجومِ امراض

اعلیٰ حضرت کو آخری عمر میں متعدد عوارضِ بدنی لاحق ہوگئے تھے جن میں ضیق النفس کا مرض سب سے زیادہ تشویشناک اور اذیت رساں تھا۔ آپ کے خدام میں متعدد کامل، ماہر اور حاذق اطباء موجود تھے۔ مولانا حکیم عبدالرسول صاحب تو استادِ طب اور حاذق الملک سمجھے جاتے تھے۔ ان کے علاوہ متعدد اطباء نے علاج کیا جس کا سلسلہ کافی عرصہ تک جاری رہا مگر مرض میں کبھی افاقہ ہوگیا تو کبھی شدت پیدا ہوگئی مگر کامل طور پر ازالۂ مرض نہ ہوا۔

حکیم عبدالوہاب صاحب نابینا کا علاج

اپریل ۱۹۴۰ء میں اعلیٰ حضرت بعض مخلصین کے اصرار پر بغرضِ علاج دہلی تشریف لے گئے۔ حضرت مولانا محمد عبداللہ صاحب، مولانا سید جمیل الدین احمد صاحب اور دیگر خدام بھی ہمراہ تھے۔ وہاں پہنچ کر یہ طے پایا کہ حکیم عبدالوہاب صاحب نابینا کا علاج شروع کیا جائے۔ چونکہ اعلیٰ حضرت کی طبیعت میں اخفا بہت تھا، اس لیے ساتھیوں کو یہ فرمادیا کہ کوئی شخص آپ کے بارے میں کسی قسم کا تذکرہ نہ کرے۔

چنانچہ مطب میں آکر بیٹھ گئے۔ ابھی تک حکیم صاحب مطب میں نہ آئے تھے۔ تھوڑی دیر بعد حکیم صاحب تشریف لائے اور اپنی مسند پر بیٹھ کر مریضوں کو دیکھنا شروع کیا۔

دائیں بائیں دو خانے دار صندوقچے تھے جن میں مختلف ادویہ گولیوں کی شکل میں رکھی رہتی تھیں۔ نبض دیکھ کر مریض کے حالات پوچھا کرتے تھے۔ ان میں عموماً ایک سوال یہ بھی ہوا کرتا تھا کہ کیا کام کرتے ہو؟ اس سے مریض کی حالت اور حیثیت کا پتہ چل جاتا۔ پھر صندوقچے میں سے خود گولیاں نکالتے اور پیش کار سے نسخہ لکھوا کر دے دیا کرتے تھے۔ بطور رمز نسخہ پر دوا کی قیمت لکھ دیتے جو دواساز وصول کر لیتا تھا۔ چنانچہ اعلیٰ حضرت کی نبض دیکھ کر حال پوچھا اور یہ بھی دریافت کیا کہ آپ کیا کام کرتے ہیں؟ آپ نے اپنے منصب کو چھپاتے ہوئے مبنی بر حقیقت جواب ارشاد فرمایا کہ کھیتی باڑی کا کام کرتا ہوں۔ حکیم صاحب نے کہا، ہاں تو ہل چلاتے وقت سانس پھول جاتا ہوگا۔ فرمایا، ہل چلانے کی نوبت مجھے تو نہیں آتی، میرے پاس اور لوگ موجود ہیں جو ہل چلاتے ہیں۔ غرض حکیم صاحب نے دوا تجویز کر دی اور آپ دوا لے کر اپنے خدام کے ہمراہ مطب سے روانہ ہو گئے۔

حکیم صاحب کا ادراک

جب آپ مطب سے باہر نکل کر چل پڑے تو حکیم صاحب کو احساس ہوا کہ یہ کوئی بزرگ شخصیت تھی۔ اپنے آدمی کو بھیجا کہ ان کے پیچھے جاؤ اور معلوم کرو کہ کہاں ٹھہرے ہوئے ہیں۔ حضرت اعلیٰ کا قیام جامع مسجد دہلی کے قریب حکیم دلبر حسن بھٹی کے ہاں تھا۔ حکیم صاحب کا آدمی قیام گاہ معلوم کر کے چلا گیا۔

دوا استعمال کرنے کے بعد جب حضرت اعلیٰ دوبارہ مشورہ کے لیے مطب تشریف لے گئے تو اس وقت حکیم صاحب نے فرمایا:

"میں ویسے تو اندھا ہوں مگر حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی قدس سرہٗ کی صحبت سے فیض حاصل کیا ہے جس کی برکت سے دل میں کچھ روشنی ہے۔ جب آپ پہلی دفعہ آئے تو مجھے مطب میں آتے ہی انوار و برکات کا احساس ہوا تھا مگر وجہ سمجھ میں نہ آئی تھی۔ آپ نے اپنے آپ کو ایسا چھپایا تھا کہ قطعاً ظاہر نہ ہونے دیا۔ چنانچہ جب آپ مطب سے باہر تشریف لے گئے تو وہ انوار و برکات بھی ساتھ چلے گئے۔ اس وقت مجھے احساس ہوا کہ یہ صاحب کوئی باکمال بزرگ اور مرشد طریقت تھے۔"

حکیم صاحب کا داخلِ طریقہ ہونا

اعلیٰ حضرت نے عجز و انکسار کے پیشِ نظر ارشاد فرمایا کہ میں دیہات کا رہنے والا ہوں۔ ضلع میانوالی میں کندیاں کے قریب رہائش ہے۔ بزرگانِ مجددیہ سے عقیدت ہے۔ حضرت خواجہ سراج الدین نقشبندی مجددی قدس سرہٗ کا خادم ہوں۔ انہوں نے جو کچھ بتایا ہے، کوئی پوچھنے والا آ جائے تو بتا دیتا ہوں۔ حکیم صاحب آپ کی اس گفتگو سے بہت متاثر ہوئے۔ توجہ و دعا کی درخواست کی اور بعد میں داخلِ طریقہ ہوئے۔

اعلیٰ حضرت کچھ دن دہلی ٹھہر کر جب خانقاہ سراجیہ واپس تشریف لائے تو حکیم صاحب[1] نے بیحد گرویدگی اور محبت کا اظہار فرماتے ہوئے ایک مراسلہ میں تحریر کیا کہ آپ

۱۔ حکیم عبدالوہاب صاحب آنکھ کے نابینا مگر دل کے بینا، ڈاکٹر مختار احمد انصاری کے بڑے بھائی تھے۔ آنکھوں سے محروم ہونے کے باوجود علوم عربیہ حاصل کیے، طب پڑھی، ترکیب ادویہ اور دوا سازی میں کمال پیدا کیا، حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی قدس سرہٗ کی خدمت میں رہ کر حدیث سنی اور بیعت کی۔ اوراد و وظائف اور عبادات و ریاضات کے بڑے پابند تھے۔ صاحب کشف تھے۔ اکثر ایسی باتیں بتا دیا کرتے تھے جن کا تعلق نبض سے نہ ہوتا تھا۔ عرصۂ دراز تک حیدرآباد دکن میں شاہی طبیب رہے۔ پھر دہلی تشریف لا کر جامع مسجد کے قریب مطب جاری کیا۔ اس کے بعد نئی دہلی میں ایک وسیع عمارت تعمیر کرائی اور مطب وہاں منتقل کر لیا۔ قیمتی اور زود اثر دوائیں تیار کرتے تھے۔ آپ کا معمول بالمرکبات تھا جو گولیوں کی صورت میں ہوتے تھے۔ بڑے مخیر تھے، غریبوں کو مفت دوا دیا کرتے تھے۔ اگر کوئی مریض گنگوہ یا دیوبند سے تعلق رکھنے والا آتا تو اس سے ہرگز قیمت نہ لیتے، خواہ صاحبِ حیثیت ہی کیوں نہ ہو۔ بلکہ وہ ادویہ جن کی قیمت دوسروں سے دو تین سو روپیہ لیتے تھے، اسے مفت دے دیا کرتے تھے۔ وصیت کر رکھی تھی کہ وفات کے بعد انہیں حضرت گنگوہی قدس سرہٗ کے قدموں میں دفن کیا جائے۔ چنانچہ اس وصیت کے مطابق وفات کے بعد آپ کی میت گنگوہ شریف پہنچائی گئی اور حضرت گنگوہیؒ کے مزار کے قریب مدفون ہوئے۔ رحمہ اللہ رحمۃً واسعۃً

کی ایک صحبت میں جو فائدہ مجھے پہنچا ہے، وہ چالیس سال کی ریاضت سے حاصل نہ ہو سکا تھا۔ فَالْحَمْدُ لِلّٰهِ عَلٰی ذٰلِکَ۔

آخری علاج اور رحلت

حکیم نابینا صاحب کے علاج سے بھی مرض کا ازالہ نہ ہو سکا۔ چنانچہ اس کے بعد متعدد ڈاکٹروں اور اطبا کا علاج جاری رہا۔ بالآخر کانپور کے احباب کی استدعا پر ۲/ مارچ ۱۹۴۱ء کو اعلیٰ حضرت علاج کے لیے وہاں تشریف لے گئے۔ ڈاکٹر عبدالصمد صاحب کانپور میں مشہور و معروف تھے اور حضرت اعلیٰ سے عقیدت و محبت کا رابطہ بھی رکھتے تھے۔ ڈاکٹر صاحب موصوف کے علاج سے مرض میں افاقہ ہوا۔ اعلیٰ حضرت کافی حد تک صحت یاب ہو گئے اور کلکتہ جانے کا پروگرام بنایا۔ سید عبدالسلام شاہ صاحب، جو آپ کے خلیفۂ مجاز تھے، کلکتہ میں آپ کے قیام کے انتظامات مکمل کرنے کے لیے آپ سے پہلے تشریف لے گئے۔ حضرت اعلیٰ روانگی سے ایک روز قبل سحری کے وقت بیدار ہوئے۔ اہلیہ محترمہ وضو کے لیے پانی لینے گئیں۔ آپ نے بحالتِ مراقبہ تکیہ پر سر رکھا اور تھوڑی دیر بعد اسی حالت میں رفیقِ اعلیٰ سے جا ملے۔

افسوس صد افسوس کہ ۱۲/ صفر ۱۳۶۰ھ مطابق ۱۲/ مارچ ۱۹۴۱ء کو یہ آفتابِ علم و عرفان، جس نے فلکِ رشد و ہدایت پر طلوع ہو کر تقریباً تیس سال تک عالمِ ہست و بود کو اپنی ضیا پاش شعاعوں سے منور کیا تھا، عمر کی ۶۳ منزلیں طے کر کے کانپور کے اُفق میں غروب ہو گیا۔ اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّآ اِلَیْهِ رٰجِعُوْنَ۔

حضرت اعلیٰ کے خادمِ خاص اور نامزد جانشین مولانا محمد عبداللہ صاحب آپ کی وفات سے پہلے کانپور پہنچ چکے تھے۔ جب تقدیرِ الٰہی سے یہ عظیم سانحہ پیش آیا تو فوراً آپ کا جنازہ تیار کیا گیا اور ریل گاڑی کا ایک ڈبہ ریزرو کروا کر آپ کے جسدِ خاکی کو کندیاں لایا گیا۔ اعلیٰ حضرت کی وفات کی خبر مختلف ذرائع سے پھیل چکی تھی۔ راستہ میں متعدد سٹیشنوں پر ایک سلسلہ گاڑی میں سوار ہوتے رہے۔ غرض ۱۴/ صفر ۱۳۶۰ھ کو آپ کا جنازہ خانقاہ شریف پہنچا۔ ہر طرف سے لوگ جوق در جوق نمازِ جنازہ میں شرکت کے لیے آ رہے تھے اور بہت سے

پہنچ چکے تھے۔ نامزد جانشین مولانا محمد عبداللہ صاحب کی امامت میں ایک کثیر جماعت نے نمازِ جنازہ ادا کی اور خدام نے بصد حسرت و یاس اپنے ہادیٔ محبوب اور پیشوائے کامل کو، جس پر ہر خادم سو جان سے فدا تھا، مشیتِ الٰہی پر راضی رہتے ہوئے آغوشِ لحد میں رکھ دیا۔

ع ہر چشم اشک بار تھی، ہر دل فگار تھا

آپ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیاتِ مبارک کے مطابق ۶۳ سال عمر پائی۔ اس لحاظ سے فطرت الٰہی نے اعلیٰ حضرت کے اتباعِ سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم پر مہرِ تصدیق ثبت کر دی۔

عطر اللّٰہ مضجعہ ر نور اللّٰہ مرقدہ وامطر علیہ شآبیب الرضوان بفضلہ الحمیم والاحسان۔

قطعاتِ تاریخ

جو خلیفۂ مجاز حکیم مولانا عبدالرسول صاحبؒ ساکن بُھکر بار، ضلع سرگودھا نے اعلیٰ حضرت کی وفاتِ حسرت آیات پر پنجابی، اردو، فارسی اور عربی میں نظم کیے۔

قطعۂ تاریخ بزبانِ عربی

رَاحَ مِنْ دَارِ الْبَلَا يَا شَيْخُنَا زِيْنَةُ الْاَسْلَافِ نُوْرُ الْوَرٰى
سَيِّدِيْ بُوالسَّعْدِ اَحْمَدُ اَنْوَرُ بَحْرُ عِرْفَانٍ وَّعِلْمٍ وَّالتُّقٰى
اَظْلَمَ الْآفَاقُ فِيْ اَبْصَارِنَا فَاتَ شَيْخٌ كَامِلٌ شَمْسُ الْهُدٰى
فِيْ نَعِيْمِ جَنَّةٍ هُوَ دَاخِلٌ قَالَ لِلتَّارِيْخِ عَبْدٌ بِالْاَسٰى

۱۳۶۰ھ

قطعۂ تاریخ بزبانِ فارسی

حضرتِ ما بہ حکمِ خالقِ خود چوں ز دنیائے دارِ محنت رفت
قبلہ بو سعد احمد اکمل قربِ حق یافت بہ جنت رفت

عبد تاریخ فوت با غم دل
گفت ہادی بدار جنت رفت
۱۳۶۰ھ

تاریخ وفات حضرت ممدوح

جو مصنف مدظلہ نے فی البدیہہ کہہ کر بعد دفن حضرت اعلیٰ مزار شریف کے پاس سوز و گداز سے پڑھی:

ہزار حیف کہ بگذشت از بسیط جہاں — جناب قبلۂ عالم، مجدّدِ دوراں
جناب حضرت بوسعد احمد اکرم — کہ دہر سینۂ او بود مصدرِ عرفاں
طریقہ اش ہمہ ترویج سنتِ نبویؐ — نواخت اہل جہاں را زفیض بے پایاں
ببست رخت ز دار فنا بحق پیوست — نمود چہرۂ انور ز چشم خلق نہاں
ز ماہ صفر چو آمد شب دو از دہم — چہا رسید ز غم بر سر شکستہ دلاں
بگشت روئے زمیں جملہ تیرہ و تاریک — بجن و انس و ملائک فتادہ شور و فغاں
سزد کہ گریہ نمایند انجم و افلاک — شوند جملہ موالید و اُسطقس نالاں
وفاتِ شاہ مصیبت بود پئے ملکش — خراب حال شوندش ملازم و ارکاں
بود مماتِ امیر آفتِ رعیت او — شوند خستہ و غمگیں اعزہ و اعیاں
وفاتِ عالمِ عامل، مماتِ عالم ہست — خصوصاً آنکہ بود ز اہل تقویٰ و احساں
وفاتِ عارف باللہ ظلمتِ آفاق — کہ نورِ رشد و ہدایت شود ز دیدہ نہاں
وفاتِ شیخ مشائخ کہ او بود قیوم — فضائے ارض ز انوار او بود تاباں
مصیبتے است عجیب آنکہ از شنیدن او — رود ز جسم روان و ز روح تاب و تواں
بحیرتم کہ چساں وصف حضرت اعلیٰ — بیاں کنم کہ بیاں راست تنگ تر میداں
شدہ است عافیت امروز تنگ تر برما — کہ نیست ہیچ کس از حال زار ما پرساں
چراغ دین محمد بگفت عبد حزیں — برائے سال وصالش بہ دیدۂ گریاں

۱۳۶۰ھ

قطعۂ تاریخ بزبانِ اُردو

حیف آج آنکھوں سے پنہاں ہو گیا وہ آفتاب
قطب اقطاب جہاں، قیوم حق، عالی جناب

حضرت بو سعد احمد قبلۂ اہلِ کمال
ہر بشر ان کی جدائی میں ہے یاں غم سے نڈھال

ہے ازل سے شیوۂ تسلیم کار اہلِ دیں
صبر کر اے عبد، غیر از صبر کچھ چارہ نہیں

فکرِ تاریخ وفات قبلۂ عالم جب کیا
کہہ دیا یہ ہاتفِ غیبی نے مجھ سے برملا

فیضِ حضرت سے ہوئے ہیں سب سراپا بے خلل
فضل و رشد و دیں مربع اور ساتھ ہی تبلیغ و عمل

شانِ حضرت قیومِ زماں مولانا ابو سعد احمد خاں، پنجابی زبان میں

حمد صفتاں پاک اللہ نوں جو خلقت دا والی
بہت درود رسول اللہ نوں جس دا رتبہ عالی

آیا ظلم خدا دا غالب جگ وچ پیا ہنیرا
نور خدا دا چھپیا جگ تھیں جنت بنے ڈیرا

نوری بچہ اساڈا حضرت عالم فاضل عامل
مثل ابو سعدی جگ وچ کوئی سب عملاں وچ کامل

قطب سلوک مجدد الف شاہ سردار ولیاں
خلق اخلاق تے علم سخاوت سب تے جوش نیاں

شرق غرب دی خلقت ورتے آ کے فیض اٹھاوے
کرے زیارت جو کوئی آ کے نور دلے وچ پاوے

ابو سعد احمد نورانی نام مبارک جانی
وارث سرور عالم دا بن فضل کرم لاثانی

كُلُّ نَفْسٍ ذَآئِقَةُ الْمَوْتِ امر الٰہی آیا
دنیا تھیں کر رحلت حضرت نوری رخ چھپایا

خادم تے درویش حضوری غم دے اندر بڑے
سب بیکل ہو چھڈ بیٹھے ہوش عقل سب چھڈے

دیاں بیبیاں بے خود ہویاں رو کے حال ہیانے
ہنجو دا کر رہیا اکھیاں وچ بیدل ہو کے سیانے

ایہہ خبر کیہ چیرن والی کنڈی وچ جہانے
عاشق اتے مرید تمامی جو آہے پروانے

ایانوں ملنے تائیں خلقت ٹوٹے آوے
دوہاں تے کرلاوان آ کے پیر نہ نظری آوے

قبر مبارک اتے جا کے فاتحہ ختم پڑھاون
روحانیت حضرت دی نوں دل دا حال سناون

پرکن سکن بے حضرت صاحب کردے گل زبانی
اکھیاں سکن نظری آوے او چہرہ نورانی

پھر عارف گل تے زاہد صاحب چپکے ہاں بہاون
پاس خلیفہ صاحب دے وچ کجھ دلی تسلی پاون

مولوی عبداللہ گھر چھڈیا تاج خلافت پایا
حضرت صاحب آپ خلیفہ کامل ہووہ بنایا

رونا ختم نہ ہووے میں کجھ پتہ تے نسب بتاواں
غیراں نوں بھی واضح ہووے حال احوال سناواں

وطن مبارک دساں تینوں کھکھڑا شیر نورانی
جتھے پیدا ہوئے حضرت کھنڈیا فیض جہانی

وچ دریا اٹک دے وسّی ضلع میانوالی
اولیاواں دی جاء قدیمی کدیں نہ رہیا خالی

ملک تکوکر خویش قبیلہ تمن وڈا بھارا
سرداری تے زمینداری کم انہاں دا سارا

شوق علم دا لگا حضرت چھوٹیاں گھروں سدھائے
ہندوستان رہے پھر پڑھدے جتھے درس رہائے

کر تحصیل علم دی پوری لگا عشق الہی
موسیٰ زئی وچ حاضر ہوئے اللہ دے ہمراہی

غوث زمانے دے سن جتھے حضرت دنیا دے وچ نامی
جگ مشہور بزرگی جیہدی نام عثمانؒ گرامی

پیر جہاں دا کامل اکمل دوست محمد قندھاری
سندھ خراساں تے ہند اندر اوہ گدی وڈی بھاری

بیعت حضرت دی وچ کیتی کیتا اُتھے ٹکاناں
شروع سلوک کرایا حضرت رب صاحبوں بھاناں

پیر عثمان گرامی جاں دت جگ تھیں رخصت ہوئے
پیر سراج الدینؒ خلیفے ابر کرامت ہوئے

پنجی سال رہے وچ خدمت فیض ربانی پایا
پیر منیر خلافت بخشی حکم الہی آیا

حج بیت اللہ کیتا حضرت مرشد دی ہمراہی
پاک مدینے حاضر ہوئے پایا فضل الہی

آئے وطن مبارک اندر کھنڈیا فیض چوبارے
نور کرامت علم ولایت جگ وچ لاٹاں مارے

زندہ کیتا دین رسولی دینی علم پڑھاون
نور ولایت لوکاں دے دل سینے اندر پاون

خلق جنوب شمالوں آوے نالے شرقوں غربوں
ہر ملکے تھیں آون طالب جموں نالے عربوں

لنگر جاری کیتا حضرت عام مثل سلطاناں
کھاناں حسب حیثیت دیونا فقراواں تے خاناں

بعد نماز فجر دے حلقہ کھموں پچھے ہووے
ہر اک شامل حلقے ہو کے دل سیاہی دھووے

بعضیاں جذبہ ہووے جتھے مستغرق ہو جاون
صاحب توجہ ہووون بعد لذت فیض اٹھاون

آکھیں جنہاں کھلوے پھیرے حضرت کھویا نور پھر آئے
بحر کرم دے وچ چھوٹی اتھے زیرے لائے

آئی جد نزدیک ندی پھر اتھوں ڈیرا چایا — نام سراجیہ خانقاہ رکھ اپنا کھوہ بنایا

اتھے آ کے جمعیت کر بیحد فیض کھنڈایا — کارخانہ حضرت دا اللہ اتھے بہت ودھایا

مسجد عالی شان بنی تے کمرے بہت شہانے — دولت خانے ہور شاہانے، پردے دار زنانے

مدرسہ علم تے قرأت دا پھر اعلیٰ ہویا جاری — ہندوستان آئے پڑھاون عالم فاضل قاری

بحر شریعت اتے طریقت موجاں ٹھاٹھاں مارے — عالم آ کے فیض اٹھاون جاون پھر چودھارے

نقشبندی تے فیض مجدد کھنڈیا وچ آفاقاں — چمکیا آن طریقہ جگ وچ جیوں سورج دیاں لاٹاں

لکھ روپیہ حضرت صاحب کتب خانے تے لایا — پڑھ تے ویکھ ہویا متحیر اجہی عقل جو آیا

صفتاں حضرت قبلہ عالم کی کجھ میتھوں ہوون — اتھے قلم زبان عقل سب عاجز ہو کھلوون

عمر اخیر آزمائشاں آئیاں وڈیاں مشکل نبیوں — مشکل نبیوں نوں جیوں آون نیکاں اتے ولیاں

ولنبلونکم بشیء من الخوف والجوع خود اللہ فرمایا — صبر تے استقلال ولی دا خود اللہ ازمایا

بیٹا نیک محمد صادق اندر عمر جوانی — رخصت ہویا دنیا وچوں لائق شکل نورانی

صبر تے استقلال ولی دا ویکھیاں حیرت آوے — جیہڑا آوے ماتم اتے اوہ حیران ہو جاوے

کجھ دناں پچھوں دوجا بیٹا عالم تاکے فاضل — محمد سعید اوہ یوسف ثانی سب صفتاں وچ کامل

دنیا چھوڑ سدھانا رب ول پا کے وڈے دکھ چھوڑے — بیبیاں عاجزیاں اپنے، بچے غم وچ چھوڑے

پر بیحد صبر کیتا حضرت نے استقلال وکھایا — ذات مبارک وچ کجھ غم دا وڈا اثر نہ آیا

تھوڑی ہی کجھ مدت گزری وڈی بیماری آئی — دمہ تے نزلہ ہور عوارض پکڑی بہت لمبائی

تکلیفاں دی بدن اقدس تے حد نہ رہندی کائی — کیتا شکر الٰہی ہر دم، شان حضوروں پائی

نال جماعت ادا کرن سب گلی وچ نمازاں — رابطہ نال جناب الٰہی دائم وچ نیازاں

کراں بیاں جے حال تمامی دل نوں لگے دھکا — بے خود ہووے سخت طبیعت تھوں نے دل پکا

اٹھاسے وچ صفر مہینے جدوں گزرے دن باراں — سفر کیتا دنیا تھیں حضرت وداع کیتا سب یاراں

کانپور دے شہر اندر وچ سفر شہادت پائی — چمکے چہرہ جیوں دے وشمن کرنے دیدار لوکائی

وچ خانقاہ مبارک دے پھر خدماں آ دفنایا — پہلوں تیتوں مجلس میں کجھ حال احوال سنایا

تیراں سو تے سٹھ ہجری وچ حضرت رخ چھپایا — بھار وچھوڑے پیراں دا سب نے سر تے چایا

اعتبار سے آپ ہمیں ایک غیر شخص کے حوالے فرمارہے ہیں۔ اعلیٰ حضرت نے ارشاد فرمایا، آپ کوئی خیال نہ کریں، میں یہ ذمہ داری ایسے شخص کو سونپ رہا ہوں جو ان شاء اللہ آپ کی خدمت آپ کی اولاد سے بھی زیادہ کرے گا۔

غرض حضرت اعلیٰ نے سب کو مطمئن فرما کر وصیت نامہ تحریر فرمادیا اور اس کا اعلان بھی کردیا گیا۔ اب ہم وصیت نامہ کے اجزا حرف بحرف نقل کرتے ہیں۔

نقل وصیت نامہ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

بعد حمد وصلوٰۃ تمام اقارب واحباب کی خدمت میں التماس ہے کہ بمضمون حدیث متفق علیہ مَا حَقُّ امْرِءٍ مُسْلِمٍ لَهُ شَيْءٌ يُوْصِي فِيْهِ يَبِيْتُ لَيْلَتَيْنِ اِلَّا وَوَصِيَّتُهُ مَكْتُوْبَةٌ عِنْدَهُ[1]

ہر مسلمان پر لازم ہے کہ بخیال احتیاط اپنے تمام امور قابل وصیت کو حیطۂ تحریر میں رکھے۔ فقیر ابوالسعد احمد ایسی حالت میں جبکہ اس کے ہوش وحواس بجا اور قوائے عقلیہ وادراکیہ سلامت ہیں اور جبکہ بحکم شرع شریف اقرار مقر صحیح ومعتبر ہے، چند وصایا اپنے اقارب ومتعلقین اور احباب ومتوسلین کی اطلاع کے لیے تحریر میں لاتا ہے، تاکہ فقیر کے بعد کوئی امر موجب اختلاف اور باعث نزاع باقی نہ رہے۔

تمام احباب سے استدعا ہے کہ وہ ان تمام وصایا کے حق بجانب ہونے کے متعلق اپنا اطمینان تام کرتے ہوئے کسی امر کو باعث اختلاف وخصومت نہ ہونے دیں۔ اِنْ اُرِيْدُ اِلَّا الْاِصْلَاحَ مَا اسْتَطَعْتُ ط وَمَا تَوْفِيْقِيْ اِلَّا بِاللّٰهِ ط عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَاِلَيْهِ اُنِيْبُ.[2]

۱۔ یعنی کسی مسلمان کو، جس کے پاس قابل وصیت کوئی چیز ہو، یہ حق نہیں پہنچتا کہ وہ دو راتیں اس حالت میں گزارے کہ اس کا تحریر شدہ وصیت نامہ اس کے پاس موجود نہ ہو۔

۲۔ یعنی میں مقدور بھر صرف اصلاح ودرستی کا قصد کر رہا ہوں اور مجھے اس امر کی توفیق صرف اللہ تعالیٰ نے عنایت کی ہے، اس پر میرا بھروسہ ہے اور میں اسی کی طرف رجوع کرتا ہوں۔

۱۔ فقیر اپنا خلیفۂ مجاز اور سجادہ نشین مولوی عبداللہ صاحب لدھیانوی کو مقرر کرتا ہے جن کو فقیر نے پوری توجہ اور دِلسوزی سے نقشبندی سلوک طے کرا دیا ہے۔ وہ اس خانقاہ میں، جس کا نام خانقاہ سراجیہ مجددیہ ہے، مقیم رہ کر ترویج سلوک اور توسیع سلسلہ میں ساعی رہیں گے۔ اُن کی موجودگی میں کوئی دوسرا شخص خانقاہ ہٰذا میں سجادہ نشینی کا مدعی نہیں ہو سکتا اور نہ اس کا دعویٰ مسموع ہوگا۔ خانقاہ کے ملحقہ مکانات، جن میں کتب خانہ، تسبیح خانہ، مہمان خانہ، غسل خانہ اور باقی پانچ کمرے درویشوں کے قیام کے لیے ہیں، سب مولوی صاحب کی تفویض و تولیت میں رہیں گے۔ وہ حسب ضرورت و مصلحت ان کو زیرِ استعمال رکھیں گے۔ کوئی دوسرا شخص ان کے تصرف و استعمال میں مزاحم ہونے کا مجاز نہ ہوگا۔

۲۔ فقیر کی وفات کے بعد تجہیز و تکفین اور غسل و دفن میں سنتِ نبویہ علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کی رعایت لازم سمجھیں۔ نماز جنازہ جماعتِ کثیر کے ساتھ مولوی محمد عبداللہ کی اقتداء میں ادا کی جائے۔ کوئی رسمِ دنیوی مثل دہم، چہلم وغیرہ اختیار نہ کی جائے۔ ماتم، رونا چلانا، نوحہ کرنا حرام ہیں، اس سے قطعی پرہیز رہے۔ ورنہ فقیر بری الذمہ اور اِس قسم کی رسوم کے مرتکب مواخذہ ہوں گے۔ اور ایک ہفتہ تک فقیر کی قبر پر کلمہ طیبہ، درود شریف، استغفار اور ختم قرآن کے ساتھ ثواب بخشا جائے، اس کے علاوہ وقتاً فوقتاً خیرات و مبرات کے ساتھ بھی، جس میں نمائش و تفاخر کا شائبہ تک نہ ہو، ایصالِ ثواب کیا جائے۔

۳۔ خانقاہ کی فتوحات لنگر شریف کے سرمایہ میں داخل کی جائیں گی اور لنگر کا تمام سرمایہ والدہ محمد سعید مرحوم کی تفویض میں رہے گا۔ وہی اپنی صوابدید سے اس کو مصارف متعلقہ میں خرچ کریں گی۔

۴۔ مسجد کے امام مولوی عبداللہ سجادہ نشین ہوں گے، وہی خانقاہ کے متولی ہوں گے، دونوں کی حفاظت و عمارت ان کی سپردگی میں ہوگی۔

۵۔ خانقاہ کا کتب خانہ بفضلہٖ تعالیٰ اپنی وسعت اور کتابوں کی کثرت و نفاست کے لحاظ

سے پنجاب کا ایک بے مثال معہد علمی بن گیا ہے۔ اس کی شان رفعت کو برقرار رکھنے
کے لیے اس کو اس کی تمام الماریوں اور کمرے سمیت وقف کیا جاتا ہے۔ اس کے
متولی بھی مولوی محمد عبداللہ صاحب مذکور ہوں گے۔ اب اس کتب خانہ اور اس کے
متعلقہ سامان اور کتابوں میں توریث اور تنصیف اور تقسیم جاری نہ ہوگی۔

۶۔ مولوی محمد عبداللہ خانقاہ شریف کے متعلقہ حجروں میں سے کسی حجرہ میں قیام رکھیں
گے۔ اگر ان کو عیال سمیت پردہ دار مکان میں قیام کرنا منظور ہو تو خانقاہ کی سفید
زمین پر جہاں چاہیں لنگر کے خرچ سے اپنے رہنے کے لیے حسب ضرورت مکان
تعمیر کر سکتے ہیں۔

۷۔ مولوی محمد عبداللہ صاحب اپنے دیگر مشاغل مفوضہ کے علاوہ مرحوم عزیزان محمد عارف
و محمد زاہد پسران محمد سعید مرحوم کی تعلیم و تربیت کی نگرانی بھی اپنا فرض سمجھیں۔ اول تو
تعلیم دینے کا بار خود اٹھائیں ورنہ اگر ان کی تعلیم کا کوئی اور انتظام کیا جائے تو اس
میں مولوی محمد عبداللہ صاحب کا مشورہ اور استصواب ضروری سمجھا جائے۔ عزیزان
کے تمام اولیاء اور مربیین پر لازم ہے کہ وہ عزیزان کی تعلیم و تربیت کے معاملہ میں
مولوی صاحب کے مشورہ اور استصواب کو مقدم سمجھیں۔

۸۔ مدرسہ تعلیم القرآن جو خانقاہ شریف میں قائم ہے اور اس کے مصارف بعض مخیر
احباب کی ہمت سے چل رہے ہیں اس کے متولی اور مہتمم بھی مولوی محمد عبداللہ
ہوں گے۔ حتی الوسع اس مدرسہ کے قیام و بقا بلکہ توسیع و ترقی کی کوشش کی جائے۔

۹۔ تمام برادران سلسلہ سے استدعا ہے کہ وہ اشاعت سلسلہ اور ترویج سلوک میں سعی
بلیغ کرنا لازم سمجھیں۔ اتباع سنت کی شاہراہ سے سر مو انحراف نہ کریں اور بدعات
سے کنارہ کش رہنا اہم واجبات سے تصور کریں۔

۱۰۔ آخر میں خاص مولوی محمد عبداللہ کے لیے یہ وصیت ہے کہ:
اول وہ بہ حیثیت سجادہ نشین توسیع سلسلہ و ترویج سلوک میں پوری توجہ اور
انہماک کے ساتھ ساعی رہیں۔

دوم: طریقت کے آداب و شریعت کا پورا لحاظ رکھیں۔

سوم: اتباع سنت اور اجتناب عن البدعۃ کو اپنا فرض سمجھیں۔

چہارم: دنیادار امراء اور رؤسا کے دروازے پر جانے سے پرہیز لازم سمجھیں۔

پنجم: اپنے برادرانِ سلسلہ کے ساتھ خلق و مروت، تواضع و انکسار اور اخوت و مساوات کا سلوک رکھیں۔ ترفع و تعلّی کے خیال سے مجتنب رہیں۔

ششم: اپنے شیخ کی اولاد کی خدمت و خیر خواہی لازم سمجھیں۔ فقط

(الموصی) فقیر حقیر لاشئے ابوالسعد احمد

المشتہر بہ مولوی احمد خان کان اللہ لہ عوضاً عن کل شئی

اعلیٰ حضرت کے پسماندگان اور خلفاء

پسماندگان

۱۔ دو زوجہ مطہرہ۔ ایک بڑی مائی صاحبہ والدہ مولانا محمد صادق و مولانا محمد سعید رحمۃ اللہ علیہما اور دوسری چھوٹی مائی صاحبہ کلاچی والی

۲۔ صاحبزادہ مولانا محمد معصوم صاحب مع اولاد

۳۔ چار صاحبزادیاں

۴۔ دو پوتے، صاحبزادہ محمد عارف و محمد زاہد سلمہما پسران مولانا محمد سعید مرحوم

۵۔ ایک پوتی ہمشیرہ محمد عارف صاحب

ان کے علاوہ بہت سے خلفاء اور ارادت مندانِ باکمال چھوڑے۔ خلفاء کے اسمائے گرامی بتیس (۳۲) تک معلوم ہو سکے، جن کی تفصیل حسبِ ذیل ہے:

۱۔ حضرت مولانا محمد عبداللہ صاحبؒ لدھیانوی

جانشین حضرت اعلیٰ، نائب قیوم زماں حضرت مولانا محمد عبداللہ صاحبؒ لدھیانوی فاضل دارالعلوم دیوبند، جو آپ کے وصال کے بعد حسبِ وصیت مذکورہ ص ۱۰۰ صفر ۱۳۷۰ھ

۱۳۶۰ھ کو مسندِ ارشاد پر متمکن ہو کر غم زدگانِ فرقت اور برادرانِ طریقت کے مونس و چارہ گر بنے۔ ''تحفۂ سعدیہ'' کے آخر میں آپ کے حالات تفصیل سے بیان ہوں گے۔

۲۔ حضرت مولانا سیّد عبداللہ شاہ صاحبؒ

آپ احمد پور سیال کے رہنے والے تھے۔ اوّلاً حضرت خواجہ سراج الدین قدس سرہٗ سے بیعت ہوئے، پھر حضرت خواجہؒ نے آپ کو اعلیٰ حضرت قدس سرہٗ کی خدمت میں تربیت کے لیے بھیج دیا۔ نہایت قوی الاستعداد اور پاکیزہ فطرت تھے۔ خلافت سے نوازے گئے اور بہت باکمال ہوئے۔ چالیس سال کی عمر میں حضرت اعلیٰ کی زندگی ہی میں فوت ہو گئے۔ آپ کو ان کی وفات کا بہت غم تھا اور یہ غم اس وقت تک دور نہ ہوا، جب تک اعلیٰ حضرت کی منشائے مبارک کے مطابق مولانا محمد عبداللہ صاحب کی تکمیلِ سلوک نہ ہو گئی۔

۳۔ حضرت مولانا قاضی صدرالدین صاحب مدظلہٗ

آپ نے اعلیٰ حضرت کی خدمت میں سلوکِ نقشبندیہ مجددیہ کی منازل طے کیں۔ مجاز ہو کر اپنے وطنِ مالوف ہری پور تشریف لے گئے۔ ہری پور کے قریب موضع درویش آپ کا آبائی مسکن ہے۔ آپ نے کچھ عرصہ بعد ہری پور میں ریلوے سٹیشن کے قریب خانقاہ نقشبندیہ تعمیر فرمائی، جس میں مختلف عمارات کے علاوہ ایک خوبصورت مسجد اور مدرسہ دینیہ عربیہ قائم ہے۔ آپ محترم قاضی شمس الدین صاحب مدظلہٗ کے برادرِ بزرگ ہیں۔ آپ کا حلقۂ ارادت بڑا وسیع ہے اور طالبانِ معرفت کو اپنے فیضان سے نواز رہے ہیں۔

۴۔ حضرت حاجی میاں جان محمد صاحب قدس سرہٗ

ساکن باگڑ سرکانی ضلع ملتان۔ آپ ایک متمول زمیندار گھرانے کے چشم و چراغ تھے۔ اعلیٰ حضرت کی بارگاہ میں حاضر ہو کر داخل طریقہ ہوئے اور نہایت مخلص اصحاب کے زمرہ میں شامل ہوئے۔ کامل توجہ اور عالی ہمتی کے ساتھ صحبتِ شیخ سے استفادہ کیا۔ حضرت اعلیٰ بھی نہایت شفقت و دلسوزی سے آپ کی تربیت اور نگرانی فرماتے رہے۔ مقامات ولایت طے کر لینے کے بعد اجازت طریقۂ نقشبندیہ سے سرفراز ہوئے اور باگڑ و ملتان کے علاقہ میں فیض رسانی کا سلسلہ جاری فرمایا۔ باگڑ کا تمام علاقہ اعلیٰ حضرت کے معتقد اور

تشریف لے جانے سے فیوض و برکات سے منور ہو گیا۔ آپ باگڑ کو اپنا گھر فرمایا کرتے تھے۔ حضرت میاں جان محمد صاحب کا حلقۂ ارادت ملتان، ساہیوال اور لائل پور میں خاصا وسیع ہے۔

اعلیٰ حضرت کی وفات کے بعد بھی آپ نے تکمیلِ سیر و سلوک کا سلسلہ قائم رکھا۔ جانشینِ حضرت اعلیٰ مولانا محمد عبداللہ صاحب کے ہاتھ پر تجدید بیعت فرما کر از سرِ نو سلوک نقشبندیہ طے کیا اور حضرت ثانی رحمہ اللہ سے ہر چہار سلاسل طریقت میں خلافت پائی۔ آپ کا حضرت ثانیؒ سے محبت و اُلفت کا رابطہ نہایت مستحکم تھا۔

حضرت ثانیؒ کے بعد موجودہ حضرت کے حلقۂ ارادت میں شامل ہوئے تو لوگوں نے پوچھا کہ اب آپ نے کس لیے تجدید بیعت فرمائی ہے؟ میاں صاحب نے جواب دیا کہ میں اپنے نفس کو آزاد چھوڑنے کی بجائے اسے پابند رکھنا چاہتا ہوں۔ چنانچہ حضرت قبلہ مولانا ابوالخلیل خان محمد صاحب سے مریدانہ انداز میں ادب و احترام کے ساتھ پیش آتے اور حلقۂ ذکر و مراقبہ میں شریک ہوا کرتے تھے۔ حضرت میاں جان محمد صاحب کے پسماندگان میں دو بیوگان اور ایک صاحبزادہ میاں خان محمد صاحب ہیں۔ صاحبزادہ موصوف نہایت شریف اور نیک نفس ہیں۔ والد مرحوم کی اقتداء میں خانقاہ شریف سے وابستہ ہیں۔

۵۔ مولانا سیّد عبدالسلام احمد شاہ صاحبؒ

آپ کے والدِ ماجد سیّد برکت علی شاہ رحمہ اللہ حضرت خواجہ محمد عثمان، حضرت خواجہ سراج الدین قدس سرہما کی طرف سے تمام سلاسلِ طریقت میں مجاز تھے۔ آپ کی ولادت باسعادت ۹ شعبان ۱۳۰۷ھ میں کلکتہ میں ہوئی۔ اُردو، فارسی اور عربی تعلیم خانقاہ برکتیہ، کالج اسکوائر، کلکتہ میں حاصل کی۔ سلوک کے ابتدائی اسباق تھے کہ ۱۳۲۵ھ میں والد ماجد کا انتقال ہو گیا۔ اس کے بعد آپ نے تعلیم و سلوک کی تکمیل کے لیے علی گڑھ اور دیگر مقامات کا سفر کیا۔ بالآخر حضرت اعلیٰ کی خدمت میں خانقاہ سراجیہ حاضر ہوئے۔ آپ کے دستِ مبارک پر بیعت کر کے سلوک مجددیہ کی تحصیل میں مشغول ہو گئے۔

کچھ عرصہ دہلی میں قیام کیا۔ مدرسہ عبدالرب کشمیری گیٹ میں تحصیل علم کا سلسلہ جاری رکھا اور فن کتابت میں بھی مہارت تامہ پیدا کی۔ پھر دوبارہ خانقاہ سراجیہ میں کئی سال قیام فرمایا۔ خلافت سے سرفراز ہونے کے بعد ۱۹۳۲ء سے ۱۹۵۰ء تک ۱۸ سال کلکتہ میں ترویج طریقہ فرمائی۔ اس کے بعد ڈھاکہ منتقل ہو گئے۔ کوہولہ میں چند روز قیام کے بعد محلہ نارندہ میں اپنی خانقاہ تعمیر کرائی۔ کلکتہ، جیسور، ڈھاکہ اور اس کے مضافات میں آپ کے ارادتمندوں کی تعداد بکثرت ہے۔

فرمایا کرتے تھے کہ زندگی میں کوئی مشکل ایسی پیش نہیں آئی کہ اعلیٰ حضرت کی روح مبارک کو گیارہ مرتبہ سورۃ الفاتحہ کے ایصال ثواب کے بعد حل نہ ہوئی ہو۔ فقیر محمد یونس صاحب کی تالیف "سبیل السلام" میں آپ کے حالات تفصیل کے ساتھ مذکور ہیں۔ آخرکار سرزمین مشرقی پاکستان کو اپنے فیوض و برکات سے مالامال کرنے کے بعد ۱۱ رشوال ۱۳۸۶ھ / ۱۹۶۷ء میں خاکدان عالم فانی کو خیرباد کہا۔ رحمہ اللہ تعالیٰ رحمۃً واسعۃ

۶۔ حضرت مولانا مفتی عبدالغنی صاحبؒ

ساکن ریاست مالیرکوٹلہ۔ آپ اعلیٰ حضرت کے خلفائے اجلہ میں سے تھے۔ درس نظامیہ کے فارغ التحصیل ہونے کے علاوہ فقہ و حدیث میں خاص ملکہ رکھتے تھے۔ مولانا خلیل احمد صاحب مفتی ریاست مالیرکوٹلہ کے ارشد تلامذہ میں سے تھے۔ شروع میں مسجد محلہ کھٹیکاں میں امام و خطیب مقرر ہوئے۔ بعد ازاں انٹر کالج مالیرکوٹلہ میں عربی کے پروفیسر متعین ہوئے۔ مفتی خلیل احمد صاحب کے انتقال پر منصب افتاء بھی آپ کے سپرد کر دیا گیا۔

اسی دوران آپ کسی چشتی بزرگ سے بیعت ہوئے اور سلوک چشتیہ کے کچھ مراحل طے کرنے کے بعد اجازت حاصل کر چکے تھے کہ شیخ کا انتقال ہو گیا۔

مستری ظہور الدین صاحب، مفتی صاحب کے قریب ہی رہائش پذیر تھے۔ حضرت اعلیٰ محلہ معماراں میں مستری صاحب موصوف کے مکان پر تشریف لائے تو مفتی صاحب نے وہاں آپ کی زیارت کی، حلقۂ ارادت میں شامل ہوئے اور پہلی توجہ ہی میں مغلوب الحال ہو گئے۔

پھر وہاں قیام پذیر ہو کر اعلیٰ حضرت کی خصوصی توجہات کے باعث ایک ہفتہ میں ولایت خاصہ کے مدارج سلوک طے فرمائے۔ مجاز طریقت ہو کر امیر کوٹ تشریف لے گئے۔ وہاں رشد و ارشاد کے ساتھ درس حدیث کا شغل بھی جاری تھا۔

مسٹی خان نواب ریاست مالیر کوٹلہ کا ایک چچا زاد بھائی مرزائی ہو گیا۔ نواب اپنی لڑکی کا نکاح مرزائی بھائی کے لڑکے سے کرنا چاہتا تھا۔ جب اس نے اس سلسلے میں حضرت مولانا سے استفتاء کیا تو آپ نے فرمایا:

"مرزائی کافر و مرتد ہیں۔ ان کے ساتھ کسی مسلمان لڑکی کا نکاح باطل ہے۔"

چنانچہ اعلائے کلمۃ الحق کے باعث پروفیسری اور افتاء کے عہدہ سے دست بردار ہونا پڑا۔ ابتلاء تھا مگر یہ حضرت کی تربیت کا فیض تھا کہ آپ کو کوئی لالچ یا کسی طاغوتی قوت کے سامنے ہتھیار نہ ڈال سکتا تھا۔

مسلمانان پٹیالہ کے ایک وفد کی دعوت پر وہاں تشریف لے گئے۔ خطابت و افتاء کا منصب سنبھالا اور درس و تدریس حدیث کے لیے ایک مدرسہ قائم کیا۔ جامع مسجد توکلی میں ایک مدرسہ کی بنیاد رکھی۔ امامت و خطابت کے فرائض انجام دینے کے ساتھ مسجد و مدرسہ کی توسیع فرمائی۔

۱۹۴۷ء میں موسم گرما کے آغاز میں بیمار ہو کر پٹیالہ سے مالیر کوٹلہ چلے آئے اور یہاں چند روزہ علالت کے بعد مالک حقیقی سے جا ملے۔ رحمہ اللہ تعالیٰ رحمۃ واسعۃ۔

۷۔ مولانا مفتی محمد شفیع صاحبؒ

بانی سراج العلوم سرگودھا۔ آپ بھی حضرت اعلیٰ کے جلیل القدر خلفاء میں سے تھے۔ فقہ و حدیث میں بلند پایہ شخصیت تھے۔ اعلیٰ حضرت کے حسب ارشاد ظاہری علوم کی تکمیل کی اور پھر آپ کی خدمت میں کامل سلوک طے کیے۔ ان کے متعلق یہ واقعہ مشہور ہے کہ وہ نظر کمزور تھا۔ ایک دفعہ اعلیٰ حضرت کا بنیان دھویا اور جوش عقیدت و فرط محبت میں اس کا مستعمل پانی پی

۱۔ حضرت مولانا مفتی عبدالغنی صاحبؒ کے یہ حالات عالی جناب ہیڈ ماسٹر شادی خان مرحوم نے قلمبند کرائے ہیں۔

گئے ۔اس عمل کی برکت سے قوتِ حافظہ تیز ہوئی اور ذہن نے جلا پائی۔ اپنے لباس، وضع قطع اور نشست و برخاست میں حضرت اعلیٰ کی پیروی باعثِ شرف سمجھتے تھے۔ اعلیٰ حضرت کے صاحبزادے محمد سعید مرحوم نے آپ سے استفادہ کیا۔ بعد میں محمد سعید مرحوم کے صاحبزادے محمد عارف صاحب سلمہٗ نے آپ سے دورۂ حدیث کی تکمیل کی۔

مجاز طریقت ہونے کے بعد درس و تدریس، وعظ و افتاء اور ترویج طریقہ میں مصروف رہے۔ بہت سے طالبانِ حق کی رہنمائی فرمائی۔ آپ کے تلامذہ و متوسلین کا سلسلہ پاکستان بھر میں پھیلا ہوا ہے۔

امو ہر دیہہ میں شبانہ روز مشتغل رہتے ہوئے رفیقِ اعلیٰ سے جا ملے۔ رحمہ اللہ تعالیٰ۔

۸۔ حکیم مولانا عبدالرسول صاحب ابن حکیم قمر الدین صاحب رحمہما اللہ

ساکن بھیرہ، ضلع سرگودھا۔ آپ حضرت اعلیٰ کے قدیم متوسلین میں سے تھے۔ پنجابی، اُردو، فارسی اور عربی چاروں زبانوں کے شاعر تھے۔ صاحبِ کمالات و فضائل تھے۔ فنِ طب و دواسازی میں ماہر تھے۔ بے شمار اطباء نے آپ سے استفادہ کیا، جن میں حکیم عبدالمجید سیفیؒ سرِ فہرست تھے۔ فنِ طب پر متعدد رسائل تصنیف کیے۔ پہلے مولانا غلام مرتضیٰ صاحبؒ سے بیعت ہوئے اور اُن کے حالات پر ایک کتاب ''انوارِ مرتضویہ'' تصنیف فرمائی۔ ان کے وصال کے بعد اعلیٰ حضرت کے دامن سے وابستہ ہوئے اور خلافت پائی۔ حضرت اعلیٰ کے وصال پر درد انگیز اشعار اور متعدد قطعات تاریخ نظم فرمائے۔ حضرت خواجہ سراج الدین رحمہ اللہ کی تاریخِ وصال بھی کہی۔ فارسی میں اعلیٰ حضرت کے سوانح حیات ایک ضخیم کتاب کی شکل میں مرتب فرمائے جو ہنوز طبع نہیں ہوئی۔ آپ کو یہ شرف بھی حاصل تھا کہ آپ کی صاحبزادی حضرت اعلیٰ کے صاحبزادے محمد سعید صاحب رحمہ اللہ کے عقد میں تھی۔ مزار مبارک بھیرہ میں مسجد کے احاطہ میں واقع ہے۔ رحمۃ اللہ علیہ

۹۔ حضرت مولانا سیّد مغیث الدین شاہ صاحب

فاضل دارالعلوم دیوبند، ساکن چاند پور، ضلع بجنور، یوپی۔ آپ حضرت اعلیٰ کے ممتاز خلفاء میں سے تھے۔ دورۂ حدیث تک تعلیم دیوبند میں حاصل کی۔ فقہ و ادب حضرت مولانا

اعزاز علی صاحبؒ سے، تفسیر حضرت مولانا مفتی عزیز الرحمٰن نقشبندی مجددیؒ سے، دورۂ حدیث صدر المدرسین حضرت علامہ سید انور شاہ صاحب کشمیریؒ، حضرت مولانا شبیر احمد عثمانی اور حضرت مولانا اصغر حسین صاحب سے، اور فنونِ عقلیہ فلسفہ و منطق وغیرہ حضرت مولانا رسول خان اور مولانا محمد ابراہیم بلیاوی رحمہم اللہ سے پڑھے۔

طالب علمی کے زمانے میں حضرت اعلیٰ سے بیعت ہو چکے تھے۔ اب فارغ التحصیل ہونے کے بعد آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر تمام مقامات سلوک طے کیے اور مجاز طریقت ہوئے۔ بہ سلسلہ ملازمت ایران چلے گئے اور وہاں کچھ مدت قیام کرنے کے بعد مدینہ منورہ ہجرت کر گئے۔ حج بیت اللہ سے فارغ ہو کر مدینہ منورہ میں مستقل قیام اختیار کر لیا اور پھر مدینہ منورہ کی حدود سے باہر قدم نہ نکالا مبادا شہر نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم میں مدفون ہونے کی سعادت سے محروم ہو جائیں۔ کسب معاش کے پیش نظر چند روز ''المطعم الہندی'' کے نام سے ایک ہوٹل بھی کھولا تھا۔ رہائش گاہ مسجد سیدنا علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ سے متصل تھی اور تادم واپسیں یہاں مقیم رہے۔

نہایت سادگی پسند، قناعت گزین اور متواضع بزرگ تھے۔ جب جاہ و مال سے یکسر کنارہ کش رہے۔ مدینہ منورہ میں کوئی زائر خانقاہ سراجیہ سے تعلق رکھنے والا مل جاتا تو اس کے لیے فرش راہ بن جاتے۔ حضرت ثانیؒ اور موجودہ حضرت جب کبھی حج کے لیے گئے تو آپ نے ہمیشہ انہیں مدعو کیا اور عقیدت ومحبت کے ساتھ اپنے ہاں ٹھہرایا۔

عصر سے مغرب تک مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں تلاوتِ کلام پاک کا معمول تھا جس پر عمر بھر کاربند رہے۔

ادارہ سعدیہ مجددیہ سے ہمیشہ تعاون کرتے رہے۔ کتاب ہذا کی طباعت کے لیے زر کثیر عطا فرمایا، مگر افسوس کہ اس کی طباعت سے پیشتر ۲۹ رشعبان ۱۳۹۱ھ میں اپنے مالک حقیقی سے جا ملے اور حسب دلخواہ جنت البقیع میں مدفون ہوئے۔ غفرہ اللہ تعالیٰ مغفرۃ واسعۃ

۱۰۔ مولانا محمد زمان صاحبؒ

اعلیٰ حضرت کے خلیفہ مجاز اور علم ظاہر و باطن کے جامع تھے۔ درس فقہ وحدیث آپ

کے خصوصی مشاغل میں شامل تھا۔ موضع جاگل، تحصیل ہری پور، ضلع ہزارہ کے رہنے والے تھے۔ حضرت اعلیٰ کی خدمت میں رہ کر سلوک نقشبندیہ اور مقامات مجددیہ کا اکتساب کیا اور اجازت مطلقہ سے سرفراز ہوئے۔ کھوہ ترکھان والا، تحصیل بھکر، ضلع میانوالی میں اقامت گزیں تھے۔ مجاز طریقت ہونے کے بعد سال ڈیڑھ زندہ رہے۔ اس قلیل مدت میں اشاعت و توسیع سلسلہ کے لیے سعی بلیغ فرمائی۔ صوفی محمد یار صاحب ساکن خانپور، تحصیل بھکر، ضلع میانوالی اور مولوی خدا بخش کلال نے اوّلاً آپ ہی سے بیعت کی تھی۔ رمضان شریف اعلیٰ حضرت کی خدمت میں گزارا کرتے تھے۔

ایک مرتبہ رمضان المبارک کے مہینے میں حاضر ہوئے، سخت سردی کا موسم تھا۔ بیمار ہوئے اور چند روز کے بعد واصل بحق ہوئے۔ خانقاہ شریف کے احاطۂ مزارات میں مدفون ہوئے۔[1]

۱۱۔ حضرت شیخ محمد مکرانی قدس سرہٗ

مکران سے کسب فیض کے لیے حضرت اعلیٰ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ بڑے خوش الحان اور بلند آواز تھے۔ خانقاہ شریف میں قیام کے دوران آپ ہی اذان دیا کرتے تھے۔ آواز میں بلا کا سوز و گداز تھا۔ جب اذان دیتے، خانقاہ شریف کی فضا وجد میں آجاتی تھی۔ کسب سلوک کر کے حضرت اعلیٰ سے طریقۂ نقشبندیہ کی اجازت پائی۔ آپ کے وصال کے بعد حضرت ثانیؒ کی خدمت میں رہ کر تمام مقامات مجددیہ طے کیے اور سلاسل اربعہ میں مجاز ہوئے۔ پھر وطن چلے گئے۔ وہاں سے ایران اور ایران کے بعد کویت میں محلّہ فحیحیل کی مسجد میں حکومت کی طرف سے خطیب مقرر ہوئے اور وہیں وصال فرمایا۔

۱۲۔ مولانا نذیر احمد عرشیؒ دھنولوی

آپ حضرت اعلیٰ سے مجاز تھے۔ رسالہ ''تحفۂ سعدیہ'' اعلیٰ حضرت کے حالات پر مرتب فرمایا۔ بلند پایہ شاعر تھے۔ مفتاح العلوم شرح مثنوی مولانا رومؒ بیس جلدوں میں

۱۔ یہ حالات صوفی محمد یار صاحب نے قلمبند کرائے۔ تاریخیں انہیں یاد نہ تھیں اس لیے ان کا اندراج نہ ہو سکا۔

مدوّن فرمائی۔ تفصیلی ذکر آغاز کتاب میں درج ہے۔ رحمہ اللہ تعالیٰ

۱۳۔ حضرت مولانا محمد یوسف صاحب مدظلہ

سجادہ نشین خانقاہ حسینیہ، کانپور۔ آپ نے حضرت اعلیٰ قدس سرہٗ کے زیرِ سرپرستی خانقاہ سراجیہ میں ظاہری و باطنی علوم کی تکمیل کی۔ حضرت ثانیؒ کے رفقائے سلوک میں سے ہیں۔ مجازِ طریقت ہوئے۔ اعلیٰ حضرت کے وصال کے بعد حضرت ثانیؒ کے حلقۂ ارادت میں شامل ہوئے۔ مراتبِ عالیہ پر فائز ہیں۔ مسندِ ارشاد پر متمکن ہونے کے بعد فیض رسانی خلق میں مشغول ہیں۔ راقم الحروف کو متعدد بار اُن سے سرہند شریف میں ملاقات کا شرف حاصل ہوا۔ عمرہ اللہ تعالیٰ وابقاہ

۱۴۔ حضرت سید مختار احمد شاہ صاحب

ساکن اترولی، ضلع علی گڑھ۔ تحصیلِ سلوک کے بعد مجازِ طریقت ہوئے۔ مقاماتِ عالیہ کے حصول میں سرگرم رہے۔ زمانۂ درویشی میں نہایت متوکل اور صاحب تمکین تھے۔ کپڑوں کے ایک دو جوڑے ساتھ لاتے اور طویل مدت تک خانقاہ شریف میں قیام کرتے۔ انوار و برکاتِ طریقہ سے معمور اور صاحب حضور تھے۔ عنفوانِ شباب میں رحلت فرما گئے۔ رحمہ اللہ رحمۃً واسعۃً

۱۵۔ حضرت مولانا سید جمیل الدین احمد صاحب میرٹھی ثم بہاولپوری

فاضل دارالعلوم دیوبند۔ آپ عالی جناب میر محمد یامین صاحب وزیر اعظم ریاست مالیر کوٹلہ کے فرزند ارجمند ہیں۔ فارغ التحصیل ہونے کے بعد بہاولپور آ گئے۔ اولاً مدرسہ ثانویہ میں معلّم عربی کے عہدہ پر فائز ہوئے، پھر مدارس عربیہ کے انسپکٹر مقرر ہوئے۔ ابھی معلّم عربی کی حیثیت سے کام کر رہے تھے کہ حسنِ اتفاق اور توفیقِ خداوندی سے اعلیٰ حضرت کی بیعت سے مشرف ہوئے اور چند روز ہی میں بیحد متاثر اور مغلوب الحال ہو گئے۔ اپنے اقارب اور متعارفین کی کثیر تعداد کو داخلِ طریقہ کرایا۔ مجازِ طریقت ہوئے مگر اپنی افتادِ طبع اور دیدِ قصوری کی وجہ سے سلسلۂ بیعت جاری نہیں کیا۔ فرمایا کرتے ہیں کہ اعلیٰ حضرت نے مجھے طریقۂ پاک کے مبلّغ کا خطاب دیا تھا۔ حضرت اعلیٰ کے فضائل و کمالات بیان کرنے میں

نہایت شگفتہ گفتار اور خوب باغ و بہار انسان ہیں۔ رسائل و مکتوبات امام ربانی پر کامل عبور ہے۔ اکابر نقشبندیہ کے اسرار و معارف اور علمائے دیوبند کے احوال و آثار کے گویا حافظ ہیں۔ محکمۂ تعلیم سے پنشن پا رہے ہیں۔ آج کل بعض عوارض جسمانیہ کے باعث کمزور و نحیف ہو گئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ انہیں سلامت رکھے۔ بڑی خوبیوں کے بزرگ ہیں۔ یہ ناچیز بھی آپ ہی کی وساطت سے حضرت ثانی کے دستِ مبارک پر بیعت ہوا۔

۱۶۔ حضرت مولانا پیر سید لعل شاہ صاحبؒ

جنڈیر نیازی والا، ضلع جھنگ۔ اعلیٰ حضرت سے مجازِ طریقت ہونے کے بعد فیوضاتِ سلسلہ سے اپنے خطہ کو سیراب کیا۔ عالم ظاہر و باطن تھے۔ رحمہ اللہ تعالیٰ

۱۷۔ مولانا احمد دین صاحب کیلوی (ضلع سرگودھا)

آپ بہت بڑے فقیہ تھے اور معروف عالم دین حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب کے چچا تھے۔ معقول و منقول کے جامع اور حضرت اعلیٰ کے ممتاز خلفاء میں سے تھے۔

۱۸۔ حکیم حافظ حسن پیر صاحبؒ

خوشاب، ضلع سرگودھا۔ ماہر فن حکیم اور صاحب دل درویش تھے۔ نہایت وجیہ، خوش گفتار و خوش کردار۔ حضرت اعلیٰ سے مجازِ طریقت ہوئے اور مقاماتِ عالیہ حاصل کیے۔ حضرت ثانیؒ اور موجودہ حضرت سے بھی رابطۂ روحانی برقرار رکھا۔ حکمتِ ظاہری و باطنی سے خلقِ خدا کو فیض یاب کرکے راہیِ عالمِ بقا ہوئے۔ رحمہ اللہ تعالیٰ

۱۹۔ حضرت مولانا عبدالستار صاحب مدظلہٗ

آپ اعلیٰ حضرت کے قدیم ترین خدام میں سے ہیں۔ ۱۸ سال خدمتِ اقدس میں رہے اور دو مرتبہ کامل سلوک طے کیا۔ حضرت اعلیٰ سے بیعت ہوتے ہی ملاء اعلیٰ، بہشت اور حور و غلمان کا مشاہدہ کیا۔ اس کے بعد روح میں اس قدر لطافت آ گئی کہ مشتبہ کھانا کھا لیتے تو وہ شکم میں نہ ٹھہرتا تھا۔ حضرت اعلیٰ نے جب انہیں اس حال میں دیکھا تو اپنی توجہ سے اس کیفیت کو قدرے کم کر دیا۔

عالمِ شباب میں چیچک کے مرض میں مبتلا ہوئے، جب تمام اطباء علاج معالجہ سے

عاجز آ گئے تو مولانا کی والدہ آپ کو اعلیٰ حضرت کی خدمت میں لے آئیں اور دُعا کی درخواست کی۔ حضرت اعلیٰ نے ان کی والدہ سے فرمایا:

''مت گھبراؤ! عبدالستار ابھی نہیں مرے گا۔ میرے پاس اس کی امانت ہے جو اس کے سپرد کرنا ہے اور اسے ولایت کے مقامات طے کرانے کے بعد مجاز طریقت بنانا ہے۔''

مولانا میں ذوق وشوق، صداقتِ طلب اور جذبۂ خدمت سب بدرجۂ اتم موجود تھے۔ ایک مرتبہ کھولہ شریف میں قیام کے دوران حضرت اعلیٰ نے مولانا سے عشاء کی نماز کے بعد فرمایا: ''عبدالستار! ذرا میانوالی جانا ہے۔'' اس کے بعد آپ خاموش ہو گئے۔ ارشاد کا مفہوم یہ تھا کہ کل تمہیں میانوالی کسی کام کے لیے بھیجیں گے۔ آپ موسمِ سرما کی شدت سے بے نیاز ہو کر رات کی تاریکی میں کھولہ سے میانوالی گئے۔ وہاں ایک مسجد میں نوافل پڑھے اور واپس تشریف لے آئے۔ صبح حضرت اعلیٰ سے فرمایا کہ میں آج رات میانوالی ہو کر آ گیا ہوں۔ حضرت اعلیٰ روئے مبارک کو رومال سے ڈھانپ کر کافی دیر تک ہنستے رہے۔ اس کے بعد فرمایا، بھولے فقیر! کچھ پوچھ تو لیا ہوتا کہ آخر وہاں کیا کام ہے۔

جذبۂ بے اختیارِ شوق دیکھا چاہیے
سینۂ شمشیر سے باہر ہے دم شمشیر کا

مجاز طریقت ہونے کے بعد موضع کچھی والا، ضلع میانوالی تشریف لے گئے اور وہیں رہائش اختیار کی۔ چند سال پیشتر حج بیت اللہ کے لیے گئے۔ ان ایام کا ایک واقعہ قارئین کی ایمان افروزی کا موجب ہوگا۔

مولانا بیت اللہ شریف کا طواف کر رہے تھے۔ حجرِ اسود کا بوسہ لینے میں عالمِ پیری کی ناتوانی حائل تھی۔ اسی کشمکش میں آپ کا ایک خوبصورت رومال بھی گر گیا۔ یکایک ایک دراز قد وجیہ بزرگ تشریف لائے اور حجرِ اسود کو بوسہ دینے میں مولانا کی مدد فرمائی۔ استفسار پر جواب دیا کہ میں ابراہیم خلیل اللہ ہوں، اور رخصت ہو گئے۔

اس رات سیّدنا ابراہیم علیہ السلام نے مولانا کو اپنی زیارت سے مشرف کرنے کے

بعد فرمایا، آپ کا وہ رومال جو طواف کرتے وقت گر گیا تھا، اس وقت حطیم پر رکھا ہوا ہے۔ چنانچہ مولانا نے اپنے معلّم کے ایک خادم کو بھیج کر حطیم سے اس رومال کو منگوالیا۔

اللہ تعالیٰ انہیں درازیٔ عمر بخشے اور ان کے فیوض و برکات سے خلق کو بہرہ ور فرمائے۔ آمین

۲۰۔ مولانا سراج الدین صاحبؒ رانجھا

چاوہ، ضلع سرگودھا۔ علم ظاہر و باطن میں ممتاز اور حضرت اعلیٰ کی طرف سے اجازتِ طریقہ سے سرفراز ہوئے۔ اخلاقِ عظیمہ اور مراتبِ عالیہ کے مالک تھے۔ آپ کے صاحبزادے مولانا حکیم عبید اللہ صاحب خانقاہ شریف سے اخلاص و محبت کے ساتھ وابستہ ہیں۔

۲۱۔ حضرت مولانا نصیر الدین صاحب بگویؒ

بھیرہ، ضلع سرگودھا۔ نہایت جید عالم تھے۔ شغل درس و تدریس تھا۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں باطنی معارف سے بھی حظِ وافر عطا فرمایا تھا۔ اعلیٰ حضرت کی طرف سے مجاز طریقت ہوئے۔ موٹر کے حادثے میں اہلیہ اور چھوٹے بچوں سمیت شہید ہوئے۔ اعلیٰ حضرت کو ان کے انتقال کا سخت صدمہ ہوا تھا۔ پسماندگان میں حاجی افتخار احمد صاحب بگوی اور حکیم برکات احمد صاحب ہیں۔

۲۲۔ حضرت میاں اللہ دتہ صاحبؒ سرگانہ

باگڑ سرگانہ، ضلع ملتان۔ بہت نیک نفس اور صاحبِ کمالاتِ روحانیہ تھے۔ اعلیٰ حضرت سے بیعت ہوئے اور تحصیلِ سلوکِ نقشبندیہ میں سرگرم رہے۔ اجازتِ طریقہ سے ممتاز ہوئے۔

۲۳۔ حضرت فقیر سلطان صاحبؒ سرگانہ

باگڑ، ضلع ملتان۔ آپ حضرتِ اعلیٰ کے بااخلاق متوسلین میں سے تھے۔ کسبِ سلوک اور ذکر و فکر میں ہمیشہ مشتغل رہتے۔ حضرت اعلیٰ کی طرف سے اجازتِ طریقہ کی نعمتِ غیر مترقبہ نصیب ہوئی۔ ہمہ عمر استقامت کی راہ پر گامزن رہے۔

۲۴۔ حضرت مولانا مفتی عمیم الاحسان صاحب مدظلہ العالی

ڈھاکہ، مشرقی پاکستان۔ آپ بحمد للہ صوری و معنوی کمالات کے جامع اور مراتب عالیہ پر فائز ہیں۔ اولاً حضرت برکت علی شاہ صاحبؒ (کلکتہ) سے بیعت ہوئے، مگر تھوڑے عرصے بعد ہی شیخ کا وصال ہو گیا۔ اس کے بعد اعلیٰ حضرت سے رابطۂ باطن استوار کیا اور سلسلۂ عالیہ نقشبندیہ مجددیہ کی خلافت سے بہرہ یاب ہوئے۔ مدرسہ عالیہ ڈھاکہ کے پرنسپل اور بیت المکرم کے خطیب ہیں۔ عمرہ اللہ تعالیٰ وابقاہ۔

۲۵۔ حضرت مولانا مہر دین احمد صاحبؒ

ڈھاکہ، مشرقی پاکستان۔ آپ بھی مرتبہ کمال و تکمیل کو پہنچ کر مجاز طریقت ہوئے اور اپنے حلقۂ اثر میں ترویج طریقہ فرما کر فیض اکابر جاری فرمایا۔

۲۶۔ حضرت علی بہادر صاحب

آپ بلہنگ بالا، متصل مانسہرہ کے رہنے والے تھے۔ ابتدائی ایام رہزنوں کے ساتھ بسر ہوئے، مگر وہ جوہر فطرت جو قاسم ازل نے انہیں ودیعت کیا تھا آخر کار چمکا اور اعلیٰ حضرت کے دست حق پرست پر سابقہ زندگی کے رذائل سے تائب ہوئے اور بیعت کی۔ قدیم ترین ارادتمندوں میں سے تھے جس کے باعث آپ ان سے بہت زیادہ مانوس تھے۔ اجازت طریقہ سے مشرف ہوئے۔

۲۷۔ عالی جناب ڈاکٹر محمد شریف صاحب قدس سرہٗ

ضلع جموں۔ آپ اعلیٰ حضرت کے ممتاز متوسلین اور خلفاء میں سے تھے۔ محکمہ صحت میں ملازم رہے۔ پھر ملازمت چھوڑ کر خاکسار تحریک میں شامل ہونے۔ اس کے بالمقابل بھیرہ میں علماء کی تحریک فوج محمدی (صلی اللہ علیہ وسلم) شروع ہوئی تو وہاں معلومات حاصل کرنے کی غرض سے پہنچے۔ مولانا ظہور احمد صاحب بگوی سے ملاقات ہوئی۔ ان کی وساطت سے داخل طریقہ ہوئے اور خلافت پائی۔ حضرت اعلیٰ کے وصال کے بعد حضرۃ ثانی سے تجدید بیعت کی اور اُن کے بعد موجودہ حضرت کے حلقۂ ارادت میں شامل رہے۔ سندیاں میں رہائش پذیر تھے۔ مرض الموت میں خانقاہ شریف آ کر حضرت شیخ کی خدمت

میں اقامت گزیں ہوئے اور یہیں رحمتِ الٰہی نے انہیں اپنی آغوش میں لے لیا۔ احاطہ مزاراتِ متبرکہ میں مدفون ہوئے۔ رحمہ اللہ تعالیٰ ونور مرقدہٗ

۲۸۔ جناب مستری ظہور الدین صاحبؒ

مالیر کوٹلہ۔ آپ اعلیٰ حضرت کے مخلص اور باکباز مریدوں میں سے تھے۔ پیشہ معماری تھا۔ تعمیر مسجد خانقاہ میں پورا پورا حصہ لیا۔ آپ کا ذکر بہ سلسلۂ کراماتِ حضرت اعلیٰ ''تحفۂ سعدیہ'' میں موجود ہے۔ مجاز طریقت ہوئے۔ انہی کی وساطت سے مفتی عبدالغنی صاحب اور مولانا نذیر عرشی صاحب کو سلسلۂ عالیہ میں داخل ہونے کی سعادت نصیب ہوئی۔ رحمہ اللہ تعالیٰ

۲۹۔ حضرت مولانا نور احمد صاحب

ساکن وجہ خیل، ضلع میانوالی۔ آپ جید علمائے کرام میں سے تھے۔ اعلیٰ حضرت کی خدمت میں تفصیلی سلوک طے فرمایا اور شرفِ اجازت سے ممتاز ہوئے۔ نہایت سادہ مزاج اور باکمال بزرگ تھے۔ کچھ عرصہ مدرسہ عربیہ سعدیہ خانقاہ شریف میں درس بھی دیتے رہے۔ اعلیٰ حضرت، حضرت ثانیؒ اور موجودہ حضرت سے رابطۂ روحانی استوار رکھا۔ صبر و قناعت اور توکل کا مجسمہ تھے۔ رحمہ اللہ تعالیٰ

۳۰۔ جناب حاجی عبدالوہاب صاحب

تاجر چرم کانپور و کلکتہ۔ آپ کلکتہ کے ایک دولت مند تاجر تھے۔ شاہ عبدالسلام صاحب کے حسنِ ارشاد سے متوجہ خانقاہ سراجیہ ہوئے اور شرفِ بیعت حاصل کیا۔ کچھ عرصہ بعد کاروبار بھائیوں کے سپرد کر کے تحصیلِ سلوک کے لیے خانقاہ شریف میں مستقل طور پر قیام پذیر ہو گئے اور نہایت استقامت و اخلاص کے ساتھ منازلِ سلوک طے کیں۔ حاجی صاحب ممدوح کی عالی ہمتی سے قدیم مسجد نے موجودہ وسیع اور شاندار مسجد کی صورت اختیار کی۔ فرش بیرونی، پلاستر اور نقش نگاری کا کام باقی رہ گیا تھا کہ اعلیٰ حضرت کی وفات ہو گئی اور مزید تعمیر رک گئی۔ آپ اجازتِ طریقہ سے سرفراز ہوئے۔

۳۱۔ جناب میاں محمد قریشی صاحب لائل پوری

نہایت سادگی پسند اور منکسر المزاج تھے۔ حضرت ثانی کی خدمت میں کامل سلوک طے کیا۔ حضرت ثانی فرمایا کرتے تھے کہ جب وہ خانقاہ شریف آئے تو انہیں منازل سلوک پر عبور تھا اور مقامات نقشبندیہ مجددیہ کے مزید فیوض و برکات حاصل کرنے کے آرزومند تھے۔

۳۲۔ ملک اللہ یار صاحب

بعصب رواں ضلع میانوالی۔ اپنے علاقے کے بہت بڑے رئیس تھے اور ثانی حضرت کے قدیم متوسلین میں سے تھے۔ سلوک مجددیہ میں پایۂ کمال و تکمیل کو پہنچے اور اجازت سے سرفراز ہوئے۔ اپنے معمولات و مشاغل پر ہمیشہ سختی سے کاربند رہے۔ خانقاہ شریف سے تعلق پیدا کرنے کے سلسلہ میں اکثر حضرات کی رہنمائی کی۔ رحمہ اللہ تعالیٰ

۳۳۔ جناب مستری نیاز احمد صاحب مدظلہ

مالیر کوٹلہ۔ آپ اعلیٰ حضرت قدس سرہٗ کے جاں نثار اور مخلص ارادتمندوں میں سے ہیں۔ پیشہ ظاہری معماری ہے۔ اعلیٰ حضرتؒ کی فیض صحبت سے تعمیر ظاہر کے ساتھ تعمیر باطن کا کمال بھی حاصل کیا۔ خانقاہ پاک کی اولین چھوٹی مسجد کی تعمیر میں مستری ظہور الدینؒ کے ساتھ بڑھ چڑھ کر کام کیا۔ بعد ازاں موجودہ مسجد کبیر کی تعمیر میں بھی قابل قدر حصہ لیا، بلکہ ۱۹۶۵ء کی جنگ پاکستان و بھارت کے وقت آپ خانقاہ شریف آئے ہوئے تھے اور حضرت مولانا ابوالخلیل خان محمد مدظلہ العالی کی سرپرستی اور نگرانی میں مسجد کے پلاستر اور زینت کاری کا کام ہو رہا تھا، اس میں بھی آپ نے حصہ لیا۔ اعلیٰ حضرت قدس سرہٗ کی طرف سے مجاز طریقت ہوئے اور مالیر کوٹلہ اور اس کے اطراف و جوانب میں اشاعت طریقہ کی خدمت وسیع پیمانے پر انجام دے رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ سلامت باکرامت رکھے۔ آمین

بسم الله الرحمن الرحيم

إِذَا ضَاقَ صَدْرِيْ عَنْ مَكَائِدِ حُسَّدٍ
أَوِ ارْتَاعَ قَلْبِيْ مِنْ مُحَاسَبَةِ الْغَدِ
أَوَيْتُ إِلَى غَوْثِيْ وَ غَيْثِيْ وَ قُدْوَتِيْ
مَلَاذِيْ وَ مُنْتَهِيْ أَبِي السَّعْدِ أَحْمَدِ

رسالہ

تحفۂ سعدیہ

ملقب بہ

عدۃ ایام عند الشیخ الہمام

یعنی

قدوۃ السالکین، زبدۃ العارفین، قیوم زماں، قطب دوراں۔

سیدنا و مرشدنا حضرت مولانا ابو السعد احمد خاں

نقشبندی مجددی ادام اللہ فیوضہ

کے احوال طیبہ و اقوال متبرکہ

مؤلفہ

مرزا نذیر عرشی مرحوم

نقشہ ریلوے پنجاب

حضور حضرت صاحب مدظلہم العالی کی خانقاہ، کندیاں جنکشن سے ڈھائی میل[1] کے فاصلے پر واقع ہے۔ پنجاب کے کسی مقام سے کندیاں کی طرف سفر کرنے کا راستہ اس نقشے سے معلوم ہوگا اور کندیاں سے آگے خانقاہ تک پہنچنے کا راستہ اس کتاب کے صفحہ ۱۸۹ پر حاشیہ میں درج ہے۔
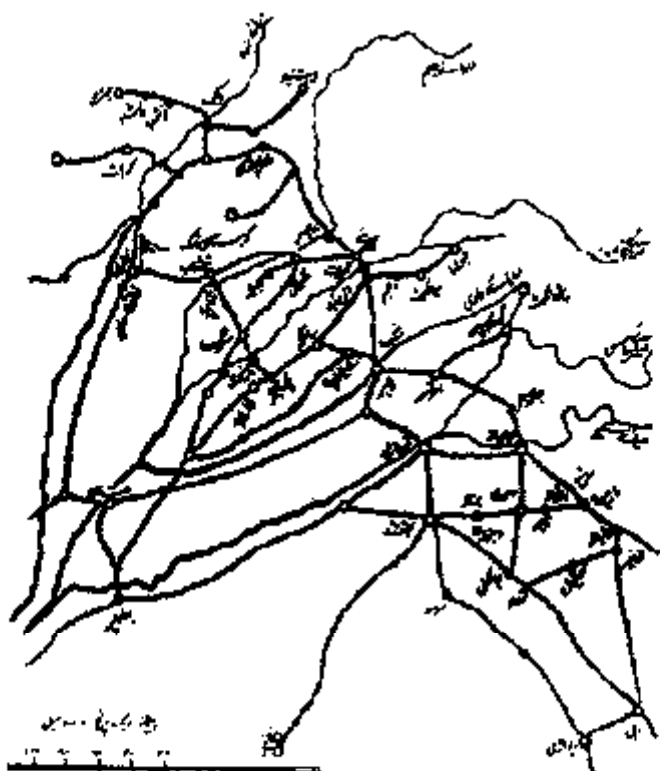
ا۔ اب ۱۹۹۰ء سے بہ سعی حضرت شیخ وقت مولانا ابوالخلیل خان محمد صاحب قریباً چھ سات فرلانگ کے فاصلے پر خانقاہ سراجیہ کے نام سے سٹیشن قائم ہو چکا ہے، جہاں تمام گاڑیاں ٹھہرتی ہیں۔ (محبوب الٰہی عفی عنہ)

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْم۔
نَحْمَدُہٗ وَنُصَلِّیْ عَلٰی رَسُوْلِہِ الْکَرِیْم۔

غفلت شعار انسان ہمیشہ دنیوی ساز وسامان کو زندگی کا مقصد اوّل سمجھتا ہے اور اس کی فراہمی اس کے نزدیک ایک اعلیٰ خوش قسمتی ہے۔ مگر جب بفضل خدا حق بینی کی آنکھیں کھل جاتی ہیں تو ظاہر ہوتا ہے کہ ذٰلِکَ مَتَاعُ الْحَیٰوۃِ الدُّنْیَا اور ساتھ ہی معلوم ہو جاتا ہے کہ وَمَا ھٰذِہِ الْحَیٰوۃُ الدُّنْیَآ اِلَّا لَھْوٌ وَّلَعِبٌ. پھر دل کو ماننا پڑتا ہے کہ نہ اس متاع دنیا کا حصول کوئی سچی خوش قسمتی تھی اور نہ اس سے مستفید ہونا کوئی حقیقی کامرانی، بلکہ ابھی دامن مراد سچی خوشی اور حقیقی کامرانی کے متاع گرانمایہ سے خالی ہے۔

خوش قسمتی کا پہلا دن

اللہ تعالیٰ کا اتنا فضل وکرم میرے شامل حال ضرور رہا ہے کہ جو قلب مدت العمر ہجوم آمال[1] واژدحام امانی[2] کا میدان بنا رہا ہے، اس میں وقتاً فوقتاً اَؤُنَبِّئُکُمْ بِخَیْرٍ مِّنْ ذٰلِکُمْ کی دھیمی سی آواز اٹھتی رہتی تھی۔ اور جو قلب ہمیشہ تجاذب ہوسات اور تزاحم وساوس کا مرکز بنا رہا ہے اور جس پر غفلت وغرور کے توبرتو حجابات پڑے رہے ہیں، قوت ایمانی اس کے کان میں یہ تنبیہی کلمات برابر ڈالتی رہی کہ وَلَلْاٰخِرَۃُ خَیْرٌ لَّکَ مِنَ الْاُوْلٰی.

آخر وہ وقت آگیا کہ خیر وسعادت کی اس درماندہ ومضمحل قوت کو اکسانے اور شرو شقاوت کی بڑھتی ہوئی طاقت کو دبانے کا کوئی منجانب اللہ سامان ہو۔ میں اس وقت کو اپنی زندگی بھر میں خوش قسمتی کا پہلا دن سمجھتا ہوں۔

یہ وہ دن تھا جب برادر طریقت مستری ظہور الدین صاحب[3] کا ایک خط جو میں

۱۔ آمال جمع امل بمعنی امید ۲۔ امانی جمع امنیہ بمعنی آرزو

۳۔ اعلیٰ حضرت کے مخلص خدام میں سے ہیں۔ پیشہ معماری تھا اور وطن ملیر کوٹلہ۔ صاحب احوال بزرگ تھے۔ واردات کثیر تک سلوک طے کرنے کے بعد اجازت سے بہرہ ور ہوئے۔

مضمون مجھے ملا کہ عالی حضور حضرت (مرشدنا و مولانا ابوالسعد احمد خاں) صاحب دامت برکاتہم کوٹلہ[1] تشریف فرما ہیں۔ تمہیں حاضر ہو کر ضرور بہرہ مند ہونا چاہیے۔

اگلے روز میں کوٹلہ کی طرف روانہ ہوا تو موٹر پر سوار ہوتے ہی جس وجدانی کیفیت کا مجھے احساس ہوا، صفحۂ کاغذ پر اُن کا نقشہ کھینچنا مشکل ہے۔ دھولہ، برنالہ[2] بھی وہی پامال سڑک، جس پر روز آنا جانا رہتا ہے، آج معلوم نہیں اس کا اتصال کس جنۃ النعیم سے تھا کہ عطر بیز ہوائیں برابر میرے مشامِ روح کو معطر کر رہی تھیں۔

نسیم کوئے تو از لطفِ میبرد ہر دم
غمے کہ بر دلِ ایں جانِ فگار می گزرد

مقصد سفر آنکھوں کے سامنے متمثل تھا۔ دنیوی زندگی کی لایعنی دل بستگیاں، جن کے نشے میں قلب سرشار تھا، اب بے بود و بے سود نظر آتی تھیں اور کائناتِ عالم کے ہر ذرّے سے آخر فنا آخر فنا کی آواز سنائی دیتی تھی۔ دل فرطِ رقت سے بھر آیا۔ آنکھوں نے آنسوؤں کا تار باندھ دیا اور پاس والوں سے اخفائے حال میرے لیے مشکل ہو گیا۔

دلم کہ مہر تو از غیر تو نہاں میداشت ۔۔۔ ببیں کہ دیدہ و کند فاش پیش یاران ش

قصہ مختصر، جذبۂ ارادت نے مجھے دربارِ سعادت میں پہنچا دیا اور وہاں نے باور کرلیا کہ جس نادیدہ و ناشنیدہ منزلِ مقصود کے لیے میں برسوں سے سرگرمِ سعی تھا، وہ یہی تھی۔ دوسرے دن احباب کی سفارش سے انتساب سلسلہ کی دولت سے متمتع ہوا اور حضرت المرشد کی پہلی ہی نگاہِ التفات نے قلبِ ہائم[3] کو اطمینانِ دائم بخش دیا۔ میرے یہ دو شعر اسی ساعت کی یادگار ہیں:

بشہرِ کوٹلہ مردے بدیدہ ام کہ مپرس ۔۔۔ بجانِ خویش کسے برگزیدہ ام کہ مپرس
چہ روزہا بسر آمد مرا بہ تشنہ لبی ۔۔۔ کنوں بآبِ حیاتے رسیدہ ام کہ مپرس

پیچھے وطن میں ایک مسجد کی توسیع و تعمیر کا کام چھیڑ رکھا تھا اس لیے جلدی اجازت لے

۱۔ یعنی مالیر کوٹلہ، جو بعہدِ انگریزی با اختیار مسلمان ریاست تھی۔

۲۔ از مواضعات ریاست نابھہ ۳۔ ہائم بمعنی سرگرداں

عوام میں اس کا نام "مولوی صاحب کا کھوہ"[1] مشہور ہے۔

۲۳ر شوال ۱۳۵۰ھ کی تاریخ اور چہار شنبہ کا دن تھا کہ خداوند تعالیٰ کے فضل و کرم سے اس غریب الوطن کو اپنے مرشدِ کامل کے متبرک وطن کی خاک پاک پر سجدۂ شکر بجالانے کا شرف حاصل ہوا۔ وہاں پہنچ کر——

کیا دیکھا؟

بقعۂ مہبطِ انوار ز یزداں دیدم — خطۂ موردِ الطاف ز رحماں دیدم
چہ مقامیکہ بود سدرہ و ہم طوبیٰ را — سایہ دار از کرمِ غیب و گل افشاں دیدم
چہ مقامیکہ ز انوارِ کمالات او را — چوں نگیں زیب دہِ خاتمِ کیہاں دیدم
از بہار چمنِ شرع و ریاحینِ سلوک — لوحش اللہ چہ شاداب گلستاں دیدم
شرع با عشق چناں یافتہ پیوند اینجا — بازیٔ شیشۂ مینائی و سنداں دیدم
بسکہ پیوستہ رود بحث ز قرآن و خبر — فی المثل درسِ گہِ مالکؒ و نعمانؒ دیدم
تازہ اینجاست چناں مجلسِ اربابِ حکم — گرد خجلت بہ رخ حکمتِ یوناں دیدم
فیض گیراں کہ ز اکناف درینجا جمع اند — متحد جملہ بہم صورتِ اخواں دیدم
ہندی و سندی و پنجابی و بنگالی را — از سرِ صدق بہم یکدل و یکجاں دیدم
علما را کہ نجوم اند ز افلاک علوم — بہرہ اندوز ازیں مکتب "احساں" دیدم
عامیاں را کہ نخوانند الف با تا جز — واقف و کاشفِ ہر نکتۂ پنہاں دیدم

1۔ حضور سلمہٗ کی عام شہرت اس خطے میں مولوی صاحب کے لقب سے ہے۔ آپ کا اصلی وطن یہاں سے پانچ میل کے فاصلے پر ایک گاؤں بنام "کھولہ" برلب دریائے سندھ تھا۔ اسی نسبت سے آپ کو اب تک کھولے والے حضرت بھی کہتے ہیں۔ آج سے دس بارہ سال پیشتر وہ گاؤں دریا بُرد ہونے لگا تو تمام باشندوں نے ہجرت اختیار کی۔ حضور نے بھی وہاں سے نقل اقامت کرکے اس مقام پر، جو آپ کی اراضی زرعی میں واقع ہے، ایک کنواں کھدوا کر مکانات تعمیر کرائے اور یہاں سکونت اختیار کی۔ یہی خانقاہ سراجیہ مجددیہ یا مولوی صاحب کا کھوہ ہے۔

ز مساوات چہ گسترده بساط است اینجا — در تنِ شاہ نشیں مور و سلیماں دیدم

بسکہ ہر قلب و دماغ مست پر از ذکرِ خدا — قلقلِ خم خدا عرغنہ نسیاں دیدم

نازکاں را کہ نسازند بہ بستانِ نعیم — شاد و مسرور دریں خشک بیاباں دیدم

عقدہ با تحلیہ از ناخنِ دانش کندست — بخیۂ مشکل و آساں تر از آساں دیدم

توسنِ نفس کہ نادرہ گہے زور بسداد — زار چوں خرِ مسکیں تہ پالاں دیدم

ہر دلے را کہ بود پارۂ سنگ و آہن — اندریں رشتہ نے مہرۂ رقصاں دیدم

اندریں ریگِ رواں رودِ معارف جاری ست — الغرض ایں خطۂ تھل را یمِ عرفاں دیدم

تا کجا خوبیِ ایں بقعہ شمارد عرشی
زاں کہ آید بگماں نیز فراواں دیدم

یہ اجمال تھا خانقاہ شریف کے ان احوال و کیفیات کا جو وہاں میرے ادراک میں آئیں۔ صرف ذوقِ طبع متقاضی ہوا کہ ان کو اپنی محدود لیاقت کے موافق شعری آب و رنگ میں پیش کروں، ورنہ حق یہ ہے کہ جمالِ معنیٰ لفظی و عبارتی تکلفات کے حجاب میں نہ چھپایا جائے اس لیے اب میں اس اجمال کی تفصیل سادہ و بے تکلف عبارت میں لکھتا ہوں۔[1]

1۔ میری تحریرات کے مآخذ دو امر ہیں، ایک میرے خود اپنے مشاہدات و محسوسات، دوسرے حضرت المرشد کے ارشادات و ملفوظات۔ مگر افسوس کہ میں موخر الذکر ماخذ سے کماحقہ استفادہ نہیں کر سکا۔ جس کی کئی خاص وجوہ میں سے ایک خطۂ تھل کی بولی کی اجنبیت اور ساتھ ہی میری سماعت کی کمزوری بھی ہے، اس لیے میں حضرت کے ارشادات میں سے عشرِ عشیر بھی نہیں لکھ سکا۔ ورنہ میرے صرف یک ماہہ قیام میں بھی اس قدر نکاتِ نادرہ اور اسرارِ نفیسہ بیان ہوئے ہیں کہ اگر ان سب کو قلم بند کیا جا سکتا تو ایک ضخیم کتاب مرتب ہو جاتی۔ اس سے یہ بھی قیاس ہو سکتا ہے کہ جو لوگ برسوں سے حضور کی صحبت سے مستفید ہو رہے ہیں وہ اگر آپ کے احوال و اقوال کو لکھتے تو آج کس قدر عظیم الشان دفتر تیار ہو سکتا تھا۔

حالاتِ خصوصیہ، عاداتِ مرضیہ اور معمولاتِ یومیہ

حضرت المرشد کی عمر شریف میرے اندازے میں پچپن اور ساٹھ سال کے درمیان[۱] ہے مگر قواء بہت اچھے ہیں۔ قد متوسط مائل بہ بلندی، جسم مبارک بھاری بھر کم۔ قومیت سے شریف النسب راجپوت۔[۲] بزرگوں کا پیشہ زمینداری اور گاؤں کی سرداری۔ اپنے خاندان میں سب سے پہلے آپ ہی ہیں جنہوں نے علمی کمالات کا علم نصب کیا اور مدارج سلوک طے کر کے مسند ارشاد بچھائی۔ پنجاب و ہند میں مختلف مقامات[۳] سے علم حاصل کیا اور بقیہ عمر فقیہانہ و محدثانہ تحقیق اور ارشاد و تلقین کے لیے وقف کر دی۔

عام انداز رعب و وقار کا مظہر ہے۔ مجلس میں آپ خاموش ہوں (مجالس حضرات نقشبندیہ کی اصل وضع سکوت پر ہوا کرتی ہے اسی لیے اس کو مجلسِ سکوت کہتے ہیں اور یہ سکوت اہلِ مجلس کے لیے افادہ و استفادہ کا سامان بہم پہنچاتا ہے۔ مفتی عطا محمد) تو عام خاموشی چھا جاتی ہے اور کسی کو بولنے کی جرأت نہیں ہوتی۔ کچھ ارشاد فرمائیں تو ہر شخص کی قوتِ سامعت اور زبانِ تکلم آمادہ تسابق ہوتی ہے کہ مجھے شرفِ تخاطب حاصل ہو۔ خوشی[۴] میں

۱۔ آپ کی تاریخ وفات ۱۲ رصفر ۱۳۹۰ھ ہے اور عمر مبارک ۶۳ سال، اس لحاظ سے بوقتِ حاضری عرشی صاحب ۱۳۵۰ھ میں آپ کی عمر ۵۳ سال کی ہوتی ہے۔ (محبوب الٰہی عفی عنہ)

۲۔ ٹکوکر راجپوت

۳۔ (۱) موضع سیل سٹیشن گھنڈی، ضلع میانوالی، (۲) بندھیال، (۳) چکڑالہ، (۴) مراد آباد، (۵) کانپور۔ تفصیل سوانح سعدیہ میں دی جائے گی۔ انشاء اللہ (محبوب الٰہی عفی عنہ)

۴۔ **ولربما ضحک صلی اللّٰہ علیہ وسلم حتی تبدو نواجذہ و کان ضحک اصحابہ عندہ التبسم، اقتداءً بہ و توقیراً لہ۔** یعنی: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اکثر تبسم فرماتے تھے کہ آپ کے دندان مبارک ظاہر ہو جاتے اور آپ کے پاس آپ کی اقتدا میں اور آپ کی توقیر کے لیے صحابہ کا ہنسنا بھی تبسم میں ہوتا تھا۔ (احیاء)

آکر کوئی لطیفہ فرمائیں تو چہروں کی شگفتگی سے مجلس ایک گلشن بن جاتی ہے۔ کوئی سنجیدہ تقریر فرمائیں تو سامعین پیکرِ ادب ہوتے ہیں۔

اس عظمت و وجاہت کے باوجود اپنی تعظیم اور بزرگانہ نمائش کا خیال مطلق نہیں، بلکہ اس سے نفرت ہے اور آپ کے کمالات کی سربلندی کی ایک شان یہ بھی ہے کہ تواضع وانکسار[1] کا سر خدام[2] کے سامنے بھی بلندی نہیں چاہتا۔ نمونہ کے لیے چند واقعات گزارش ہیں۔

نماز جماعت کے لیے آپ اس وقت مسجد میں تشریف لاتے ہیں کہ سب نمازی سنتوں سے فارغ ہوتے ہیں۔ اور عملاً وعادتاً گھر کی دہلیز مبارک سے آپ کا نمودار ہونا گویا اقامتِ نماز کا پیغام ہوتا ہے۔ چنانچہ آپ کو دیکھتے ہی نمازیوں میں صف بندی کے لیے ایک ہلچل سی پڑ جاتی ہے۔ ایک دن ظہر کی نماز کے لیے تشریف لائے تو آپ کی نظر خاکسار پر پڑی جو باہر صحنِ مسجد میں سنتوں کی آخری رکعت پڑھ رہا تھا۔ آج آپ خلافِ معمول آکر چٹائی پر بیٹھ گئے۔ بندہ سنتوں سے فارغ ہوا تو پھر جماعت کے لیے کھڑے ہوئے۔

آپ کی خاص نشست گاہ کا خوشنما کمرہ تسبیح خانہ کہلاتا ہے، جس میں قالین کا فرش بچھا ہے۔ اس کے اگلے پہلو میں درویش خانہ کا وسیع کمرہ ہے جو کچی عمارت[3] ہے۔ اس میں ایک چٹائی بچھی ہے اور دیواروں سے لگی ہوئی ذاکرین کی چارپائیاں پڑی رہتی ہیں۔ آپ

۱۔ کان رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم اشد الناس تواضعاً واسکتھم فی غیر کبر۔ یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سب لوگوں سے زیادہ متواضع اور زیادہ خاموش تھے بغیر تکبر کے۔ (احیاء)

۲۔ وکان لرسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم عبید و اماء لا یرتفع علیھم فی ماکل و ملابس۔ یعنی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے غلام اور لونڈیاں تھیں۔ آپ کھانے پینے میں ان سے برتری اختیار نہیں فرماتے تھے۔ (احیاء)

۳۔ ابتداً یہ عمارات خام تھیں۔ بعد میں ان کو منہدم کر کے جدید پختہ تعمیرات، جو اب موجود ہیں، بنائی گئیں۔ (محبوب الٰہی عفی عنہ)

خدام و ذاکرین کی خاطر نوازی و دل افزائی کے لیے کبھی کبھی اس کمرے میں بھی تشریف لاتے ہیں اور اسی شکستہ و گرد آلود چٹائی پر بلا تکلف بیٹھ کر حاضرین کو اپنے ارشادات سے مستفیض فرماتے ہیں۔

راقم اور مولوی عبداللہ صاحب لدھیانوی[1] ضلع دیوبند (جو حضرت کے ایک خادم خاص ہیں) کتب خانہ میں دو الگ چٹائیوں پر بیٹھے فہرست کتب مرتب کیا کرتے تھے۔ ایک دن حضرت ہمارے کام کا معائنہ فرمانے کے لیے تشریف لائے تو قبل اس کے کہ ہم میں سے کوئی اپنی چٹائی آپ کی نشست کے لیے خالی کرنے کا موقع پائے، آپ آتے ہی بلا تامل نیچے بیٹھ گئے۔[2]

ایک روز آپ تسبیح خانے میں کسی کتاب کا مطالعہ فرما رہے تھے۔ میں اور چند دیگر اشخاص حلقہ بستہ پاس بیٹھے تھے، ابر چھایا ہوا تھا، ناگہاں بارش ہونے لگی تو آپ باہر سے اپنی جوتی اٹھا لانے کے لیے خود ہی اٹھے اور اس عجلت کے ساتھ اٹھ کر باہر نکلے کہ کسی دوسرے خادم کو اس کام کے لیے مسابقت کا موقع نہ مل سکے۔[3]

درویش خانہ کے سامنے ایک چارپائی پڑی رہتی ہے۔ کبھی کبھی آپ چہل قدمی فرماتے ہوئے تشریف لاتے ہیں تو تھوڑی دیر کے لیے اس چارپائی پر بیٹھ جاتے ہیں۔

۱۔ مولوی عبداللہ صاحب حضرت کے ایک خلیفہ مجاز دارالعلوم دیوبند کے سند یافتہ فاضل، نہایت خوصلہ مند و صالح نوجوان ہیں۔ قصبہ سیم پور سدھوان ضلع لدھیانہ وطن ہے۔ بعد میں جن کو اعلیٰ حضرت نے خود اپنا جانشین از روئے وصیت نامہ نامزد فرمایا۔

۲۔ ما عاب رسول اللّٰه صلّی اللّٰه علیه وسلّم مضجعاً ان فرشوا له اضطجع وان لم یفرش له اضطجع علی الارض. یعنی: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی کسی خواب گاہ سے نفرت نہیں کی۔ اگر آپ کے لیے فرش بچھا دیا گیا تو اس پر لیٹ گئے، ورنہ زمین پر ہی لیٹ گئے۔ (احیاء)

۳۔ کان رسول اللّٰه صلّی اللّٰه علیه وسلّم یخدم نفسه. یعنی: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنا کام خود کر لیتے تھے۔ (شرح شفا قاضی عیاض)

ایک دن جب آپ حسب معمول تشریف لائے تو کئی خادم اور زائر بھی استفادۂ صحبت کے لیے حاضر ہوگئے۔ آج ان لوگوں کی رعایت سے آپ چارپائی پر تشریف فرما نہیں ہوئے، بلکہ بلا تکلف نیچے زمین پر ہی بیٹھ گئے، جہاں صاف ستھری بالو کا قدرتی فرش بچھا ہوا ہے۔[1]

ایک سفر میں مَیں بھی ہمراہ تھا۔ آپ وضو کے لیے بروقت پانی اور نماز کے لیے کافی جگہ پانے کے لیے عموماً سیکنڈ کلاس میں سوار ہوتے ہیں۔ اسباب بھی آپ ہی کے پاس رکھا ہوتا ہے۔ راستے میں جس قدر مقامات پر گاڑی سے اترنے کا موقع ہوتا، آپ ہم لوگوں کے پہنچنے کا انتظار کیے بدوں بعجلت خود ہی تمام اسباب اٹھانے اور نیچے اتارنے لگتے اور خدام کا ایک جم غفیر پہنچ جانے کے باوجود کچھ نہ کچھ بوجھ خود اُٹھا لے چلنے پر اصرار فرماتے۔ خوشاب کے ریلوے سٹیشن پر آپ بار بار فرماتے تھے، صاحبو! کچھ میرے بغل[2] میں بھی تو دو۔ بھیرہ سے بھلوال تک موٹر میں سفر کیا۔ جب موٹر سٹیشن[3] پر جا کر ٹھہری تو آپ بعجلت سب سے پہلے اترے اور خود اسباب پکڑ پکڑ کر نیچے رکھنا شروع کیا۔ ہم لوگوں نے ہر چند اصرار کیا مگر آپ اس کام سے دستبردار نہ ہوئے اور فرمایا، ''ہمارے حضرت مرحوم[4] باوجود یکہ بہت بڑے مشائخ میں سے تھے، مگر سفر کی زحمت اٹھانے اور رفقاء کا ہاتھ بٹانے میں بڑے مستعد

۱۔ ابن عمر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ دخل علی (صلی اللّٰہ علیہ وسلم) فالقیت له وسادة من ادم حشوها لیف مجلس علی الارض و صارت الوسادة بینی و بینه. الخ۔ یعنی: ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میرے ہاں تشریف لائے تو میں نے آپ کے لیے ایک چمڑے کا گدا ڈال دیا جس میں کھجور کے پتے بھرے تھے تو آپ زمین پر بیٹھ گئے اور گدا میرے اور آپ کے درمیان پڑا رہا۔ (بخاری، کتاب الصوم)

۲۔ ایک سفر میں کھانا تیار نہ تھا۔ تمام صحابہؓ نے مل کر کھانا پکانے کا سامان کیا۔ لوگوں نے ایک ایک کام بانٹ لیا۔ جنگل سے لکڑی لانے کا کام آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ذمے لیا اور فرمایا، مجھے یہ پسند نہیں کہ تم میں سے اپنے کو ممتاز کروں۔ (زرقانی)

۳۔ یعنی موٹر اڈہ

۴۔ خواجہ سراج الدین قدس سرہ

اور بڑے طاقتور تھے۔" پلیٹ فارم پر پہنچ کر ایک بنچ پر آپ کے لیے کپڑا بچھا دیا گیا جس پر آپ تشریف فرما ہوئے اور دوسرے رفقاء کے لیے ایک چادر زمین پر بچھائی گئی۔ آپ فوراً بنچ سے اتر کر چادر پر آ بیٹھے اور فرمایا: رفیقوں کے برابر بیٹھنا ٹھیک ہے۔[۱] ملک وال کے اسٹیشن پر آپ کا اسباب قلی کے سر پر تھا۔ میں اپنا چھوٹا سا سوٹ کیس اور بستر خود اُٹھائے لیے جا رہا تھا تو آپ نے لپک کر بستر مجھ سے لے لیا۔ میں نے واپس لینے پر اصرار کیا مگر نہ دیا۔ آخر از راہِ ادب چپ ہو رہا۔ اب آگے آگے آپ میرا بستر بغل میں دبائے تشریف لے جا رہے ہیں[۲] اور پیچھے پیچھے میں عرق انفعال میں شرابور چلا جا رہا ہوں۔

کم نشد در سربلندی فیض ما چوں آفتاب
سایۂ ما بیش شد چندانکہ بالاتر شدیم

اتباعِ کتاب و سنت

ہر چند شریعت[۳] اور طریقت ایک ہی مقام مقصود کی دو منزلیں، یا ایک ہی حقیقت

۱۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صحابہؓ کے ساتھ بیٹھتے تو اس طرح بیٹھتے کہ امتیازی حیثیت کی بنا پر کوئی آپ کو پہچان نہ سکتا۔ (شمائل ترمذی)

۲۔ خباب ابن ارت رضی اللہ عنہ ایک غزوہ پر گئے ہوئے تھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ان کے پیچھے ہر روز ان کے گھر جاتے اور دودھ دوہ دیا کرتے۔ (ابن سعد، جلد ششم)

۳۔ قولہ "ہر چند شریعت و طریقت ایک ہی مقام کی دو منزلیں ہیں" یہ قول بربنائے مشہور بر طریق عوام ذکر کر دیا گیا ہے ورنہ حقیقت کا رد وہ ہے جو حضرت امام ربانی مجدد الف ثانیؒ نے اپنے اس ارشاد میں ظاہر فرمائی ہے۔ شریعت و حقیقت عین یکدیگر اند و در حقیقت از یکدیگر جدا نیستند فرق اجمال و تفصیل است و استدلال و کشف است و غیبت و شہادت است و تعمل و عدم تعمل است۔ الخ (مکتوب نمبر ۴۳، دفتر اول) نیز مکتوب نمبر ۳۶، ۴۰، دفتر اول میں ہے: شریعت متکفل جمیع سعادات دنیویہ و اخرویہ است و مطلبے نیست کہ در حصول آں بماورائے شریعت احتیاج افتد... شریعت را سہ جزو است علم و عمل و اخلاص... طریقت و حقیقت کہ صوفیہ بآں ممتاز اند ہر دو خادم شریعت اند در تکمیل جزو ثالث کہ اخلاص است... الخ۔ (مفتی عطا محمد و فقیر محبوب الٰہی عفی عنہما)

شریف میں تھے۔ حضرت مجدد صاحب کے روضۂ اطہر پر نعت خوانی ہو رہی تھی۔ آپ نے چند بے ریش لڑکوں کو تغنی و ترنم کے ساتھ نعتیں پڑھتے دیکھا تو اس پر اعتراض فرمایا۔ سجادہ نشین نے کہا، پڑھنے والے مرد ہیں اور مردوں کے ساتھ ان کا تکلم واختلاط روا ہے۔ پھر ان کی نعت خوانی میں کون سی وجہ کراہت[1] یا حرمت ہوگی۔ آپ نے اس کراہت کا ثبوت خود مکتوبات مجددیہ[2] سے پیش فرمایا۔ سجادہ نشین نے حضرت مجدد صاحب کے قول پر سر تسلیم خم کر دیا۔ اس وقت سے اس نوعیت کی نعت خوانی روضہ شریف پر بند ہوگئی۔

طاعات وعبادات میں توسط[3] واعتدال پسند ہے، وہ بھی پورے اہتمام کے ساتھ۔ ایک مرتبہ آپ نے فجر کی نماز میں سورۂ طٰہٰ شروع کی اور دوسری رکعت میں ختم کی۔ مسجد کے کواڑ بند اور شمع روشن تھی۔ سلام کے بعد ایک مقتدی کواڑ کھول کر باہر نکلا اور پھر فوراً ان کو بند کر گیا۔ اس وقفہ میں میری نظر جو باہر کی طرف گئی تو مجھے گمان ہوا کہ شاید سورج کا کسی قدر کنارہ اُفق سے نمودار ہو چکا ہے۔ نماز کے متعلق مجھے کچھ قلجان محسوس تو ہوا مگر پھر یہ سوچ کر

(گذشتہ سے پیوستہ)

۱۔ حکیم صاحب حضرت سلمہٗ کے ایک خلیفہ مجاز علوم دین کے فاضل اجل صاحب تصانیف اور نامی طبیب ہیں۔ مقام بکھر بار، ضلع شاہپور ہے۔

۱۔ وجہ کراہت وہی ہے جس پر نماز باجماعت میں لڑکوں کی صف کو بڑی عمر کے مردوں کی صف سے موخر رکھنے کا حکم مبنی ہے۔ یعنی ان کی صورت کا جاذب طبع اور موجب فتنہ ہونا۔ پھر جب حسنِ صورت کے ساتھ حسن صوت بھی جمع ہو، وہ بھی ترنم وغنا کے ساتھ تو اس کے فتنے کا کیا ٹھکانا۔

خوبیِ رُوی و خوبیِ آواز　　مے برد ہر یکے یہ تنہا دل
چوں شود جمع ہر دو در یک جا　　کار صاحبدلاں شود مشکل

۲۔ ملاحظہ ہو مکتوب نمبر ۲۶۶، دفتر اول بنام صاحبزادگان خواجہ باقی باللہ قدس سرہٗ درباره حرمت نغمہ وسرود وقصیدہ خوانی۔

۳۔ عبادات میں فرائض اور آداب فرائض کا اہتمام بالیغ وجوہ تھا اور نوافل طاعات کا التزام بتوسط واعتدال۔ (مفتی عطا محمد سلمہٗ)

اپنے دل کو مطمئن کر لیا کہ "مرشد" بے خبر نبود زراہ و رسم منزلہا۔

اتفاق سے تیسرے روز حضرت یہ ذکر فرما رہے تھے کہ میں زیادہ دیر تک کھڑا نہیں رہ سکتا اور جلدی تکان محسوس ہونے لگتی ہے۔ لیکن نماز میں جب لمبی قرأت چھڑ جائے تو پھر میں نہیں تھکتا۔ میں نے موقع پا کر عرض کیا، حضرت! پرسوں فجر کی نماز میں تو قرأت اس قدر لمبی ہوگئی کہ شاید آفتاب بھی طلوع ہوگیا تھا۔ یہ سن کر آپ نے نہایت گھبراہٹ کے ساتھ فرمایا، "ہیں! آفتاب طلوع ہوگیا تھا؟" پھر خود ہی ذرا اطمینان کے لہجہ میں کہا، "نہیں، ایسا نہیں ہوسکتا، میں گھڑی دیکھ کر کھڑا ہوتا ہوں اور سلام کے بعد گھڑی دیکھ کر اطمینان کر لیتا ہوں۔ میری گھڑی بالکل صحیح ہے۔" حضرت کے اس ارشاد پر میں نے پھر اپنے دل کو تنبیہ کی کہ تو ہی جھوٹا ہے۔ صَدَقَ اللّٰہُ وَ کَذَبَ بَطْنُ اَخِیْکَ۔[1]

چو بشنوی سخنِ اہلِ دل مگو کہ خطاست
سخن شناس نہ دلبرا خطا ایں جاست

نفاست پسندی

لباس و پوشاک میں صفائی و نفاست مرغوب ہے۔ اشیائے استعمال مثلاً عصا، تسبیح، مصلیٰ، چائے کی پیالیاں، چینک، سٹوو اور ان اشیاء کے رکھنے کا صندوقچہ، انڈی پینڈنٹ ہولڈر، قلمدان، جیب گھڑی وغیرہ، ہر چیز نہایت عمدہ اور قیمتی پسند فرماتے ہیں اور ہر چیز کی ساخت کا بے نقص ہونا ملحوظ رہتا ہے۔ اگر کسی چیز کی بناوٹ میں کوئی کمی یا کجی رہ جائے تو وہ

۱۔ یعنی اللہ نے تو سچ فرمایا ہے اور تیرے بھائی کا پیٹ جھوٹ بولتا ہے۔ یہ ایک حدیث کا ٹکڑا ہے، پوری حدیث یوں ہے کہ ایک شخص نے عرض کیا، یا رسول اللہ! میرے بھائی کو دست لگ رہے ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، شہد پلاؤ۔ اس نے شہد پلایا تو دست زیادہ ہوگئے۔ اسی طرح تین مرتبہ حکم ہوا کہ شہد پلاؤ۔ چوتھی مرتبہ اس نے پھر آکر حال بیان کیا تو حکم ہوا، شہد پلاؤ۔ اس نے عرض کیا، یا رسول اللہ! ہر مرتبہ شہد پلانے سے دست زیادہ ہوگئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، اللہ نے سچ فرمایا کہ شہد میں شفا ہے، مگر تیرے بھائی کا پیٹ جھوٹا ہے۔ چوتھی مرتبہ پھر شہد پلایا تو شفا ہوگئی۔ (مشکوٰۃ)

خواہ کتنی ہی قیمتی ہو، اس کو رکھنا بارِ خاطر ہو جاتا ہے، کسی کو اُٹھا دیتے ہیں۔ اس لطافتِ مزاج اور نزاکتِ طبع میں اگر آپ کو حضرت مرزا جانِ جاناں مظہر الشہید علیہ الرحمۃ والغفران کا نمونہ کہا جائے تو بے جا نہیں۔

کوئی ناگوار لے بو فوراً طبیعت کو مکدر کر دیتی ہے اور نزلہ و زکام یا شتلی کی شکایت ہونے لگتی ہے۔ قصبہ سندری میں ایک مرتبہ حقے کے متعلق ارشاد فرمایا، اس کو شرعاً مکروہ قرار دینا محض تکلف ہے، بلکہ اس میں کراہتِ طبعی ہے۔ پھر فرمایا، علاقہ سوات کے علماء اس کو حرام کہتے ہیں اور اس کی حرمت کے حکم میں ان کو یہاں تک غلو ہے کہ جس کھیت میں تمباکو بویا جائے تاوقتیکہ متواتر دو چار فصلیں کسی اور جنس کی اس زمین میں کاشت نہ کی جائیں وہ پاک نہیں ہوتا۔

اتفاق سے اگلے روز ایک سوداگر تمباکو کے ہاں دعوت ۲ ہو گئی۔ میزبان نے تمباکو کے گودام ہی میں دستر خوان بچھایا۔ حضرت تشریف فرما ہوئے تو تمباکو کی دھانس سے سب کا دم گھٹنے لگا۔ آپ نے رومال ناک پر رکھ لیا۔ دوسرے لوگ بھی چھینک پر چھینک لینے لگے۔ بعض لوگ سرگوشیاں کرنے لگے کہ جگہ بدلوائی جائے مگر آپ نے اشارہ فرمایا کہ میزبان کو یہ تکلیف ہرگز نہ دی جائے۔ پھر آپ نے طبیعت کو ضبط کرنے کی بہت کوشش کی۔ آخر مجبور ہو کر اُٹھے اور دوسرے اصحاب سے فرمایا، سب بیٹھے رہیں، میں اکیلا واپس چلا جاتا ہوں۔ اس ارشاد کے موافق سب بیٹھے رہے۔ صرف مولوی عبداللہ صاحب نعلین مبارک لے کر ساتھ اٹھے۔ قیام گاہ پر پہنچے تو طبیعت اس قدر خراب تھی کہ پھر اگلے وقت تک کھانا تناول نہیں فرما سکے اور ہنس کر فرمایا کہ علمائے سوات ۳ کے فتوے کی حقیقت آج معلوم ہوئی۔

۱۔ وکان صلی اللہ علیہ وسلم یحب الطیب و یکرہ الرائحۃ الردیۃ۔ یعنی: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خوشبو کو پسند کرتے اور بدبو سے نفرت کرتے۔

۲۔ وکان صلی اللہ علیہ وسلم یجیب دعوۃ العبد والحر۔ یعنی: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سب کی دعوت قبول فرماتے، خواہ کوئی غلام ہو یا آزاد۔ (احیاء العلوم)

۳۔ یہ ارشاد بطور ظرافت ہے نہ بطور حکمِ شرعی۔

محبت علم

چونکہ علم کی محبت بدرجۂ کمال ہے، اس لیے کتابوں کا شوق بھی فریفتگی تک پہنچا ہوا ہے۔ پچیس تیس ہزار روپے کا عظیم الشان کتب خانہ خاص اپنی سعی اور اپنے صرف سے فراہم کیا ہے اور روز بروز اس میں اضافہ ہو رہا ہے۔ اگر متعدد جلدوں کی کتاب کو بھی ایک کتاب سمجھا جائے تو آپ کے کتب خانہ میں اس طرح ایک ہزار کتابوں کا گراں بہا علمی سرمایہ موجود ہے۔ فن تفسیر میں تفسیر ابن جریر، تفسیر ابن کثیر، تفسیر روح المعانی، تفسیر کبیر، تفسیر درمنثور اور خازن، معالم، نیشاپوری، بیضاوی، جمل اور دیگر بہت سی تفاسیر موجود ہیں۔ تفسیر حقی منزل اول قلمی نہایت خوشخط، جو نوادرات میں سے ہے، کتب خانہ میں موجود ہے۔

حدیث میں صحیح بخاری کے مختلف مطابع کے چھپے ہوئے اور مختلف نسخوں سے عمدہ عمدہ نسخوں کے علاوہ اس کی تمام متداول و مشہور شروح مثلاً عینی (۱۱ جلد)، عسقلانی (۱۳ جلد)، قسطلانی (۱۲ جلد) وغیرہ موجود ہیں۔ ابوداؤد کی چار مبسوط شروح اور موطا امام مالک کی بھی چار پانچ شروح ہیں۔ اسی طرح باقی صحاح کی شروح و حواشی کا بھی بہترین مجموعہ زینت کتب خانہ ہے۔ صحاح ستہ کے علاوہ دیگر کتب احادیث مثلاً مستدرک حاکم، سنن کبری بیہقی، مسند دارقطنی، مسند دارمی، مسند طیالسی، مسند امام احمد بن حنبل، شرح معانی الآثار طحاوی، نیل الاوطار شوکانی وغیرہ بھی موجود ہیں۔ مسند حمیدی حدیث کی ایک مشہور کتاب ہے جو اب تک طبع نہیں ہوئی۔ اس کا بھی ایک قلمی نسخہ مہیا کیا گیا ہے۔

[illegible]

حنفی کی تمام مروجہ کتابوں مثلاً شرح وقایہ، ہدایہ، عالمگیری، شامی، البحر الرائق اور فتح القدیر کا کیا ذکر، یہ تو ہونی ہی چاہئیں، بہت سی ایسی کتابیں بھی موجود ہیں جن کے دیدار کی بھی عام علماء کو تمنا رہتی ہے، مثلاً شرح سیر کبیر سرخسی چار جلدوں میں، کتاب المبسوط امام محمد چھ جلدوں میں وغیرہ۔ اس کے علاوہ فقہ شافعی، فقہ مالکی اور فقہ حنبلی کی بڑی بڑی اور کافی تعداد میں کتابیں موجود ہیں۔ مثلاً کتاب الام (فقہ شافعی) سات جلدوں میں، شرح المہذب (فقہ شافعی) نو جلدوں میں، المحلی (فقہ ظاہری)، کشاف القناع، مغنی ابن قدامہ (فقہ حنبلی) کئی کئی جلدوں میں۔ اسی طرح باقی علوم وفنون مثلاً اصول حدیث وفقہ، عقائد وکلام، سیر ومغازی، تصوف وسلوک، طب وحکمت، لغت وادب، صرف ونحو، معانی وبیان وغیرہ میں کتابوں کا نہایت مکمل اور وسیع سامان مہیا ہے، جس کی مثال یہ ہے کہ صرف الفیہ ابن مالک کی آٹھ مختلف شروح موجود ہیں۔ لغت کے فن میں قاموس چوٹی کی کتاب مانی گئی ہے۔ یہاں اس کی شرح تاج العروس دس جلدوں میں موجود ہے۔ تصوف واخلاق میں احیاء العلوم ایک بحرِ ذخار ہے۔ مگر یہاں اس کی بھی شرح بنام اتحاف السادۃ المتقین شرح احیاء علوم الدین دس جلدوں میں رکھی ہے۔

بعض کتابیں ایسی بھی ہیں جن کی بدولت یہ کتب خانہ شاید دنیا بھر کے کتب خانوں میں امتیازِ خاص رکھتا ہو۔ مثلاً ملا حسین واعظ کاشفی کی جواہر التفاسیر، جس کا نام ہی نام سنتے آئے ہیں اور کہا جاتا ہے کہ اس کا حجم ایک بار شتر کے برابر ہے، اس کی پہلی منزل کا ایک نسخہ پونے چار سو برس پیشتر کا لکھا ہوا یہاں موجود ہے جو نہایت خوشخط اور تحفۂ روزگار ہے۔ اور وہ مؤلف کی وفات (۹۱۰) سے صرف ساٹھ سال بعد (یعنی ۹۷۰ میں) لکھا گیا ہے۔

سنا ہے ایک مرتبہ حضرت مولانا سیّد انور شاہ صاحب محدث دیوبند، میانوالی کے کسی اسلامی جلسے میں تشریف لائے۔ واپسی میں خانقاہ میں بھی مہمان ہوئے۔ کتب خانہ کی عظمت دیکھ کر اُن کا دل باغ باغ ہو گیا۔ گھنٹوں الماریوں کی سیر میں محو رہے۔

اس اثنا میں ایک کتاب پر نظر پڑی جو نوادر الاصول حکیم ترمذی تھی۔ فرمایا، مجھے اس کتاب کے دیکھنے کی مدت سے آرزو تھی مگر کہیں دستیاب نہ ہوتی تھی۔ پھر اس کو مطالعہ کے

لیے ساتھ لے گئے۔ دیوبند پہنچ کر تحریر فرمایا۔ افسوس کہ میں زیادہ عرصہ وہاں نہ ٹھہر سکا کیونکہ ماہ مبارک صیام سر پر تھا، ورنہ چند روز اور قیام کرتا۔ تاہم جتنا وقت وہاں گزرا اس کو میں ملتقطات زندگی سے شمار کرتا ہوں۔ [1]

ایک روز حضرت سلمہٗ نے فرمایا، میں اوائل عمر میں ایک مرتبہ سخت بیمار ہوا کہ امید زیست منقطع ہوگئی۔ ایک بزرگ [2] عیادت کے لیے تشریف لائے۔ میں ان کو دیکھ کر رو دیا اور کہا، مجھے مرنے کا غم ہے تو صرف اس بات پر ہے کہ صحاح ستہ کو خرید کر اپنے پاس رکھنے کا موقع نہ پا سکا۔

ایک مرتبہ فرمایا، شرح رسالہ قشیریہ شیخ الاسلام زکریا مطبوعہ مصر، جو چار جلدوں میں ہے، مجموعی صفحات ۸۰۰ ہیں اور قیمت تقریباً دس بارہ روپے ہوگی، مجھے اس کے خریدنے کا شوق ہوا۔ بمبئی کے ایک تاجر کتب سے یہ کتاب ملتی تھی، جس کی گرانفروشی ضرب المثل ہے۔ فرمائش بھیجی تو جواب آیا کہ کتاب نایاب ہوگئی۔ صرف ایک نسخہ باقی ہے جو چالیس روپے سے کم میں نہیں دیا جاسکتا۔ اتفاق سے میرے پاس صرف پانچ روپے موجود تھے، وہی پیشگی بھیج کر لکھا کہ یہ نسخہ دوسرے کسی اور کو نہ دیا جائے اور باقی قیمت بھیجنے پر فوراً ارسال کردیا جائے۔

ایک موقع پر فرمایا کہ کتاب مشارق الانوار قاضی عیاض کی مجھے تلاش تھی۔ مولوی عبدالتواب تاجر کتب ملتان کے پاس فرمائش بھیجی تو جواب آیا کہ کتاب کا موجودہ نسخہ آپ کو نہایت گراں پڑے گا۔ اگلے سال کے آنے تک انتظار کریں۔ میں نے لکھا، انتظار مشکل

۱۔ [illegible]

۲۔ [illegible]

ہے، گرانی قیمت کی پروا نہیں۔ سو دو سو روپے جو بھی قیمت ہو اس کے عوض کتاب بھیج دو۔

مالیر کوٹلہ میں میرے سامنے کا واقعہ ہے۔ ایک ولایتی کچھ نادر اشیاء بغرض فروخت دکھانے کے لیے لایا۔ اس کے پاس ایک چھوٹا سا رسالہ عربی زبان میں جیبی تقطیع کا بھی موجود تھا، جس کا نام لامیۃ الافعال ابن مالک تھا۔ آپ نے اس کی قیمت پوچھی۔ کہا، چار روپے۔ فوراً چار روپے ادا فرما کر لے لیا۔

انہی ایام میں ایک شب آپ فرما رہے تھے کہ موطا امام مالک کی فلاں فلاں شرح تو ہمارے پاس ہے، صرف مصفّٰی اور مسوّٰی شروح موطا مؤلفہ حضرت شاہ ولی اللہ کی کسر ہے جو تلاش کے باوجود نہیں ملی۔ میں نے عرض کیا، یہ دونوں شروح خادم کے پاس موجود ہیں۔ گھر جاتے ہی ڈاک میں ارسالِ خدمت کر دوں گا۔ فرمایا، اس قدر انتظار کی تاب کس کو ہے، ابھی کسی آدمی کو دھنولہ بھیجا جائے جو کل تک لے آئے۔ چنانچہ اسی وقت راتوں رات مستری ظہور الدین کو دھنولہ روانہ کر دیا گیا۔

خانقاہ شریف میں میری حاضری ایامِ بہار میں ہوئی تھی اور اگلے روز ہی مجھے کتب خانے کی فہرست مرتب کرنے کا حکم ہوا۔ الماریوں کے سامنے میں اور مولوی عبداللہ صاحب اس کام کو انجام دیا کرتے۔ حضرت اکثر اس کام کو دیکھنے کے لیے تسبیح خانہ کی نشست خاص کو چھوڑ کر کتب خانہ میں تشریف لے آتے۔ ایک دن ابر گھرا ہوا تھا۔ ٹھنڈی ہوا چل رہی تھی اور نو روئیدہ فصل کو بارش کی ازحد ضرورت تھی۔ اتنے میں مینہ برسنے لگا۔ آپ نے یہ کیفیت معلوم کرنے کے لیے دریچہ کھلوایا۔ عجیب عالم نظر آیا۔ میلوں تک گندم اور چنے کے ہرے بھرے کھیت آنکھوں کے سامنے تھے۔ جدھر نظر پڑتی تھی قطرات باراں کے آبدار موتی فصل کے زمردیں فرش پر بکھرتے اور انتہائی زیبائی دیتے تھے۔ الحمد للہ! یہ منظر زمیندار کی نظر میں ہوتا ہے تو انتہائی مسرت سے مست کر دیتا ہے، مگر آپ کے باطن میں جو کمالات کے باغ لہلہا رہے ہیں اور ظاہر میں علوم و معارف کے دفاتر کا یہ چمنستان پھیلا پڑا ہے، اس کے سامنے اس منظر کی کیا وقعت ہو سکتی تھی۔ ایک سرسری نظر ڈالی اور کھڑکی بھیڑ دی۔

کتابوں کے اس شوق کے ساتھ ایک اور لطیف پہلو شامل ہے۔ یعنی اس روحانی محبوب کو بہترین لباس میں جلوہ گر دیکھنے کا شوق بھی بدرجہ غایت ہے۔ کتابوں کے شوقین بہت دیکھے ہیں مگر سب کو کتابوں کے حسن ظاہر کی پروا نہیں ہوتی۔ بعض لوگ ارزاں ایڈیشن کی کتاب خریدتے ہیں۔ پارچہ کی سستی جلد بنواتے ہیں یا مدرسہ کے کسی طالب علم سے جیسی کیسی جلد بنوا لیتے ہیں۔ متوے بیٹھ گئے، سلائی بے قاعدہ، تراش بے ڈھنگی، کچھ پروا نہیں۔ اسی قسم کے سامان سے اپنے کتب خانہ کو کباڑ خانہ بنا لیتے ہیں۔ مگر حضرت کی نظر میں ہر کتاب کی خریداری کے وقت نفیس ترین کاغذ اور لطیف ترین چھپائی کا لحاظ مقدم رہتا ہے۔ پھر اس کی جلد بھی اعلیٰ درجہ کی مطلا و منقش بنوانے کا التزام ہے۔ چنانچہ کتب خانہ کی ہر کتاب کا کاغذ، طباعت اور جلد اس قدر آبدار ہے کہ ہاتھ لگاتے دل جھجکتا ہے کہ کہیں داغ نہ لگ جائے۔ کتابوں کی الماری جب جھلمل جھلمل کرتی ہوئی کھلتی ہے تو اس پر کان طلا یا نگار خانہ چین کا دھوکا ہوتا ہے۔

کتب خانہ میں بخاری شریف بہ تحشیہ سندھی مطبوعہ استنبول نہایت نفیس چھپی ہوئی میں نے دیکھی۔ ساری سیاہ چمڑے کی جلد، نہایت خوبصورت طلائی بیل بوٹوں سے منقش۔ جب یہ کتاب جلد کے لیے گئی تو فرمائش تھی کہ عمدہ سے عمدہ جلد بنے، خواہ دس پندرہ روپے خرچ آ جائیں۔ جلد بن کر آئی تو افسوس ہوا کہ صرف پانچ روپے لاگت کی جلد ہے۔ تخمینہ ہے کہ کتاب خانہ کی کل کتابوں کی جلدوں پر دو ڈھائی ہزار روپیہ خرچ آ چکا ہے۔

شوقِ مطالعہ

بعض بعض علماء کو صرف کتابیں جمع کرنے کی دھن ہوتی ہے۔ پڑھنے پڑھانے کا خیال کم ہوتا ہے۔ بعض پڑھتے ہیں تو صرف اس قدر کہ جب کوئی نئی کتاب آئی تو دو چار دن تک زیر نظر رہی۔ کچھ اول سے دیکھی، کچھ آخر سے، کچھ اِدھر سے، کچھ اُدھر سے اور دل سیر ہو گیا۔ پھر وہ کتاب ہمیشہ کے لیے زینت صندوق ہو گئی اور بس...... مگر ہمارے حضرت سلمہٗ ہر نئی کتاب کو اول سے آخر تک مطالعہ کر کے چھوڑتے ہیں۔ ایک دن فرمایا، تفسیر ابن جریر طبری جب آئی تو اس کی دسوں جلدیں چند ماہ میں پڑھ کر دم لیا۔ شرح قشیریہ شیخ الاسلام

زکریا کی چاروں جلدوں کا مطالعہ چند ہفتوں میں اوّل سے آخر تک کیا ہے۔ اسی طرح تفسیر، حدیث، فقہ، تصوف وغیرہ کی کوئی کتاب بالاستیعاب مطالعہ کیے بدوں نہیں چھوڑی۔

اثنائے مطالعہ میں جہاں کہیں کوئی اہم بحث نظر پڑی یا کوئی معرکتہ الآراء مسئلہ سامنے آگیا تو فوراً اس کا نمبر صفحہ اور پتہ نشان جلد کے سادہ ورق پر درج کر دیا۔ میں نے دیکھا کہ اس قسم کی یادداشتوں سے ہر کتاب کے سادہ اوراق سیاہ کیے پڑے ہیں، حتیٰ کہ ان حوالجات کے ذریعہ بعض خاص مسائل پر ہر پہلو سے اس قدر کافی مسالہ مل سکتا ہے کہ ایک ایک موضوع پر مستقل رسالہ یا کتاب تصنیف ہو سکتی ہے۔

ایک مرتبہ فرمایا کہ میں ماہ ذوالحجہ ۱۳۱۳ھ میں فارغ التحصیل[۲] ہو کر وطن لوٹا، اس وقت سے برابر مطالعۂ کتب جاری ہے اور آج تک اس لطف سے آنکھیں سیر نہیں ہوئیں۔

اس وسعتِ مطالعہ سے آپ کے علمی تبحر کی بے پایانی ظاہر ہے۔ چنانچہ میں دیکھتا رہا ہوں کہ جب کوئی مسئلہ اتفاقاً چھڑ گیا تو آپ نے اس پر اپنے معلومات کے دریا بہا دیے۔ صبح و شام کی مجلسوں میں اسی قسم کے علمی مسائل پر گفتگو رہتی ہے۔ افسوس کہ میں ان مقالات کو قلمبند نہیں کر سکا۔ صرف ایک واقعہ یاد ہے:

ایک دن کتب خانہ کی فہرست لکھتے وقت طبقات ابن سعد کی جلدیں میرے سامنے تھیں۔ کتاب کا نام، مؤلف کا نام اور اس کا سنِ وفات لکھ رہا تھا۔ حضرت نے فرمایا، یہ بڑی اہم اور شاندار کتاب ہے۔ میں نے عرض کیا، بیشک حضرت! اور علامہ شبلی نعمانی بھی

۱۔ اعلیٰ حضرتؒ اہم مسائل کے متعلق نوٹ دینے کا خاص طریقہ سے اہتمام فرماتے تھے۔ کسی اور مطالعہ کرنے والے کو نوٹ لکھنے کی اجازت نہ تھی، البتہ مولانا احمد دین کیلوی اور حضرت مولانا محمد عبداللہ صاحب نامزد جانشین مستثنیٰ تھے۔ پھر حضرت ثانی قدس سرہ کے عہد مبارک میں قاضی شمس الدین صاحب و مفتی عطا محمد مدظلہما اس کے مجاز تھے۔ (محبوب الٰہی عفی عنہ)

۲۔ آپ نے تحصیلِ حدیث سے فراغت مدرسہ عربیہ کانپور میں فرمائی جہاں مولانا عبیداللہ صاحب پکھرویؒ استادِ حدیث تھے۔

اس کی بہت تعریف کرتے ہیں۔ فرمایا، ابن سعد واقدی کا شاگرد ہے۔ میں نے عرض کیا، مگر وہ تو بہت بدنام ہے۔ فرمایا، نہیں، وہ ثقہ ہے۔ دیکھو ابن تیمیہ کا سا متشدد اور سخت گیر محدث اپنی کتاب الصارم المسلول میں اس کے بارے میں لکھتا ہے:

هو اعلم بتفاصيل المغازي.

یعنی: وہ غزوات کے تفصیلی احوال کا سب سے بڑا عالم ہے۔

اور ذہبی کا سا وسیع النظر محدث اس کے متعلق دراوردی سے یہ قول نقل کرتا ہے:

هو امير المؤمنين في الحديث.

یعنی: وہ فنِ حدیث کا بادشاہ ہے۔

ہاں اس میں شک نہیں کہ بہت سے محدثین نے واقدی کو ضعیف بلکہ کذاب تک بھی کہا ہے۔ مگر اُن کے بارے میں یہ جرح حدیث کے متعلق ہے اور روایتِ حدیث میں ان کا مجروح ہونا فنِ سیر و مغازی کے امام ہونے کے لیے مضر نہیں، کیونکہ ان کی یہ مجروحیت اس بنا پر نہیں کہ فی الواقع وہ کوئی کذاب و باطن گو تھے۔ بلکہ جرح و تعدیل کے قواعد کی رو سے راوی کا روایت حدیث کے علاوہ کسی دوسرے فن میں مشغول ہونا بھی اس کو ہدفِ جرح بنا دیتا ہے۔[1] چنانچہ بیچارے واقدی کو محض اتنے سے قصور نے مجروح و بدنام کر دیا کہ وہ راوی حدیث ہو کر سیر و مغازی کے فن میں مشغول ہو گئے اور بہت غرائب نقل کرتے ہیں۔ پس وہ اس شغل کی وجہ سے فنِ حدیث میں مجروح ہیں مگر سیر و مغازی میں ان کا پایہ اعتبار اسی طرح

۱۔ مراد یہ ہے کہ ایسے فنون جو کتاب و سنت سے متعلق نہ ہوں ان میں انہماک و اشتغال بھی محدثین کے نزدیک پسندیدہ نہیں اور روایتِ حدیث کے بارے میں ایسا راوی مجروح قرار دیا جا سکتا ہے بشرطیکہ یہ انہماک روایتِ حدیث کے سلسلہ میں طبیعت میں تسامح پیدا ہو جانے کا سبب بن گیا ہو، پھر چونکہ جرح میں ناقد کے وجدان یا اس کے ظنون و اوہام کا دخل بھی ہو سکتا ہے اس لیے وجوہِ جرح کی تحقیق ضروری ہے۔ خصوصاً اس وقت جبکہ ایک معاصر اپنے معاصر پر جرح کر رہا ہو کیونکہ ہو سکتا ہے کہ وہ المعاصرۃ اصل المنافرۃ کے تحت ضابطۂ عدل میں تسامح سے کام لے رہا ہو۔ (مفتی عطا محمد سلمہٗ)

بلند ہے۔

پھر فرمایا، حقیقت یہ ہے کہ اسماء الرجال میں جرح و تعدیل کا معیار بھی بڑا نازک اور بڑا بے ڈھب واقع ہوا ہے۔ بعض محدثین نے اپنی ذاتی ناراضگی سے دوسروں پر جرح کر ڈالی ہے۔ بعض نے محض کسی ناواجب شبہ کی بنا پر بلا تحقیق جرح کر دی۔ ایک محدث کسی شیخ کی طرف سماعتِ حدیث کے لیے گئے۔ دیکھا کہ وہ گھوڑے پر سوار ہے اور اسے گھو دار ہا ہے۔ بس اتنی سی بات پر اُس کو مجروح قرار دے کر واپس چلے آئے کہ محدث کو شہسوار اور اسپ دوانی سے کیا سروکار۔ ایک اور محدث کسی شیخ الحدیث کے شہر میں پہنچے۔ ان کے محلے سے سرود کی آواز سنائی دی تو بلا تحقیق و تجسس یہ سمجھ کر کہ یہ آواز انہی کے گھر سے آ رہی ہوگی، واپس چلے آئے اور اُن پر جرح شروع کر دی۔ امام مالکؒ کے موطا کا جب چرچا پھیلا تو اُن کے استاد بھائی محمد ابن اسحٰق[۱] نے لوگوں سے کہا:

ھاتو اعلم مالک فانا بیطارہ.

یعنی: مالک کی کتاب مجھے تو دکھاؤ، میں اس کا جانچنے والا ہوں۔

امام کو یہ بات پہنچی تو ناراض ہوئے اور کہا:

ذلک دجال الدجاجلة ونحن اخرجناہ من المدینة.

یعنی: وہ تو بڑا دجال ہے اور اس لیے ہم نے اس کو مدینے سے نکال دیا ہے۔

باقی رہی یہ بات کہ واقدی غزوات کے واقعات کو اس تفصیل سے بیان کرتا ہے کہ جس کا ذہن و حافظہ میں محفوظ و مربوط رہنا عموماً ناممکن نظر آتا ہے اور اس لیے لوگوں کو اس پر دروغ بافی کا شبہ ہوتا ہے، تو یہ محض سوءِ ظن ہے۔ اس زمانے کے لوگوں کی قوتِ حافظہ کے کارناموں پر غور کرو تو واقدی کا کام ان کے مقابلے میں کچھ بڑھ کر نہیں۔ حدیث کا حافظ وہ کہلاتا تھا جس کو کم از کم ایک لاکھ حدیث مع اسناد یاد ہوں۔ اور حافظ ابنِ حجر، حافظ سیوطی، حافظ ابن جوزی، حافظ ابن قیم، حافظ مغلطائی وغیرہ اسی لیے حافظ کہلاتے ہیں کہ وہ لاکھ لاکھ حدیث کے حافظ تھے اور اس قسم کے حفاظ حدیث قرونِ سابقہ میں بے شمار گزر چکے ہیں،

۱۔ امام مالک اور محمد ابن اسحٰق دونوں زہری کے شاگرد ہیں۔

آج ہے کوئی ایسا عالم جس کو لاکھ یا ہزار تو رہی الگ، سو دو سو حدیث بھی مع اسناد یاد ہو۔ پھر یہ کیا اندھیر ہے کہ واقدی کے حافظے کی تنقید آج کل کے حافظہ کو بطور معیار سامنے رکھ کر کی جاتی ہے۔

اس کے بعد آپ نے دیوان متنبی کی شرح عکبری (جو پاس ہی پڑی تھی) اُٹھا کر اس میں سے ابوالعلا معری کا حال پڑھ کر حاضرین کو سنایا، جس کا خلاصہ ترجمہ یہ ہے:

ابوالعلا نابینا تھا اور ابھی بچہ ہی تھا کہ اس کی قوت حافظہ کے ہر طرف چرچے پھیل گئے۔ انطاکیہ کے ایک کتب خانہ کے مہتمم نے اس کا امتحان لیا۔ کسی غیر معروف اور مشکل کتاب کے ایک دو ورق پڑھ کر اُس کو سنا دیے۔ پھر ابوالعلا نے سنی ہوئی عبارت فرفر سنادی۔

ابوالعلا کے پڑوس میں ایک ایرانی آ بسا۔ مدت کے بعد ایک اور ایرانی اس کو ملنے آیا۔ وہ گھر پر موجود نہ تھا۔ ابوالعلا فارسی زبان نہیں جانتے تھے۔ اشارے سے ایرانی کو کہا کہ تم اپنا پیغام دے جاؤ۔ اس نے جو کچھ کہنا تھا فارسی میں کہا اور چلا گیا۔ ایرانی واپس آیا۔ ابوالعلا نے وہ پیغام اسی عبارت میں من وعن اس کو سنا دیا۔ ایرانی سن کر رونے لگا۔ ابوالعلا نے پوچھا، کیا بات ہے؟ ایرانی نے عربی میں بتایا کہ مجھ کو میرے کئی عزیزوں اور پڑوسیوں کی وفات کی اطلاع دی گئی ہے۔

ایک مرتبہ ابوالعلا بالاخانہ کی کھڑکی میں بیٹھے تھے۔ ایک دکاندار اُن کے پڑوسی سے اپنے قرض کا مطالبہ کرنے آیا۔ ہاتھ میں فرد حساب تھی۔ سب پڑھ کر سنائی۔ کچھ دنوں کے

وہ ایک فنی امر ہے۔ مگر ان سب میں ایک خاص کتاب ایسی ہے جس کے ساتھ آپ کی دلچسپی سب سے زیادہ ہے۔ وہ کونسی کتاب؟ مکتوبات امام ربانی قدس سرہٗ — اس کتاب کے تمام مضامین تقریباً حفظ اور اس کے تمام مندرجہ معارف پر آپ پوری طرح حاوی ہیں۔ اکثر مسائل طریقت کے ذکر میں بطور استناد مکتوبات کا حوالہ ارشاد فرمایا کرتے ہیں اور کتاب میں سے بلا تامل وہ مقام نکال کر دکھا دیتے ہیں۔

اس خصوصیت کی وجہ یہ ہے کہ آپ نے مکتوبات شریف کو اپنے شیخ طریقت قدس سرہٗ سے تمام و کمال۔ سبقاً سبقاً کئی بار[1] پڑھا ہے، جس کے لیے ایک خاص وقت مقرر[2] اور خلوت متعین تھی اور اس کی تعلیم دیگر کتب کی طرح صرف قال اور تلفظ پر منحصر نہیں تھی بلکہ اس میں حال اور ہمت باطن کا دخل تھا اور حضرت شیخ ہر سبق پر توجہ[3] دیتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ

۱۔ چار بار ۲۔ یعنی آخری بار

۳۔ حضرت چچا مولانا وسیدنا محمد عبداللہ قدس سرہٗ فرماتے تھے کہ اعلیٰ حضرتؒ نے اس واقعہ کو یوں بیان فرمایا کہ ایک دفعہ حضرت خواجہ قدس سرہٗ نے فرمایا کہ ”مولوی صاحب! ایک وعدہ تم کرو اور ایک وعدہ میں کرتا ہوں“ میں نے عرض کیا حضرت! جو کچھ ارشاد فرمائیں خادم بغیر پوچھے وعدہ کرتا ہے کہ پابندی کرے گا۔ یہ سن کر حضرت خواجہؒ نے فرمایا کہ تم یہ وعدہ کرو کہ جب تک مکتوبات امام ربانی مجدد الف ثانی قدس سرہٗ کا درس ختم نہ ہوگا میں گھر نہیں جاؤں گا اور میں یہ وعدہ کرتا ہوں کہ ہر مکتوب پر توجہ دوں گا۔ درس شروع ہو گیا، کچھ دنوں کے بعد حضرت خواجہؒ نے دریافت فرمایا، کچھ فائدہ محسوس ہو رہا ہے؟ باوجودیکہ اس [illegible]

(بقیہ حواشی اگلے صفحے پر)

آپ مکتوبات کے صرف حافظ ہی نہیں بلکہ قدرت نے اس کتاب کے اوق اور زہرہ گداز مقامات کے اسرار بھی خاص آپ کے سینہ مبارک میں ودیعت کر دیے ہیں۔ کیوں نہ ہو، یہ دفتر عظیم جس مشرب کا قانون اعظم ہے، آج آپ اس کے تاجدار اور اس اقلیم کے شہریار ہیں۔

حضرت خواجہ محمد معصوم قدس سرہٗ کے ایک خلیفہ مولانا محمد باقرؒ لاہوری نے مکاتیب ستہ[1] کا خلاصہ خاص جامعیت کے ساتھ مرتب کیا تھا، جس کا نام کنز الہدایات ہے۔ یہ کتاب نقشبندیہ سلسلے میں بطور نصاب تعلیم رائج ہے اور وہ ہمارے حضرت سلمہٗ کے تحریر کردہ حواشی کے ساتھ امرتسر میں باہتمام مولوی نور احمد صاحب پسروری مرحوم چھپ چکی ہے۔ آپ نے اس کے ہر فقرہ اور ہر مسئلے کا حوالہ حواشی پر دے دیا ہے کہ وہ مکتوبات کی کونسی جلد اور کس مکتوب سے اخذ کیا گیا ہے۔ اس سے آپ کے حافظ مکتوبات ہونے کا ثبوت ملتا ہے اور حافظ بھی صاحب استحضار، ورنہ ہر حافظِ قرآن بھی قرآنی آیات کا پتہ بتانے پر پوری طرح قادر نہیں ہوتا۔

درسِ حدیث

خاکسار راقم اگلے سال خانقاہ شریف میں حاضر ہوا تو دیکھا کہ حضور نے ترمذی شریف کا درس شروع کر رکھا ہے۔ کئی مستند و تحصیل یافتہ علماء حلقۂ درس میں شامل ہوتے ہیں۔ تنقید روایات، تعدیل رواۃ، بیانِ مذاہب اور استنباط مسائل وغیرہ پر آپ اس قدر تحقیق و تدقیق فرماتے ہیں کہ صل علیٰ و سبحان اللہ۔ مولوی غلام رسول[2] جو خود بارہا صحاح ستہ

(گذشتہ سے پیوستہ) تو حضرت خواجہ محمد عثمانؒ کو نمایاں فوائد محسوس نہ ہوئے مگر جب حج کے لیے تشریف لے گئے اور عدن سے جہاز گزر رہا تھا تو یک لخت اسرار آیات متشابہات منکشف ہونے لگے۔ اس وقت معلوم ہوا کہ یہ ان توجہات کا ثمر ہے جو بوقت درس قرآن حضرت حاجی صاحب قدس سرہٗ نے فرمائی تھیں۔ (مفتی عطا محمد سلمہٗ و فقیر محمد محبوب الٰہی عفی عنہٗ)

۱۔ یعنی مکتوبات امام ربانی قدس سرہٗ کی تین جلدیں اور تین ہی جلدیں مکتوبات خواجہ محمد معصوم قدس سرہٗ کی۔

۲۔ لوٹھری، ضلع ملتان

پڑھا چکے ہیں، ان کا بیان ہے کہ ایسا محققانہ درس ہندوستان کی کسی درسگاہ میں شاید ہی ہوتا ہو۔ ایک روز کسی صاحب نے عرض کیا کہ کیا بخاری کے راویوں میں شیعہ، خارجی وغیرہ بھی شامل ہیں؟ فرمایا، بے شک ہیں، مگر اس سے صحیح بخاری میں کوئی نقص لازم نہیں آتا۔ وہ شیعہ آج کل کے شیعوں کے سے نہیں تھے۔[1] وہ غالی نہ تھے، متعصب نہ تھے، بلکہ اُن میں اور ان میں محض اشتراک اسمی ہے۔ پھر فرمایا، جب حدود میں روافض وخوارج کی شہادت مقبول ہے، جو روایت حدیث سے زیادہ اہم ہے تو پھر روایت حدیث میں ان کی شہادت کیوں مقبول نہ ہو۔ پھر فرمایا، آج کل تکفیر کی عام گرم بازاری ہے۔ ذرا ذرا سی بات پر ایک مسلمان کو کافر قرار دے دیا جاتا ہے۔ اس زمانے کے شیعہ وخارجی ایسے متعصب وغالی نہ تھے اور اس عہدِ مبارک کے مسلمان بھی کسی مسلمان کی تکفیر میں جلدی نہیں کرتے تھے۔ پھر ہنس کر فرمایا، آجکل شاید اس لیے بلا تامل ہر مسلمان کو کافر بنا دیا جاتا ہے کہ اب مسلمانوں کی تعداد زیادہ ہوگئی ہے، پہلے زمانے میں مسلمان کم تھے، اس لیے قلت تعداد کے خوف سے کسی کو کافر نہیں ٹھہراتے تھے۔ بخلاف اس کے آجکل خفیف سے خفیف قصور سے بھی چشم پوشی نہیں کی جاتی اور فوراً کفر کا فتویٰ لگا دیا جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ آجکل تکفیر کی اہمیت نہیں رہی، یعنی اگر کسی کو کافر کہہ دیا جائے تو اس کو کچھ بھی ملال نہیں ہوتا۔ بخلاف اس کے وہابی کے لقب میں زیادہ اہمیت ہے۔ چنانچہ اگر کسی کو وہابی کہہ دیا جائے تو وہ کٹ مرتا ہے۔

ایک دن اثنائے سبق میں خادم نے عرض کیا کہ امام صاحب نے جو فرمایا ہے کہ جب کوئی صحیح حدیث میرے قول کے خلاف ملے تو حدیث پر عمل کرو اور میرے قول کو ترک کر دو، اس پر عمل کوئی نہیں کرتا۔ آپ نے فرمایا، عمل کرنا چاہیے اور ضرور کرنا چاہیے، مگر اس کے لیے فہم حدیث اور تفقہ فی الدین لازم ہے۔ اور جو شخص ان اوصاف سے متصف ہے، اس کو چاہیے حدیث کو فقہ سے مقدم سمجھے۔[2]

۱۔ میزان الاعتدال امام ذہبی، جلد نمبر ۱، آغاز۔ (مفتی عطا محمد)

۲۔ ملاحظہ ہو عقد الجید شاہ ولی اللہ ومقدمہ شامی، فصل المتبحر فی العلم۔ (مفتی عطا محمد)

خوش مزاجی

خوش اخلاقی اور شگفتہ مزاجی طبع مبارک کا جوہر خاص ہے۔ سنجیدہ باتوں اور علمی تقریروں کو چھوڑ کر باقی ہر قسم کی گفتگو ہمیشہ تبسم[۱] کے ساتھ فرماتے ہیں، جس میں کوئی نہ کوئی لطف و لطائف کا پہلو ملحوظ ہوتا ہے۔[۲]

خاکسار کو کتب خانہ کی فہرست مرتب کرنے کا حکم دیا تو سابقہ فہرست دکھا کر فرمایا، یہ فلاں مولوی صاحب نے مرتب کی تھی، جو ٹھیک نہیں، صرف کتابوں کے نام لکھ دیے اور اتنے بڑے کتب خانہ کو بیس تیس صفحوں میں سمیٹ کر دھر دیا۔ میں نے عرض کیا، حضور! یہ تو انہوں نے ایک طرح ہنرمندی دکھائی کہ ایک دریا کو کوزے میں بند کر دیا۔ تو ہنس کر فرمایا، یہ ہنرمندی پسند کے قابل نہیں بلکہ یہاں رائی کا پہاڑ بنانے کی ضرورت تھی۔

مولوی نور احمد صاحب ساکن وتہ خیل ایک مستند فاضل سند یافتہ دارالعلوم دیوبند اور تمام علوم متداولہ کے معلم حضرت کے مرید ہیں۔ ساتھ ہی وہ دائرہ اختلاط میں ان جنتی بندوں کا نمونہ بھی ہیں جن کا کردار و گفتار سب کے لیے سامانِ انبساط ہو۔ وہ آئے تو حضرت نے میرا[۳] ان سے تعارف کراتے ہوئے فرمایا، یہ مولوی صاحب ایک فاضل اجل ہیں۔ حلقہ درس میں استاد یگانہ ہیں اور محفلِ احباب میں مفرح یاقوتی۔

حاضری آستانہ کے موقع پر میں نے اپنی تالیفات میں کتب تعلیم النساء کی ایک ایک جلد بھی پیش کی، جن کو دیکھ کر آپ بہت خوش ہوئے۔ پوچھا، پہلی کتاب سے پہلے قاعدہ بھی چاہیے

۱۔ **وکان صلّی اللّٰہ علیہ وسلّم اکثر الناس تبسما وضحکا فی وجوہ اصحابہ و تعجبا مما تحدثوا بہ.** یعنی: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے اصحاب کے سامنے سب لوگوں سے زیادہ تبسم و خندہ فرماتے اور ان کی باتوں پر تعجب کرتے۔ (احیاء)

۲۔ **کان صلّی اللّٰہ علیہ وسلّم یمزح ولا یقول الا حقا.** یعنی: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دل لگی کی بات بھی کر جاتے۔ مگر سچ کے سوا کچھ نہ فرماتے۔ (احیاء)

۳۔ یعنی مجھے ان کا تعارف کراتے ہوئے۔ (محبوب الٰہی عفی عنہ)

تھا۔ میں نے عرض کیا، قاعدہ چھپا ہے مگر میں لایا نہیں۔ فرمایا، تو پھر یہ بے قاعدہ کام ہوا۔

ایک مرتبہ آپ کے لیے جوتی تیار ہو کر آئی، جس پر زری کا نہایت نفیس کام کیا گیا تھا۔ مگر جوتی کی تراش آپ کو پسند نہ آئی۔ فرمایا، وہی بات ہے کہ:

ع طوقِ زریں ہمہ در گردنِ خرے بینم

کتب خانہ کی تمام الماریاں خاصی لمبی چوڑی اور بڑی شاندار و خوش وضع ہیں، مگر ان کے کواڑوں میں شیشے نہیں لگوائے گئے جن کا آجکل عام رواج ہے۔ میں نے اس کے متعلق استفسار اً عرض کیا تو فرمایا، شیشے ٹوٹ پھوٹ جاتے ہیں تو پھر کہیں سے پورے ناپ کے شیشے لانا مشکل ہوتا ہے۔ میں نے عرض کیا، شیشوں میں ایک دوسرا نقص یہ ہے کہ روشنی کے نفوذ سے کتابوں کی براقی وجلاداری مدھم پڑ جاتی۔ آپ نے فرمایا، ایک تیسرا نقص یہ بھی تھا کہ اب بند الماری کو کھولتے ہیں تو مطلقاً ومجلاً کتابوں کا حسن مستور یک دم جلوہ آرا ہو کر ایک خاص شان کا مظہر ہوتا ہے، شیشے لگائے جاتے تو یہ بات نہ ہوتی۔

حلم وتحمل

پہاڑ کا وقار اور اس کی استقامت ضرب المثل ہے۔ لیکن جب وہ انسان کے دستِ تصرف کے آگے پاش پاش اور ریزہ ریزہ ہو جانے سے بچ نہیں سکتا تو ہمارے حضرت کی خودداری و عالی وقاری کی کیا ریس کر سکتا ہے جو نہ کسی انسان کی نادانی و بے تمیزی سے برہم ہوں اور نہ کسی کا جہل وسوءِ ادب ان کے مزاج کو آشفتہ کر سکے۔

زبرد باری ما خوار وزار شد عالم زکوہِ طاقتِ ما سنگسار شد عالم

میں نے بارہا دیکھا کہ جب کسی خادم سے متعلقہ خدمت میں کوئی فروگذاشت یا غفلت وقوع پاتی ہے جو اظہارِ ناراضگی کا مقام ہونا چاہیے تو آپ اس کے متعلق تنبیہ بھی جس جس[1] کر کسی لطیفہ کے پیرایے میں فرماتے ہیں کہ خادم کا دل ملول نہ ہو۔ سمجھنے والے سمجھ

۱۔ حضرت انسؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خادم بچہ تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو کسی کام کے لیے بھیجا، وہ بازار میں بچوں کے ساتھ کھیلنے لگے۔ آپ اٹھ کر خود گئے اور ان کی گردن پر ہاتھ رکھ کر مسکراتے ہوئے فرمایا، تم اس کام کے لیے گئے یا نہیں۔ (مشکوٰۃ)

جانتے ہیں کہ یہ تنبیہ وچشم نمائی ہے مگر ناواقف کی نظر میں وہ ظرافت وخوش طبعی ہوتی ہے۔
کبھی بتقاضائے بشریت ناراض بھی ہوتے ہیں تو اس کا احساس آسان نہیں۔کوئی خاص
نباض نفسیات اگر نظرِ غائر سے کام لے تو وہ اس ناراضگی کی کیفیت یوں محسوس کرے گا کہ
کدورت وملال کا ایک ہلکا سا ابر، شگفتگی کے چاند پر ادھر چھایا، اُدھر اڑ گیا۔

کسے بملک رضا خشمگیں نمے باشد
دریں ریاض گل آتشیں نمے باشد

میں نے اپنے مقصد وقائع نگاری کو ملحوظ رکھ کر کئی دیرینہ خادموں سے الگ الگ
پوچھا کہ حضرت نے کبھی کسی پر اعلانیہ اظہار ناراضگی بھی کیا ہے؟ تو اس کا جواب مجھے نفی
میں ملا۔صرف آپ کے ایک رشتہ دار کے متعلق سب کا جواب متفق علیہ تھا کہ بس اسی پر ایک
مرتبہ ناراض ہوتے دیکھا ہے، کیونکہ اس نے ہتک شریعت کی تھی۔

سید مختار احمد متوطن اترولی، ضلع علی گڑھ ایک نیک نہاد نوجوان اور شریف النسب سید

۱۔ وکان رسول اللّٰہ صلّی اللّٰہ علیہ وسلّم ابعد الناس غضبا واسرعھم رضا.
یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سب لوگوں سے زیادہ دیر میں ناراض ہونے والے اور
سب سے جلدی خوش ہوجانے والے تھے۔(احیاء العلوم)

۲۔ عن انس قال خدمت النبی صلّی اللّٰہ علیہ وسلّم عشر سنین فما قال لی
اف ولا لم صنعت ولا الا صنعت ای لم لاصنعت ھذا الامر. (مرقاۃ) یعنی:
انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت دس سال تک
کی ہے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی مجھے اُف تک نہیں کہا، نہ یوں کہا کہ تم نے فلاں
کام کیوں کیا اور نہ یہ کہ فلاں کام کیوں نہیں کیا۔ (مشکوٰۃ باب فی اخلاق وشمائلہ
ص ۵۱۸)(متفق علیہ محمد سعید)

۳۔ وکان صلّی اللّٰہ علیہ وسلّم یغضب لربہ ولا یغضب لنفسہ. یعنی رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم ناراض ہوتے تو اللہ کے لیے ہوتے، اپنے نفس کے لیے ناراض نہیں
ہوتے تھے۔

علی گڑھ کالج کے طالب علم ہیں۔ توفیقِ الٰہی نے دستگیری کی۔ جاذبۂ غیب نے کالج سے اٹھایا اور یوپی کی پُر بہار فضا سے نکال کر اِس لق ودق تھل میں لا ڈالا۔ اب وہ حضرت کے خدام میں منسلک ہیں اور ہر وقت ہاتھ میں ذکر کی تسبیح گردش کرتی ہے۔ ایک مرتبہ شب کی مجلس میں حضرت نے فرمایا کہ مولانا شبلی نے اپنی سیرت نبوی میں تمام غزوات وسرایا کو مدافعانہ جنگ ثابت کرنے میں محض تکلف اور سعیِ فضول کا ارتکاب کیا ہے۔ سید مختار احمد ایک صحیح العقائد اور مجلس کے ادب شناس ذاکر ہیں۔ مگر آخر ذہن وذکا نے ابتدائی نشو ونما اس چمنستان میں پائی ہے جس کی آبیاری سرسیّد کے ہاتھوں ہوئی ہے، اس لیے یہ بات ان کے کانوں کے لیے نامانوس تھی۔ انہوں نے اپنی تشفی چاہی۔ حضرت نے ایک شائستہ تقریر میں مدعا کو واضح کر دیا۔ سائل نے پھر کچھ شبہات پیش کیے۔ حضرت نے پھر بکمالِ لطافت ان کے رفع کرنے کی کوشش کی۔ آخر اس قال اقول کا سلسلہ اس قدر طوالت پکڑ گیا کہ گویا مختار احمد صاحب نے شبلی کی طرف سے وکالت کا ذمہ لے لیا اور یہ ڈھنگ مجلس کے داب معتاد کے بالکل خلاف تھا، جس سے ہم سب لوگ پریشان تھے مگر حضرت کے گفت وکلام کے لہجہ میں نرمی وملاطفت کی جو شان ابتدا میں تھی اس میں سرمو فرق نہیں آیا۔ آخر کسی خادم کا اشارہ پاکر سیّد صاحب خاموش ہوئے۔

مولوی نور احمد صاحب کی سادہ مزاجی کا ذکر اوپر گزر چکا ہے۔ وہ اس کے ساتھ ہی نہایت صاف گو اور بحث پسند بھی واقع ہوئے ہیں۔ ایک مرتبہ مجلسِ شب میں حضرت یہ ذکر فرمارہے تھے کہ ہمارے حضرت مرحوم (مولانا سراج الدین قدس سرہٗ) نماز میں اس قدر لمبے رکوع وسجود کرتے تھے کہ ہم لوگ ان کے پیچھے گیارہ مرتبہ تسبیحات پڑھ لیتے۔

مولوی نور احمد: مگر حضور تو اس قدر جلدی[1] رکوع وسجود کرتے ہیں کہ ہم بمشکل تین تسبیحیں پڑھ

---

[1] مولوی صاحب کو شاید کسی مغرب کی نماز میں ایسا وہم ہوگیا ہوگا اور بطور خوش طبعی حسب عادت خود عرض کردی ہوگی، ورنہ اُس زمانہ میں حضرت قبلہ روحی فداہ کی نماز تعدیلِ ارکان کی رُو سے ضرب المثل اور فرمانِ نبوی صلوا کما رایتمونی اصلی کا اعلیٰ مصداق ہے۔ قیام کے مطابق رکوع سجود میں کمی بیشی فرماتے ہیں۔ نماز فجر میں جب سورہ انعام یا

(بقیہ اگلے صفحے پر)

سکتے ہیں۔

حضرت: (مسکرا کر) مقتدیوں کی رعایت بھی تو ہونی چاہیے کہ ان میں ضعیف اور کاروباری سبھی طرح کے لوگ ہوتے ہیں۔

مولوی: ذرا اور زیادہ دیر تک رکوع وسجود کرنے میں کس کو تکلیف ہو سکتی ہے؟

حضرت: (خندہ پیشانی) یہ صرف آپ ہی فرماتے ہیں یا دوسرے لوگ بھی اس خیال میں آپ کے ہم خیال ہیں؟

مولوی: دوسرے لوگ بزدل ہیں۔ سچی بات عرض کرنے کی جرأت نہیں رکھتے۔ چنانچہ ابھی مغرب کی نماز کا واقعہ ہے کہ حضور نے پہلی رکعت میں سورۂ قریش اور دوسری میں سورۂ کوثر پڑھی۔ اس پر تو کسی کو یہ عرض کرنے کی جرأت نہ ہوئی کہ ان کے درمیان سورۂ ماعون کا چھوڑ دینا مکروہ ہے، حالانکہ مقتدیوں میں کئی علماء تھے۔

اس پر حضرت نے ہنس ہنس کر نہایت نرمی سے اور مخاطب کے سنجیدہ سوالات کی تلخی و ترشی کو اپنی خوشنودی و خندہ پیشانی کی حلاوت میں چھپا چھپا کر بار بار سمجھایا کہ کسی سورۃ کا درمیان میں چھوڑ دینا اس صورت میں مکروہ ہے کہ وہ سورۃ اس قدر چھوٹی ہو کہ دو رکعتوں میں اس کا پڑھنا کافی نہ ہو سکے، جیسے سورۂ کوثر اور سورۂ اخلاص ہیں۔ لیکن سورۂ ماعون بڑی سورت ہے۔ اس کی سات آیات ہیں جو دو رکعتوں کے لیے کافی ہیں۔ اس لیے ایک سورت کے آگے پیچھے سے سورتیں پڑھ لینا اور اس کو چھوڑ جانا مکروہ نہیں۔

اس کے بعد آپ نے میری طرف دیکھ کر فرمایا کہ میری معذوری کو بھی سب لوگ جانتے ہیں۔ لکنت کے سبب میں بعض اوقات ایک خاص سورت کو شروع کرتا کرتا رک جاتا ہوں تو جو سورۃ سامنے آتی ہے اسی کو پڑھنا پڑتا ہے۔

(گذشتہ سے پیوستہ) سورۂ طٰہٰ پڑھتے ہیں تو رکوع و سجود اس قدر لمبے ہوتے ہیں کہ آپ کے پیچھے ہماری تسبیحوں کی تعداد گیارہ۔ ۔ بڑھ جاتی ہے۔ نماز فجر میں متوسط قرأت آپ کی سورہ والصافات ہوتی ہے۔ (عبدالرسول عفی عنہ ساکن بھکر، ضلع شاہپور)

ا۔ اس فقرہ پر کئی حاضرین نے برا منایا۔

مولوی نور احمد صاحب نے یہ صحیح جواب بھی سنا۔ اس کی مستند دلیل بھی سنی۔ حضرت کی بچی معذوری بھی سمجھی۔ قرآن مجید منگوا کر سورۂ ماعون کی آیات بھی گن لیں ـــ ایک، دو، تین، چار، پانچ، چھ، سات۔ مگر پھر بھی تسلی نہ ہوئی۔ برابر مرغی کی ایک ٹانگ ہی رٹتے چلے گئے۔ اور آج مشہور مقولہ "ملا آنست کہ چپ نشود" کی صحت بھی پایۂ ثبوت کو پہنچا دی۔

قیل وقال کا سلسلہ برابر کھنچ چلا گیا اور ہم سب کو اندیشہ ہوا کہ حضرت کی طبیعت ملول نہ ہو جائے۔ مگر آپ ہیں کہ اسی طرح بشاشت سے، ملاطفت سے، تحمل سے اور نرمی سے اس گفتگو میں حصہ لیتے رہے جس طرح ایک شفیق باپ اپنے شوخ بچے کی بیباکیوں کو باندازِ اغماض ٹالتا جاتا ہے۔ حتیٰ کہ گھڑی نے گیارہ بجائے اور حضرت نمازِ عشاء کی تیاری کے لیے کھڑے ہوئے۔

حضرت سلمہٗ نے اپنے تحمل کی شان میں فرق تو نہیں آنے دیا، مگر یہ صاف ظاہر ہوتا تھا کہ آج فرطِ تحمل نے طبعِ مبارک کو کچھ تھکا دیا ہے۔ حجرہ سے نکلتے وقت مولوی عبداللہ صاحب کو سنجیدہ لہجے میں آہستہ سے فرمایا، اس مسئلے کو کتابوں میں بھی دیکھ رکھنا۔

نمازِ عشاء کے بعد آج خلافِ معمول پھر مجلس منعقد تھی۔ مولوی عبداللہ صاحب نے طحطاوی کی یہ عبارت پیش کی:

ویکرہ فصلہ بسورۃ بین سورتین قرأھما فی رکعتین لما فیہ من شبھۃ التفضیل والھجر وقال بعضھم لا یکرہ اذا کانت السورۃ طویلۃ کما لو کان بینھما سورتان قصیرتان.

یعنی: امام کا دو سورتوں کے درمیان، جن کو دو رکعتوں میں پڑھا ہو، کسی سورۃ کو چھوڑ جانا مکروہ ہے کیونکہ اس سے ایک سورۃ کو دوسرے سے افضل سمجھنے یا اس کو ترک کر دینے کا شبہ ہوتا ہے۔ اور بعض نے کہا ہے کہ مکروہ نہیں جبکہ وہ سورۃ لمبی ہو جیسے کہ ان دونوں کے درمیان دو چھوٹی سورتیں ہوں۔

اس سے مطلب تو حل ہو گیا مگر وَیُکْرَہُ کے عموم اور لا یکرہ کے قول بعض ہونے نے مدعا کو کسی قدر کمزور کر دیا۔ حضرت نے فرمایا، شامی مقبول فتاویٰ ہے، اس کو دیکھو۔ شامی

آئی تو اس میں یہ عبارت نکلی:

ویکرہ الفصل بسورۃ قصیرۃ اما بسورۃ طویلۃ بحیث یلزم منہ اطالۃ الرکعۃ الثانیہ اطالۃ کثیرۃ فلا یکرہ کما اذا کانت سورتان قصیرتان... الخ.

یعنی: کسی چھوٹی سورۃ کو درمیان میں چھوڑ جانا مکروہ ہے، لیکن بڑی سورۃ جس سے دوسری رکعت زیادہ لمبی ہو جاتی ہو تو اس کو چھوڑ جانا مکروہ نہیں۔ جیسے کہ ایسی صورت میں مکروہ نہیں جبکہ دو چھوٹی سورتیں ہوں۔

اب مسئلہ صاف تھا۔ مولوی نور احمد کو فتاویٰ کے اس واضح ولائح فیصلے کے آگے ہتھیار ڈال دینے پڑے اور اپنی غلطی کا اعتراف کیا۔

بمناسبت مقام ایک پرانا واقعہ مجھے یاد آگیا جو میرے سامنے وقوع پذیر ہوا تھا۔ ایک مشہور بزرگ جو حلقۂ صوفیہ میں نہایت نیک نامی سے یاد کیے جاتے تھے، حتیٰ کہ میں نے دیکھا کہ حضرت مولانا محمد ذاکر صاحب بگوی اور حضرت خواجہ محمد امین صاحب چکوڑی جیسے اکابر مشائخ بھی ان کی ملاقات کے لیے خود چل کر گئے ہیں، ایک مرتبہ ان کا ایک مرید کسی مسئلے پر اڑ گیا اور دوسرے وقت اپنے دعوے کے ثبوت کے لیے ایک کتاب اٹھا لایا۔ مگر غلطی یہ کی کہ سر مجلس عین اس وقت جب پیر صاحب ختم شب سے فارغ ہوئے تھے اور بعض کیفیات میں محو و سرشار بیٹھے تھے، کتاب کھول کر اُن کے سامنے رکھ دی۔ اس جرأت و جسارت پر پیر صاحب کو اس قدر غصہ آیا کہ جھنجھلا کر اُس پر حملہ آور ہوئے۔ مرید تو لپک کر کسی طرف چھپ گیا، پیر کو دوستوں، حاضرین نے باندازِ ادب تھامے رکھا۔ مگر ان کے جوشِ غضب کا یہ عالم ہے کہ وہ دو دو جوانوں کی گود سے نکلے پڑتے ہیں۔ اور اس زور سے چلا رہے تھے کہ گلا پڑ گیا۔

اگر ہمارے حضرت کے نفس میں بھی کچھ حدت و حرارت ہوتی تو کیا آج کا واقعہ اس قسم کا رنگ لانے کے لیے کافی نہ تھا؟ مگر جس ذات میں نخوت کا شائبہ تک نہ ہو، آپ کی رگ ان کے رنگ کو بھی متغیر نہیں کر سکتی۔ حضرت کے مزاج کی کیفیت اس ناگوار واقعہ

میں اوّل سے آخر تک کیسی رہی؟ آؤ ایک بار پھر اس کا مطالعہ کریں:

کسی کے فعل وعمل پر معترض ہونا، اگرچہ وہ امر بالمعروف کے درجے ہی میں ہو، ایک ہم رتبہ آدمی کے صبر وتحمل کے لیے بھی چیلنج ہے۔ چہ جائیکہ ایک مرید کی زبان سے پیر کے حق میں یہ سلوک ہو جس کی ہستی مرید کے لیے انبیاء وصحابہ کے بعد سب سے افضل ہے۔ مگر حضرت نے اس سلوک کو نہایت خوش اخلاقی سے گوارا کیا۔ کیا دلیرانہ صاف گوئی کے مقابلے میں بردبارانہ حق نیوشی کی اس سے بہتر مثال کوئی دکھا سکتا ہے؟ اب آگے چلو۔ جب معترض کی غلطی واشگاف ہو جائے اور اس کو صحیح جواب مل جائے اور پھر بھی وہ چپ نہ ہو تو دوست آشنا بھی اس قسم کی ہٹ دھرمی سے چیں بجبیں ہو جاتے ہیں۔ چہ جائیکہ ایک شیخ اجل اور مقتدائے زمانہ کو ایسی فضول مکالمت کی آماجگاہ میں رکھا جائے۔ مگر آپ نے اس کو بھی برداشت فرمایا اور آخر تک ہنس ہنس کر ٹالتے رہے۔ کیا وسعتِ ظرف اور علو نفس کا اس سے اعلیٰ نمونہ کسی نے دیکھا ہے؟ اور آگے بڑھو۔ اب ایک چھوڑ، دو دو فتاویٰ بھی حضرت کی تائید میں موجود ہو گئے اور حریف بحث نے اپنی ہار بھی مان لی تو ایسی حالت میں فاتح خواہ کم رتبہ ہو یا ہم رتبہ یا عالی رتبہ، بہر صورت اس کے چہرے پر بشاشت اور آواز میں حوصلہ مندی کا لہجہ پایا جائے گا۔ مگر ہمارے حضرت نے اس کے بعد جو کلمات طیبات فرمائے، ان سے صرف حق الامر کا اظہار باندازِ اعتذار پایا گیا۔ کیا تواضع وانکسار کی اس سے بہتر نظیر پیش کی جا سکتی ہے؟ اور کیا ہوائے کبر وآتش غضب کو مسخر کرنے کی یہ کرامت ہوا پر اڑنے اور آگ کو روندنے کے خوارق سے کچھ کم ہے؟ آخر میں حضرت نے فرمایا، اب سے بیس سال قبل میں ان تمام جزئیات مسائل کا پوری تدقیق سے مطالعہ کر چکا ہوں جو عموماً عبادات ومعمولات میں پیش آتی ہیں اور کافی تجسس اور تحقیق سے اپنا اطمینان کر کے ان پر عمل کی بنیاد رکھی ہے۔ عرصہ ہو گیا، اب ان تحقیقات کا سلسلہ تو ہر جگہ یاد نہیں آتا، اتنا اطمینان ہوتا ہے کہ میرا عمل ہر مسئلے میں کسی نہ کسی صحیح تحقیق پر مبنی ہے۔

پھر فرمایا، میری تو عادت ہے کہ میں احتیاطاً ان آداب[1] کا بھی پابند رہتا ہوں جن کا

۱۔ بشرطیکہ وہ آداب اپنے مسلک فقہی میں مکروہ نہ قرار دیے گئے ہوں۔ (مفتی عطا محمد سلمہ ربہ)

ترک دوسرے مذاہب میں مفسدِ صلوٰۃ ہو۔ مثلاً حنبلیوں کے نزدیک جلسہ بین السجدتین میں اَللّٰھُمَّ اغْفِرْلِیْ ایک مرتبہ پڑھنا فرض اور تین مرتبہ مستحب ہے۔ میں اس کو ضرور پڑھتا ہوں۔ حالانکہ احناف کے نزدیک اس کی کچھ بھی ضرورت نہیں۔ قعدہ اخیرہ میں علمائے ظواہر کے نزدیک اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُبِکَ پڑھنی فرض ہے حتیٰ کہ اس کے سوا کوئی دوسری دعا پڑھنے سے نماز درست نہیں ہوتی۔ میں محض اس خیال سے یہی دعا پڑھتا ہوں کہ اس سے ہر دو مذاہب پر عمل ہو جاتا ہے۔ حالانکہ اس کے سوا اور بھی ماثورہ دعائیں ہیں۔ بعض احادیث میں فجر کی سنتوں اور فرضوں کے مابین لیٹ جانا مروی ہے۔ مگر اہلِ ظواہر کہتے ہیں کہ فرض ہے۔ حتیٰ کہ اس کے بغیر فجر کے فرض درست ہی نہیں ہوتے۔ میں اسی رعایت سے فجر کی سنتیں پڑھ کر تھوڑی دیر کے لیے لیٹ جاتا ہوں۔

اس کے بعد ارشاد فرمایا کہ اہلِ ظواہر کا مسلک بھی عجیب ہے۔ وہ ظاہر کی بڑی پابندی کرتے ہیں۔ تاویل و اعتبار کے تو دشمن ہیں۔ ان میں سے ایک ابنِ حزم بڑے مشہور ہیں۔ وہ تمام محدثین، حتیٰ کہ بخاری و مسلم وغیرہ اکابر شیوخ حدیث اور ائمہ مجتہدین پر نہایت سختی سے نقد و جرح کرتے ہیں۔ چنانچہ کہا گیا ہے کہ حجاج ابن یوسف کی تلوار سے اور ابن حزم کے قلم سے کسی کو پناہ نہیں۔

مہماں نوازی و خادم پروری

حضرت کو اپنے مہمانوں کے آرام و راحت کا بڑا خیال رہتا ہے۔ ان کے قیام و طعام اور دیگر ضروریات کا انتظام بڑا باقاعدہ ہوتا ہے۔ سب کے لیے تہیہ مایحتاج اور تفقد احوال مدِ نظر رہتا ہے۔ ذاکرینِ خانقاہ جو ایک مدت معین تک نصاب سلوک کے پورا کرنے کے لیے مقیم ہیں، ان کے لیے تو سادہ پوشی و سادہ خوری شرط طریقت اور داخلِ مجاہدہ ہے، اس لیے ان اضیاف اللہ کو تو دوا ذعوتِ شیراز سے متمتع ہونا لازم ہے۔ اس کے سوا جو خاص مہمان چند روز کے لیے حاضر درگاہ ہوں، ان کی مہمانداری بطورِ ضیافت کسی قدر کسی تکلف کے ساتھ ہوتی ہے۔ مگر یہ تمام مہمان خواہ ان کی مہمانی موقت یا غیر موقت، سادہ ہو یا پُر تکلف، حضرت کے دریائے توجہات سے سب یکساں طور پر سیراب ہوتے ہیں۔ اور آپ کی

شفقت وعنایت اور رحمت ورافت سب کے لیے علی السویہ وقف ہے۔

ایک دن میں نے عرض کیا، حضرت! میں مکتوبات شریف[1] کے بالاستیعاب مطالعہ کا ارادہ رکھتا ہوں۔ حضور امرتسر خط لکھ دیں تو شاید یہ کتاب رعایتی قیمت پر مل جائے۔ فرمایا، روپے خرچ کرنے کی کیا ضرورت ہے، یہاں کتب خانہ میں اس کے پانچ نسخے موجود ہیں، ایک نسخہ مطالعہ کے لیے آپ لے جائیں۔ میں نے عرض کیا، حضرت! میرے کتب خانہ میں بھی تو اس کا ہونا ضروری ہے۔ فرمایا، بہتر، خط لکھوا دیں گے۔ تھوڑی دیر بعد خادم بھیج کر مجھے بلوایا اور مکتوبات شریف کا ایک عمدہ نسخہ چار مجلد جلدوں میں مجھے عطا کر کے فرمایا، حضرت مرزا جان جاناں قدس سرہٗ نے اپنے ایک مرید حضرت مولانا نعیم اللہ بہرائچی کی بوقت رخصت مکتوبات شریف کا ایک نسخہ عنایت کر کے فرمایا تھا، یہ میری طرف سے تمہارے لیے تحفہ ہے، اس کو زیر مطالعہ رکھنا۔ میں مرزا صاحب کی برابری تو نہیں کر سکتا، لیکن اتنا میں بھی کہتا ہوں کہ یہ میری طرف سے آپ کے لیے تحفہ ہے، اس کا مطالعہ کیا کریں۔

مستری ظہور الدین کا بیان ہے کہ وہ مسجد خانقاہ کی چھت کے نیچے پلستر کر رہے تھے۔ ناگاہ اوپر سے بہت سا گیلا مسالہ جو پھینکا تو ان کے منہ پر آ گرا۔ تربتر چونا قلعی بہت سی مقدار میں آنکھ کے اندر اتر گیا اور وہ درد کی شدت سے بے تاب ہو گئے۔ لوگوں نے ان کو پکڑ کر چارپائی پر لٹا دیا۔ حضرت تشریف لائے تو دیکھا کہ وہ مرغ بسمل کی طرح تڑپ رہے ہیں۔ لوگوں نے عرض کیا کہ آنکھ تو جاتی رہی، اگر نہیں گئی تو یقیناً جاتی رہے گی، مگر کسی طرح یہ درد تھم جائے تو غنیمت ہے۔ مستری کا بیان ہے کہ اس وقت میرے سر میں درد کی یہ کیفیت

---

[1] مکتوبات امام ربانی قدس سرہٗ تین جلدوں میں امرتسر میں چھپے ہیں۔ اعلیٰ ایڈیشن کا نسخہ بہ قیمت ۱۸ روپے، ادنیٰ ایڈیشن کا بہ قیمت ۱۲ روپے ملتا ہے۔ یہ مؤلفؒ کے وقت کی بات ہے۔ ۱۹۴۷ء میں تقسیم ملک کے بعد مولانا نور احمدؒ امرتسری طابع وناشر مکتوبات شریف کا کتب خانہ ضائع ہو گیا۔ ان کے فرزند مولانا محمد سلیمان صاحب فاروقی خالی ہاتھ لاہور منتقل ہو گئے۔ اب ان کی سعی سے ۱۳۸۴ھ میں امرتسری ایڈیشن کے مطابق لاہور سے نیا ایڈیشن شائع ہو گیا ہے۔ (محبوب الٰہی عفی عنہ)

تھی کہ گویا کسی اوزار سے کھوپڑی کو توڑا جا رہا ہے۔ حضرت سلمہٗ نے فرمایا، جلدی ان کو کسی ہسپتال میں لے جاؤ اور خواہ کچھ ہی خرچ ہو جائے بلا تامل علاج کراؤ۔ مگر مستری نے عرض کیا، حضرت! درد اور تکلیف سب منظور ہے، بلا حضور کے قدموں سے دور جانا گوارا نہیں۔ اس کے بعد حضرت کئی بار حال پوچھنے کے لیے تشریف لائے۔[1] پھر ایک مرتبہ کسی خادم کے ذریعے حال دریافت فرمایا۔ مستری نے عرض کیا کہ مجھے درد سے جو تکلیف ہے سو ہے مگر اس سے زیادہ تکلیف حضور کے بار بار قدم رنجہ فرمانے کی ہے۔

اس پیغام کا پہنچنا تھا کہ جذبۂ شفقت جوش میں آ گیا اور وہ وقتِ خوش رونما ہو گیا جس کا وقت مقرر نہیں۔ دعا کے لیے ہاتھ اٹھے اور اس شان کے ساتھ اٹھے کہ بلا اجابت لوٹنے والے نہ تھے۔ مولانا مغیث الدین صاحب[2] مستری کی طرف دوڑے گئے اور بشارت دی کہ حضرت دعا فرما رہے ہیں اور میں آپ کی انگلیوں میں سے اجابت کا نزول مشاہدہ کر رہا ہوں۔ تم کہو کیا حال ہے؟ مستری نے کہا، الحمد للہ! بالکل اچھا ہوں، درد کا نام و نشان نہیں رہا اور آنکھ بھی صحیح و سلامت ہے۔ دوسرے لمحے میں مستری جی اسی طرح پاڑ پر بیٹھے کام کرتے نظر آتے تھے۔

۱۔ کان النبی صلی اللہ علیہ وسلم احسن شئی عیادۃ للمریض. یعنی: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بیمار پرسی میں سب سے اچھے تھے۔ (نسائی)

۲۔ مولانا مغیث الدین فاضل دیوبند ساکن چاند پور، ضلع بجنور (یوپی) حضرت کے ایک خادم و مجاز خاص ہیں۔ آجکل ملک ایران میں مقیم ہیں۔ ان کے مکاشفات عجیب ہوتے ہیں۔ پھر ایران سے آپ مدینہ منورہ ہجرت فرما گئے اور ایک بار حج بیت اللہ کرنے کے بعد پھر حدودِ مدینہ منورہ سے باہر نہیں نکلے کہ مبادا حدودِ مدینہ سے باہر موت آ جائے اور جوارِ نبی صلی اللہ علیہ وسلم میں دفن کی سعادت سے محرومی ہو جائے۔ بحمد تعالیٰ سلامت باکرامت ہیں، گو اب ضعیف اور بعض عوارض کی وجہ سے نقل و حرکت سے معذور ہو گئے ہیں۔ مد اللہ مدۃ حیاتہ و متعنا بزیارتہ و برکاتہ آمین.

مکاشفہ: مفتی عطا محمد صاحب مدظلہ کا بیان ہے کہ ۱۳۸۵ھ میں جب میں نے مکتوبات

(بقیہ اگلے صفحے پر)

آپ کے معتقدین خاص اور مریدانِ مجاز بھی استفاضۂ صحبت کے لیے شرف حاضری حاصل کرتے رہتے ہیں۔ آپ سب کو اعزاز واکرام کے ساتھ ملتے اور بکمال شفقت سے پرسشِ احوال فرماتے ہیں۔ رخصت کے وقت علی قدرِ مراتب کسی کو کھڑے ہو کر مصافحہ و معانقہ کے ساتھ، کسی کو بیرونِ خانقاہ تک اور کسی کو اور آگے دور تک مشایعت کے ساتھ وداع فرماتے ہیں۔

خانقاہ شریف سے کندیاں ریلوے سٹیشن تک تین کوس کا ریتلا راستہ ہے، اس لیے مجھ ایسے کمزور و ناتواں خادموں کے لیے ازراہِ شفقت سواری کا بھی انتظام فرما دیا کرتے ہیں۔ خوشاب، بھیرہ وغیرہ کے سفر کا ذکر پیچھے گزر چکا ہے۔ جس روز سفر کی تیاری ہوئی، اسباب اونٹ پر لادا گیا اور حضرت کی سواری کی خاص گھوڑی تیار ہو کر آ گئی تو مجھے ارشاد ہوا

(گذشتہ سے پیوستہ) حضرت حاجی دوست محمد قندھاری قدس سرہٗ اور دو جلد فوایدِ عثمانی ہوائی ڈاک سے ان کی خدمت میں ارسال کیں تو جواب میں آپ نے بہت اظہارِ مسرت فرمایا اور دعواتِ خیر سے نوازا۔ نیز تحریر فرمایا کہ میں پارسل وصول کرنے کے لیے ڈاک خانہ سے اطلاع ملنے پر خود گیا تو میں نے دیکھا کہ پوسٹ ماسٹر انوارِ ولایت میں غرق ہے۔ یوں محسوس ہوا کہ وہ خدائے تعالیٰ کا ولی مقرب ہے۔ لیکن جب کتابیں وصول کر کے میں ڈاک خانہ سے باہر آیا اور پھر پوسٹ ماسٹر صاحب کی طرف نظر ڈالی تو دیکھا کہ وہ ان انوار سے خالی ہے۔ اب اصل حقیقت معلوم ہوئی کہ وہ انوار خاصہ ان کتابوں کے تھے۔ نیز تحریر فرمایا کہ جب میں ان کتابوں کا مطالعہ کرتا ہوں تو خود کو ان اکابر کی مجلس میں بیٹھا ہوا محسوس کرتا ہوں۔ مفتی صاحب موصوف نے فرمایا کہ جب فقیر مدینہ طیبہ حاضر ہوا تو روضۂ اطہر علیٰ صاحبہا الصلوات والتسلیمات من اللہ الملک الاکبر کی زیارت کے بعد معمول حضرت شاہ مغیث الدین صاحب سلمہ اللہ تعالیٰ کی خدمت میں حاضری کا رہتا تھا اور آپ ازراہِ انبساط اپنے واقعات و مکشوفات فقیر کے سامنے بالکل اس انداز سے فرمایا کرتے تھے جس طرح معاصر افراد باہمی گفتگو بے تکلفانہ کیا کرتے ہیں، حالانکہ وہ فقیر سے بہت متقدم ہیں۔ (محمد محبوب الٰہی عفی عنہ، ۶ ذیقعدہ ۱۳۸۹ھ)

کہ تم ابھی اس گھوڑی پر سوار ہو کر سٹیشن پر پہلے پہنچ جاؤ۔ مولوی عبداللہ صاحب ساتھ جائیں گے۔ وہ گھوڑی واپس لے آئیں گے تو پھر ہم اس پر سوار ہو کر آئیں گے۔ خاکسار کو ایک تو حضور کے فرسِ خاصہ پر سوار ہونے کی جرأت نہ ہوتی تھی، دوسرے ابتدائے سفر میں چند کوس تک شرفِ معیت سے محروم رہنا ناگوار تھا۔ اس خیال سے عرض کیا کہ بندہ بھی ریگستانی ملک کا باشندہ ہے اور ریت میں پیدل چلنے کا عادی ہے، دیگر خادموں کے ساتھ حضور کے زیرِ سایہ پیدل ہی چلنا پسند کرتا ہے۔ تو فرمایا، نہیں نہیں، دیر نہ کرو، سوار ہو جاؤ۔ راقم نے باہر نکل کر بعض خدامِ خاص سے عرض کیا کہ للہ آپ ہی مجھے ہمراہ پیدل چلنے کی اجازت دلا دیں۔ انہوں نے کہا، اس کے متعلق خود آپ کا التماس کرنا زیبا تر ہے۔ چنانچہ راقم نے پھر حاضر ہو کر عذر کیا تو آپ نے سنجیدہ لہجے میں فرمایا، کیوں ناحق دیر کرتے ہو، سوار ہو جاؤ۔ اب تعمیلِ ارشاد میں تامل کرنا مشکل تھا کہ الامر فوق الادب۔ مولوی عبداللہ صاحب مجھے سٹیشن پر چھوڑ کر گھوڑی کو واپس لے گئے تو حضرت نصف راستہ تک پیدل تشریف لا چکے تھے۔

خوشاب میں ایک شب قیام رہا۔ چائے کا وقت آیا تو مولوی عبداللہ صاحب، جو اس قسم کی خدمات کے متولی ہیں، موجود نہ تھے۔ آپ نے خود اپنے دستِ مبارک سے چائے پکائی۔ پہلے خدام اور دیگر حاضرین کو پلائی، پھر خود نوش فرمائی۔ ہم لوگوں نے اس کام میں ہاتھ بٹانے کی بہتیری التجا کی مگر سارا کام آپ نے خود ہی انجام دیا[1] اور فرمایا، مولانا! مجھے چائے پکانے کی بڑی مہارت ہے۔ حضرت صاحب مرحوم کے لیے میں ہی چائے پکاتا تھا۔

جامع مسجد خوشاب کی دیوار پر میں نے ایک عجیب مطبوعہ نقشہ چسپاں دیکھا جس میں شہدائے غزوات کے انساب پوری تفصیل کے ساتھ درج تھے۔ مولوی فتح دین صاحب اذبر خوشابی اس کے مؤلف ہیں۔ مجھے بہت پسند آیا۔ دوسرے دن ایک طالب علم کو میں نے ایک روپیہ دے کر کہا، ایک ایسا نقشہ مؤلف سے خرید لاؤ۔ حضرت نے سنا تو اس طالب علم

۱۔ کان صلی اللہ علیہ وسلم یخدم نفسہ (شرح شفا قاضی عیاض)۔ ترجمہ پیچھے گزر چکا۔

سے فرمایا، میرا نام لے کر کہو، انہیں ایک نقشہ کی ضرورت ہے۔ اگر قیمت مانگیں تو دے دینا۔ طالب علم نقشہ لے آیا۔ مؤلف نے قیمت نہیں لی۔

ملکوال سے بھیرہ کی طرف جانے والی گاڑی میں ہم لوگ مغرب کے وقت سوار ہوئے۔ چائے کا وقت گزر چکا تھا۔ مولوی احمد دین کیلوی ساتھ تھے۔ انہوں نے عرض کیا، حضور کے لیے گاڑی میں چائے تیار کی جائے۔ فرمایا، مجھے تو چنداں خواہش نہیں، البتہ اگر آپ کا جی چاہتا ہے تو میں خود تیار کر دیتا ہوں۔ یہ کہا اور فوراً صندوق کھول کر سٹوب نکالا اور اُسے گرم کرنا شروع کر دیا۔ اتنے میں گاڑی نے سیٹی دی اور ہم لوگ دوڑ کر اپنے درجے میں جا بیٹھے۔ اگلے سٹیشن پر گاڑی ٹھہری تو دیکھا حضرت خود چینک میں چائے اور ساتھ دو پیالیاں لیے ہماری طرف تشریف لا رہے ہیں۔[1]

قصبہ سمندری سے چنیوٹ جانے کا قصد تھا اور خاکسار کو حضرت سلمہٗ کے انتظامِ قیام کے لیے ایک روز پہلے جانا تھا۔ سواری کی بس قیام گاہ سے بہت دور فاصلے پر کھڑی تھی۔ آپ اس خادم ناچیز کو موٹر تک پہنچانے کے لیے اکثر خدام سمیت تشریف لائے اور فرمایا، اگلی نشست پر ڈرائیور کے پاس بیٹھو، آرام رہے گا۔ میری خواہش تھی کہ حضرت کے واپس تشریف لے جانے کے بعد بیٹھوں۔ مگر آپ نے فرمایا، بیٹھو بیٹھو، ابھی سے جگہ پر قبضہ کر لو۔ اور مجھ کو اپنی موجودگی میں اس جگہ پر بٹھا دیا تو پھر تشریف لے گئے۔

طبائعِ جامدہ ہمارے اعتقاد کی خواہ تصدیق کریں یا نہ کریں، ہمیں اس کی پرواہ نہیں، لیکن ہمارا یقین ہے کہ حضرت کی نہ صرف عنایتِ ظاہری اپنے خدام کی حوصلہ افزائی و تشفی فرمائی کے لیے وقف ہے بلکہ آپ کی ہمتِ باطن بھی بتوفیقِ حق حضور و غیبت میں یکساں طور پر اُن کے لیے آمادہ و دستگیری رہتی ہے۔ اور نہ صرف آپ کا وجودِ ظاہری ہی اپنے متوسلین کی

---

[1] عن الاسود قال سألت عائشة ما كان النبي صلى الله عليه وسلم يصنع في بيته قالت كان يكون في مهنته اهله تعني خدمة اهله. یعنی: حضرت عائشہؓ سے پوچھا گیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے گھر میں کیا کام کرتے تھے؟ فرمایا، گھر والوں کے کام کر دیا کرتے تھے۔ (مشکوٰۃ)

پشت پناہ ہے بلکہ بعید نہیں کہ آپ کی صورت مثالی بھی بمشیت خداوندی خاص صعوبات و مشکلات میں ان کی نگراں حال ہو۔[۱]

مولوی عبداللہ صاحب فاضل دیوبند اور مولانا حکیم عبدالرسول صاحب بکھر بار اور دیگر بہت سے احباب راوی ہیں کہ مولوی احمد الدین صاحب تنجیالی کے برادر زادہ قاضی امیر حیدر صاحب تنجیالی ایک مرتبہ ریل گاڑی میں سوار ہوئے۔ بھیڑ زیادہ تھی۔ ایک ہندو کا پاؤں جو اکھڑا تو وہ ان پر آگرا۔ انہوں نے اپنے بچاؤ کے لیے اسے دھکیلا تو وہ سامنے کے بنچ پر جا گرا۔ بنچ کا عمودی تختہ اس کی کوکھ میں لگا اور وہیں مر گیا۔ اس پر ایک شور برپا ہوا۔ لوگ امیر حیدر پر ٹوٹ پڑے اور ان کو "پابدست دگرے دست بدست دگرے" کھینچ گھسیٹ کر پولیس میں لے گئے۔ خون کا معاملہ، ہندو مسلم کا سوال، بڑی مشکل کا سامنا تھا۔ یہ غریب روتے تھے اور اس ناگہانی مصیبت سے چھٹکارے کی کوئی صورت نظر نہ آتی تھی۔ اگلی صبح تڑکا تھا کہ حوالات کے سنتری کو ایک شخص نے آواز دی کہ امیر حیدر نام کا کوئی قیدی یہاں ہے؟ اس نے کہا، ہاں ہے۔ یہ شخص سرکاری ڈاکٹر تھا، جو مار پیٹ اور ضرب و زخم کے وقوعات کے متعلق اپنی رائے لکھتا تھا۔ وہ سیدھا اندر چلا گیا اور قاضی صاحب سے کان میں پوچھا، تم کس کے مرید ہو، ان کا کیا نام ہے، کہاں مقام ہے، کیسا حلیہ ہے؟ قاضی صاحب نے سب کچھ بتا دیا تو اس کو اطمینان ہو گیا اور ان کو تسلی دے کر کہنے لگا تم گھبراؤ نہیں، مقتول تلی کا پرانا مریض تھا۔ ذرا سا صدمہ اس کی موت کے لیے کافی تھا۔ پس اس کے قاتل تم نہیں ہو بلکہ اس کا اپنا مرض اور یہ اتفاقی حادثہ اس کا قاتل ہے، تم بے قصور ہو۔ میں اپنی نعش رائے لکھوں گا، امید واثق ہے کہ انشاء اللہ تم بری ہو جاؤ گے۔ صرف چند روز کی حوالات ہے اور وہ چار حوالاتوں کی بیٹھک ہوتی ہے۔ ان چند روز کی زحمت کو تم صبر و

۱۔ تمام اوقات میں اور تمام حالات میں بزرگان دین نے حق میں اپنی توجہات کو جاری رکھنا حضرات صوفیائے کرام کا معمول رہا ہے۔ یہ طریقہ درحقیقت حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی سے جاری ہوا۔ حضرات صوفیائے کرام اور ان کے متبع متوسلین میں یہ چیزیں عام ہیں۔ (مفتی عطا محمد صاحب)

سکون کے ساتھ برداشت کرلو اور مطمئن رہو۔ پھر اس ڈاکٹر نے بتایا کہ آج شب دو بزرگ مجھے خواب میں دکھائی دیے، ان میں سے ایک متوسط عمر کے اور دوسرے نہایت معمر تھے۔ متوسط عمر کے بزرگ نے فرمایا، ہمارا ایک مرید امیر حیدر نام بے گناہ گرفتار ہو گیا ہے۔ تم اس کی مدد کرو۔ میں نے ان بزرگ کا نام و مقام دریافت کیا تو انہوں نے مجھے وہی پتہ اور نشان بتایا جو تم نے بتایا ہے۔ پھر میں نے عرض کیا، یہ دوسرے بزرگ کون ہیں؟ فرمایا، یہ حضرت مجدد صاحب ہیں۔ اتنے میں میری آنکھ کھل گئی۔

حزم واحتیاط اور اخفاء کے احوال

تلقین و تربیت ہو یا مذاکرۂ علمیہ، اشارۂ احوال ہو یا بیانِ اسرار، سب میں پوری طرح حزم و احتیاط ملحوظ رہتی ہے۔ ایسی بات کا منہ سے نکالنا بھی آپ کو گوارا نہیں ہوتا جس پر اعتراض کیے جائیں، جس سے خواص میں شبہات پیدا ہوں، عوام میں بدگمانی پھیلے اور خواہ مخواہ ایک فتنہ برپا ہو۔ اَلْفِتْنَةُ اَشَدُّ مِنَ الْقَتْلِ.

پیر سے خانہ چہ خوش گفت بدردی کش خویش
کہ مگو حالِ دلِ سوختہ با خامے چند

بیعت کے بعد پہلی مرتبہ جو مجھے ذکرِ خفی کا طریقہ بتایا تو میں نے عرض کیا، اس وقت کوئی تصور بھی چاہیے؟ تو معاً آپ نے فرمایا نہیں نہیں، تصور کوئی نہیں۔ کئی روز کے بعد میں نے عرض کیا کہ ذکر میں خطورِ خواطر سے پناہ نہیں ملتی۔ تو آہستہ سے فرمایا، اگر اس وقت یہ خیال کر لیا جائے کہ گویا شیخ کے سامنے بیٹھا ہوں تو خواطر بند ہو سکتے ہیں۔ پھر خاکسار کی حاضریٔ خانقاہ کے ایام میں صاف فرما دیا کہ شیخ کا تصور ہی حصولِ کمال کے لیے سب سے زیادہ موثر ذریعہ ہے۔

ناظرین بے خبر نہیں کہ تصورِ شیخ کا معاملہ ہر چند ایک اصح و احسن امر ہے مگر مورد اعتراضات ضرور ہے۔ پس اوپر کے واقعہ سے ظاہر ہے کہ ایک نو مرید کو اس نازک تعلیم کے ساتھ مانوس کرنے کے لیے جو تدریجِ عمل اختیار فرمائی گئی، وہ کس قدر حکیمانہ اور پُر احتیاط تھی۔[1]

(حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں)

تعلیم و تفہیم اور تلقین و تربیت میں طالب کے سابقہ عادت و عمل کی بھی رعایت رکھی جاتی ہے اور تعلیمات نفیسہ کو زبردستی ٹھونسنے یا یوں کہو کہ مار مار کر کھیر کھلانے سے قطعاً پرہیز کیا جاتا ہے۔ ایک مرتبہ مجھے فرمایا کہ سلوک کے مبتدی کو زیادہ زور ذکر پر دینا چاہیے۔ عبادات میں سے صرف فرائض و واجبات اور سنن مؤکدہ پر اکتفا کر کے باقی تمام نوافل و

۱۔ شمائل ترمذی ص ۲ پر حدیث ہے کہ: عن الحسن بن علی قال سالت خالی ھند بن ابی ھالة و کان وَصَّافاً عن حلیة رسول اللّٰہ صلّی اللّٰہ علیہ وسلّم و انا اشتھی اَن یصف لی شیئاً اتعلّق بہ. (الحدیث)
یعنی حسن بن علی رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ میں نے اپنے ماموں ہند بن ابی ہالہ سے دریافت کیا اور وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا حلیہ مبارک خوب بیان فرمایا کرتے تھے، اور میری یہ تمنا تھی کہ وہ مجھ سے ایسے اوصاف ذکر فرمادیں جن سے میں اپنے آپ کو وابستہ کرلوں۔
اس حدیث مبارک سے تصور شیخ کی اباحت پر حضرت مولانا حسین احمد صاحب مدنی قدس سرہٗ شیخ الحدیث دارالعلوم دیوبند نے بھی اپنی خودنوشت سوانح عمری "نقش حیات" میں استدلال نقل فرمایا ہے اور حقیقت اس تصور کی صرف یہ ہے کہ حفظ خواطر کے لیے یہ ایک طریقۂ علاج ہے اور شیخ کی طرف مرید کا رجحان عموماً بدوں تکلف اور تعمد کے رہتا ہے، احترام شیخ کو مدنظر رکھتے ہوئے اس کو قلب میں جگہ دینا موجب ثمرات و برکات کثیرہ ہے۔ اسی کا نام ذکر رابطہ ہے جس کا مرتبہ آخری التوجه الی اللّٰہ علی حسب استعداد الشیخ ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ کی طرف مرید کی توجہ اسی استعداد و درجۂ کمال کے مطابق ہوتی ہے جو شیخ کو حاصل ہے۔ بالفاظ دیگر شیخ مرتبہ فنا و بقائے اتم پر پہنچنے کے بعد مرید کے لیے وجہ من وجوہ تعریف اللّٰہ کی حیثیت اختیار کرلیتا ہے اور اس وقت حقیقت رابطہ التوجه الی اللّٰہ بوجہ من وجوہ تعریف اللّٰہ بن جاتی ہے۔ واللّٰہ اعلم و علمہ اتم. (اشارات از مفتی عطا محمد صاحب سلمہٗ وتعبیرات از فقیر محمد محبوب الٰہی عفی عنہ)

مستحبات اور اوراد و وظائف کا وقت بھی ذکر کے لیے وقف کر دینا چاہیے۔[۱] ہاں تہجد کے نوافل اگر پڑھ سکیں تو ان کو نہ چھوڑیں۔ میں نے عرض کیا، تلاوت کلام اللہ کے متعلق کیا ارشاد ہے؟ فرمایا، سب پڑھائی میں آ گیا۔

اس ارشاد کی بنا پر چند روز کے بعد میں نے عرض کیا کہ بعض وظائف جو میں پہلے پڑھا کرتا تھا اب سب متروک کر دیے۔ مگر پون پارہ تلاوت کلام اللہ اور نماز فجر کے بعد سورۂ یٰسین پڑھنے کا مدت سے معمول ہے۔ ان کی اجازت بخشی جائے۔ فرمایا، خیر تلاوت کے لیے وقت نکال لیا کرو اور سورۂ یٰسین بہتر یہ ہے کہ تہجد میں پڑھ لیا کرو۔ میں نے عرض کیا، میری یہ عادت بد ہے کہ جو سورۃ یا رکوع بطور وظیفہ جلدی جلدی پڑھنا معمول ہو، اس کو نماز میں بطور قراءت نہیں پڑھ سکتا اور جس رکوع یا سورۃ کو نماز میں قراءۃ پڑھنے کی عادت ہو اس کو کسی ضرورت کے لیے خارج نماز پڑھنے پر قادر نہیں ہو سکتا۔ آپ نے مسکرا کر فرمایا، اچھا یہ بھی پڑھ لیا کرو۔

اس کے بعد مجھے تنبہ ہوا کہ حضرت جو بات ابتدا فرمایا کرتے ہیں اس کو پورے اتفاق کے ساتھ اختیار کر لینا چاہیے، اس کے متعلق کوئی عذر کرنا اور کوئی رعایت چاہنا اچھا نہیں، کیونکہ شیخ مبارک میں تشدد کا شمہ تک نہیں۔ تسامح و رواداری کی عادت بدرجہ کمال ہے۔ عذر معقول ہو یا غیر معقول، اس بارگاہ میں کوئی رد ہوتا ہی نہیں۔ مبادا کوئی واجب العمل بات لحاظ اور رعایت میں دب کر رہ جائے اور اس کے عمل کی توفیق نہ ملے۔

دیو بندی اور بریلوی علماء کے اختلافات مشہور ہیں۔ عاق تحفل میں خود ایک

۱۔ سید عبدالسلام صاحب، جو ہمارے حضرت مرحوم سید ابو محمد برکت علی شاہ صاحب پھلواری کے صاحبزادے ہیں اور ڈیڑھ سال سے حضرت سلمہٗ کی خدمت میں سب سلوک کر رہے ہیں، انہوں نے مجھ سے کہا کہ ذکر سے تصفیۂ باطن و تجلیۂ لطائف مقصود ہے۔ جب یہ مقصود حاصل ہو جائے تو پھر تلاوت کلام اللہ شریف اور ادائے نوافل اور دیگر اوراد و وظائف اختیار کیے جاتے ہیں، ورنہ بلا تصفیۂ باطن ان امور سے وہ فائدہ نہیں ہوتا جو تصفیۂ باطن کے بعد ہو سکتا ہے۔

خانوادے کی دو صوفی جماعتوں میں وہ شدید اختلاف برپا ہے کہ مذکورہ اختلافات بھی اس کے آگے ہیچ ہیں۔ ایک روز حضرت کے نام ایک فریق کے کسی مولوی صاحب کا خط آیا۔ اصلی عبارت تو مجھے یاد نہیں، مگر خلاصہ مطلب یہ تھا کہ فلاں مولوی صاحب کے کلام سے ثابت ہوتا ہے کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو حاضر و ناظر اور بالاستقلال حاجت روا و مشکل کشا سمجھتے ہیں۔ آپ ان کے اس عقیدے کی تصدیق کرتے ہیں یا تکذیب؟ حضرت نے خط پڑھ کر فرمایا، دیکھو یہ لوگ خواہ مخواہ ہم کو بھی اپنے فتنہ و فساد میں حصہ دار بنانا چاہتے ہیں۔ اگر ہم اس خط کا جواب دیں تو لامحالہ ہم کو ایک فریق کا ساتھ دینا پڑے گا اور فرقہ بندی سے ہم کوسوں بھاگتے ہیں۔ میں نے عرض کیا، حضرت! اس کا بہتر علاج یہ ہے کہ خط کا

۱۔ دیوبندی اور بریلوی دونوں مکتب فکر کے حضرات اپنے کو حنفی اور اہل سنت و جماعت کہتے ہیں اور واقعتاً ہیں بھی حنفی اور سنی۔ مذہب فقہی اور مسلک سنی میں اتحاد کے باوجود بعض مسائل و فروعات جزئیہ میں دیوبندیت و بریلویت کے معرض وجود میں آنے سے بہت پہلے سے کچھ علماء کے درمیان رائے کا اختلاف چلا آرہا ہے، تفصیل کا یہ مقام نہیں۔ مقصود گزارش یہ ہے کہ علمی اختلاف رائے عہد صحابہ و تابعین اور ائمہ مجتہدین رضی اللہ عنہم کے دور میں بھی ہمیشہ سے ہوتا رہا ہے جو منافرت کا باعث نہیں بلکہ اِخْتِلَافُ اُمَّتِیْ رَحْمَةٌ کے تحت جولانگاہ عمل میں وسعت کا موجب تھا، اہل علم نجی طور پر اپنے درمیان بحث و تمحیص بھی احقاق حق کی غرض سے کرتے رہتے تھے۔ مناظرے بھی ہو جایا کرتے تھے اور اپنی اپنی رائے کی تائید میں رسائل بھی تصنیف فرماتے تھے۔ لیکن اپنے ہمنواؤں کو اپنے مخالف کے ہمنواؤں کے ساتھ لڑانے کی تدبیریں نہیں سوچتے تھے۔ یعنی منبر پر وعظ و تذکیر کے دوران عوام کے سامنے مسائل اختلافیہ کو چھیڑ کر لعن و تکفیر کی مشین نہیں چلایا کرتے تھے۔ وجہ اس کی یہی تھی کہ وہ اقتدار و جاہ اور معاشی نافع حاصل کرنے کے خواہاں نہ تھے۔ سوءِ اتفاق سے جب ہندوستان پر انگریز نے اپنا پنجۂ استبداد جمایا تو کچھ اس نے اپنی پالیسی "لڑاؤ اور حکومت کرو" کے تحت بعض علماء کو عہدوں، وظائف اور خطابات کا لالچ دے کر ان کے ذریعہ سے ان اختلافات کو بین العلمائی سے بین العوامی بنوا دیا اور کچھ شکم

(بقیہ اگلے صفحے پر)

جواب ہی نہ دیا جائے۔ فرمایا ہاں بیشک یہی بہتر علاج ہے۔

کتمانِ حال واخفائے کمال حضرت سلمہٗ کی اخص الخصوصیات سے ہے۔ ظاہر بیں آپ کو صرف ایک سفید پوش بزرگ سمجھے گا اور اگر کسی کو ذرا علمی درک ہوا تو وہ آپ کو زیادہ سے زیادہ ایک عالم دین اور واقف مسائل سمجھ لے گا اور بس۔ باقی نہ ہُو حق کے نعرے ہیں، نہ سکر و محویت کی باتیں، نہ لباسِ تقویٰ کی آرائش ہے، نہ سجادہ و تسبیح کی نمائش۔ بظاہر جو کچھ ہے وہ شرعی آداب کے موافق عام مسلمانوں کے سے حالات ہیں۔ اچھی پوشاک بھی ہے۔ مناسب خورد و نوش بھی ہے۔ دنیاوی مہمات میں غور و فکر بھی ہے اور عام معاملات میں گفت و شنید بھی۔ خرید و فروخت میں جرح و اصرار بھی ہے اور اختلافات میں بحث و تکرار بھی۔[1]

ایک مرتبہ ارشاد کیا کہ مجھے صوفیانہ ظاہر آرائی سے شرم آتی ہے۔ حتیٰ کہ تسبیح ہاتھ میں لے کر بازار میں چلنا بھی گوارا نہیں اور فرمایا، ہمارے اکابر مشائخ کا شیوہ بھی یہ ہے کہ وہ عوام سے کم ممتاز ہوتے ہیں۔ پھر کسی موقع پر فرمایا، میں ایک بار موسیٰ زئی شریف کی طرف جا رہا تھا۔ سرکاری عہدہ داروں کا سا لباس پہن رکھا تھا۔ راستے میں کئی گاؤں ایسے پڑتے تھے جن کے اکثر باشندے معتقد تھے۔ احتمال تھا کہ وہ لوگ مل گئے تو ٹھہرانے پر اصرار کریں

(گذشتہ سے پیوستہ) پیروں اور نہاد علماء نے منافع دنیوی کی خاطر عوام میں ان اختلافات کو اچھالا اور طلب جاہ و ہوس و حرص کے تقاضے پورے کیے اور اب تو دینی انحطاط اور دنیوی متاع کی طلب کے عروج نے دیوانہ بنا رکھا ہے۔ دنیا کی رسوم و رواجات اور فتنہ کھڑے پیدا کیے جا رہے ہیں جن کا وجود دیوبندیت و بریلویت کے آغاز کے زمانہ میں بھی نہ تھا۔ اللہ تعالیٰ ان کو سمجھ عطا فرمائے اور اہل السنۃ والجماعت کے مسلک قدیم اور حنفیہ خالصہ کے مذہب مستقیم کو سمجھنے اور اس پر عمل کرنے کی توفیق نصیب کرے، آمین۔ (محمد محبوب الٰہی عفی عنہ)

۱۔ یعنی عامیانہ اور عاقلانہ

۲۔ آپ عموماً سفر میں کرتا اور شلوار گرمی کے موسم میں، اور سردی کے زمانہ میں اوور کوٹ پہنا کرتے تھے۔ سرکاری عہدہ داروں کا لباس بھی اس زمانہ میں اسی قسم کا ہوتا تھا، مروجہ زمانہ انگریزی کوٹ پتلون کا رواج اس عہد میں نہ تھا۔

گئے۔ میں گھوڑے پر سوار کسی سے آنکھ ملائے بدوں چلا گیا۔ کسی نے نہ پہچانا اور سمجھے تحصیلدار جارہا ہے۔

مولوی محمد شفیع صاحب[1] انچیالی نے بیان کیا کہ ایک مرتبہ حضرت سلمہٗ شہر خوشاب کے بازار میں تشریف لے جارہے تھے۔ پیچھے پیچھے معتقدین کی جماعت تھی۔ دکاندار یہ جلوس[2] دیکھ کر تعظیماً کھڑے ہو جاتے تھے اور پوچھتے، یہ کون سردار ہیں؟ میں نے بتایا ہمارے پیر صاحب ہیں۔

کندیاں اور خوشاب میں کوئی اتنی بڑی مسافت نہیں کہ یہاں کے ایک ممتاز بزرگ وہاں ناشناسا ہوتے۔ حقیقت یہ ہے کہ اس قسم کے تمام واقعات کی تہ میں آپ کا شدت کا اخفاء و کتمان کارفرما ہے۔ حتیٰ کہ خود آپ کے اہل سلسلہ میں سے بہت سے لوگ آپ کو کما حقہٗ جانتے پہچانتے نہیں۔

کسے آگہ ز ارباب صفا ہرگز نمے باشد
کہ موج آب گوہر را صدا ہرگز نمے باشد

گذشتہ سفر میں جب ہم حضرت کے ہمراہ سٹیشن خوشاب سے شہر کی طرف چلے تو مولوی محمد شفیع صاحب کے مرید یکے بعد دیگرے آتے تھے۔ ان کے گھٹنوں کو چھوتے اور ہاتھوں کو بوسہ دیتے جاتے تھے مگر یہ کسی کو خیال تک نہ تھا کہ انہی کے پہلو میں ہمارے دادا

1۔ مولوی محمد شفیع صاحب، مولوی احمد الدین صاحب کے حقیقی برادر زادہ، دارالعلوم دیوبند کے مستند، فاضل اور حضرت سیدانور شاہ صاحب کے ممتاز ترین شاگردوں میں سے ہیں۔ ان کی تحصیل علوم اور حفظ قرآن حضرت سلمہٗ کی کرامات سے ہیں، جس کا ذکر آگے آئے گا۔ انشاء اللہ۔ آپ کے قدرے تفصیلی حالات ہم سوانح سعدیہ میں خلفاء کے ذکر میں درج کریں گے۔

۲۔ اتفاقاً اس سفر میں یہ صورت پیش آگئی ہوگی ورنہ اعلیٰ حضرت قدس سرہٗ، نیز آپ کے جانشین حضرت مولانا سیدنا محمد عبداللہ صاحب الاسرار المجد دیہ کو یہ رنگ جلوس طبعاً ناپسند تھا۔ رفقاء کو منتشر ہو کر چلنے کا اور بعض اوقات اپنے سے آگے آگے چلنے کا حکم فرمایا کرتے تھے۔

پیر جا رہے ہیں، پہلے ان کی تعظیم کریں۔

آں سلیماں پیش جملہ حاضر ست
لیک غیرت چشم بند و ساحر ست

حضرت سعدؒ کے باکمال خلفاء میں سے ایک پیر عبداللہ شاہ صاحب ساکن بستی جنڈ یر نیاز والہ، ضلع جھنگ گزرے ہیں، جن کے علوِ منزلت کی سند یہ ہے کہ جب ان کا انتقال ہوا تو حضرت نے فرمایا، اگر عبداللہ شاہ زندہ ہوتے تو مجھے اپنا مرنا شاق نہ تھا۔ عبداللہ شاہ صاحب نے آخری وقت میں اپنے تمام مریدوں کو وصیت کی کہ میری وفات کے بعد سب اصحاب خانقاہ شریف پہنچ کر حضرت کی خدمت میں حاضر ہوں۔ ان مریدوں میں سے ایک صوفی جان محمد تھے۔ ان کے دل میں دو شبہے رہتے تھے۔ ایک تو یہ کہ حضرت نے صاحب استطاعت ہونے کے باوجود اب تک حج نہیں کیا۔ دوسرے یہ کہ آپ کی نسبت سے حضرت مرحوم (مولانا سراج الدین رحمۃ اللہ علیہ) کی نسبت زیادہ قوی تھی۔ یہی وجہ ہے کہ جس قدر وہ مشہور بہ عام اور مقبولِ انام تھے، حضرت صاحب نہیں ہیں۔ ان دونوں شبہوں کی بنا پر صوفی جان محمد حاضری خانقاہ سے متوقف رہے۔ ایک شب ہاتفِ غیب نے ان کو پکارا کہ تمہارے دونوں شبہے غلط ہیں۔ اس لیے کہ حضرت حج بھی کر چکے ہیں اور ان کی نسبت بھی اقوی ہے۔[1]

---

[1] جو مرید اپنے پیر کے مراتب کمال تک پہنچ جائے وہ اس کا خلیفہ ضمنی کہلاتا ہے۔ اس کا یہ رُتبہ قرب کے اعلیٰ مراتب سے ہے۔ حضرت خلیفہ محمد عثمان رحمۃ اللہ علیہ کا قول منقول ہے کہ آپ فرمایا کرتے تھے، پیر کامل کے تمام مریدوں سے صرف ایک یا دو کو ضمنیت نصیب ہوتی ہے۔ راوی کو شک ہے کہ شاید تیسرا بھی فرمایا یا نہیں۔ ضمنیت کا مرام خود شیخ کی توجہ سے حاصل ہوتا ہے۔ یعنی شیخ کو جہاں تک تقرب الی اللہ حاصل ہے وہ اپنے مرید کو بھی بذریعہ توجہ اس مقام تک بطریق کشش پہنچا دیتے ہیں۔ اس کشش کو ضمنیت اور اس مرید کو ضمنی کہتے ہیں۔ یہ ضمنیت صغریٰ ہے۔ اس سے اوپر ایک ضمنیت کبریٰ ہے۔ اس سے مراد یہ ہے کہ کسی سالک کو جناب سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم اپنا ضمنی بنا لیں۔ یہ درجہ کمالات کے بلند ترین مدارج سے ہے۔ ہمارے حضرت سلمہ اللہ تعالیٰ اپنی ضمنیت صغریٰ

(بقیہ اگلے صفحہ پر)

ہے۔ باقی رہی ان کی عدمِ شہرت، پس اس کا باعث ان کا اخفائے حال ہے نہ کہ ضعفِ نسبت۔ اور اس قول کی صحت کی دلیل یہ ہے کہ جب تم خانقاہ شریف جاؤ گے تو حضرت کے

(گذشتہ سے پیوستہ) کے متعلق تو ارشاد فرما چکے ہیں کہ آپ کو حاصل ہے۔ ضمنیت کبریٰ کے متعلق دو واقعے قابلِ توجہ ہیں۔ پہلا واقعہ یہ کہ ایک مرتبہ آپ موضع کھولہ میں (جو آپ کا قدیمی وطن ہے) حلقے میں تشریف فرما تھے۔ اثنائے حلقہ میں آپ پر ایک خاص حالت طاری ہوئی جو عالم برزخ میں طاری ہوا کرتی ہے۔ یعنی آپ کو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے جسمِ اطہر کے ساتھ فنا و بقا کرائی گئی۔ آپ خود فرماتے ہیں کہ گویا میرا جسم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے جسم مبارک میں حلول کر گیا اور دونوں جسم بالکل ایک ہو گئے۔ حاضرین حلقہ میں سے ایک خادم خاص یعنی خلیفہ محمد حسین نے بھی، جن کا کشف و وجدان اکثر صحیح و صائب ثابت ہوا ہے، اس حالت کو محسوس کیا۔ حلقہ ختم ہوا تو قبل اس کے کہ حضرت اس واقعہ پر لب کشائی فرمائیں، خلیفہ صاحب ممدوح نے خود عرض کیا کہ آج آپ پر ایک نئی نسبت کا ظہور ہوا ہے جو کہ میرے ادراک سے باہر تھی۔ پھر آپ نے اس واقعہ کے متعلق آہستہ سے فرمایا، شاید یہی ضمنیت کبریٰ ہو۔ دوسرا واقعہ یہ ہے کہ ایک مرتبہ آپ کھڑے کے مقام میں نمازِ ظہر کے بعد چارپائی پر مراقبہ میں بیٹھے تھے، اتنے میں کیا مشاہدہ فرماتے ہیں کہ زمین شق ہوئی اور اس سے سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم جلوہ فرما ہوئے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمارے حضرت کے سر پر بوسہ دے کر فرمایا، انت منی بمنزلة هارون من موسی۔(۱) پھر فرمایا کہ نسبت خاصہ میں ترقی ہو رہی ہے۔ حضرت فرماتے ہیں کہ مدت تک مجھے اپنے سر میں بوسہ مبارک کے مقام پر ایک ٹھنڈک محسوس ہوتی رہی۔

(۱) یہ ایسا ہی ہے جیسا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے فرمایا تھا کہ انت منی بمنزلة هارون من موسی الا انه لا نبی بعدی۔ یعنی تم نیابت دینے میں جس طرح حضرت ہارون علیہ السلام نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی نیابت فرمائی تھی، اسی طرح تم نیابتِ محمدی (صلی اللہ علیہ وسلم) کے حامل ہو۔ باقی منصب نبوت ختم ہو چکا ہے وہ میرے بعد کسی کو نہ ملے گا۔

مکان پر ایک انگیٹھی بنی ہوئی دیکھو گے، جس طرح انگیٹھی کے متعلق یہ خبر مشاہدہ سے تم پر صحیح ثابت ہو جائے گی، اسی طرح دوسری خبر کو صحیح سمجھو۔

صوفی صاحب جاگے تو دل میں حاضریٔ خانقاہ کا شوق موجزن تھا۔ اسی وقت چل پڑے۔ قریب پہنچے تو حضرت کے مکان پر انگیٹھی دکھائی دی۔ اس شاہد عدل پر نظر پڑی تو قوت یقین نے شک و وہم کو دل سے دھو ڈالا اور فرط طمانیت نے سینے میں ٹھنڈک ڈال دی۔ اللہ کی شان! صوفی صاحب یا تو خانقاہ میں آنے سے جھجکتے تھے، یا آئے تو ایسے آئے کہ قیامت تک کے لیے وہیں ڈیرے ڈال دیے۔ یعنی عرصہ دو سال کی اقامت کے بعد نمونیا کے مرض میں مبتلا ہوئے اور دو تین روز بیمار رہ کر اسم ذات کا ذکر کرتے ہوئے جاں بحق تسلیم ہو گئے۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّآ اِلَیْہِ رٰجِعُوْنَ. خانقاہ کی دیوار کے زیر سایہ مدفون ہیں۔

کمالاتِ ولایت وکمالاتِ نبوت اور اُن میں عروج ونزول

حضرت کے احوال ظاہر کا عوام سے غیر ممتاز ہونا ایک دوسرے پہلو سے بھی لائق غور ہے۔ قرب حق کے مراتب میں سے ولایت اور نبوت دو خاص مرتبے ہیں۔ پہلے ولایت کا درجہ ہے اس سے اوپر نبوت کا۔ اور دونوں کے لیے بہت سے مقامات طے کرنے ہوتے ہیں۔ ولی جب ولایت کے مقامات کی طرف ترقی کرنے میں مصروف ہوتا ہے تو اس کو عروج یا صعود کہتے ہیں۔ اس وقت وہ ہمہ تن حق کی طرف متوجہ اور خلق سے روگرداں ہوتا ہے اسی لیے اس حالت میں اُسے خلق کے معاملات سے چنداں دلچسپی نہیں ہوتی۔ بلکہ متوجہ الی الحق ہونے کی وجہ سے اس پر سکر، جذب، مستی اور استغراق کی کیفیتیں طاری ہوتی ہیں۔ پھر جب وہ منازل الی الخلق کے ارشاد و تکمیل کے لیے متوجہ الی الخلق ہوتا ہے تو اس وقت ضرورتاً اس کی یہ کیفیات کم ہو جاتی ہیں اور وہ افاقہ میں ہوتا ہے اور بشری حواس کی ان صفات سے موصوف ہو جاتا ہے جو مخلوق کے ساتھ میل جول رکھنے کے لیے ضروری ہیں۔ اس کی اس حالت کو نزول یا ہبوط کہتے ہیں۔ اس سے آگے نبوت کا درجہ ہے تو اس میں بھی عروج اور نزول کی دونوں حالتیں ہیں اور ان میں بھی حالت عروج استغراق اور حالت نزول پوری صفائی ہوش اور حواس کی ہوتی ہے۔ ولی کے نزول اور نبی کے نزول میں بڑا فرق ہے۔ ولی کا

نزول چونکہ ایسی حالت میں ہوتا ہے کہ اس نے ابھی تک مقاماتِ عروج کو پوری طرح طے نہیں کیا (کیونکہ مزید معارج اور کمالات نبوت ابھی درپیش ہیں)۔ اور ابھی وہ عالم بالا کی طرف نظر جمائے ہوئے ہے۔ اس لیے ہمیشہ اور ہر وقت وہ متوجہ بخلق نہیں رہ سکتا بلکہ کبھی نہ کبھی اس پر سکر و مستی کا غلبہ بھی پایا جاتا ہے۔ بخلاف اس کے نبی نے چونکہ مقاماتِ عروج کی انتہا تک پہنچ کر نزول کیا ہے، اس لیے وہ ہمہ تن متوجہ بخلق ہوتا ہے۔ اور اس پر کبھی بھی سکر و مستی طاری نہیں ہوتی۔[1] اس لیے تم ہمیشہ اولیاء اللہ کے وجد و حال کے تذکرے تو سنتے رہے ہو، مگر یہ کبھی سنا یا پڑھا نہ ہوگا کہ کسی نبی یا رسول پر وجد طاری ہوا ہو۔ اسی طرح اولیاء اللہ میں سے بھی جو حضرات ابھی صرف ولایت کے درجے میں ہیں وہ چونکہ ابھی تک مقاماتِ عروج میں ہیں اس لیے ان پر بعض اوقات مستی و سکر اور وجد و حال کی کیفیتیں طاری ہوتی رہتی ہیں۔ اور جن بزرگوں کو اللہ تعالیٰ نے مراتب ولایت سے آگے ترقی بخش کر

۱۔ اس سے ظاہر ہے کہ نبی پر سکر و مستی کا طاری نہ ہونا اس کے ولی سے افضل ہونے کی دلیل ہے۔ بخلاف اس کے بعض لوگوں کو شبہ ہوا ہے کہ ولایت نبوت سے افضل ہے کیونکہ ولایت مراتب عروج میں ہے اور نبوت مرتبہ نزول میں۔ ولایت میں رو بحق ہے اور نبوت میں رو بخلق۔ بعض نے اس خیال کی اجنبیت سے گھبرا کر یہ تاویل نکالی کہ نبی کی ولایت نبی کی نبوت سے افضل ہے۔ تاکہ ولی کی افضلیت نبی پر لازم نہ آئے۔ مگر یہ بھی غلط ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ نبوت مطلقاً ولایت سے افضل ہے کیونکہ اس میں جو نزول ہے وہ مراتب عروج کو کمال تک پہنچانے کے بعد ہوا ہے۔ بخلاف اس کے ولی اگر عروج میں ہے تو وہ ابھی اس کے درجۂ کمال تک نہیں پہنچا۔ حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی قدس سرہٗ نے اس بحث کو نہایت تفصیل و تشریح کے ساتھ اپنے مکتوبات میں درج فرمادیا ہے۔ مؤلف رحمہ اللہ نے غالباً بطور خود مطالعہ کرکے یا حضرت مولانا محمد عبداللہ صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ سے سن کر اس تحقیق کو نقل فرمایا ہے۔ اس کی پوری تفصیل ہم ان شاء اللہ تعالیٰ سوانح سعدیہ میں درج کریں گے۔

کمالاتِ نبوت[1] سے مشرف فرمایا ہے،[2] وہ چونکہ مقاماتِ عروج کو انتہا تک پہنچا دینے کے بعد متوجہ بخلق ہوئے ہیں، اس لیے ان کی یہ توجہ بخلق بمرتبہ تامہ، ان کا اختلاط بالناس بدرجۂ کاملہ اور ان کا ارشاد و فیض بطریق اکمل ہوتا ہے۔ اب خود سمجھ سکتے ہیں کہ ہمارے حضرت کے احوالِ ظاہر کا غیر متمیز ہونا کیا معنی رکھتا ہے؟[3]

۱۔ کمالاتِ نبوت، جو مخصوص اولیاء اللہ کو بہ تبعیت و وراثت حاصل ہوتے ہیں ان کی حقیقت دراصل ایک یقینِ خاص کا افاضہ ہے جس کو قرآن مجید میں تَثْبِيْتًا مِّنْ اَنْفُسِهِمْ سے تعبیر فرمایا گیا ہے، اور یہ اللہ تعالیٰ کے انعاماتِ خاصہ میں سے ایک انعام ہے جو بوساطت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مخصوص افرادِ امت پر ہمیشہ ہوتا آیا ہے۔ لیکن منجانب اللہ اس فیضان کمالاتِ نبوت کے ہوتے ہوئے بھی اس ولی کو نبی نہ اصطلاحاً کہا جا سکتا ہے اور نہ لغۃً، بلکہ جو شخص ان کمالات سے بہرہ ور ہوتا ہے وہ اپنے آپ کو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا عاجز ترین امتی گردانتا ہے اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام پر منصب رسالت و نبوت کے ختم ہو جانے کا عقیدہ راسخ رکھتا ہے۔ اس عقیدہ کا انکار یا اس میں اضمحلال ہر ظاہری و باطنی کمال سے محرومی کا نشان ہے اور ہر تاویل موجب ضلال اور حرماں ایمان ہے۔ اعاذنا اللہ۔ (اشارات از مفتی عطا محمد سلمہ، تعبیر از عاجز محمد محبوب الٰہی عفی عنہ)

۲۔ کمالاتِ نبوت کا ورود ولی کو بھی حاصل ہو سکتا ہے (۱) اور اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ وہ نبی بن جائے۔ کیونکہ یہ درجہ نبی کے لیے بالاصالت ہے اور ولی کے لیے بطور تبعیت و وراثت۔ (کنز الہدایات)

(۱) بلکہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی نبوت کے الیٰ یوم القیامہ باقی رہنے کا یہ مقتضا ہے کہ العلماء ورثۃ الانبیاء کے تحت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی امت میں کمالاتِ ولایت و نبوت کے جامع کامل ورثا پیدا ہوں جو نیابۃً ہر عہد میں تصدیق و تائیدِ دینِ محمدی (صلی اللہ علیہ وسلم) فرماتے رہیں۔ یہ نہیں کہ قادیان کے ناخواندہ دہقان کی طرح اوہام باطلہ، خیالاتِ فاسدہ، ہواجسِ شیطانی اور خواہشاتِ نفسانی کی پیروی میں مسلک قدیم اور عقیدۂ مستقیم ختم نبوت کی بیخ کنی پر آمادہ ہو جائیں اور دجالی فتنہ کھڑا کر دیں۔ ایسا شخص نبی، ولی یا مجدد ہونا تو درکنار، انسانیت کے ادنیٰ درجہ سے بھی کوسوں دور اور اسلام سے روگردان اور نفور

(بقیہ اگلے صفحے پر)

(علو والی کندیاں[1] سے اگلا اسٹیشن ہے)۔ رات کے بارہ بجے کا وقت ہوگا، نہ کوئی رفیق راہ ساتھ تھا، نہ راستہ معلوم تھا۔ اٹکل پچو کچھ دور تک چل کر بیٹھ گیا اور حیران تھا کہ کدھر جاؤں، کس سے پوچھوں؟ اتنے میں رات کی تاریکی میں افق سے ایک سرخ رنگ کا نورانی ستون نمودار ہوا جس کی بلندی زمین سے آسمان تک پہنچی تھی۔ دل کو باور ہوگیا کہ یہ تو میری رہنمائی کا کوئی کرشمہ ہے۔ اسی ستون کی سیدھ پر چل پڑا۔ دو ڈھائی میل طے کیے ہوں گے کہ دور سے خانقاہ کے مکانات کی سیاہی محسوس ہونے لگی اور وہ ستون غائب ہوگیا۔ پھر بتایا کہ میں نے حضرت کے متعلق اس سے بڑھ کر کئی مشاہدات کیے ہیں، مگر حضرت نے مجھے ان کے افشا سے منع فرما دیا۔ پھر کہا، میں نے قادریہ، نقشبندیہ اور چشتیہ سلسلوں کے صدہا بزرگ دیکھے ہیں۔ مگر حضرت کے برابر متبع سنت، رحم دل، خلیق اور نمونۂ اسلاف کوئی بزرگ آج تک نہیں دیکھا۔ میں نے ''فتوحات مکیہ''، ''فصوص الحکم'' اور ''رسائل کلیم اللہ جہان آبادی'' وغیرہ بہت سی کتب تصوف کا مطالعہ کیا ہے، مگر ان معلومات کا مصداق حضرت کے سوا کوئی نظر نہ آیا۔

حکیم عبدالرسول صاحب فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ حضرت مع خدام حضرت مجدد صاحب قدس سرہٗ کے روضۂ عالیہ پر مراقب تھے۔ جب واپس تشریف لائے تو خادموں سے فرمایا، کسی نے کوئی خاص بات مشاہدہ کی؟ حاضرین نے اپنے مشاہدات عرض کیے۔ خادم نے عرض کیا کہ میں نے اس حلقے میں دیکھا کہ حضرت مجدد صاحب قدس سرہٗ تشریف لائے اور خود اپنے دستِ مبارک سے آپ کے سر پر دستار باندھی۔ حضرت نے فرمایا، ہاں میری مراد یہی تھی۔[2]

۱۔ یعنی کندیاں سے بجانب جنوب مؤلفؒ کے عہد میں اگلا اسٹیشن علو والی تھا۔ مگر اب اگلا اسٹیشن خود خانقاہ سراجیہ ہے اور اس سے اگلا علو والی۔

۲۔ حضرت سیدنا و مولانا محمد عبداللہ صاحب قدس سرہٗ نے فرمایا کہ ایک بار واقعہ یوں پیش آیا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی طرف سے حضرت مجدد صاحب قدس سرہٗ نے اعلیٰ حضرت قیوم زماں مولانا ابوالسعد احمد خان صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو جوغہ پہنایا۔ (بقیہ اگلے صفحے پر)

حکیم عبدالرسول اور مولوی عبداللہ صاحبان دونوں کا متفقہ بیان ہے کہ ایک مرتبہ حضرت شورکوٹ جنکشن سے گاڑی پر سوار ہونے کو تھے کہ ایک مجذوب نے آپ کا بازو پکڑ کر کہا، حضرت! میرا راستہ بند ہو گیا ہے، اس کو کھلوا دو۔ حضرت نے جیب میں ہاتھ ڈالا تو اس نے کہا، مجھے نقدی کی ضرورت نہیں، میرا راستہ تین سال سے بند ہے، اس کو کھلوا دو۔ میں دور سے آیا ہوں اور تین دن سے آپ کا منتظر ہوں۔ پھر وہ مجذوب تھوڑی دور تک آپ کو علیحدہ لے گیا اور کچھ تخلیہ میں عرض کیا۔ آپ سکون و وقار کے ساتھ خاموش تھے۔ مجذوب بار بار وہی سوال دہراتا تھا کہ میرا راستہ کھلوا دو۔ آپ نے فرمایا، میں ایک ادنیٰ درویش ہوں، کیا کر سکتا ہوں۔ مجذوب نے کہا، نہیں نہیں، آپ کی زبان کی بات ہی چلتی ہے۔ پھر اس نے پوچھا، آپ کا اسم مبارک کیا ہے؟ فرمایا، احمد خاں۔ یہ سن کر وہ ناچنے لگا۔ اور بار بار کہتا تھا، احمد خاں! اللہ کی رحمت، اللہ کی رحمت۔ آخر آپ نے فرمایا، اچھا جاؤ۔ سلطان باہوؒ کے مزار پر جا کر میرا سلام کہو اور تین دن تک وہاں ٹھہرو۔ انشاء اللہ تمہارا راستہ کھل جائے گا۔ مجذوب خوش خوش اچھلتا کودتا روانہ ہوا۔ تھوڑی دیر بعد پھر واپس آیا۔ حضرت اس وقت گاڑی میں سوار ہو چکے تھے اور پوچھنے لگا، کیا تین دن ٹھہرنے کا حکم ہے؟

مولوی عبداللہ صاحب کہتے ہیں کہ گاڑی ۹ بجے وہاں سے چلی۔ ۳ بجے سرگودھا جنکشن پر ہم پہنچے۔ مغرب کے بعد حضرت چارپائی پر تشریف فرما تھے۔ میں پنکھا جھل رہا تھا۔ فرمایا، اس مجذوب کا راستہ کھل گیا۔ میں نے عرض کیا، اس کا راستہ بند کیوں ہوا تھا؟ فرمایا، مصلحت نیست کہ از پردہ بروں افتد راز۔ پھر فرمایا، ان لوگوں کو معمولی معمولی باتوں پر

(گزشتہ سے پیوستہ) اعلیٰ حضرت نے پہن لیا۔ چوغہ کی پھبن دیکھ کر حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی قدس سرہ نے فرمایا، "مولانا! آپ کے جسم پر چوغہ فٹ آ گیا۔" اس وقت تو اس واقعہ کی تعبیر نہ کھلی لیکن بعد میں ظاہر ہوا کہ یہ اعطائے خلعت قیومیت کی طرف اشارہ تھا کہ اس منصب کا اختتام آپ پر ہو گیا ہے۔ نیز یہ بھی ظاہر فرمایا گیا کہ عنقریب آپ کو حضرت خواجہ سراج الدین صاحب قدسنا اللہ بسرہ العزیز عطائے منصب قیومیت کی بشارت دیں گے۔ چنانچہ ایسا ہی وقوع میں آیا۔ (مفتی عطا محمد سلمہٗ)

اخذ[1] ہوتا رہتا ہے۔

تھوڑے دن ہوئے، کندیاں کے بازار میں ایک مجذوب پھرتا تھا اور بار بار کہتا تھا کہ مجھے نور پور کی کنجیاں دلا دو۔ کبھی خاک پر لوٹنے لگتا اور یہ تقاضا کرتا کہ مجھے نور پور کی کنجیاں دلا دو۔ مولوی عبداللہ صاحب ایک دن کندیاں میں ایک قصاب کی دکان سے گوشت خریدنے گئے تو اُس نے مجذوب کا ذکر کیا۔ مولوی صاحب نے خانقاہ میں آ کر حضرت کی خدمت میں یہ واقعہ عرض کیا۔ اگلی صبح حضور نے فرمایا، آج رات کو اُس مجذوب کے کاغذات ہمارے روبرو پیش ہوئے۔ چنانچہ اس کا فیصلہ کر دیا گیا۔ دو چار روز کے بعد مولوی عبداللہ صاحب پھر اُس قصاب کی دکان پر گئے تو اُس نے بتایا کہ پرسوں اترسوں وہ مجذوب بہت خوش تھا اور کہتا تھا، نور پور کی کنجیاں مجھے مل گئی ہیں۔ اور خوشی سے اُچھلتا کودتا کہیں چلا گیا، پھر واپس نہیں آیا۔[2]

غنائے قلب اور سیر چشمی

عالم اسباب میں تمام دینی و دنیوی امور اسباب و علل کے سلسلے سے مربوط ہیں۔ جن بزرگ ہستیوں کو فی الواقع "خاک را بنظر کیمیا کنند" کا درجہ حاصل ہے، ان کو بھی جب مہمات معیشت میں مال کی ضرورت ہوتی ہے تو اُس طاقت خارق عادت سے کام نہیں لیتے۔ اور مدر و حجر[3] پر یہ نظر آزمائی کرتے نہیں پھرتے بلکہ اپنے معتقدین کے ہدیوں اور

۱۔ یعنی مواخذہ و گرفت

۲۔ مقامات مظہری کے نسخۂ قدیم کے اوراق پر، جو کتب خانہ خانقاہ شریف میں موجود ہے، اعلیٰ حضرتؒ نے کچھ ملفوظات کشفیہ دربارۂ خود مناصب قطبیت و قیومیت وغیرہ کے سلسلہ میں بطور اظہار نعمت کے غالباً مامور باظہار ہونے کی بنا پر درج فرمائے ہیں۔ لیکن کمال اخفائے حال کے طبعی تقاضے کی وجہ سے ان کا زبانی اعلان و اظہار نہیں فرمایا، اس لیے ہم بھی حضرت اعلیٰ کے منشائے طبعی کو مدنظر رکھتے ہوئے ان کو یہاں نقل کرنے سے گریز کرتے ہیں۔

۳۔ یعنی ڈھیلے اور پتھر پر نگاہ کیمیا اثر نہیں ڈالتے۔

پیشکشوں ہی پر اکتفا کیا کرتے ہیں۔ پھر اُن بزرگ ہستیوں سے بھی بزرگ تر ہستی صلی اللہ علیہ وسلم کے حالات پر نظر کرو۔ جن کا یہ رتبہ ہے کہ اگر چاہیں تو جبل اُحد[1] اُن کے لیے سونے کا ڈھیر بن جائے اور سنگلاخ بطحا کانِ طلا ہو جائے۔ مگر جب تجہیز جیش عسرت[2] کی اہم ترین ضرورت پیش آتی ہے تو وہ بھی اربابِ اموال ہی سے بہشت کے سودے پر استمداد فرماتے ہیں۔

غور کرو تو یہ سودا، یہ داد وستد اور یہ تعامل وتعاون کسی پہلو سے بھی غیر موزوں نہیں، بلکہ عین سنت اللہ کے مقتضیات سے ہے۔ وَتَعَاوَنُوْا عَلَی الْبِرِّ وَالتَّقْوٰی۔ حق تعالیٰ نے شیخ کو گنجینۂ معرفت کا خازن وگنجور بنایا ہے کہ مریدوں کو اس دولت سے مالا مال کرے اور مریدوں کے بازوانِ توانا کو شیخ کے ذاتی اخراجات اور ساتھ ہی اس کے آستانہ کے خاک نشینوں، اس کی بارگاہ کے ''اصحابِ صفہ'' اور اس کے خوانِ کرم کے اضیاف اللہ کے مصارف کا بار اُٹھانے کی ہمت بخشی ہے کہ ان ضروریات کے لیے کسب زر کے اشغال شیخ کے گرانمایہ اوقات واحوال میں حرج نہ ڈالیں۔

ع ہر کسے را بہر کارے ساختند

اگر شیخ مرید کی اُخروی نجات کی کوشش کر رہا ہے اور مرید شیخ کی دنیوی ضروریات میں ہاتھ بٹا رہا ہے تو اس سودے میں کیا نقصان ہے؟ متقدمین صوفیہ سے لے کر متاخرین تک یہی معاملہ چلا آتا ہے۔ المنہج القوی شرح المثنوی المعنوی[3] میں لکھا ہے:

۱۔ یعنی مکہ معظمہ کا اُحد پہاڑ

۲۔ اسی موقع پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے گھر کے کل اثاثہ کا نصف اس توقع پر پیش کیا تھا کہ آج حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے پیش قدمی حاصل ہو جائے گی۔ لیکن حضرت صدیق رضی اللہ عنہ نے اپنے گھر میں نامِ خدا اور رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے سوا کچھ نہ چھوڑا، سب کچھ لا کر پیش فرما دیا تھا کہ:

ع صدیق کے لیے ہے خدا کا رسول بس

۳۔ جلد دوم، شرح دیباچہ، دفتر دوم

قال نجم الدین الکبریٰ کنتم ضعفاء بالصدق و الطلب محتاجین الی الصحبۃ والتربیۃ فمن اللّٰہ علیکم بصحبۃ المشائخ و قبولھم اباکم والاقبال علی تربیتکم و ایصال رزقکم الیھم و شفقتھم و عطفھم علیکم فتبینوا ان تردوا صادقا اھتماما لرزقہ اوتقبلوا کاذبا حرصا علی تکثیر المریدین.

یعنی: حضرت نجم الدین کبریٰ فرماتے ہیں کہ تم صدق وطلب میں کمزور اور صحبت وتربیت کے محتاج تھے۔ پس اللہ نے تم پر فضل کیا کہ مشائخ کی صحبت میں آگئے اور انہوں نے تم کو مرید بنالیا اور تمہاری تربیت پر آمادہ ہوگئے۔ تمہاری کمائی[1] بطور ہدایا ان کے پاس پہنچی اور ان کی شفقت وہدایت تم پر مبذول ہوئی۔ پس تم خود فیصلہ کرلو کہ ان کے رزق کے اہتمام میں صداقت سے کام لوگے یا مرید بڑھانے کی غرض سے جھوٹے مرید ہوگے۔

ہمارے حضرت بھی اگر اسی سنتِ قدیمہ کے مطابق اپنے معتقدین ومتوسلین کے بطیب خاطر پیش کیے ہوئے ہدایا قبول فرماتے ہیں تو یہ بات چنداں قابلِ ذکر نہ تھی۔ البتہ قابلِ ذکر آپ کی وہ قناعت اور میر چشمی ہے، جو اس باب میں آپ کا دستور العمل ہے۔ کوئی معتقد تھوڑا بہت جو کچھ بھی ہدیہ پیش کرے، قبول ہو جاتا ہے۔[2] کمی بیشی کا مطلق خیال

۱۔ یہاں سے فقیر کو اس ترجمے سے اختلاف ہے۔ صحیح ترجمہ یوں معلوم ہوتا ہے: "اور اللہ تعالیٰ نے تمہارا رزق (ظاہری وباطنی) بھی ان کے پاس پہنچا دیا اور اُن کو تم پر شفیق ومہربان بنا دیا۔ پس خوب غور سے کام لو۔ کہیں سچے طالب خدا کو اس کے رزق کی کفالت کے ڈر سے رد نہ کر دو اور جھوٹے طلبگار کو مریدین کی تعداد بڑھانے کے شوق میں قبول نہ کر بیٹھو۔" واللہ اعلم۔ (محبوب الٰہی عفی عنہ)

۲۔ وکان رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم یقبل الھدیۃ ولو انھا جرعۃ لبن او فخذ ارنب. یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہدیہ قبول فرمالیتے، خواہ وہ دودھ کا ایک گھونٹ یا خرگوش کی ایک ران ہوتی۔

نہیں۔ اگر کچھ بھی پیش نہ کرے تو بھی کسی قسم کا ملال نہیں۔ غرض نہ کسی سے کچھ توقع ہے، نہ کسی کے بازو نے ہمت کا انتظار ہے۔ بلکہ حدیث **واجمع الایاس مما فی ایدی الناس**[1] پر پورا پورا عمل ہے۔ بخلاف دیگر شیوخ عصر کے کہ بعض اشارۃً و کنایۃً اپنے مریدوں سے مال و زر کا سوال کرتے رہتے ہیں، بعض صراحۃً فرمائشیں کرتے ہیں اور تخلف معمول سے دل تنگ و ملول ہو جاتے ہیں اور بعض نے ایک سلطان جابر کی طرح مریدوں کی کمائی کا ثلث یا خمس وصول کرنے کا ضابطہ بنا رکھا ہے اور اس طرح اپنے غریب مریدوں کی کمائی پر شاہانہ عیش و عشرت کر رہے ہیں۔

گر ہوائے طرق کبریٰ ہست صاحب در سرت
دامے از شیخ سازد دامے از سجادہ کن

مگر ہمارے حضرت کا اختیار اس بارے میں صرف وہ اصول ہے جو آپ نے (اپنے اور) عام مشائخ کے لیے کتاب "غرر الہدایات" کے حاشیہ صفحہ ۹ پر درج فرمایا ہے:

بدانکہ حضرت امام ربانی در مکتوب صد و ہفتاد و ہشتم از جلد اول تحریر فرمودہ "نیک تاکید نماید کہ طمع در مال مرید و توقع در منافع دنیوی او پیدا نشود کہ نفع رشد مرید است و باعث خرابی پیر، در آنجا ہمہ دین خالص می طلبند الا للہ الدین الخالص شرب را دراں حضرت ہیچ جہ گنجائش نیست" و حضرت امام شعرانی فرمودہ اند "ان الشیخ اذا علم من مریدہ انہ صار یری ان جمیع ما فی یدہ انما وصل الیہ ببرکۃ استاذہ وانہ ہو وعیالہ انما یاکلون من مال ذلک الاستاذ فلا حرج علی الشیخ حینئذ فی الاکل من طعام ذلک المرید۔"

یعنی: واضح ہو کہ حضرت امام ربانی قدس سرہٗ نے (مکتوبات کی) پہلی جلد کے ایک سو اٹھترویں مکتوب میں فرمایا ہے کہ "خوب تاکید کی جائے کہ مرید

۱۔ یعنی: جو چیز لوگوں کے ہاتھوں میں ہے اس سے پوری طرح ناامید رہو۔ (مشکوٰۃ کتاب الرقاق، فصل الثالث، عن ابی ایوب انصاریؓ مرفوعاً)

سے مال لینے کی حرص اور اس سے دنیوی فائدہ اٹھانے کی توقع پیدا نہ ہو۔ کیونکہ یہ مرید کی ہدایت کی مانع اور پیر کی خرابی کا باعث ہے۔ خدا کے ہاں بالکل خالص دین کی طلب ہے۔ چنانچہ فرمایا یاد رکھو اللہ کا حصہ خالص دین ہے۔ شرک کی اس درگاہ میں کسی طرح گنجائش نہیں۔'' اور حضرت امام شعرانی نے فرمایا ہے کہ ''شیخ کو جب یہ معلوم ہو کہ اس کا مرید اس درجہ کو پہنچ گیا ہے کہ اسے یقین ہے کہ میری تمام مملوکات میرے استاد کی برکت سے مجھے حاصل ہوئی ہیں اور میں اور میرا عیال اسی استاد کا مال کھا رہے ہیں تو اس وقت شیخ کے لیے اس مرید کا طعام کھانے میں کوئی مضائقہ نہیں۔''[۲]

فراست و بیدار ولی اور کشف و وجدان

حضرت کی توجہات کا ہمہ گیر ہونا بھی عجائبات سے ہے۔ میں اور مولوی عبداللہ صاحب فہرست کتب خانہ مرتب کر رہے ہیں۔ ایک موقع پر مثلاً یہ تلاش درپیش ہے کہ کتاب کا مؤلف کون ہے یا کس مطبع میں چھپی ہے؟ اور ہم اس کے متعلق اس قدر دھیمی آواز میں گفت و شنید کر رہے ہیں کہ کوئی قریب بیٹھا بھی نہ سن سکے۔ اگر سنے تو کچھ سمجھ نہ سکے۔ ادھر آپ اچھے خاصے فاصلے پر بیٹھے کسی کتاب کا مطالعہ پورے انہماک کے ساتھ فرما رہے ہیں۔ اب اس کو حدس و فراست کی اعلیٰ روشنی کہو یا قوتِ کشف کا کرشمہ کہ اسی حالتِ مطالعہ

۱۔ یحییٰ کنبہ

۲۔ واضح رہے کہ ارشاد مبارک اس مال کے بارے میں ہے جس سے بظاہر شیخ خود بھی منتفع ہوتا ہے۔ لیکن اگر شیخ دینی امور مثلاً مدرسہ علوم عربیہ یا دیگر تبلیغ دین کے ذرائع پر مریدین کو مال خرچ کرنے کی ہدایت کرتا اور ادھر توجہ دلاتا ہے تو یہ امر اس کے منصب ارشاد سے متعلق ہے جس پر وہ بھی ماجور ہوگا اور حسب استطاعت خوشدلی کے ساتھ اس کے ارشاد کی تعمیل کرنے والے مریدین بھی مستحق اجر و ثواب ہوں گے۔ مخلص مرید اس قسم کی ہدایات و ترغیبات سے اپنے آپ کو زیر بار تصور نہیں کر سکتا کیونکہ ان مصارف کا اجر بلاواسطہ خود اُس کے لیے ہے۔

میں رخ بہ کتاب بیٹھے بیٹھے ہمارے سوال کا جواب دے دیتے ہیں۔ یہ تماشا ہم ہر روز بلکہ ساعت بہ ساعت دیکھتے تھے۔[۱]

اس سے بھی بڑھ کر اور سنیے۔ آواز تو خواہ کتنی ہی دھیمی ہو قوتِ سامعہ کچھ نہ کچھ اس کے ادراک کا حق رکھتی ہے، لیکن جو آواز دل ہی میں اٹھ کر رہ جائے اور لب تک نہ پہنچے، جس خیال کی سیر و گردش فضائے قلب ہی میں محدود رہے اور وہ آشنائے حرف و صوت نہ ہو، آپ احیاناً اُس کو بھی سن لیتے ہیں اور اگر ضرورت داعی ہو تو اُس کے متعلق مناسب ارشاد فرما دیتے ہیں:

بندگانِ خاصِ علّامُ الغیوب	در جہانِ جاں جواسیس القلوب
پیشِ او مکشوف باشد سرِّ حال	در درونِ دل در آید چوں خیال

ایک دن مجھے خیال آیا کہ توجہ کا اثر اکثر خدام پر ہوتا ہے، کیا وجہ ہے کہ مجھ پر نہیں ہوتا۔ اور یہ خلجان میں نے نہ کسی سے کہا، نہ کسی نے مجھ سے سنا، مگر آپ نے خود ہی اس عقدۂ مستور کو حل فرما دیا۔ ایک مفصل تقریر فرمائی جو اِن شاء اللہ آگے کسی موقع[۲] پر درج ہوگی۔

۱۔ اعلیٰ حضرت قدس سرہٗ کی فراست، حدس اور صفائے باطن کا ایک واقعہ قاضی شمس الدین صاحب مدظلہٗ (خلیفہ حضرت مولانا و سیدنا محمد عبداللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ) نے خود حضرت رحمہ اللہ سے روایت کرتے ہوئے بیان فرمایا کہ حضرت رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ مستری ظہور الدین صاحب مسجد کی تعمیر کیا کرتے تھے اور بعض اوقات اعلیٰ حضرت صحن مسجد میں اس طرح بیٹھے ہوتے تھے کہ مستری صاحب کی طرف آپ کی پشت مبارک ہوتی تھی۔ اسی حالت میں اگر مستری صاحب کوئی اینٹ ذرا سی ترچھی یا آگے پیچھے لگا دیتے تو اعلیٰ حضرت اپنی جگہ پر بیٹھے ہوئے بغیر رخ پھیرے فرما دیا کرتے تھے کہ مستری صاحب! یہ اینٹ ذرا ترچھی لگ گئی ہے۔ یہ منظر دیکھ کر ہم حیران ہوتے تھے۔ عذر یا گیا، دریافت کیا تو حضرت نے فرمایا کہ غلط اینٹ کے لگتے ہی میری طبیعت میں خلجان سا ہونے لگتا ہے۔

۲۔ دیکھو صفحہ ۳۰۸

ماحصل اس کا یہ ہے کہ توجہ کی تاثیر کئی طرح پر ہے۔ بعض اوقات اثر ضرور ہوتا ہے مگر صرف شیخ کو معلوم ہوتا ہے، مرید محسوس نہیں کرتا۔

بیمار اگر ز درد بود غافل از طبیب
دارد دل طبیب ز بیمار آگہی

ایک مرتبہ خطراتِ قلب کے متعلق بڑی پریشانی ہوئی کہ وہ رفع نہیں ہوتے۔ آپ نے اس ناگفتہ سوال کا جواب یوں فرما دیا کہ خطرات جب زبان پر نہ لائے جائیں اور دل میں ان کا گزرنا ناگوار اور زبان پر لانا شاق ہو تو وہ مضر نہیں ہیں، بلکہ یہ حالت دلیلِ ایمان ہے اور ان خطرات کا علاج یہ ہے کہ ان کی پرواہ نہ کی جائے (یہ مفصل تقریر بھی اپنی جگہ پر آئے گی، انشاء اللہ)۔[1]

میرا گمان غالب یہ ہے کہ شبا روزی مجالس میں حضرت کے اکثر ارشادات خادموں کے ضمائر و خواطر ہی کے جوابات ہوتے ہیں۔ صاحبِ خطرہ کے سوا کوئی دوسرا تو کیا سمجھے گا کہ یہ کسی کے قلبی سوال کا جواب ہے بلکہ میرے قیاس میں خود صاحبِ خطرہ کو بھی اپنی تمام احادیثِ نفس کے محاسبہ کی توفیق کم ہوتی ہے۔ پس اس کو بھی اس بات کا احساس ہونا ضروری نہیں کہ یہ جو کچھ ارشاد ہو رہا ہے میرے ہی فلاں خیال کا جواب ہے۔

ایک بار راقم کے دل پر حاضریٔ خانقاہ کے ایام میں ناگہاں ایک وحشت اور اضطراب طاری ہو گیا۔ مگر دل کو نہایت ضبط کیا اور مصلحتاً یہ کوشش کی کہ حضارِ آستانہ پر یہ کیفیت ظاہر نہ ہو۔ چنانچہ سب کے ساتھ حسبِ معمول بشاشت سے صحبت و مکالمت رہی جو پہلے تھی حتی کہ کسی کو یہ بھی نہ سوجھی کیفیت کے متعلق کوئی شبہ نہ تھا۔ مگر اتفاق ایسا ہوا کہ کبھی صاحبزادہ محمد معصوم صاحب سلمہ اور کبھی مولوی عبداللہ صاحب متواتر مجھ سے کہتے ہیں کہ حضرت صاحب کو آپ کا بڑا خیال ہو رہا ہے۔ بار بار پوچھتے ہیں کہ مولوی صاحب اداس تو نہیں ہیں، آخر شہر کے رہنے والے ہیں، اس جنگل میں آ کر پریشان نہ ہو گئے ہوں۔ دو تین روز کے بعد طبیعت کو سکون حاصل ہوا تو پھر کبھی اس قسم کا ذکر نہیں آیا۔

---

[1] دیکھو صفحہ ۴۰۴

مستری ظہور الدین راوی ہیں کہ حضرت سلمہٗ کئی مرتبہ میری ضروریات میں دو دو، چار چار روپے بطور اعانت مجھے عطا فرمانا چاہتے اور میں لینے سے عذر کر دیتا۔ لیکن جب میں نے دیکھا کہ دوسرے لوگوں کو حضرت کچھ عطا فرماتے ہیں تو وہ چپکے سے لے لیتے ہیں۔ میں نے ارادہ کر لیا کہ اب اگر مجھے کچھ عطا فرمائیں گے تو میں بھی لے لیا کروں گا۔ اسی دن ایک صحبت میں حضرت نے فرمایا کہ شیخ طریقت کے پاس نقد و زر لینے کے لیے نہیں آتے بلکہ کچھ اور حاصل کرنے کے لیے حاضر ہوتے ہیں اور نہ پھر کبھی کچھ نقدی مجھے عطا فرمائی۔

شبا روزی معمولات اور تقسیم اوقات

حضرت بالالتزام روزانہ نمازِ تہجد کے وقت بیدار ہو کر گھر ہی میں نوافل ادا کرتے ہیں اور پھر با جاع سنت قدرے آرام فرماتے ہیں۔ پو پھٹے مسجد میں فجر کی اذان ہوتی ہے۔ ذاکرین و متوسلین نمازِ فجر کے لیے مسجد میں جمع ہو کر ذکر و شغل میں لگ جاتے ہیں۔ ادھر آپ تجدید وضو فرما کر سنتوں کے بعد ٹھیک ایسے وقت مسجد میں تشریف لاتے ہیں کہ حنفی مسلک کے موافق ہر دو رکعت میں سورۂ طٰہٰ یا سورۂ والصافات کے برابر کوئی سورت طلوعِ آفتاب سے پیشتر تک پڑھی جا سکے۔

نمازِ فجر کے بعد مصلائے نماز پر بیٹھے بیٹھے آپ ختم خواجگان خاص متوسلین کے ساتھ پڑھتے ہیں۔ اس کے بعد حلقہ ہوتا ہے جس میں آپ اہلِ حلقہ کو توجہ دیتے ہیں۔ یہ روحانی [illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

چائے نوش فرمانے کے لیے اندر تشریف لے جاتے ہیں۔

مسجد سے متصل جانب شمال کتب خانہ ہے۔ اس کے متصل ایک خوبصورت کمرہ خاص حضرت کی نشست گاہ ہے جس کا نام تسبیح خانہ ہے۔ نو ساڑھے نو بجے آپ تسبیح خانہ میں تشریف لاتے ہیں۔ اس وقت اکثر متوسلین، خصوصاً جو روحانی تربیت پا رہے ہوں، آپ کے پاس حاضر ہوتے ہیں۔ کیونکہ صحبت شیخ ان کے وظائفِ خصوصیہ میں داخل ہے۔ ان کا فرض ہوتا ہے کہ اپنے ظاہر و باطن کو مجمع ہمت متوجہ بمرشد رکھیں۔ اس وقت ذکر و شغل یا از خود مطالعۂ کتب یا کسی نوادر کی طرف توجہ اور اس سے مصافحہ و معانقہ بھی آدابِ صحبت کے خلاف ہے۔

بر دوختہ ام دیدہ چو باز از ہمہ عالم
تا دیدۂ من بر رخِ زیبائے تو باز است

اس صحبت میں آپ مختلف علمی مباحث اور دینی مسائل کا ذکر فرمایا کرتے ہیں۔ علمی ذوق رکھنے والے اس گفتگو میں حصہ لیتے ہیں اور دوسرے اصحاب خاموش سنتے ہیں۔ بعض صرف استفاضہ حضوری پر اکتفا رکھتے ہیں اور ان پر بعض مرتبہ ایک سکر و استغراق کی حالت طاری ہو جاتی ہے:

شد ز بیداریِ من صبحِ قیامت نومید
برد از بسکہ تماشائے تو از ہوش مرا

گیارہ بجے کے قریب گھر میں تشریف لے جاتے ہیں اور کھانا تناول فرماتے ہیں۔ اس کے بعد آپ کے قیلولہ کا وقت ہے۔ گرمی کی شدت میں ظہر کی اذان قریباً دو بجے ہوتی ہے اور جماعت تین بجنے سے پہلے ہو جاتی ہے اور اس کے علاوہ[1] بمجرد زوال اذان ہوتی ہے اور تھوڑی دیر کے بعد جماعت قائم ہو جاتی ہے۔ نماز کے بعد آپ روبقبلہ اور دو زانو بیٹھ کر قرآن مجید کی تلاوت کرتے ہیں، جس کی مقدار ایک منزل (مطابق نفی بشوق کے) ہوتی ہے۔ پھر بعض وظائف مقررہ پڑھتے ہیں۔ بعض خاص متوسلین زیرِ تربیت اس وقت بھی

---

[1] یعنی موسم سرما میں

حصولِ فیض کے لیے آپ کے اردگرد بیٹھے رہتے ہیں:

ز دیدنت نتوانم کہ دیدہ بر بندم
گر از مقابلہ بینم کہ تیرے آید

اس کے بعد آپ گھر میں چائے نوش فرما کر تسبیح خانہ میں یا اس کے برآمدہ میں (حسب تقاضائے موسم) تشریف رکھتے ہیں اور متوسلین بھی حاضر ہوتے ہیں۔ یہ صحبت بھی علمی گفتگو اور رُوحانی افاضہ پر مشتمل ہوتی ہے۔ چار بجے یا پانچ بجنے کے بعد حسب اختلاف موسم نمازِ عصر سے فارغ ہوکر اسی مجلس میں ختم خواجگان پڑھتے ہیں۔ جس کے بعد اُسی جگہ یا تسبیح خانہ میں یا اور جگہ تشریف فرما ہوتے ہیں اور علمی صحبت کا وہی رنگ جم جاتا ہے۔[1]

مغرب کی نماز کے بعد سب اصحاب کھانے سے فارغ ہو جاتے ہیں تو آپ کسی قدر توقف کے ساتھ تسبیح خانہ میں تشریف فرما ہو جاتے ہیں۔ متوسلین بھی یکے بعد دیگرے حاضر ہوتے اور حلقہ بستہ بیٹھتے جاتے ہیں۔ اس وقت حضور بعض کتب کا مطالعہ فرماتے ہیں۔ متوسلین دو زانو دست بر ناف بستہ بصورت حلقہ خاموش بیٹھے رہتے ہیں۔ بعض اہلِ حال پر اس وقت سکر و بیخودی طاری ہو جاتی ہے۔ کبھی آپ بعض خاص علمی مباحث اور اختلافی مسائل پر گفتگو فرماتے ہیں اور اس سلسلہ میں تفسیر، حدیث، اسماء الرجال، لغت کی کتابوں کی دیکھ بھال (یعنی ورق گردانی) بڑی سرگرمی اور توجہ سے جاری رہتی ہے۔ یہ صحبت خصوصیت کے ساتھ زیادہ گرما گرم ہوتی ہے جس میں عموماً رات کے گیارہ بج جاتے ہیں۔ اس لیے نمازِ عشاء کی قرأت میں آپ سورۃ التین اور سورۃ القدر یا اُنہی کے برابر اور چھوٹی سورتوں پر اکتفا فرماتے ہیں۔[2]

۱۔ عموماً بعد عصر ختم شریف سے فارغ ہونے کے بعد مکتوبات امام ربانی مجدد الف ثانی قدس سرہٗ یا رسائل حضرات مجددیہ رحمہم اللہ کا درس ہوتا تھا اور یہی سلسلہ حضرت سیدنا و مولانا محمد عبداللہ صاحب قدس سرہٗ کے عہد مبارک میں جاری رہا اور اب ان کے بعد حضرت مولانا ابوالخلیل خان محمد صاحب مدظلہ العالی بھی بیشتر اس پر عمل فرماتے ہیں۔

۲۔ فضل فی علم خیر من فضل فی عبادۃ۔ یعنی علم میں افضل ہونا عبادت میں افضل ہونے سے بہتر ہے۔ (مشکوٰۃ، باب العلم عن عائشہ مرفوعاً)

مذاکراتِ علمیہ

حضرت کا آستانہ صرف سلوک و طریقت کی تربیت گاہ ہی نہیں بلکہ اس کے دوش بدوش وہ ایک عظیم الشان علمی دربار کی حیثیت بھی رکھتا ہے۔ یہاں ہر علم و فن کی گرانمایہ کتابوں کا عظیم الشان ذخیرہ موجود ہے اور وہ تمام آنے جانے والے علماء و فضلاء کے مطالعہ کے لیے وقف ہے۔

علماء کے پاس کتابوں کا کافی ذخیرہ نہ ہو یا ان کے قرب وجوار میں کوئی بڑا کتب خانہ نہ ہو تو ان کی مثال ایک بے پر پرندے کی سی ہے، جس کے وجود میں پرواز کی صلاحیت تو ہے مگر سامان پرواز نہیں۔ یہی حال اکثر بے چارے علماء کا ہے۔ ان کو نئے سے نئے پیش آنے والے مسائل میں علمی تحقیقات کی پیاس بیتاب کرتی رہتی ہے۔ مگر وہ اس پیاس کو بجھانے کا سامان نہیں پاتے اور ان کا ہاتھ اس سامان کو مہیا کرنے سے قاصر ہے۔ حضرت کے ذی علم خلفاء و متوسلین جب حاضر آستانہ ہوتے ہیں تو شوق زیارت کے ساتھ یہ علمی تشنگی بھی ساتھ لاتے ہیں۔ یہاں خاص خاص علمی مسائل کی خوب چھان بین ہوتی ہے۔ تحقیق و تدقیق کی پوری داد دی جاتی ہے۔ علوم و فنون کا بے پایاں سمندر سامنے موجیں مار رہا ہے اور دریائے علم کے شناور اپنے تفقہ و تبحر علمی کے کمال دکھا رہے ہیں۔ بعض اوقات میں نے دیکھا کہ کسی ایک ہی مسئلے کے متعلق گفت و شنید اور غور و فکر میں کئی دن گزر گئے۔ خود حضرت اس بزمِ تحقیق کے صدر ہوتے ہیں اور آپ پر اس وقت خصوصاً علماء کے حضور میں مسئلہ زیر بحث کی تحقیقات کا غلبۂ ذوق یہاں تک ہوتا ہے کہ ظہر کی نماز کے بعد تلاوت سے فارغ ہوئے تو معاً ارشاد ہوتا ہے کہ لاؤ فلاں تفسیر، اس میں بھی یہ مسئلہ دیکھ لیں۔ عصر کے بعد ختم خواجگان سے فراغت ہوئی تو پھر فرمائش کہ لاؤ فلاں شرح بخاری، دیکھیں شاید اس میں بھی کچھ لکھا ہو۔ مغرب کے بعد بھی فوراً یہ حکم کہ لاؤ فلاں لغت کی کتاب، دیکھیں اس میں اس لفظ کی کیا تشریح کی ہے۔

میری حاضری خانقاہ سے دس بارہ روز پیشتر موضع مونگا ضلع شاہپور میں اہل سنت اور فرقہ مرزائیہ میں وہ عظیم الشان مناظرہ ہوا تھا جس کی شہرت سے یہ تمام علاقہ گونج اٹھا اور اس نواح میں اس شان اور اس نوعیت کا یہ پہلا اجتماع تھا جس میں سنا ہے کہ چھ ہزار مسلمان شریک ہوئے اور مرزائی مناظرین کو شکست فاش ہوئی۔ مولوی محمد شفیع صاحب مجیانی ارکان مناظرہ میں شامل تھے۔ چند روز بعد وہ حضرت کی خدمت میں حاضر ہوئے اور مناظرہ کی تمام کارروائی اور فریقین کے دلائل بہ تفصیل عرض کیے۔ حیات مسیح کی بحث میں آیت وما قتلوہ یقینا۔ بل رفعہ اللہ الیہ کو مرکزیت تھی۔ مجلس مناظرہ میں تو اس پر جو بحث و تمحیص ہوئی ہوئی سو ہوئی، یہاں جو اس کا تذکرہ آیا تو تحقیق و تدقیق کی گتھیاں آنکھوں پر چڑھ گئیں۔ اس آیت پر وہ اہم لفظ جس نے معنی متضاد دونوں فریقوں کو باہم ٹکرا رہے ہیں، "بل" حرف اضراب ہے۔ اب اس لفظ کی تحقیق پر سارا زور صرف ہو رہا ہے کہ یہ ابطالیہ ہے یا انتقالیہ اور اس کے لیے قاموس، تاج العروس، مفردات امام راغب، لغات القرآن وغیرہ بہت سی کتابیں چھان ڈالیں۔ اس بحث سے متعلق ایک دوسری آیت کا اہم لفظ شُبِّهَ لَهُمْ ہے۔ کبھی اس پر گفتگو ہوتی ہے کہ اس کے معنی کیا ہیں؟ ان کو شبہ میں ڈال دیا گیا ان کے لیے صورت مشتبہ کر دی گئی اور اس تحقیق میں کبھی شاہ ولی اللہ کا ترجمہ دیکھا جا رہا ہے، کبھی شاہ عبدالقادر کا اور کبھی شیخ الہند کا۔ صرف انہی تحقیقات میں پورے تین دن گزر گئے۔

ما یتعلّق بالقرآن

ایک روز فرمایا، میں روزانہ قرآن مجید کی ایک منزل پڑھتا ہوں، جس پر قریباً چالیس منٹ صرف ہوتے ہیں۔ پہلی منزل ذرا بڑی ہے، اس پر پانچ چھ منٹ زیادہ لگتے ہوں گے۔ باقی ہر منزل قریباً چالیس منٹ میں ختم ہو جاتی ہے۔ تلاوت کے اسی سلسلے میں کہیں کہیں قرآن کے معانی و مطالب پر غور و تدبر[1] کرنے کا موقع بھی پیش آتا رہتا ہے اور بعض اوقات کسی مشکل مقام کے متعلق کوئی ایسی تاویل سوجھ جاتی ہے جو کسی متداول تفسیر میں نظر سے نہیں گزری۔ پھر اس قسم کی تاویلات کے چند نظائر آپ نے بیان فرمائے، جن میں سے ایک تقریر قارون کے متعلق تھی۔

۱۔ قرآن مجید کی کل سات منزلیں ہیں اور ہر منزل چار پارہ کے لگ بھگ ہوتی ہے۔ تلاوت کی اتنی بڑی مقدار کا چالیس منٹ کے اندر اختتام پانا اور وہ بھی معانی پر غور و تدبر کے ساتھ بظاہر محال نظر آتا ہے۔ مگر حقیقت یہ ہے کہ عقلاً محال نہیں۔ بلکہ یہ جو بیان کیا گیا ہے کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ چلتے پھرتے ہر قدم میں ایک قرآن مجید ختم کرتے تھے تو عقل اس کے امکان کا بھی فتویٰ دیتی ہے۔ کیونکہ تلاوت ایک حرکت لسان ہے۔ اور حرکت کے لیے زمانہ کی کوئی خاص مقدار متعین نہیں۔ ریل گاڑی پچاس میل ایک گھنٹے میں طے کرتی ہے، ہوائی جہاز اس مسافت کو آدھ گھنٹے میں طے کرتا ہے۔ توپ کے گولے کے لیے یہ چار منٹ کا کام ہے اور بجلی کے شعلے کے لیے صرف ایک سیکنڈ کا۔ مگر آفتاب کی روشنی اس مسافت کو صرف ۳۷۰ء/۱ سیکنڈ (یعنی ایک ثانیہ کے تین ہزار سات سو بیسویں حصے میں) طے کرتی ہے۔ ہاں تلاوت چالیس منٹ میں کر جانا محال عادی کہلا سکتا ہے۔ مگر خاصانِ حق کے افعال عادت عام سے بالاتر ہوتے ہیں۔ اس قسم کے واقعات بھی زمان و مکان سے تعلق رکھتے ہیں جو اولیاء اللہ کی ادنیٰ کرامات میں سے ہیں۔ (مفتی عطا محمد سلمہٗ)

قارون کا جرم کیا تھا؟

فرمایا، قارون کے بارے میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ فَخَسَفْنَا بِهِ وَبِدَارِهِ الْأَرْضَ[1] (پھر ہم نے قارون کو اور اُس کے گھر کو زمین میں دھنسا دیا)۔ اور جمہور مفسرین نے لکھا ہے کہ قارون کے لیے یہ خسف کا عذاب اس بنا پر تھا کہ اس نے حضرت موسیٰ علیہ السلام پر زنا کی تہمت لگائی تھی۔ مگر قرآن مجید کے سیاق وسباق پر نظر کی جاتی ہے تو یہ تہمت زنا کی روایت بالکل غلط معلوم ہوتی ہے۔ قرآن مجید میں عاد، ثمود، قومِ لوط، اصحابِ ایکہ اور فرعون وغیرہ وغیرہ جن مجرموں پر عذاب کے نازل ہونے کا ذکر آیا ہے، اس کے ساتھ ہی ہر ایک مجرم کی فردِ جرم بھی سنادی گئی ہے۔ چنانچہ عاد کا تکبر وسرکشی، ثمود کی بت پرستی، قومِ لوط کی بدکاری، اصحابِ ایکہ کی رہزنی وبد معاملگی اور فرعون کا دعویٰ خدائی، یہ سب کچھ قرآن میں مذکور ہے۔ اب ہم دیکھتے ہیں، قرآن نے قارون پر کیا جرم قائم کیا ہے؟

قارون کا ذکر قرآن مجید میں صرف تین جگہ آیا ہے۔ اوّل سورۂ قصص، ع ۸ میں ارشاد ہے:

إِنَّ قَارُونَ كَانَ مِن قَوْمِ مُوسَىٰ فَبَغَىٰ عَلَيْهِمْ ۖ وَآتَيْنَاهُ مِنَ الْكُنُوزِ مَا إِنَّ مَفَاتِحَهُ لَتَنُوأُ بِالْعُصْبَةِ أُولِي الْقُوَّةِ إِذْ قَالَ لَهُ قَوْمُهُ لَا تَفْرَحْ ۖ إِنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُّ الْفَرِحِينَ.

قارون موسیٰ کی قوم (بنی اسرائیل) سے تھا۔ پھر لگا اُن پر تکبر یا ظلم کرنے اور ہم نے اس کو اتنے خزانے دیے تھے کہ کئی اچھے زبردست آدمیوں کو اُن کی کنجیاں اٹھانا مشکل ہوتا۔ ایک بار اُس کی قوم والوں نے اس سے کہا، اتنا مت اترا۔ کیونکہ اللہ اترانے والوں کو پسند نہیں کرتا۔

---

[1] بغی علیهم از بغی ظلم (سورۂ القصص، آیت ۸۱) بعض کہتے ہیں کہ فرعون نے اس کو بنی اسرائیل کا افسر بنا دیا تھا تو وہ ان پر ظلم کرنے لگا یا یہ لفظ بغی تکبر سے ماخوذ ہے۔ کیونکہ وہ بنی اسرائیل پر اپنے مال واولاد سے تکبر کرتا تھا اور ان کے لباس سے ایک بالشت بھر لمبا لباس پہنتا تھا۔ (مدارک)

چند آیات آگے ارشاد ہے:

فَخَرَجَ عَلٰی قَوْمِهٖ فِیْ زِیْنَتِهٖ ط

قارون اپنا جلوس لے کر لوگوں پر نکلا۔

دوم سورۂ عنکبوت، ع ۴ میں وارد ہے:

وَقَارُوْنَ وَفِرْعَوْنَ وَهَامٰنَ قف وَلَقَدْ جَآءَهُمْ مُّوْسٰی بِالْبَیِّنٰتِ فَاسْتَكْبَرُوْا فِی الْاَرْضِ وَمَا كَانُوْا سٰبِقِیْنَ.

اور قارون اور فرعون اور ہامان کو بھی (ہم نے برباد کیا) اور ان کے پاس موسیٰ کھلی نشانیاں لے کر آئے۔ پس وہ ملک میں اکڑتے ہی رہے اور (ہم سے) بچ کر آگے جانے والے نہ تھے۔

سوم سورۃ المومن، ع ۳ میں آیا ہے:

وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا مُوْسٰی بِاٰیٰتِنَا وَسُلْطٰنٍ مُّبِیْنٍ. اِلٰی فِرْعَوْنَ وَهَامٰنَ وَقَارُوْنَ فَقَالُوْا سٰحِرٌ كَذَّابٌ.

اور ہم تو موسیٰ کو اپنی نشانیاں اور کھلی دلیل (توریت) دے کر فرعون اور ہامان اور قارون کی طرف بھیج چکے ہیں۔ انہوں نے موسیٰ کو جھوٹا جادوگر بتایا۔

کیا ان آیات میں کہیں تہمتِ زنا کا ذکر ہے جو قارون نے موسیٰ علیہ السلام پر لگائی؟ کہیں نہیں۔ بلکہ یہاں قارون کا نمایاں ترین جرم صرف اس کے تکبر وغرور اور خودنمائی کی شکل میں ظاہر ہو رہا ہے۔ چنانچہ پہلے ارشاد ہے کہ وہ اپنی قوم پر تکبر کرنے لگا اور اس کے خزائن اتنے فراواں تھے کہ ان کے باعث تکبر میں آ جانا قرینِ قیاس تھا۔ لوگ بھی اس کے تکبر وغرور کو محسوس کر کے اس سے باز رکھنے کی کوشش کرتے تھے مگر وہ بجائے نصیحت قبول کرنے کے اور بھی ان کو چڑانے کے لیے متکبرانہ آن بان کے ساتھ نکلتا تھا۔ پھر صاف فرما دیا کہ وہ اعلانیہ تکبر کا مرتکب ہوا۔ اس کے بعد بیان فرمایا کہ اس نے فرعون اور ہامان کا ہمنوا بن کر موسیٰ کو ایک جھوٹے جادوگر کا لقب دیا۔ یہ استحقار بھی اس کے تکبر ہی کے مقتضیات سے تھا۔

پھر حضرت نے فرمایا، میرے نزدیک قارون کا خسف اس کی تہمتِ زنا کی وجہ سے نہیں، بلکہ محض اس کے تکبر و غرور کی وجہ سے وقوع میں آیا۔

قارون کا خسف اس کے کبر و غرور کے سبب سے ہونا نہ صرف قرآن مجید سے ثابت ہے بلکہ یہ بات حدیث سے بھی پائی جاتی ہے کہ عذاب خسف کا باعث تکبر کے سوا کوئی نہیں۔

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ بَیْنَمَا رَجُلٌ یَجُرُّ اِزَارَہٗ مِنَ الْخُیَلَاءِ خُسِفَ بِہٖ فَھُوَ یَتَجَلْجَلُ فِی الْاَرْضِ اِلٰی یَوْمِ الْقِیٰمَۃِ[۲]

فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ ایک شخص اس اثنا میں کہ وہ تکبر سے اپنا لمبا تہبند کھینچے چلا جاتا تھا، زمین میں دھنسا دیا گیا، پس وہ قیامت تک کے لیے دھنستا چلا جا رہا ہے۔

تہمت زنا کی مذکورہ روایت ازروئے قیاس بھی بیہودہ معلوم ہوتی ہے۔ کیونکہ اگر قارون حضرت موسیٰ کے ساتھ بغض و عداوت رکھنے کی بنا پر کوئی تہمت ان پر لگاتا تو ضرور اس سے ضرر رسانی مقصود ہوتی، اور ضرر اسی صورت میں متصور ہو سکتا ہے کہ اس تہمت کو سن کر عوام کے دھوکا کھانے کا احتمال ہو۔ لیکن حالت یہ ہے کہ لوگ ایک عام ذی عزت و شریف آدمی کے بارے میں بھی اس قسم کی تہمت کو صحیح ماننے کے لیے تیار نہیں ہوتے، چہ جائیکہ ایک ایسی برتر ہستی کے حق میں جس کو وہ نبی مرسل، برگزیدۂ حق اور مجسّم مکارمِ اخلاق سمجھتے ہوں۔ پس ایسی صورت میں یہ تہمت حضرت موسیٰ کے لیے کیا موثر ہو سکتی ہے اور

۱۔ حضرت اعلیٰ قدس سرہٗ کی تحقیق خسفِ قارون کے سبب ظاہر کے بارے میں نہایت اعلیٰ اور قرآن و حدیث سے مؤید ہے۔ لیکن غالباً آپ کا منشائے مبارک اسباب خسف کو تکبر میں محصور کر دینا نہ تھا، جبکہ عرشی صاحبؒ کی تقریر و بیان سے ظاہر ہو رہا ہے بلکہ یہ کہ یہاں خسف کا اہم سبب تکبر تھا اور حدیث شریف بھی اسی امر کی وضاحت کرتی ہے۔ واللہ اعلم۔ (مفتی عطا محمد سلمہٗ)

۲۔ بخاری، عن ابن عمرؓ (مشکوٰۃ، کتاب اللباس)

قارون کے سے[1] ہوشیار و چالاک آدمی سے ایک بیکار و غیر موثر فعل کا وقوع کب متوقع ہے۔ لامحالہ یہ روایت اسرائیلیات کی قبیل سے ہوگی جو ہر طرح کی لغویت و بیہودگی کی مظہر ہوتی ہے اور جن میں انبیاء و مرسلین کی تخفیفِ شان[2] تک کی پرواہ نہیں کی جاتی۔

حضرت داؤدؑ کے کس قصور پر عتاب ہوا تھا؟

ایک روز فرمایا، حضرت داؤد علیہ السلام کا جو ذکر قرآن مجید کی ان آیات میں آیا ہے

وَاذْكُرْ عَبْدَنَا دَاوُدَ ذَا الْأَيْدِ ۖ إِنَّهُ أَوَّابٌ. إِنَّا سَخَّرْنَا الْجِبَالَ مَعَهُ يُسَبِّحْنَ بِالْعَشِيِّ وَالْإِشْرَاقِ. وَالطَّيْرَ مَحْشُورَةً ۖ كُلٌّ لَهُ أَوَّابٌ. وَشَدَدْنَا مُلْكَهُ وَآتَيْنَاهُ الْحِكْمَةَ وَفَصْلَ الْخِطَابِ. وَهَلْ أَتَاكَ نَبَأُ الْخَصْمِ ۘ إِذْ تَسَوَّرُوا الْمِحْرَابَ. إِذْ دَخَلُوا عَلَىٰ دَاوُدَ فَفَزِعَ مِنْهُمْ ۖ قَالُوا لَا تَخَفْ ۖ خَصْمَانِ بَغَىٰ بَعْضُنَا عَلَىٰ بَعْضٍ فَاحْكُمْ بَيْنَنَا بِالْحَقِّ وَلَا تُشْطِطْ وَاهْدِنَا إِلَىٰ سَوَاءِ الصِّرَاطِ. إِنَّ هَٰذَا أَخِي لَهُ تِسْعٌ وَتِسْعُونَ نَعْجَةً وَلِيَ نَعْجَةٌ وَاحِدَةٌ فَقَالَ أَكْفِلْنِيهَا وَعَزَّنِي فِي الْخِطَابِ. قَالَ لَقَدْ ظَلَمَكَ بِسُؤَالِ نَعْجَتِكَ إِلَىٰ نِعَاجِهِ ۖ وَإِنَّ كَثِيرًا مِنَ الْخُلَطَاءِ لَيَبْغِي بَعْضُهُمْ عَلَىٰ بَعْضٍ إِلَّا الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ وَقَلِيلٌ مَا هُمْ ۗ وَظَنَّ دَاوُدُ أَنَّمَا فَتَنَّاهُ فَاسْتَغْفَرَ رَبَّهُ وَخَرَّ رَاكِعًا وَأَنَابَ. فَغَفَرْنَا لَهُ ذَٰلِكَ ۖ وَإِنَّ لَهُ عِنْدَنَا لَزُلْفَىٰ وَحُسْنَ مَآبٍ. يَا دَاوُدُ إِنَّا جَعَلْنَاكَ خَلِيفَةً فِي الْأَرْضِ فَاحْكُمْ بَيْنَ النَّاسِ بِالْحَقِّ وَلَا تَتَّبِعِ الْهَوَىٰ فَيُضِلَّكَ عَنْ سَبِيلِ اللَّهِ ۚ إِنَّ الَّذِينَ يَضِلُّونَ عَنْ سَبِيلِ اللَّهِ لَهُمْ عَذَابٌ شَدِيدٌ بِمَا نَسُوا يَوْمَ الْحِسَابِ. (سورۂ ص، آیت ۱۷-۲۶)

۱۔ یعنی قارون جیسے

۲۔ کسر شان اور توہین

اور ہمارے بندے داؤدؑ (پیغمبر) کو یاد کرو جو زور والا تھا۔ کیونکہ وہ (اللہ کی طرف) بہت رجوع کرنے والا تھا۔ ہم نے پہاڑوں کو اُس کا تابعدار بنا دیا تھا۔ وہ سورج ڈھلے اور سورج نکلے اس کے ساتھ تسبیح کرتے اور پرندوں کو بھی وہ سب جمع ہو کر اُس کی طرف رجوع رہتے اور اس کی سلطنت کو ہم نے مضبوط کر دیا تھا اور ہم نے اس کو تدبیری تھی اور فیصلہ کن بات۔ اور کیا تم کو ان جھگڑنے والوں کی خبر بھی پہنچی ہے جو دیوار پھاند کر (داؤدؑ کے) عبادت خانے میں آ پہنچے۔ جب داؤدؑ کے پاس گھس آئے، وہ ان کو دیکھ کر گھبرا گئے۔ انہوں نے کہا، ڈرو نہیں۔ ہم دونوں میں تنازعہ ہے، ہم میں سے ایک نے دوسرے پر ظلم کیا ہے، پس تم انصاف سے ہم میں فیصلہ کر دو اور بے انصافی نہ کرو، اور ہم کو سیدھی راہ بتا دو۔ (یہ) میرا بھائی ہے۔ اس کے پاس ننانویں دُنبیاں ہیں اور میرے پاس صرف ایک دنبی ہے۔ اب وہ کہتا ہے کہ تو اس (ایک دنبی) کو (بھی) میرے حوالے کر دے اور گفتگو میں مجھے دبا لیتا ہے۔ داؤدؑ نے کہا، بیشک یہ تجھ پر ظلم کرتا ہے جو تیری ایک دنبی مانگ کر اپنی ننانویں دنبیوں میں ملانا چاہتا ہے۔ اور اکثر شریک لوگ ایک دوسرے پر زیادتی کرتے رہتے ہیں۔ مگر وہ جو ایمان لائے اور اچھے کام کرتے رہے اور ایسے لوگ بہت کم ہیں۔ اور داؤدؑ کو خیال ہوا کہ (یہ مقدمہ تھا) بلکہ ہم نے اس کو آزمایا تھا۔ اسی وقت انہوں نے اپنے پروردگار سے معافی مانگی اور سجدے میں گر پڑے اور رُجوع ہو گئے۔ آخر ہم نے ان کا یہ قصور معاف کر دیا اور بیشک داؤدؑ کے لیے ہمارے پاس قرب اور اچھا ٹھکانا ہے۔ اے داؤدؑ! ہم نے تم کو زمین میں قائم مقام بنایا ہے۔ پس لوگوں کا فیصلہ انصاف کے ساتھ کیا کرو اور نفس کی خواہش پر مت [illegible]

[illegible]

میں فوج دے کر بھیجا تا کہ وہ وہاں مارا جائے۔ مگر وہ فتحیاب ہو کر آیا۔ پھر اُس سے زیادہ سخت دشمن کے مقابلے میں بھیجا تو وہ اس پر بھی غالب آیا۔ تیسری مرتبہ کسی اور خونخوار تر دشمن کی طرف بھیجا۔ اس معرکہ میں وہ بیچارہ شہید ہو گیا اور حضرت داؤدؑ نے اس کی عورت اپنے حرم میں داخل کر لی۔ اس پر حق تعالیٰ کی طرف سے عتاب ہوا اور بطور اتمام حجت دو فرشتے مدعی و مدعا علیہ کی صورت میں بھیجے، جنہوں نے ان کے پاس خلوت میں پہنچ کر یہ دُنبی وُنبیوں کا مقدمہ پیش کیا جو دراصل خود حضرت داؤدؑ کے نامنصفانہ فعل کی طرف اشارہ تھا۔ کیونکہ عرب کے محاورہ میں عورت کو نعجہ (دُنبی) بھی کہتے ہیں۔ مگر جب فریقین داؤد علیہ السلام کا فیصلہ سننے کے بعد ایک دوسرے کی طرف دیکھ کر مسکرا دیئے تو حضرت داؤدؑ کو متنبہ ہوا کہ یہ تو میرے لیے خدا کی طرف سے آزمائش تھی۔ اس پر انہوں نے اپنے اس فعل سے توبہ کی۔

قصہ پسند لوگوں نے اس روایت کو، جو جہانگیر و شیر افگن خاں کے قصے سے کچھ کم مکروہ نہیں، ان آیات کی تفسیر میں اندھا دھند بیان کرنا شروع کر دیا تو محققین نے اس کو نہایت ناپسند کیا اور کہا کہ جو مکروہ بات کسی عامی کے ساتھ منسوب کرتے بھی شرم آنی چاہیے، اس کو ایک نبی کے ساتھ منسوب کرنا انتہائی بے شرمی و بے حیائی ہے۔ اور حضرت علی کرم اللہ وجہٗ سے منقول ہے کہ انہوں نے فرمایا، جو شخص اس روایت کا قائل ہو اس کو ایک سو ساٹھ درّے کی سزا دی جائے جو انبیاء کے مفتری کی سزا ہے۔

مگر ہم حیران ہیں کہ ”محققین“ نے اس روایت کا انکار کیا ہے تو ایسے عجیب انداز میں کیا ہے جس کے اندر ایک حد تک اقرار مضمر ہے۔ چنانچہ تفسیر خازن میں لکھا ہے:

”میں کہتا ہوں کہ محقق علمائے تفسیر کہتے ہیں کہ اس واقعہ میں حضرت داؤد کا صرف اتنا قصور تھا کہ انہوں نے اوریا سے کہا، تم اپنی بیوی کو طلاق دے کر میرے حوالے کر دو۔ بس اس بات پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے عتاب ہوا اور اُن کے شغل بالدنیا پر تنبیہ کی گئی۔ بعض کہتے ہیں کہ حضرت داؤد نے تمنا کی کہ کاش اوریا کی عورت میرے پاس ہوتی۔ اور پھر اوریا اتفاق سے ایک جنگ میں مارا گیا۔ مگر جب داؤد کو اس کی خبر پہنچی تو انہوں نے اس واقعہ پر

کچھ غم کا اظہار نہ کیا، جیسے دیگر ملازموں کے مقتول ہونے پر کیا کرتے تھے۔
پھر اُس کی عورت سے نکاح کر لیا۔ اس پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے عتاب
نازل ہوا۔ کیونکہ انبیاء کا قصور اگرچہ چھوٹا ہو، اللہ کے نزدیک بڑا ہے۔"

اس بیان سے ثابت ہوا کہ محقق مفسرین نے اگرچہ اس روایت کے ایک گھناؤنے پہلو کو نظر انداز کر دیا مگر آخر اس کے بیولی کو تو صحیح تسلیم کر لیا۔ ہم پوچھتے ہیں کہ اگر ایک نبی کا دامنِ عصمت قتلِ رقیب کے دھبے کا متحمل نہیں تو کیا اس کی بلند شان یہ گوارا کر سکتی ہے کہ اس نے ایک نامحرم عورت کو پسندیدگی کی نظر سے دیکھا اور پھر اسے اس کے شوہر سے چھڑوا کر اپنے نکاح میں لانے کی آرزو کی؟ ھٰذَآ اِفْکٌ مُّبِیْنٌ. (سورۃ النور، آیت ۱۲)

معلوم نہیں کہ مفسرین کو اس نفرت انگیز اور اشکال خیز روایت کو صحیح ماننے کی کونسی ایسی مجبوری پیش آ گئی تھی کہ یہ حضرات سرے سے اس کا انکار نہیں کر سکے اور انہیں چار و ناچار اس کے کچھ حصے کی تاویل اور کچھ حصے کو تسلیم کرنا پڑا۔ حالانکہ نبوت کی علو شان کا تقاضا یہ تھا کہ اس کے خلاف کسی ایسی روایت کی بھی پروانہ کی جائے جس کے بظاہر ثقہ ہونے کا گمان ہوتا ہو، چہ جائیکہ مفتریاتِ یہود کی؟ لَوْلَآ اِذْ سَمِعْتُمُوْهُ قُلْتُمْ مَّا یَكُوْنُ لَنَآ اَنْ نَّتَكَلَّمَ بِهٰذَا سُبْحٰنَكَ هٰذَا بُهْتَانٌ عَظِیْمٌ. (سورۃ النور، آیت ۱۶)

پھر حضرت نے فرمایا، میرے نزدیک حضرت داؤد علیہ السلام کا قصور صرف یہ تھا، جس کا ثبوت خود سیاقِ قرآن سے بھی ملتا ہے کہ وہ کثرتِ عبادت میں مہماتِ ملک داری سے کسی قدر پہلوتہی کرنے لگے تھے اور بعض ایام خاص عبادت کے لیے مخصوص کر لیے تھے جن میں کوئی دادخواہ ان کے پاس باریاب نہیں ہو سکتا تھا۔ دروازہ بند رہتا اور چھتیس سپاہی باہر پہرہ دیتے۔ عبادت ہر چند بزرگ ترین فضیلت ہے مگر ایک فرمانروائے ملک کے لیے اس میں یہ غلو اور عدمِ اعتدال خلافِ مصلحت ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ ہمیشہ اور ہر وقت خاص و عام کے لیے کھلی رہتی تھی۔ لوگ اپنے گھر کے ادنیٰ ادنیٰ معاملات میں بھی مشورہ حاصل کرتے تھے اور کسی کو روک ٹوک نہ تھی، اس لیے بارگاہِ الٰہی میں حضرت داؤد کا یہ طرزِ عمل ناپسند ہوا اور نَبَؤُا الْخَصْمِ کا وہ تنبیہی واقعہ پیش آیا جس کا ذکر آیاتِ بالا

میں ہے۔ ممکن ہے خصمین انسان ہوں اور وہ عدالت کا دروازہ بند پا کر دیوار پھاند کر داخل ہونے پر مجبور ہو گئے ہوں یا وہ فرشتے ہوں اور مقامِ خلوت میں ان کی آمد محض سبق آموزی کی غرض سے ہو۔ بہر کیف حضرت داؤد کو اپنے قصور پر تنبہ ہوا اور انہوں نے استغفار کی۔[1]

اب سیاقِ قرآن کو دیکھو، وَاذْكُرْ عَبْدَنَا دَاوُدَ إِنَّهُ أَوَّابٌ۔ یہاں حضرت داؤد کی کثرت عبادت کی طرف اشارہ ہے۔ اِنَّا سَخَّرْنَا (الآیۃ) ان کی طاعت و عبادت اور دعا و مناجات کی وہ کثرت تھی کہ پہاڑ بھی گونجتے رہتے اور پرندے تک متاثر ہوجاتے تھے۔ وَشَدَدْنَا مُلْكَهُ مگر وہ کوئی عابد تارک الدنیا نہ تھے، بلکہ ایک عظیم الشان سلطنت کے تاجدار اور آئین رعایا پروری کے ماہر تھے۔ وَآتَيْنَاهُ الْحِكْمَةَ وَفَصْلَ الْخِطَابِ۔ ان کو عدل و انصاف کے ساتھ فیصلے کرنے کی مہارت بھی بخشی گئی تھی۔ مگر انہوں نے محراب عبادت میں بیٹھ کر فرائض حکمرانی اور مہارت جہانبانی کو بالائے طاق رکھ دیا۔ اب دادخواہ کہاں جائیں؟ ناچار وہ خلوت عبادت میں پہنچے یا حق تعالیٰ نے دو فرشتوں کو انسان کی صورت میں متمثل کر کے حضرت داؤد کو متنبہ کرنے کے لیے بھیجا جس سے ان کو اپنی غلطی محسوس ہوئی اور وہ تائب ہوئے۔ پھر ان کو فرضِ خلافت کی طرف توجہ دلاتے ہوئے فرمایا، يَا دَاوُدُ إِنَّا جَعَلْنَاكَ ... الخ. اے داؤد! ہم نے تم کو خلیفہ فی الارض بنایا ہے، تم کوئی گوشہ نشیں و خلوت گزیں عابد نہیں ہو کہ یوں یکہ و تنہا چلہ نشین ہو جاؤ۔ بلکہ تم محکمۂ عدالت کے صدر نشین ہو۔ تمام لوگوں پر تمہارا دروازۂ عدل ہر وقت کھلا رہنا چاہیے۔ فَاحْكُمْ بَيْنَ النَّاسِ بِالْحَقِّ. لوگوں کو باریابی سے نہ روکو اور ان میں حق کے ساتھ فیصلِ خصومات کیا کرو۔ ان کلمات سے صاف ظاہر ہے کہ حضرت داؤد کا قصور صرف خلافت فی الارض کے فرائض میں کوتاہی اور حکم بین الناس سے کنارہ کشی تھا۔ اگر معاذ اللہ وہی قصور ہوتا جو اسرائیلی روایات میں ہے جو مشہور ہے تو اس کی

۱۔ امام [illegible] سے بھی یہی تحقیق منقول ہے۔ (مفتی محمد سعد)

۲۔ حقیقت حال اور تذنیب مقام کا تقاضا ہے کہ آیت قرآنی کا مفہوم حسب ذیل سمجھا جائے کہ خلیفۂ خدا داؤد [illegible] کہ [illegible] اوقات [illegible] وقت [illegible] ان کی [illegible] باب۔ حضرت داؤد علیہ السلام نے اپنی [illegible] سے [illegible] (بقیہ اگلے صفحہ پر)

بجائے یوں خطاب ہوتا کہ اے داؤد! تم ایک پارسا اور نبی ہو۔ لوگوں کی بہو بیٹیوں کی تاک جھانک نہ کیا کرو اور دوسروں کی بیویوں کو اپنے نکاح میں لانے کی تمنا نہ کرو، وغیرہ وغیرہ۔ مگر ظاہر ہے کہ آیات میں ایسا کوئی اشارہ تک نہیں، اور کیوں ہوتا، جب ان باتوں کا یہاں سان دگمان نہیں۔ پھر فرمایا، وَلَا تَتَّبِعِ الْهَوٰى. یعنی اپنی خواہش کے موافق خلوت کے اندر ہر وقت عبادت میں منہمک نہ رہو بلکہ فصل خصومات کے لیے باہر بھی نکلو جو عبادت سے بڑھ کر اجر کا کام ہے۔ فَيُضِلَّكَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ. ذکر و عبادت کی مفرط خواہش تم کو اپنے فرض منصبی سے غافل کر دے گی جو اللہ نے تمہارے ذمے ڈالی ہے اور گویا وہ اللہ کی قائم کردہ راہ ہے۔ چونکہ مہام سلطنت کی انجام دہی میں کوتاہی ایک غلطی تھی، اس لیے اس کو ضلالت سے تعبیر کیا ہے۔[1]

سورۂ نجم کا نظم آیات

ایک روز حضرت نے فرمایا، سورۂ نجم مکی ہے اور تمام مکی سورتوں کا غالب مقصد دو باتوں پر مشتمل ہوتا ہے:

۱۔ اثباتِ رسالت ۲۔ بیانِ توحید

چنانچہ اس سورت پر غور کرنے سے معلوم ہوگا کہ اس کی ہر آیت اسی مضمون کے سلسلے

(گزشتہ سے پیوستہ) فصل خصومات کے لیے تعیین ایام و اوقات فرمائی تھی، وہ خلافت ارضی کے فرائض انجام دینے میں مخل اور منشائے خداوندی کے خلاف تھی۔ گویا اس تعیین میں حضرت داؤد علیہ السلام سے خطائی الاجتہاد ہوگئی تھی۔ (مفتی عطا محمد سلمہٗ)

۱۔ حضرت داؤد علیہ السلام کے مذکورہ واقعہ کے متعلق بالکل یہی تاویل راقم نے حضرت مولانا استاذنا مولوی احمد علی صاحب امیر انجمن خدام الدین کے درس قرآن میں بھی سنی ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ یہ توارد و حقائق متاخرین پر خاص فضل الٰہی ہے۔ کما قال حضرت المجدد قدس سرہ الامجد ''نسبت سابقاں بہماں طراوت و خضاضت در متاخرین جلوہ گر گشتہ است۔'' یہی تحقیق حضرت مولانا سید محمد انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ کی ہے جو حضرت مولانا شبیر احمد عثمانی نے اپنے فوائد قرآنی میں ذکر فرمائی ہے۔ (محبوب الٰہی عفی عنہ)

کی ایک ایک کڑی ہے۔ دیکھو پہلے نجم کی قسم کھا کر رسالت کی حقانیت کا دعویٰ فرمایا کہ مَا ضَلَّ صَاحِبُکُمْ وَمَا غَوٰی. تمہارے رفیق محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) سچے رسول ہیں، بھٹکے اور بہکے ہوئے نہیں اور نہ اپنی خواہش نفسانی سے باتیں بناتے ہیں۔ اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْیٌ یُّوْحٰی. یہ وحی آسمانی ہے جو اُن پر نازل ہوتی ہے۔

اس پر سوال ہوسکتا ہے کہ اگر رسول پر حق کی طرف سے وحی آتی ہے تو وحی کو آسمان کی اس بے پایاں مسافت سے زمین پر کس نے پہنچایا؟ یعنی رسول اور حق میں واسطہ کون ہے؟ اس کے متعلق ارشاد ہے: عَلَّمَهٗ شَدِیْدُ الْقُوٰی. ان کو جبرئیل (فرشتہ) تعلیم کرتا ہے۔ (اور آسمان سے زمین تک پیغام پہنچانا اس کے لیے مشکل نہیں، کیونکہ یہ وہ فرشتہ ہے) جس کی طاقتیں بڑی زبردست ہیں۔ ذُوْمِرَّةٍ ط فَاسْتَوٰی. وَهُوَ بِالْاُفُقِ الْاَعْلٰی. وہ زور آور ہے (یہ مسافت طویل اس کے لیے اس قدر سہل ہے کہ) یا تو وہ آسمان کے اونچے کنارے میں تھا یا ابھی سامنے آ کھڑا ہوا۔

یہاں کسی کو شبہ ہوسکتا ہے کہ رسول انسان ہیں اور وحی لانے والا فرشتہ ہے، پس واسطہ اور ذی واسطہ کے غیر متجانس ہونے سے پیغام کے لانے اور سمجھنے میں غلطی کا احتمال ہے۔ اس کے متعلق ارشاد ہے، ثُمَّ دَنَا فَتَدَلّٰی. فَکَانَ قَابَ قَوْسَیْنِ اَوْ اَدْنٰی. پھر ان سے نزدیک ہوا۔ پھر اتنا جھکا کہ دونوں میں دو کمانوں کی بقدر فاصلہ رہ گیا، بلکہ اس سے بھی کم۔ پس اتنے قرب سے غلطی کا احتمال نہیں۔ فَاَوْحٰی اِلٰی عَبْدِهٖ مَآ اَوْحٰی. پس اللہ تعالیٰ کو اپنے بندے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف جو وحی کرنا تھی سو کی۔ مَا کَذَبَ الْفُؤَادُ مَا رَاٰی. پیغمبر نے جو کچھ دیکھا تھا (ان کے) دل میں اس میں کچھ جھوٹ نہیں ملایا۔[1]

اب کوئی منکر کہہ سکتا ہے کہ کیا معلوم وہ جبرئیل فرشتہ ہی ہو۔ ممکن ہے کوئی اور ہستی جبرئیل کے نام سے پیغمبر کو دھوکا دے رہی ہو۔ اس پر ارشاد ہے، اَفَتُمٰرُوْنَهٗ عَلٰی مَا یَرٰی.

۱۔ خط کشیدہ عبارت فقیر کی نظر میں آیت کا صحیح مفہوم ادا کرنے سے قاصر ہے۔ صحیح ترجمہ یہ ہے، (ان کے) دل نے اس کی تکذیب نہیں کی (بلکہ تصدیق کی)۔ (محبوب الٰہی عفی عنہ)

وَلَقَدْ رَاٰهُ نَزْلَةً اُخْرٰی۔ پیغمبر نے جو (جبرئیل کو) دیکھا تو کیا تم لوگ ان سے اس بات میں جھگڑا کرتے ہو حالانکہ (جھگڑنے کی کوئی بات نہیں، کیونکہ وہ ان کا دیکھا پہچانا ہے)۔ انہوں نے (معراج کی شب بھی) ایک مرتبہ اور دیکھا تھا۔ الخ۔ پھر اَفَرَءَیْتُمُ اللّٰتَ وَالْعُزّٰی سے دوسرے مقصد یعنی بیان توحید کا مسئلہ شروع ہوتا ہے جو اپنے متعلقات سمیت آخر سورت تک چلا گیا ہے۔

سورۂ یوسف کی ایک آیت

ایک روز حضرت نے فرمایا کہ سورۂ یوسف کے رکوع ۷ میں ایک آیت ہے، ذٰلِکَ لِیَعْلَمَ اَنِّیْ لَمْ اَخُنْهُ... الخ۔ اس میں جمہور مفسرین نے یَعْلَمَ کا فاعل عزیز کو قرار دیا ہے، حالانکہ اس کا فاعل ملکِ مصر کو ہونا چاہیے۔

اس کا قصہ یہ ہے کہ جب زلیخا نے حضرت یوسف علیہ السلام سے اپنا ناجائز مقصد چاہا اور وہ اس سے دامن چھڑا کر بھاگے تو عین اس موقع پر عزیزِ مصر (جو شاہِ مصر کا وزیر اور زلیخا کا خاوند تھا) آ گیا۔ اب زلیخا نے الزام سے بچنے کے لیے الٹا حضرت یوسف پر دست اندازی کی تہمت لگائی۔ مگر انہوں نے اپنی بریت ظاہر کی۔ عزیز حیران تھا کہ کس کو سچا سمجھے اور کس کو جھوٹا۔ آخر پیغمبر زادے کی کرامت بروئے کار آئی اور ایک شیرخوار بچے کی شہادت سے ثابت ہوا کہ یوسف بے گناہ ہیں، ساری خرابی زلیخا کی ہے۔ اس پر عزیز نے زلیخا سے کہا، اِنَّهٗ مِنْ کَیْدِکُنَّ اِنَّ کَیْدَکُنَّ عَظِیْمٌ۔ (یہ تم عورتوں کے چرتر ہیں۔ کچھ شک نہیں کہ تم عورتوں کے چرتر بڑے غضب کے ہوتے ہیں)۔

ہر چند کہ حضرت یوسف کی بے گناہی میں کوئی شبہ نہ رہا، مگر ایک امیر اور امرائے حرم کا بدنام ہو جانا بھی کوئی معمولی بات نہ تھی۔ اس لیے عزیز نے اس داغ بدنامی سے بچنے کے لیے دیدہ و دانستہ حضرت یوسف پر دست اندازی کا جھوٹا مقدمہ قائم کیا اور ان کو قید خانے بھجوا دیا۔

مدت کے بعد حضرت یوسف علیہ السلام نے قید خانے میں بیٹھے بیٹھے ایک تقریب

۱۔ [illegible]

سے بادشاہ کو اس معاملے پر توجہ دلائی۔ بادشاہ نے ازسرنو تفتیش شروع کی اور زلیخا کو سرِ دربار بلا کر اصل حقیقت پوچھی۔ اب اس نے سچ سچ عرض کر دیا کہ سارا قصور میرا تھا، یوسف بے گناہ ہیں۔ اس پر حضرت یوسف نے کہا، ذٰلِکَ لِیَعْلَمَ اَنِّیْ لَمْ اَخُنْہُ بِالْغَیْبِ وَاَنَّ اللّٰہَ لَا یَھْدِیْ کَیْدَ الْخَآئِنِیْنَ. اور جمہور مفسرین کے موافق اس کا ترجمہ یوں ہے کہ یوسف علیہ السلام نے کہا (میں نے اس دبی دبائی بات کو اس لیے اکھاڑا) کہ عزیز کو معلوم ہو جائے کہ میں نے اس کی پسِ پشت اس کی (امانت میں) خیانت نہیں کی۔ اور یہ کہ خیانت کرنے والوں کی تدبیر کو اللہ چلنے نہیں دیا کرتا۔

حضرت نے فرمایا، لِیَعْلَمَ کا ترجمہ ''تا کہ عزیز کو معلوم ہو جائے''، درست نہیں۔ بلکہ یوں چاہیے، تا کہ بادشاہ کو معلوم ہو جائے۔ کیونکہ عزیز کو اصلیت معلوم کرانے کی کوئی ضرورت نہ تھی۔ وہ تو برسوں پہلے شیر خوار بچے کی شہادت ہی سے جان چکا تھا کہ یوسف خائن نہیں، مرتکب گناہ نہیں، بلکہ سارا قصور زلیخا کا ہے۔ چنانچہ وہ زلیخا پر صریحاً کَیْدٌ عَظِیْمٌ کا الزام بھی لگا چکا تھا۔ اور اس کو توبہ کرنے کا حکم دے چکا تھا۔ پھر یہ مقدمہ محض دیدہ دانستہ بتقاضائے مصلحت دائر کیا تھا۔ البتہ بادشاہ پر معاملہ کی اصلیت کا اظہار واجب تھا۔ جس کے قانون کے ماتحت یوسف قید ہوئے اور اب اسی پر ان کی بے گناہی ثابت کرنے کی ضرورت تھی، جس کے حکم پر ان کی رستگاری موقوف تھی۔ پس ٹھیک ترجمہ یوں ہے:

> ''یوسف نے کہا، (میں نے دبی دبائی بات کو) اس لیے (اکھاڑا) کہ بادشاہ کو معلوم ہو جائے کہ میں نے عزیزِ مصر کی پسِ پشت اس کی (امانت میں) خیانت نہیں کی... الخ''[1]

---

[1] ایک ہی جملہ میں لِیَعْلَمَ کی ضمیر فاعلی، شاہِ مصر کی طرف اور لَمْ اَخُنْہُ کی ضمیر مفعولی عزیزِ مصر کی طرف لوٹانے سے جو بظاہر انتشارِ ضمائر لازم آتا ہے اس کا جواب روح المعانی دیکھنے سے یہ نکلتا ہے کہ وزیر کے گھر کی مبینہ خیانت چونکہ بالواسطہ شاہ سے بھی تعلق رکھتی ہے، اس لیے ضمیرِ مفعولی کو بھی شاہ کی طرف لوٹا دینا چاہیے۔ اب معنی یہ ہوں گے'' تا کہ شاہِ مصر جان لے کہ میں نے اس کی (حدودِ فرمانروائی میں) پسِ پردہ اس کے ساتھ کوئی خیانت نہیں کی۔'' (مفتی عطا محمد، تعبیر از محبوب الٰہی)

حضرت سلیمانؑ اور اُن کے گھوڑے

سورہ ص میں حضرت سلیمانؑ کا ایک واقعہ مذکور ہے:

وَوَهَبْنَا لِدَاوُدَ سُلَيْمٰنَ ۚ نِعْمَ الْعَبْدُ ۚ اِنَّهٗٓ اَوَّابٌ ۔ اِذْ عُرِضَ عَلَيْهِ بِالْعَشِيِّ الصّٰفِنٰتُ الْجِيَادُ ۔ فَقَالَ اِنِّيْٓ اَحْبَبْتُ حُبَّ الْخَيْرِ عَنْ ذِكْرِ رَبِّيْ ۚ حَتّٰى تَوَارَتْ بِالْحِجَابِ ۔ رُدُّوْهَا عَلَيَّ ۭ فَطَفِقَ مَسْحًۢا بِالسُّوْقِ وَالْاَعْنَاقِ ۔

اور ہم نے داؤد کو سلیمان (بیٹا) عنایت کیا اور وہ بھی ایک اچھے بندے (خدا کی طرف) رجوع رہنے والے تھے۔ جب سورج ڈھلے اصیل عمدہ گھوڑے ان کے سامنے لائے گئے تو کہنے لگے، میں نے مال (یعنی گھوڑوں) کو اللہ کی یاد سے زیادہ چاہا۔ یہاں تک کہ سورج چھپ گیا۔ ان گھوڑوں کو میرے سامنے لاؤ۔ تو اُن کی ٹانگیں اور گردنیں کاٹنی شروع کیں۔

یہ ترجمہ مفسرین کے قول کے موافق تھا، جو کہتے ہیں کہ حضرت سلیمان علیہ السلام گھوڑوں کے معائنے میں ایسے منہمک ہوئے کہ نماز کا خیال نہ رہا، حتیٰ کہ سورج چھپ گیا۔ پھر اس طیش میں آ کر کہ اس مال کی دیکھ بھال نے مجھے نماز سے غافل کیا ہے، ان کو ہلاک کر دیا۔ اس کے متعلق حضرت نے فرمایا، قضائے نماز کے گناہ کا کفارہ گھوڑوں کے قتل و ہلاک سے کیونکر ہو سکتا ہے۔ اضاعت مال حرام ہے۔[1] اور پیغمبر ایسے افعال سے معصوم ہیں۔ ایک گناہ سے توبہ کی جاتی ہے تو استغفار و انابت سے کی جاتی ہے نہ کہ دوسرے فعل حرام کے

۱۔ اگرچہ تفسیر مظہری میں اس کا جواب یہ دیا گیا ہے کہ گھوڑوں کو ذبح کرنا یا داغ لگانا اس نیت سے تھا کہ ان کا گوشت غرباء پر صدقہ کیا جائے، یا داغ لگا کر انہیں صدقہ کے واسطے مخصوص کر دیا جائے۔ اس بنا پر اضاعت مال کا الزام عائد نہیں ہوتا۔ لیکن اعلیٰ حضرت کی تحقیق سے واقعہ کی نوعیت ہی یکسر بدل جاتی ہے۔ تفسیر مشہور کی بنا پر نماز سے غفلت کا، جو شانِ پیغمبر کے خلاف ہے، نام و نشان باقی نہیں رہتا، بلکہ یہ واقعہ شکرِ نعمت کے اظہار کی شکل اختیار کر لیتا ہے جو ایک پیغمبر کی شان کے شایاں ہے۔

ارتکاب ہے۔ لہٰذا میرے نزدیک مَسْحًا بِالسُّوقِ وَالْاَعْنَاقِ سے ٹانگوں اور گردنوں کو کاٹنا مراد نہیں، بلکہ ٹانگوں اور گردنوں کو داغ کرنا مراد ہے۔ اور یہ بات تواریخ سے ثابت ہے کہ حضرت سلیمانؑ کو گھوڑوں کی پرورش کا بڑا شوق تھا اور وہ ان کے احوال واوصاف کے متعلق بڑی بصیرت رکھتے تھے۔ پس کوئی عجب نہیں کہ وہ اس شوق وذوق کے ماتحت جنگ وجہاد کے گھوڑوں کو اپنے دستِ خاص سے داغ کرتے ہوں۔ نیز اَحْبَبْتُ حُبَّ الْخَیْرِ عَنْ ذِکْرِ رَبِّیْ میں اعتراف ذنب نہیں کما زعم، بلکہ افتخار بقربت ہے اور حرف عَنْ بمعنی مجاوزت نہیں جیسے کہ ترجمہ مشہورہ میں ہے بلکہ بمعنی تعلیل ہے۔ جیسے وَمَا کَانَ اسْتِغْفَارُ اِبْرٰهِیْمَ لِاَبِیْهِ اِلَّا عَنْ مَّوْعِدَةٍ میں ہے۔ پس ذکر ربی علت قرار پائے گی حب خیر کی۔ اب ان آیات کا ٹھیک ترجمہ یوں ہوگا:

''جب سورج ڈھلے اصیل وعمدہ گھوڑے ان کے سامنے لائے گئے تو کہنے لگے، میں گھوڑوں کو اپنے پروردگار کی یاد کی وجہ سے عزیز رکھتا ہوں (کہ جہاد میں کام دیتے ہیں) حتیٰ کہ وہ گھوڑے[1] واپس (ہوکر اصطبل کے) پردے میں جا چھپے (تو پھر فرمایا کہ) ان کو دوبارہ میرے سامنے لاؤ۔ پھر آپ ان کی ٹانگوں اور گردنوں کو (خاص نشانات کے) داغ کرنے لگے۔''

ختم نبوت کی دلیل

ایک روز فرمایا، سورۂ مائدہ کے تیسرے رکوع میں ایک آیت آئی ہے:

یٰۤاَهْلَ الْكِتٰبِ قَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلُنَا یُبَیِّنُ لَكُمْ عَلٰى فَتْرَةٍ مِّنَ الرُّسُلِ اَنْ تَقُوْلُوْا مَا جَآءَنَا مِنْۢ بَشِیْرٍ وَّلَا نَذِیْرٍ ؗ فَقَدْ جَآءَكُمْ بَشِیْرٌ وَّنَذِیْرٌ ؕ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ.

اے اہلِ کتاب! جب رسولوں کا آنا مدتوں تک بند رہا تو ہمارا یہ رسول تمہارے پاس آیا جو (احکام الٰہی) تم سے صاف صاف بیان کرتا ہے کہ مبادا آئندہ تم کہنے لگو کہ ہمارے پاس نہ تو کوئی (نجات کی) خوشخبری سنانے والا آیا، نہ (عذاب الٰہی سے) ڈرانے والا (سو

۱۔ کذا نقل الخازن عن التفسیر الکبیر للرازی ۲۔ ایضاً

اب تم کو اس عذر کی بھی گنجائش نہ رہی کیونکہ) تمہارے پاس خوشخبری سنانے والا اور ڈرانے والا آ چکا۔ اور اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔

فرمایا: اس آیت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے خاتم النبیین ہونے کی قوی دلیل موجود ہے۔ جس کی توضیح یہ ہے کہ ہر نبی[1] کی نبوت ایک خاص امت کے لیے اور ایک معین مدت کے لیے ہوتی ہے اور ثبوتِ نبوت کے لیے معجزہ بھی لازم ہے۔ یہ معجزہ ان لوگوں کے لیے جن کے سامنے وہ وقوع پاتا ہے، حجت ہوتا ہے۔ اس کے بعد اُن کو اس نبی پر ایمان لانا لازم ہے، ورنہ وہ کافر متصور ہوتے ہیں۔ پھر جب اس امت کا دور ختم ہو جاتا ہے یا وہ نبی وفات پا جاتا ہے تو اُس کا معجزہ اور معجزے کا اثر وحکم بھی زائل ہو جاتا ہے چنانچہ مابعد آنے والے لوگ اگر اس معجزہ کا انکار کر دیں تو اس سے وہ کافر نہیں ہوں گے۔[2] کیونکہ اس معجزہ کو انہوں نے آنکھوں سے تو نہیں دیکھا بلکہ صرف اس کے وقوع کی خبر سنی ہے۔ پس ان کا انکار معجزہ دراصل انکار خبر[3] ہے اور یہ مستلزم کفر نہیں۔ جب نبی کا معجزہ اور اس معجزہ کی

۱۔ یعنی ہمارے پیغمبر محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے ہر نبی کی نبوت مکان وزمان کے اعتبار سے محدود ہوا کرتی تھی۔

۲۔ قولہ "وہ کافر نہیں ہوں گے"، یعنی بشرطیکہ اس معجزہ کا ذکر بعد میں مبعوث ہونے والے پیغمبر پر خدا کی طرف سے نازل کردہ کتاب میں نہ ہو یا اس کی خبر ایسی متواتر خبر نہ ہو جو علمائے محدثین کے نزدیک معتبر ہے۔

۳۔ یعنی خبر غیر متواتر (خبر واحد) کا انکار موجب کفر نہیں۔ (مفتی عطا محمد سلمہٗ)

۴۔ مثلاً ایک شخص (۱) کہے کہ حضرت موسیٰ کا عصا اژدہا نہیں بنا۔ یہ خبر غلط ہے تو اُس کے اس انکار میں اور فرعون کے انکار میں نمایاں فرق ہے۔ مقدم الذکر صرف وقوع معجزہ کی خبر سے انکار کرتا ہے اور بصورت وقوع اس کے دلیل نبوت ہونے سے انکار نہیں۔ بخلاف اس کے موخر الذکر معجزہ کو واقع ہوتا دیکھنے کے بعد بھی اس کے دلیل نبوت ہونے سے منکر ہے۔ یہ کفر ہے۔ ہاں اگر کوئی شخص یہ کہے کہ حضرت موسیٰ کے عصا کا اژدہا بن جانا میں مانتا ہوں مگر یہ کوئی نبوت کی دلیل نہیں تو یہ البتہ مستلزم کفر ہے۔

(۱) یعنی نزول قرآن مجید کے زمانہ سے پہلے کا ایک شخص۔ (محبوب الٰہی عفی عنہ)

حجیت ضروری تو اس کی نبوت کے ختم کا نفاذ بھی ضرور ہے جس کا مدار ثبوت معجزہ پر تھا۔

بخلاف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کے جو کسی مخصوص قوم کے لیے نہیں بلکہ کل خلق کے لیے ہے۔ اور کسی محدود زمانے تک کے لیے نہیں بلکہ تا قیامت ہے۔ اس کی وجہ یہ کہ اس کے ثبوت کے لیے بڑا معجزہ قرآن ہے۔ اور اس کا وقوع و وجود ناقہ صالح یا عصائے موسیٰ یا دم عیسیٰ کی طرح صرف نبی کی ذات کی حیات تک محدود نہیں بلکہ یہ معجزہ نبی کی وفات کے بعد بھی تا قیام قیامت قائم و دائم رہنے والا ہے اور اس کے قیام و دوام کا خود اللہ تعالیٰ ذمہ دار ہے۔ اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ۔ اور اس کی حجیت[1] بھی ہمیشہ کے لیے ہے۔ فَاْتُوْا بِسُوْرَةٍ مِّنْ مِّثْلِهٖ۔ پس جب معجزہ قائم ہو تو نبوت بھی قائم ہے، دلیل موجود ہے تو مدلول بھی موجود ہے۔ دوسرے انبیاء کی کتابیں صرف مجموعہ احکام تھیں، معجزہ نہیں تھیں اس لیے وہ محفوظ نہیں رہیں۔ ان میں بکثرت تحریف و الحاق ہو گیا۔ پس نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا معجزہ اور آپ کی نبوت[2] دونوں موجود ہیں اور قیامت تک موجود رہیں گے[3] تو پھر کسی دوسرے نبی کی کیا ضرورت ہے۔

پھر آپ نے تفسیر روح المعانی پارہ ۲۰ میں بذیل آیت لِتُنْذِرَ قَوْمًا مَّآ اَتٰىهُمْ مِّنْ نَّذِيْرٍ مِّنْ قَبْلِكَ لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُوْنَ یہ عبارت پڑھ کر سنائی:

قال العلامة ابن حجر فی المنح ان کل رسول ممن عدا نبینا

۱۔ قولہ حجیت یعنی نظم عبارت اور معنی کے اعجاز کے لحاظ سے حجت ہونا۔ (محبوب الٰہی عفی عنہ)

۲۔ یعنی معجزہ اور معجزہ کا حکم، نیز آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت اور نبوت کا حکم دونوں ہمیشہ کے لیے باقی ہیں۔ (محبوب الٰہی عفی عنہ)

۳۔ یعنی حسب وعدہ الٰہی جل شانہ نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ... الآیۃ۔ قرآن مجید جو عظیم ترین معجزہ نبوی علیہ الصلوٰۃ والسلام ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی دائمی نبوت کا اعلان کر رہا ہے، اس کے حاملین و ناقلین ہر دور میں اس کثرت سے پیدا ہوتے رہیں گے جو حد تواتر سے بھی زیادہ تعداد میں ہوں گے۔

داستان پاستان سمجھ کر اس کا انکار کرنے لگو اور) کہو ہمارے پاس نہ کوئی خوشخبری دینے والا آیا، نہ ڈرانے والا۔ فَقَدْ جَآءَكُمْ... الخ (تو اب تم کو کبھی بھی اس عذر کی گنجائش نہ رہی، کیونکہ) تمہارے پاس (ایک ایسا) خوشخبری سنانے والا اور ڈرانے والا آچکا ہے (جس کا معجزہ زندہ جاوید اور جس کی نبوت غیر فانی ہے) اور اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔

ہمارے علومِ عربیہ اور فہمِ قرآن

ایک مرتبہ حضرت نے فرمایا، ہمارے ملک میں علومِ عربیہ کا مروّجہ نصاب[1] نہایت ناقص، بلکہ ضرر رساں ہے۔ سب سے پہلے معقولات کی تحصیل کرائی جاتی ہے اور پوری کرائی جاتی ہے۔ طالب علم کا ذوق انہی علوم میں پرورش پاتا ہے۔ اور وہ انہی کے طریق استدلال کا خوگر ہو جاتا ہے۔ پھر اس کے بعد علومِ دینیہ کی باری آتی ہے جن کو تکمیل تک پہنچانے کا اسے وقت بھی نہیں ملتا، نہ ان کے ساتھ کچھ مناسبت پیدا ہوتی ہے۔ پھر جب وہ قرآن و حدیث سے کام لینے لگتا ہے تو چونکہ اس کی طبیعت ان کے مخصوص طریق استدلال سے مانوس نہیں ہوتی، نہ وہ اس کے ساتھ صحیح مناسبت رکھتا ہے، اس لیے وہ ان میں بھی معقولات کا طریقہ عمل میں لانے لگتا ہے، لہٰذا اپنے مقصد میں ناکام رہتا ہے بلکہ بھٹک جاتا ہے۔

ایک مرتبہ فرمایا، قرآن مجید کے نزول کے وقت جو لوگ حاضر تھے، وہ اس کے محلِ نزول اور موقع وُرود کو آنکھوں سے دیکھتے تھے، اس لیے اس کے مطالب و معانی کو بخوبی سمجھتے تھے۔ مگر آج محض قیاس اور اٹکل سے اس کے مصداق کو قائم کرنا پڑتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اس وقت ایک بے علم اور گنوار اعرابی تک قرآن کو سمجھتا تھا، مگر آج کل کوئی علامۂ دہر اور تمام علوم کا ماہر بھی سمجھ نہیں سکتا۔ پھر فرمایا، میں نے ایک دن مولوی نور احمد صاحب امرتسری سے عرض کیا کہ آپ کوئی تفسیر مجھے بتلائیں جو کہ مضامین قرآن میں کافی ہو۔ انہوں نے فرمایا، مولانا! یہ فن ناقص ہے۔[2] میں نے عرض کیا، پھر کیا کیا جائے؟ تو فرمایا کہ اللہ تعالیٰ

۱۔ یعنی نصاب کی ترتیب

۲۔ یعنی احاطۂ مرادات الٰہیہ سے قاصر ہے، اگرچہ بقدر ضروریات دین فہم مطالب قرآنیہ کے لیے موجودہ تفاسیر کفایت کرتی ہوں۔ (مفتی عطا محمد)

کی بارگاہ میں دعا کی جائے کہ وہ اپنے کلام کو سمجھنے کی توفیق دے اور اس کے ساتھ خاص مناسبت عطا فرمائے۔

ما یتعلق بالحدیث

ایک مرتبہ حضرت نے فرمایا کہ مشکوٰۃ شریف کے باب فضائل سید المرسلین (صلی اللہ علیہ وسلم) میں ایک حدیث آئی ہے جو نسیم الریاض علی شفاء قاضی عیاض میں بھی منقول ہے:

مَا مِنَ الْاَنْبِيَآءِ مِنْ نَبِيٍّ اِلَّا قَدْ اُعْطِيَ مِنَ الْاٰيٰتِ مَا مِثْلُهٗ اٰمَنَ عَلَيْهِ الْبَشَرُ وَ اِنَّمَا كَانَ الَّذِيْ اُوْتِيْتُ وَحْيًا اَوْحَى اللّٰهُ اِلَيَّ فَاَرْجُوْا اَنْ اَكُوْنَ اَكْثَرَهُمْ تَابِعًا يَوْمَ الْقِيٰمَةِ.

تمام نبیوں میں سے ہر نبی کو اسی قدر (محدود) معجزات دیے گئے ہیں جن کے برابر (محدود) لوگ ان پر ایمان لائے ہیں۔ اور مجھے تو وحی قرآن کا معجزہ ملا ہے، جو اللہ نے مجھ پر نازل فرمایا۔ پس میں امید کرتا ہوں کہ قیامت کے دن میرے تابع سب نبیوں سے زیادہ ہوں گے۔

فرمایا، میں مدت تک اس حدیث کا مطلب نہیں سمجھا۔ ایک مرتبہ ایک مولوی صاحب، جو فاضل شخص تھے، یہاں تشریف لائے تو میں نے ان سے اس حدیث کا مطلب پوچھا۔ انہوں نے کہا، مجھے مطالعہ کے لیے سامان مل جائے تو میں اس کے معانی پر غور کر کے کچھ بتا سکتا ہوں۔ ہر قسم کی کتابیں حاضر کر دی گئیں تو انہوں نے دیر تک مطالعہ کرنے کے بعد کہا کہ واقعی حدیث مشکل ہے۔ اس کے بعد حضرت نے فرمایا، جب سورۂ مائدہ کی مذکورہ سابقہ آیت یٰۤاَهْلَ الْكِتٰبِ قَدْ جَآءَكُمْ کے معنی پر غور کیا تو اس حدیث کا مطلب آپ سے آپ حل ہو گیا۔

مدعائے حدیث یہ ہے کہ دوسرے انبیاء کے معجزات کی مدت محدود ہے اور ان کی جمیت خاص قوم پر ہوتی ہے، پس ان کی امت کے لوگ بھی گنتی کے ہوں گے۔ بخلاف اس کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا معجزہ قرآن ہے، جس کا زمانہ جمیت تا بہ قیامت ہے اور تمام عرب وعجم اور اسود واحمر سے اس کا خطاب ہے۔ اس سے قیاس کر سکتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی امت کا دائرہ کس قدر وسیع ہے۔

ایک مرتبہ حاضرین سے فرمایا، یہ حدیث جو آئی ہے کہ:

مَنْ تَوَضَّأَ وَضُوْئِیْ ھٰذَا ثُمَّ یُصَلِّیْ رَکْعَتَیْنِ لَایُحَدِّثُ نَفْسَہٗ فِیْھِمَا بِشَیْیٍٔ غُفِرَلَہٗ مَاتَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِہٖ.

جو شخص یوں میری طرح وضو کرے، پھر دو رکعت نماز پڑھے جن میں اپنے دل میں کچھ خیالات نہ لائے تو اس کے تمام سابقہ گناہ بخشے جاتے ہیں۔

بتاؤ اس سے کیا مراد ہے؟ کیا نماز میں خیالات کا آنے نہ دینا کسی کے اختیار میں ہے؟ حاضرین نے مختلف توجیہات عرض کیں تو فرمایا، یہاں تحدیث سے خیالات کا عمداً وارادتاً لانا مراد ہے اور لا یحدث اس پر دال ہے۔ یعنی ایسا نہ کرے کہ بحالتِ نفل ادھر اُدھر کے خیالات کا مطالعہ کرنے لگے تو پھر ان دو نفلوں کا ثواب اس قدر ہوگا کہ اس کے تمام سابقہ گناہ بخش دیے جائیں گے اور اضطرار جو خیالات وخواطر دل پر وارد ہوتے ہیں، وہ یہاں مراد نہیں۔ کیونکہ یہ اپنے اختیار کی بات نہیں۔ اور اس سے یہ بھی خیال نہ کیا جائے کہ یہ نفی خواطر صرف نوافل سے مخصوص ہے، فرائض میں ضروری نہیں۔ بلکہ اس سے قیاس کرنا چاہیے کہ جب نوافل میں خیالات سے پرہیز کرنا اس قدر اہم ہے[1] تو فرائض میں اس کی اہمیت کس قدر زیادہ ہوگی۔

ایک مرتبہ غلام محی الدین صاحب شاہپوری نے آپ سے سوال کیا کہ یہ جو احادیث میں آیا ہے کہ قبر میں میت سے سوال کیا جائے گا کہ:

مَا کُنْتَ تَقُوْلُ فِیْ ھٰذَا الرَّجُلِ فَیَقُوْلُ ھُوَ عَبْدُاللّٰہِ.

۱۔ یعنی موجب اجر وثواب۔ (محمد محبوب الٰہی عفی عنہ)

ان صاحب کے بارے میں تو کیا کہتا تھا؟ تو وہ کہے گا، وہ اللہ کے بندے ہیں۔

کیا اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صورت مبارک میت کے سامنے آ جاتی ہے جیسا کہ علمائے بریلی ہر مجلس میلاد میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری کے متعلق اس قسم کی احادیث سے استدلال کرتے ہیں۔ حضرت نے فرمایا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صورت مبارک کا قبر میں آنا ثابت نہیں، بلکہ آپ کی صورت مثالی کا وہاں حاضر کیا جانا بھی ثبوت کو نہیں پہنچتا۔ بلکہ یہ عرب کا ایک محاورہ ہے کہ ایک امر حاضر فی الذہن کے لیے ھذا کا صیغہ استعمال کرتے ہیں۔ جیسے کہ قرآن مجید میں ارشاد ہے، ھٰذَا ذِکْرٌ مُّبَارَکٌ اَنْزَلْنَاہُ. پس یہ ضروری نہیں کہ ھٰذَا الرَّجُلِ کہنے کے لیے آپ کا حاضر فی القبر ہونا لازم ہو۔ پھر فرمایا، علمائے بریلی جو کچھ کہہ رہے ہیں یہ محال نہیں۔ مگر جب ثابت ہی نہیں ہوتا تو اس کو تسلیم کیونکر کیا جائے۔ چنانچہ مومن کے جواب، ھُوَ عَبْدُ اللّٰہِ سے ثابت ہوتا ہے کہ آپ وہاں حاضر نہیں ہوتے، ورنہ ھٰذَا عَبْدُ اللّٰہِ کہتے۔

اتنے میں مولوی عبداللہ صاحب مدھیانوی شرح وقایہ کا حاشیہ عمدۃ الرعایہ لمولانا عبدالحی الکھنوی، جلد اول نکال لائے اور اس کے صفحہ ۹م پر یہ عبارت دکھائی:

هذا هو و ان كان موضوعا للمشار اليه الموجود في الخارج المحسوس لكن كثير اما يشار به الى الحاضر في الذهن تنزيلا للمعقول منزلة المحسوس و تنبيها على كمال تميزه و منه قوله تعالى ذلك الكتاب لاريب فيه و قوله تعالى هذا كتاب انزلناه مبارك و قوله تعالى وهذا ذكر مبارك انزلناه و نظائره في القران والحديث وكلمات العرب كثيرة و منه ما ورد في رواية الترمذي والبيهقي و ابن ابي الدنيا و غيرهم في حديث سوال منكر و نكير في القبر فيقولان له ما كنت[1] تقول

۱۔ کنت تقول کے الفاظ سے، جو بصیغہ ماضی استمراری ہیں، یہ مفہوم ہوتا ہے کہ یہ سوال اس عقیدہ کے اظہار سے متعلق ہے جو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے

(بقیہ اگلے صفحے پر)

فی ھذا الرجل فیقول المؤمن ھو عبداللّٰہ ورسولہ فالاشارۃ بھذا فیہ لیس الا الی الحاضر فی الذھن ومن استنبط منہ حضور التمثال المحمدی او نفس ذاتہ صلّی اللّٰہ علیہ وسلّم فی قبر کل مومن فقد غفل۔

کلمہ ہذا اگرچہ مشارٌ الیہ موجود فی الخارج اور محسوس کے لیے موضوع ہے لیکن بسا اوقات اس کے ساتھ امر حاضر فی الذہن کی طرف بھی اشارہ کیا جاتا ہے جس سے معقول کو بمنزلہ محسوس قرار دینا اور اس کے کمال تمیز سے آگاہ کرنا مقصود ہوتا ہے، اور اسی قبیل سے ہے اللہ کا یہ قول کہ ذٰلِکَ الْکِتٰبُ لَا رَیْبَ فِیْہِ اور اللہ تعالیٰ کا یہ قول وَ ھٰذَا کِتٰبٌ مُّبٰرَکٌ اَنْزَلْنٰہُ اور اللہ تعالیٰ کا یہ قول ھٰذَا ذِکْرٌ مُّبٰرَکٌ اَنْزَلْنٰہُ۔ اور اس کے نظائر قرآن و حدیث اور کلمات عرب میں بہت سے ہیں، اسی قبیل سے ہے۔ وہ لفظ جو ترمذی اور بیہقی اور ابن ابی الدنیا وغیرہم کی روایت میں وارد ہوا ہے جو قبر کے اندر منکر و نکیر کے سوال کی حدیث میں ہے کہ منکر نکیر میت سے پوچھیں گے کہ (ھذا الرجل) ان صاحب کے بارے میں تو کیا کہا کرتا تھا؟ تو مومن یہ کہے گا (ھو عبد اللّٰہ و رسولہ) وہ اللہ کے بندے اور رسول ہیں۔ (یعنی میں یہ کہا کرتا تھا) تو اس میں ھذا کے ساتھ اشارہ صرف حاضر فی الذہن کی طرف ہے اور جو شخص اس سے یہ مطلب اخذ کرتا ہے کہ **صورت محمدی یا آپ کی خاص ذات (صلی اللہ علیہ وسلم) ہر مومن کی قبر میں**

(گذشتہ سے پیوستہ) بارے میں مومن دنیا میں رکھتا ہے، وہ کیا ہے؟ اس حدیث شریف نے بتایا کہ وہ عبدہٗ ورسولہٗ کا اقرار و اظہار ہے جس کا ورد ہر مومن سے تمام نمازوں میں بحالت تشہد کرلیا جاتا ہے۔ اس میں بظاہر حکمت یہی ہے کہ عبدہٗ ورسولہٗ کے بار بار ذکر سے زبان اس کی اتنی عادی ہوجائے کہ قبر میں بجواب نکیرین یہی الفاظ بے ساختہ زبان سے ادا ہوں۔ واللّٰہ اعلم ھذا ما سنح لی فی ھذا المقام بمنہ تعالیٰ و کرمہ۔ (محمد محبوب الٰہی عفی عنہ)

حاضر ہوتی ہے، اس نے غلطی کی۔

اس کے بعد حضرت نے کتاب شرح الصدور فی احوال الموتی والقبور للسیوطی نکال کر یہ عبارت پڑھی کہ حافظ ابن حجر سے سوال کیا گیا:

هل يكشف له حتى يرى النبي صلى الله عليه وسلم فاجاب انه لم يرد في حديث وانما ادعاه بعض من لا يحتج به بغير مستند سوى قوله في هذا الرجل ولاحجة فيه لان الاشارة الى الحاضر في الذهن. (ص ۶۰)

کیا میت کو کشف ہو جاتا ہے حتیٰ کہ وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کرتا ہے تو انہوں نے جواب دیا، یہ بات کسی حدیث میں وارد نہیں ہوتی صرف بعض غیر معتبر اشخاص نے کسی دلیل کے بغیر اس کا دعویٰ کیا ہے (باقی کسی حدیث میں اس کا ذکر نہیں) سوائے منکر و نکیر کے قول فی ہذا الرجل کے اور اس میں کوئی دلیل نہیں کیونکہ اشارہ حاضر فی الذہن کی طرف ہے۔

ردّ مذاہب باطلہ و تحقیق مسائل خلافیہ

مرزائے قادیانی کی دجالیت

ایک مرتبہ فرمایا: مرزائے قادیانی کے رد کے لیے صرف ایک ہی دلیل کافی وشافی ہے اور وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد مبارک ہے کہ آئندہ زمانے میں بہت سے دجال پیدا ہوں گے اور ہر ایک کا یہ دعویٰ ہوگا کہ میں نبی ہوں۔ پس دجال کی شناخت کا یہ معیار کس قدر آسان اور عام فہم ہے جس کو ایک غبی سے غبی انسان بھی سمجھ سکتا ہے کہ وہ انا نبی کا دعویٰ کرے گا۔ اب جس شخص کو انا نبی کا دعویٰ کرتا ہوا دیکھو فوراً سمجھ لو کہ دجال ہے۔ چونکہ نبوت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد قیامت تک کے لیے ختم ہو چکی، جس کے بعد انا نبی کے قول میں کسی قسم کا احتمال صدق و دیانت کے ساتھ ہو ہی نہیں سکتا۔ یعنی

اگر کوئی شخص نبی ہونے کا دعویٰ کرے تو اس کے متعلق یہ شبہ نہیں ہو سکتا کہ شاید وہ نبی ہو اور سچ کہتا ہو۔ بلکہ فوراً اس کے کذاب و دجال ہونے کا یقین ہو جاتا ہے۔ دجل کے معنی ہیں حق و باطل کو اس قدر مخلط کرنے کی کوشش کرنا کہ عوام الناس ان کی تمیز نہ کر سکیں۔ پس جو مدعی کاذب خواہ مخواہ نبی بن بیٹھے، وہ دجال ہے۔ اس کا علاج یہ حدیث ہے۔[1]

شاہ اسمٰعیل دہلویؒ

ایک مرتبہ خاکسار سے فرمایا، شاہ اسمٰعیل دہلوی کے متعلق تمہارا کیا خیال ہے؟ میں متامل ہوا اور دل میں سوچا کہ کیا عرض کروں۔ ان کے متعلق لوگوں کے مختلف خیال ہیں، معلوم نہیں حضرت کی مراد کیا ہو اور میں کیا عرض کر بیٹھوں؟ ناچار یہ گول مول جواب عرض کیا کہ لوگ ان کو غیر مقلد کہتے ہیں اور ان کی ایک کتاب تقویۃ الایمان میں کچھ کلمات ایسے بتاتے ہیں جن پر لوگوں کو سخت اعتراض ہیں۔ آپ نے فرمایا، اگر ان کی ایک معتبر کتاب سے یہ ثابت ہو کہ وہ ایک کامل صوفی اور پورے متادب بآداب طریقت تھے تو پھر ان کے نام سے تقویۃ الایمان کی نسبت غلط قرار پائے گی یا نہیں۔ پھر آپ نے مولانا شاہ اسمٰعیل کی ایک کتاب بنام ''عبقات'' کھول کر اس کی یہ ابتدائی سطور پڑھ کر سنائیں:

۱۔ حضرت امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کے عہد میں ایک شخص نے نبوت کا دعویٰ کیا۔ کچھ لوگوں نے اس سے معجزہ طلب کر لیا۔ امام ابوحنیفہؒ نے فتویٰ دیا کہ معجزہ طلب کرنے والے طلب معجزہ کی وجہ سے کافر ہو گئے۔ کیونکہ جس چیز کا عقیدہ رکھنا کفر ہے اس کو بطور احتمال تسلیم کر لینا بھی موجب کفر ہے۔ پس جس طرح از روئے شریعت محمدیہ علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی وفات (موت) کا قائل ہو جانا کفر ہے، اسی طرح احتمال موت کا قائل ہونا بھی کفر ہوگا۔ اور جو جاہل بَل رَّفَعَهُ اللّٰهُ اِلَيْهِ کے تحت اپنی تفسیر میں یہ لکھے کہ یہ آیت زندہ اٹھا لینے یا موت دے کر روح کو اٹھا لینے دونوں باتوں کا احتمال رکھتی ہے تو اس کا یہ سمجھنا، لکھنا اور کہنا اشد کفر ہوگا۔ (مفتی عطا محمد سلمہٗ) (جیسا کہ مودودی صاحب نے اپنی کتاب ''تفہیم القرآن'' میں اس آیت کو دونوں معنوں پر محمول کیا ہے۔ محمد محبوب الٰہی)

(بقیہ اگلے صفحے پر)

ان معرفة اللّٰه اجمالا بذر اشجار الطاعات وماء مروج الحسنات تفصیلا ثمرة جنان العبادات و ذروة ریاض الخیرات قد خص لها احرار الفنام وتسابق الیها فرسان الاقوام کیف لا والمورد العذب کثیر الزحام وللصوفیة الصافیة من بینهم ید طولی و کعب علیا لم یبلغ احد من فرسان القوم الی هذا الامد. (ص۲، طبع جدید، علمی، کراچی)

اللہ کی معرفت اجمالی طور پر طاعت کے درختوں کا بیج اور نیکیوں کی

(گذشتہ سے پیوستہ)

۲۔ حضرت کے اس قیاس کی تائید بعض محققین کے خیال سے بھی ہوتی ہے چنانچہ حال میں مولانا حکیم عبدالشکور صاحب مرزاپوری نے ایک رسالہ بنام التحقیق الجدید علی تصنیف الشہید تالیف کیا ہے، جس میں ثابت کیا ہے کہ تقویۃ الایمان شاہ اسمٰعیل کی تالیف نہیں۔ یہ رسالہ کتب خانہ خانقاہ سراجیہ میں موجود ہے۔ التحقیق الجدید کی تائید حضرت مولانا حسین احمد مدنی قدس سرہ کے اس ارشاد سے بھی ہوتی ہے کہ "تقویۃ الایمان کی نسبت حضرت مولانا اسمٰعیل شہیدؒ کی طرف کی جاتی ہے جس کی نسبت میں بھی لوگوں کو کلام ہے۔" (مکتوبات شیخ الاسلام، جلد دوم، ص۵۵) اس عبارت پر جامع مکتوبات مولانا نجم الدین اصلاحی نے حاشیہ لکھا اور بدلائل ثابت کیا ہے کہ شاہ شہیدؒ کی طرف یہ نسبت صحیح نہیں۔ نیز مکتوب نمبر ۷ بنام مولانا محمد انوریؒ لائل پوری، جلد سوم، ص۵۶ میں مولانا مدنی قدس سرہ حضرت شاہ اسمٰعیل شہیدؒ کی طرف منسوب ایک دوسری کتاب "ایضاح الحق الصریح" کے متعلق تحریر فرماتے ہیں کہ "حضرت شاہ اسمٰعیل شہیدؒ کے وہ اقوال جو خلاف فقہ حنفی ہوں گے، ہمارے نزدیک کس طرح قابل عمل ہوں گے۔ پس اگر کتاب مذکور حسب ارشاد آنجناب حضرت شاہ اسمٰعیل شہیدؒ کی تصنیف نہ ہو، جبکہ غیر مقلدوں کے تصرفات کو دوسری کتابوں کے متعلق نواب قطب الدین مرحوم سے حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ نے نقل فرمایا تھا تو کچھ تعجب نہیں۔" یہ دونوں کتابیں محرف ہیں۔ (محشی) (مکتوب نمبر ۷، ج۳، ص۵۶) (مکتوبات شیخ الاسلام مولانا مدنی قدس سرہ) مفتی عطا محمد سلمہٗ

جو اگا ہوں کا پانی ہے اور تفصیلی طور پر عبادات کے باغوں کا میوہ اور نیکیوں کے گلزاروں کا بلند مقام ہے جس کے لیے احرار امم مخصوص ہیں اور اس کی طرف شہسواران اقوام پیش قدمی کرتے ہیں۔ کیوں نہ ہو، جیسے پانی کے گھاٹ پر ہجوم ہوا ہی کرتا ہے اور صوفیہ باصفا کو اس میں ان سب سے زیادہ دخل اور بلند درجہ حاصل ہے۔ اس انتہا کو شہسوارانِ قوم میں سے اور کوئی نہیں پہنچا۔

پھر حضرت شیخ اکبر اور حضرت مجدد صاحب اور حضرت شاہ ولی اللہ صاحب کے علو مراتب اور ان کی تعلیماتِ طریقت سے اپنے استفادہ کا ذکر درج تھا اور باقی کتاب کی ورق گردانی کی گئی تو اس میں تصوف و طریقت کے وہ بلند پایہ اسرار و معارف مندرج پائے جن کے تصور سے بھی ایک وہابی پر لرزہ طاری ہونے لگے۔ چہ جائیکہ ایک وہابی ان کا قائل ہو، یا ان کے قائل کو وہابیت سے منسوب کیا جائے۔[1]

فروعی مسائل میں تشدد کرنے والے پر عذابِ قبر

ایک مرتبہ کتب خانہ میں ایک رسالہ نظر سے گزرا، جس میں ہندوستان کے اندر نماز

۱۔ نیز طبقات (ص ۲۷، طبع جدید، مجلس علمی، کراچی) میں ہے کہ لیس الاجتهاد منحصراً عندنا فی الفقه المصطلح بل له عمومٌ فی کل فن... الخ. الی ان قال فجمیعها علومٌ شرعیه دائمتها مؤیدون من الغیب و مقلدوهم متبعون للحق. شاہ صاحب اس عبارت میں تمام علومِ شرعیہ کے مجتہدوں کو مؤید من اللہ اور مقلدوں کو متبع حق قرار دے رہے ہیں اور بلاشبہ علوم و معارف صوفیہ صافیہ کے بھی علوم شرعیہ میں داخل ہیں، اس لیے عارفین صوفیہ جو درجہ اجتہاد رکھتے ہیں، ان کے معارف بشرط تطابق قرآن و سنت سالکین کے لیے قابلِ اتباع ہیں۔ ہاں صوفیہ مجتہدین کی رائے مسائلِ فقہیہ میں معتبر نہیں۔ روزہ، نماز، اذان، اقامت وغیرہ کے مسائل اور مباح، مکروہ، حلال اور حرام وغیرہ کے احکام میں ائمہ فقہ واجب الاتباع ہیں۔ (مفتی عطا محمد سلمہٗ وفقیر محبوب الٰہی عفی عنہ)

جمعہ کی فرضیت ثابت کی گئی تھی۔ حضرت نے فرمایا، اس مسئلے پر علماء میں بہت اختلاف ہے اور افسوس ہے کہ وہ باہم نہایت تعصب وتشدد سے کام لیتے ہیں۔ اس میں شک نہیں کہ جمعہ کی فرضیت قطعی ہے اور اس کے شرائط ظنی ہیں۔ پس مجوزین و مانعین دونوں اپنی اپنی جگہ دلائل سے تمسک رکھتے ہیں۔ کسی فریق کو تشدد نہیں کرنا چاہیے۔ مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں اور خوب لکھتے ہیں کہ دریں مسئلہ دست بگریبان نباید شد۔ پھر فرمایا، ایک مرتبہ میں حضرت مرحوم (یعنی حضرت مولانا سراج الدین قدس سرہٗ) کی معیت میں تھا۔ ایبٹ آباد سے واپس آ رہے تھے۔ راستے میں ایک مقام پر ایک مولوی صاحب نے حضرت مرحوم کی خدمت میں عرض کیا کہ یہاں قریب ہی میرے استاد صاحب مرحوم کی قبر ہے۔ اگر حضور فاتحہ پڑھنے جائیں تو بڑی خادم پروری ہو۔ حضرت مع خدام وہاں تشریف لے گئے، فاتحہ پڑھی۔ ہمارے حضرت سلمہٗ فرماتے ہیں کہ اس وقت صاحب قبر کی حالت منکشف ہوگئی اور معلوم ہوا کہ مسئلہ جمعہ کے بارے میں تشدد کرنا اُن کا شیوہ تھا اور اس بناء پر انہیں عذاب ہو رہا تھا۔[1]

کیا حرام جانور کا چمڑا ذبح سے پاک ہوتا ہے یا نہیں؟

ایک مرتبہ مولوی محمد شفیع صاحب ٹنجیالی نے حضرت کی خدمت میں کسی غیر مقلد کے ساتھ اپنے مباحثہ کا ذکر کیا، جو کہتا تھا کہ شیر، بھیڑیے، گیدڑ، کتے اور لومڑی وغیرہ غیر ماکول اللحم جانوروں کا چمڑا ذبح سے پاک نہیں ہوتا۔ حالانکہ احناف کے نزدیک پاک ہو جاتا ہے۔ حضرت کی مجلس میں اس مسئلے پر دیر تک گفتگو ہوتی رہی۔ اور زیلعی، جوہر النقی، سنن کبریٰ بیہقی، بذل المجہود، شرح ابی داؤد وغیرہ بہت سی کتابوں کی ورق گردانی ہوائی مگر کوئی شافی دلیل نہیں ملتی تھی۔ آخر مغنی ابن قدامہ، جو مذہب حنبلی کی نہایت مشہور ومعتبر کتاب ہے

۱۔ فائدہ: فرق درمیان تعصب وتصلب۔ فرائض، واجبات اور منہیات کے بارے میں غلظ و ارشاد اور تختی اور تختی سے کام لینا تصلب فی الدین ہے اور محمود ہے ظنیات اور مباحات میں۔ اپنے اوپر تختی اٹھانا بھی تصلب محمود ہے مگر دوسروں پر تختی کرنا تعصب غیر محمود بلکہ موجب ایذا ہے۔ (مفتی عطا محمد سلمہٗ)

اس کے کفر پر ناطق ہے اور قرآن و حدیث کے فیصلے قطعی ہیں۔ فتوحات وغیرہ کتابوں کی بہت سی باتیں مکاشفات کی قبیل سے ہیں اور کشف میں غلطی کا امکان ہے۔ لوگ قرآن مجید اور حدیث شریف سے تو مناسبت پیدا کرتے نہیں، تصوف میں منہمک رہتے ہیں اور صوفیہ کے اقوال سے متمسک ہو کر قرآن کی تاویل کرنے لگتے ہیں اور فتنہ برپا کر دیتے ہیں۔ میں نے عرض کیا، اس فتنہ پردازی سے شہرت تو ہو جاتی ہے۔ آپ نے فرمایا، ہاں بیشک شہرت ہو جاتی ہے۔ پھر فرمایا، ہمارے نواح میں ایک مولوی صاحب علم کی تحصیل کر کے آئے اور آتے ہی یہ فتویٰ دے دیا کہ خانگی گدھا حلال ہے۔ اس فتوے پر لوگوں میں ایک شور مچ گیا۔ ایک مولوی صاحب بحث کے لیے آئے۔ قرب وجوار کے دیہات سے بہت سی مخلوق جمع ہو گئی۔ گدھے کو حلال کرنے والے مولوی صاحب بولے، بھلا میرے فتوے سے کوئی گدھے کا گوشت کھانے لگا تھا۔ میں تو صرف اپنی شہرت چاہتا تھا۔ سو دیکھئے اللہ کے فضل سے یہ تدبیر کارگر ہوئی۔ جیس جیس کوس تک نام ہو گیا۔ ایک مخلوق میرے دیکھنے کو چلی آئی اور گدھا وہی حرام کا حرام رہا، ورنہ مجھے کوئی نہیں پوچھتا تھا۔

سنتِ فجر کو قبل طلوع یا بعد طلوع قضا کرنے کا مسئلہ

ایک بار مولوی محمد شفیع صاحب[1] پنجابی نے بیان کیا کہ مجھے ایک غیر مقلد کے ساتھ سنتِ فجر کے متعلق گفتگو کرنے کا اتفاق ہوا۔ وہ کہتا تھا کہ مجھے کسی حدیث صحیح میں یہ دکھا دو کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سنتوں کو طلوع کے بعد پڑھا یا پڑھنے کا حکم دیا ہے۔ گو یہ ایک مدت کا پرانا اور فرسودہ مسئلہ ہے، مگر حضرتؒ کی عبارت شریف کے موافق از سر نو اس کا خیال ہو گیا۔ میں نے عرض کیا کہ مولانا عبدالحی صاحب لکھنوی نے بھی اپنے فتوے میں لکھا ہے کہ اگر کوئی ان سنتوں کو طلوع سے پہلے فرضوں کے بعد پڑھ لے تو جائز ہے۔ مولوی محمد شفیع نے کہا ہاں وہ شخص مولوی عبدالحی صاحب کا قول بھی اپنے استدلال میں پیش کرتا تھا۔ مولوی عبداللہ صاحب نے کہا کہ مولوی عبدالحی صاحب کا قول قابل سند نہیں ہوتا۔ پہلے پہلے مولوی صاحب کی روش میں ضرورت سے زیادہ توسع اور اعتدال سے بڑھی ہوئی

---

[1] مولوی محمد شفیع صاحب مرحوم [illegible] (محمد حبیب اللہ عفی عنہ)

آزادی تھی۔ مگر جب نواب صدیق حسن خاں صاحب کے ساتھ ان کے قلمی معرکے ہوئے تو پھر ذرا سنبھلے۔ ممکن ہے ان کا یہ فتویٰ اوائلِ عہد کا ہو۔"

اس سلسلے میں قیس کی اس روایت کا ذکر بھی آیا جو ترمذی میں درج ہے:

عن قیس[۱] قال خرج رسول اللّٰہ صلّی اللّٰہ علیہ وسلّم فاقیمت الصلٰوۃ فصلیت معہ الصبح ثم انصرف النبی صلّی اللّٰہ علیہ وسلّم فوجدنی اصلی فقال مھلا یاقیس اصلاتان معا قلت یارسول اللّٰہ انی لم اکن رکعت رکعتی الفجر قال فلا اذن۔

(ترمذی، ص ۵۷، کتاب الصلوٰۃ)

قیس سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم تشریف لائے تو نماز کی اقامت کہی گئی۔ پس میں نے آپ صلّی اللہ علیہ وسلّم کے ساتھ صبح کی نماز پڑھی۔ پھر نبی صلّی اللہ علیہ وسلّم (نماز پڑھ کر) واپس ہوئے تو مجھے نماز پڑھتے پایا۔ فرمایا، ٹھہرو، اے قیس! کیا اکٹھی دو نمازیں؟ میں نے عرض کیا، یارسول اللہ! میں نے فجر کی دو سنتیں نہیں پڑھی تھیں۔ فرمایا، تو اب نہیں۔

اور اس حدیث کے لفظ **فلا اذن** پر بھی کچھ گفتگو ہوئی جس کے لفظی معنی صرف "تو اب نہیں" ہیں اور مراد ہے **فلا صلوۃ اذن**، یعنی تو اب نماز کا وقت نہیں، مگر غیر مقلد اس سے مراد لیتے ہیں **فلا حــــرج اِذن**۔ یعنی تو اب تمہارے نماز پڑھنے میں مضائقہ نہیں۔ آخر بہت سی کتابوں کی چھان بین کے بعد ابن ماجہ کی یہ حدیث نکلی جو اس مسئلے میں کافی و شافی سمجھی گئی۔[۲]

مولوی احمد الدین صاحب نے فرمایا: اس کے رجال بھی صحیحین کے رجال کے ہم پایہ ہیں:

۱۔ قال صاحب الوفاء ان الحدیث لم یثبت فلا یکون حجة علی ابی حنیفة وان کان فلا اذن بمعنی فلا حرج اذن۔ (فتح [illegible])

۲۔ کیونکہ ابن ماجہ نے اس حدیث کو اس باب کے تحت درج کیا ہے جو فجر سے پہلے کی دو سنتوں کے رہ جانے پر ان کے قضا کرنے کے وقت کے بارے میں قائم کیا ہے۔ ([illegible])

حدثنا عبدالرحمٰن بن ابراهيم و يعقوب ابن حميد بن كاسب قالا حدثنا مروان بن معاويه عن يزيد بن كيسان عن ابي حازم عن ابي هريرة ان النبي صلّى اللّٰه عليه وسلّم نام عن ركعتي الفجر قضا هما بعد ماطلعت الشمس. (ابن ماجہ، باب ماجاء في من فاته ركعتان قبل صلوٰة الفجر متى يقضيها، ص۸۲)

حدیث بیان کی ہے ہم سے عبدالرحمٰن ابن ابراہیم نے اور یعقوب ابن حمید بن کاسب نے۔ وہ دونوں کہتے ہیں کہ حدیث بیان کی ہم سے مروان ابن معاویہ نے یزید ابن کیسان سے۔ وہ روایت کرتے ہیں ابن حازم سے وہ ابوہریرہؓ سے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم فجر کی دو سنتیں پڑھے بدوں سو گئے تو ان کو سورج کے طلوع کے بعد قضا کیا۔

حضرت ابن عربی رحمۃ اللہ علیہ اور ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ

ایک مرتبہ کسی نے عرض کیا کہ ابن تیمیہ نے ابن عربی کے حق میں بہت بدگمانی ظاہر کی ہے۔ آپ نے فرمایا، ابن تیمیہ تو رہے الگ، خود ہمارے ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ اتنے بڑے علامہ اور صوفی ہو کر ابن عربی کے متعلق سخت غلط فہمی میں مبتلا ہیں اور اُن کو حلولی قرار دے رہے ہیں، اور اس بدگمانی کی وجہ یہ ہے کہ ملا صاحب کو سکر کے معنی سمجھنے میں غلطی ہوئی۔ کیونکہ لوگ جو کہتے ہیں کہ ابن عربی نے جو کچھ کہا ہے سکر میں کہا ہے۔ اور کلام سکاری ظاہر پر محمول نہیں کیا جاتا بلکہ وہ تاویل چاہتا ہے۔ تو ملا صاحب فرماتے ہیں کہ ابن عربی کو سکر ہے ہی نہیں، بلکہ وہ حالتِ صحو میں ہیں۔ سکر میں کوئی کچھ لکھ ہی نہیں سکتا۔ انہوں نے سکر کو عدمِ شعور[۱] محض سمجھ لیا ہے۔ حالانکہ سکر سے مراد ایک وجدانی کیفیت ہے جو بحالتِ صحو بھی ہو سکتی ہے۔ پھر فرمایا، سکر و صحو کے متعلق صوفیائے عظام میں بڑا اختلاف ہے۔ بعض سکر کو افضل سمجھتے ہیں، بعض صحو کو۔ دراصل نہ سکر محض اچھا ہے نہ صحو محض۔ بلکہ دونوں کا موجود ہونا اچھا ہے۔ کیونکہ صحو تام میں عارف معارف کو زبان و قلم سے ادا کر ہی نہیں سکتا۔ زبان بند اور

۱۔ یعنی شعور

قلم معطل رہتا ہے، نہ حالت سکر میں لکھ سکتا ہے۔ پھر تو زبان وقلم قابو سے باہر ہوتے ہیں۔ پس ابن عربی نے جو کچھ لکھا ہے وہ ایسے سکر میں لکھا ہے جس کے ساتھ صحو شامل ہے، اور ایسے سکر میں امور ظاہر یہ کے متعلق شعور قائم رہتا ہے۔

کشف [۱]

ایک مرتبہ آپ نے کسی متشدد مولوی کے متعلق (نام اچھی طرح میں سن نہیں سکا) فرمایا کہ وہ عنقریب مرزائی یا چکڑالوی ہو جائے گا۔ اور یہ بات میں قرائن کی بنا پر قیاساً نہیں کہتا، بلکہ میں ایسا دیکھ رہا ہوں۔

۱۔ آپ کی قوت کشفیہ کے بارے میں حضرت مولانا محمد عبداللہ صاحبؒ، جو آپ کے بعد آپ کے جانشین ہوئے، فرماتے تھے کہ ایک روز حضرت نے فرمایا کہ ایک زمانہ میں فقیر کا کشف اس قدر بڑھ گیا تھا کہ جو شخص سامنے آتا اُس کا تمام حال الم نشرح ہو جاتا تھا۔ فقیر نے بارگاہِ الٰہی میں بالحاح وزاری دعا کی کہ مجھ سے یہ حالت اٹھالی جائے۔ دعا بحمدہٖ تعالیٰ قبول ہوئی مگر اب بھی اتنی باقی ہے کہ جس کے حال پر میں خود توجہ کرتا ہوں اُس کی پوری حالت منکشف ہو جاتی ہے۔ حضرت سیدنا ومولانا محمد عبداللہ قدس سرہٗ فرماتے تھے کہ حق تعالیٰ نے آپ کو کشف بے کیف سے نوازا تھا جس کی حقیقت بفرمان خواجہ محمد معصوم قدس سرہٗ یہ ہے، "اشیا ہم چنانکہ باشند بر عارف منکشف می شوند" (دفتر اول مکتوبات) (رواہ مفتی عطا محمد سلمہٗ)

تلقین و تربیتِ خدام

گر تو سنگِ خارہ و مرمر شوی — چوں بصاحب دل رسی گوہر شوی

ہیں کہ اسرافیل وقتند اولیا — مردہ راز ایشاں حیاتست و نما

اس فصل کا عنوان لکھ کر مجھے رکنا پڑا اور بیٹھا سوچ رہا ہوں کہ آگے لکھوں تو کیا لکھوں؟ راقم ناچیز اس کوچہ سے نا آشنا، اس منزل سے نابلد، اس دولت سے تہی دست۔ اس مقام کا حال کیا بتائے اور مستفیضین دولت کے احوال پر کیا روشنی ڈالے۔ جس طفلِ ابجد خواں نے ابھی مدرسہ میں قدم ہی رکھا ہے وہ کیا سمجھ سکتا ہے کہ علامہ استاد نے اپنی تقریر میں کس اعجازی قوت کا کرشمہ دکھایا اور مستعد و منتہی طلبہ نے اپنے ذہن و ذکا کی کس اعلیٰ طاقت کے ساتھ اس سے استفادہ کیا۔ سیر باغ کا جو شائق ابھی بیرون دیوار و دروازہ ہی کی تلاش میں پھر رہا ہے اور چمنستان کے مناظر سے اس کی آنکھیں آشنا نہیں ہوئیں وہ اندرون باغ کا حال کیا بتائے کہ:

ع بلبل چہ گفت و گل چہ شنید و صبا چہ کرد

ہاں ایک راہرو سرِ راہ کھڑا دیکھ رہا ہے کہ خدامِ آستانہ کی ایک جماعت سلوک کے راستے پر چلی جا رہی ہے۔ کوئی بارودے خنداں، کوئی با آہ و فغاں، کوئی مطمئن، کوئی متحیر، کوئی ہوشیار، کوئی بے خود، کوئی ساکت، کوئی متکلم، مگر سب کا کعبۂ مقصود ایک ہے۔ اور ایک ہی خضرِ فرخندہ پے کے ہاتھ میں سب کی زمامِ اختیار ہے۔ اور اسی کی ہمتِ باطن سب کی قوتِ عزم اور طاقتِ رفتار میں روح پھونک رہی ہے:

سوزِ دل، اشکِ رواں، آہِ سحر، نالۂ شب

ایں ہمہ از اثرِ لطفِ شما مے بینم

اتنا معلوم ہے کہ جس طرح سیاحِ ارض کو آبادی، ویرانہ، پہاڑ، دریا، باغ، صحرا وغیرہ منزلوں سے گزرنا اور مختلف کیفیات سے متکیف ہونا پڑتا ہے، اسی طرح سالکِ طریقت کو

بھی گونا گوں منازل پیش آتی ہیں اور ہر منزل کی مخصوص کیفیت اس پر طاری ہوتی ہے۔ پس خدامِ آستانہ کا یہ اختلافِ احوال ان کے اختلافِ منازل پر متفرع ہے۔

سلوک کی کئی منزلیں ہیں؛ ولایت صغریٰ، ولایتِ کبریٰ، ولایتِ علیا، کمالات نبوت۔ پہلی منزل والوں پر جذب کی حالت طاری ہوتی ہے۔ لوگوں سے وحشت، اختلاط سے نفرت، تنہائی کا شوق، ویرانہ سے اُنس، سکوت وخاموشی کی عادت، ہر وقت کسی خیال میں محویت اور ایک عاشقِ مجبور کی سی حالت:

آں دل نماند کش سرِ بستان و باغ بود
گوئی ہمیشہ سوختۂ درد و داغ بود

اگلی منزل کی طرف ترقی پانے والوں پر ایک سکون واطمینان نظر آتا ہے۔ احساسات میں توازن، تاثرات میں اعتدال، کیفیاتِ باطن پر پورا ضبط:

آنکہ نشد اُنسش بشاہِ فردِ خویش
یافت در ما نہائے جملہ دردِ خویش

اس سے آگے بڑھنے والوں پر اور بھی زیادہ لطیف کیفیات کا وُرود ہوتا ہے۔ استقامت کے پاؤں زیادہ مضبوط اور رضا وتسلیم کی قوت کامل ہو جاتی ہے۔ دنیاوی حوادث وآفات سیلاب بن کر آئیں تو ان کو اس کوہِ ثبات سے ٹکرا کر پیچھے ہٹنا پڑتا ہے:

مردِ حق ہیں کہ بلا را ز خدا مے جنید
تیغ را بر سرِ خود بالِ ہما مے جنید

سلوک کی آخری[1] اور اعلیٰ منزل، جس کا نام کمالاتِ نبوت کا حصول ہے، کمالِ انسانیت کا آئینہ ہے۔ سابقہ منزل میں سالک کا قرب ملائکہ[2] سے تھا۔ اب اس قرب کے

۱۔ واضح رہے کہ اس منزل کو آخری اور اعلیٰ قرار دینا باعتبار جدوجہد سالک کے ہے، ورنہ اس سے آگے بھی بہت منازل ہیں مگر وہ کسب سے نہیں، بلکہ فضل سے تعلق رکھتی ہیں اور جذبہ وسلوک سے ماوراء ہیں۔ نسبت مجددیہ کی ابتدا یہیں سے ہوتی ہے۔ (مفتی عطا محمد سلمہٗ)

۲۔ یعنی قرب ملاءِ اعلیٰ کا انکشاف تھا۔ (مفتی عطا محمد)

باوجود اس کا تعلق بنی نوع انسان کے ساتھ بھی واثق ہو جاتا ہے، لہٰذا اس منزل میں اس کی روش زندگی عام انسانی رسم و عادت کی مظہر ہوتی ہے۔ اور اس کی حالت عام لوگوں سے ممتاز نہیں ہوتی، یعنی وہ اوج کمال میں جس قدر اونچا پہنچ گیا، اس وقت اس کے کمال کے نشانات ناشناسائی کے حجاب میں چھپ گئے اور اب وہ عام انسانوں کا سا ایک انسان نظر آنے لگتا ہے:

بسر وقت شاں خلق کے رہ برند — کہ چوں آب حیواں بظلمت درند

چو بیت المقدس درون پر زتاب — رہا کردہ دیوار بیروں خراب

خدام آستانہ سلوک کی ہر منزل و مقام کے مناسب اذکار و اشغال و مراقبات کی تعلیم پاتے ہیں اور جس طرح ایک طبیب حاذق اپنے ہر بیمار زیر علاج کی طبیعت اور کیفیت مرض کے مطابق دوا اور غذا تجویز کرتا ہے اسی طرح ہمارے حضرت ہر طالب کی تدبیر اس کی حالت و طبیعت کے موافق زیر نظر رکھتے ہیں:

فیضے کہ بدل مے رسد از سدرہ و طوبیٰ

در سایۂ سرو قد دلجوئے تو یابم

مدارج سلوک طے کرنے کی دو صورتیں ہیں، تفصیلی اور اجمالی۔ تفصیلی سلوک کے لیے عمر کا ایک بڑا حصہ مرشد کے زیر سایہ بسر ہونا چاہیے۔ ہمارے حضرت عام طبائع کو اس بار گراں کی متحمل نہ پا کر عموماً اجمالی سلوک طے کراتے ہیں، جس کے لیے ہر طالب کو کم از کم دو سال آپ کے زیر سایہ گزارنے لازم ہیں۔ اور اگر دو سال تک مسلسل خانقاہ میں بسر نہ کر سکے اور صرف کبھی کبھی حاضری دے سکے تو اپنے وطن ہی میں رہ کر اپنی وقتاً فوقتاً حاضری اور خط و کتابت اور حضرت کی غائبانہ توجہ سے بھی تربیت پا سکتا ہے۔ مگر اس صورت میں فائز بالمرام ہونے کے لیے کم از کم دس سال لگتے ہیں۔

ہاں اس اندازہ و تخمین کے ماورا ایک اور چیز ہے۔ وہ کسی کی قسمت میں ہو تو برسوں کا کام چند دنوں میں بھی ہو سکتا ہے۔ وہ کیا؟ شیخ کی خاص الخاص توجہ۔ مولانا مولوی عبد الغنی صاحب متوطن ریاست مالیر کوٹلہ کا واقعہ ہے کہ ملازمت کی مجبوری سے صرف ایک ہفتہ کی

رخصت لے کر حاضر خانقاہ ہوئے۔ ایک دن راستے میں گزر گیا۔ باقی رہے چھ دن۔ حضرت نے ان کو روزانہ دو مرتبہ توجہ دینی شروع کی۔ انوار توجہات کی گرما گرم شعاعوں کا دوہرا پرتو جو پڑنے لگا تو اس سے بشری ولدزل[1] کے خرمن میں آگ لگ گئی اور چھ دن میں چھ کے چھ لطائف[2] جاری ہو گئے۔ جو لوگ برسوں سے اس دولت کے حصول کی امید پر خانقاہ میں پڑے تھے، وہ حیران رہ گئے۔

مگر طالب کو لازم ہے کہ ایسے واقعات سن کر اس طرح بے مشقت دولت ہاتھ آنے کی تمنا نہ کرے بلکہ بدستور طلب و سعی میں لگا رہے۔ محنت و مشقت کے بعد ہاتھ آئی ہوئی دولت بے مشقت حاصل ہونے والی دولت پر بدرجہا فوقیت[3] رکھتی ہے۔ اور وہ طلب بھی کیا خاک طلب ہے جس میں دل محنت و مشقت سے گریز کرے:

ز خارِ راہ افزوں مے شود سامانِ پروازش
چو برق آنکس کہ در راہِ طلب آتش عناں گردد

اس قسم کے واقعات کی مثال ایسی ہے جیسے کسی کو بخت و اتفاق سے کھیت میں ہل چلاتے خزانہ مل جائے۔ پس جو شخص ایسے واقعات سن کر چاہے کہ میں بھی ذکر و شغل کی محنت کے بغیر اس طرح دو چار دن میں دولتِ کمال سے متمتع ہو جاؤں، اس کی وہی مثال ہے جیسے کوئی کھیت میں خزانہ پانے والے کی ریس کرے اور کسب دولت کے متعارف ذرائع کو چھوڑ کر پھاوڑا کندھے پر رکھے جنگل میں خزانہ تلاش کرتا پھرے۔ ایسے بوالہوس[4] لوگ آخر محروم رہا کرتے ہیں:

۱۔ کثافت اور حجابات بشریت

۲۔ قلب، روح، سر، خفی، اخفیٰ اور قالب۔ اور موخر الذکر مشتمل ہے نفس اور اربعہ عناصر پر۔

۳۔ نسبت چوں بتانی وتعب حاصل شود قدر و عزت دارد و آنچہ بسہولت و زودی بدست آید چنداں قدر و عزت ندارد۔ یعنی نسبت جب توقف اور محنت کے ساتھ حاصل ہو وہ قدر و عزت رکھتی ہے اور جو آسانی سے اور جلدی ہاتھ آئے ایسی قدر و عزت نہیں رکھتی۔

(مکتوب ۱۲۲، از مکتوباتِ معصومیہ) (بقیہ اگلے صفحے پر)

چوں دامنِ وصال بہ کوشش گرفتہ اند
چندانکہ ممکن ست نکوشد کسے چرا

ایک کشمیری حضرت کی خدمت میں آیا اور کہنے لگا، مجھے تو ایک ہی دن میں ولی بنا دو۔ حضرت اس کا یہ گرما گرم تقاضا سن کر مسکرائے۔ فجر کی نماز میں آپ نے سورۂ طٰہٰ جو شروع کی تو اُس کشمیری کا سر طولِ قرأت سے چکرا گیا۔ دھڑام سے فرش پر گرا اور سر زخمی ہو گیا۔ اُسی دن اپنی راہ لگا۔

ہر سخن گوشے دہر مے ساغرے دارد جدا
شربتِ سیمرغ نتواں در گلوے مور ریخت

اصولِ تربیت

میں نے خانقاہ شریف کے یک ماہہ قیام میں ذاکرین کے اعمال و اشغال کو دیکھا تو بطور استقرا مجھے ان کی تربیت کے چار اُصول معلوم ہوئے:

۱۔ طاعت وعبادت ۲۔ ذکر و شغل
۳۔ خدمت ۴۔ آدابِ صحبت

طاعت سے مراد فرائضِ دین کی پابندی ہے۔ تمام ذاکرین کو طہارت و نماز کے جمیع آداب کی رعایت رکھنے والے، اوقات مستحبہ کے پابند اور حضور جماعت پر ہمہ تن مستعد

(گذشتہ سے پیوستہ)

۳۔ اگر کسے استعجال نماید بوالہوس ست۔ طالب نیست و قابل صحبت نہ، مردم در طلب دنیائے دنیہ چہ رنجہا ست کہ نے کشند طلب حق جل وعلا، احق بآں است۔ بزرگاں دریں طلب ریاضتہا کشیدہ اند و عمرہا گذرانیدہ۔ یعنی اگر کوئی جلدی کرے وہ بوالہوس ہے طالب نہیں اور صحبت کے قابل نہیں۔ لوگ دنیائے دوں کی طلب میں کس قدر مشقتیں اٹھاتے ہیں تو حق جل وعلا کی طلب اس سے زیادہ محنت کی حقدار ہے۔ بزرگوں نے اس طلب میں ریاضتیں کی ہیں اور عمریں گزار دیں۔ (مکتوب ۱۲۲، از مکتوبات معصومیہؒ)

پایا۔ موسم سرما میں اہلِ خانقاہ کے لیے گرم پانی کا کوئی خاص بندوبست نہیں تھا۔ مگر ذاکرین کی پابندیٔ طاعت کا یہ عالم ہے کہ جوانی کی مجرمانہ عمر کے باعث کوئی اضطراری حالت پیش آئے تو وہ مجبوری بھی ان کو کڑکڑاتے جاڑے میں ٹھنڈے پانی سے نہانے اور فوراً جماعت فجر کی پہلی رکعت میں جا شامل ہونے سے روک نہیں سکتی، جبکہ اچھے اچھے نمازی فکرِ غسل میں انگڑائیاں لیتے لیتے دن چڑھا دیتے ہیں۔

ذکر و شغل تو اس طریقہ کا اصل الاصول ہے۔ حاضرینِ خانقاہ کو جب دیکھو ذکر میں مشغول ہیں۔ روزِ روشن میں، شبِ تاریک میں، مصلّٰی پر، بستر پر، کھانے کے انتظار میں، کھانے سے فراغت پا کر، غرض ہر وقت اور ہر جگہ ذکر کی تسبیح ہاتھ میں رقص کرتی رہتی ہے۔

خدمت میں بھی ایک خاص سررشتۂ تربیت ہے اور معلوم ہوتا ہے کہ تعمیرِ باطن میں اس کو بڑا دخل ہے۔ اس لیے حضرت کے متوسلین میں سے کوئی فرد، جس کا مقصود سیر و سلوک ہو، اس سے مستثنٰی نہیں رہ سکتا۔ اِلّا ماشاء اللہ! دیکھو ایک مشہور شیخ طریقہ کا صاحبزادہ،[1] جو حضرت کے زیرِ تربیت ہے، ساحلِ اٹک پر بھینس چراتا پھر رہا ہے۔ چند کس رہٹ میں جتے ہوئے ہیں۔ مسجد کے وضو خانہ اور گھر کی ٹنکی کے لیے پانی نکال رہے ہیں، جن میں ایک علی گڑھ کالج کا انڈر گریجویٹ[2] اور دو فضلِ[3] دیوبند شامل ہیں۔ اسی طرح کوئی گھوڑی کی حفاظت و پرداخت پر مامور ہے، کسی کے سپرد داوغنی کی خدمت ہے، کسی کے ذمے بیلوں کے لیے گھاس چارہ لانا ہے، کوئی مہمانوں کو کھانا کھلانے پر مامور ہے۔

باہر سے بغرضِ زیارت آنے والے متوسلین میں سے بھی جو شخص جس قسم کا ہنر جانتا ہو، آتے ہی اسی قسم کی خدمت میں لگ جاتا ہے۔ بان بٹنے کی مہارت ہو تو وہ قیامِ خانقاہ

۱۔ سید عبدالسلام شاہ صاحب

۲۔ مختار احمد شاہ صاحب

۳۔ حضرت مولانا محمد عبداللہ صاحبؒ جو بعد میں آپ کے جانشین قرار پائے اور مولانا سید مغیث الدین شاہ صاحب سلمہ اللہ تعالیٰ، جو آستانہ نبوی (مدینہ منورہ علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام) پر فروکش ہیں۔

کے ایام میں یہاں کی چارپائیوں کے لیے بان بٹ دیتا ہے۔ کسی کو چارپائیاں بُننی آتی ہیں تو وہ چارپائیاں بُن دیتا ہے۔ کوئی درزی ہے تو وہ خانقاہ کی نشستیں پر دو تین دن میں حسب ضرورت کپڑے سی دیتا ہے۔ کوئی راج مستری ہے تو وہ خانقاہ یا مسجد یا گھر کے کسی حصے کی مرمت یا تعمیر کر جاتا ہے۔ کوئی طبیب معالج ہے تو وہ اہل خانقاہ کی صحت و مرض کے متعلق مفید مشورے دیتا ہے۔ راقم الحروف کا سا کوئی ناکارہ اور کسی کام کے قابل نظر نہ آیا تو اس کو یہ ارشاد ہوا کہ دیوان حماسہ ابن شجری کے کلمات و حروف پر اعراب لگا دے۔

اس امر بالخدمت میں حاشا وکلا شیخ کی کوئی ذاتی غرض مرکوز نہیں ہوتی، بلکہ اس سے مرید کی تربیت باطن مقصود ہوتی ہے۔ شیخ کے حوائج کا کفیل خداوند عالم ہے۔ وہ خود اس کی ضروریات پورا ہونے کے سامان کر سکتا ہے۔ وھو یتولی الصالحین۔ جن شیخ مرید کی خدمت کا محتاج نہیں البتہ مرید شیخ کی تربیت کا محتاج ہے کہ جس نہج اور جس طریق سے اس کے باطن کی اصلاح کر سکتا ہے کرے۔ جس کی قبیل سے ایک خدمت یہ بھی ہے اور اس سے شیخ محض مرید کے فائدے کے لیے کام لیتا ہے۔ بطور مشق دیوان حماسہ ابن شجری کے

۱۔ کوئٹہ کے مستری شمس الدین، یوسف، نیاز محمد، محسن وغیرہم نے یہ عظیم الشان خدمت کی ہے کہ مسجد اور خانقاہ کے بڑے مکانات نہایت خوبی و عمدگی کے ساتھ تعمیر کیے۔ خصوصاً سقف مسجد (۱) اور محراب میں شمس الدین کا شاہکار ہے کہ ہر ماہر فن داد دینے پر مجبور ہوتا ہے۔ خود حضرت کا ارشاد ہے کہ ان لوگوں نے بلا معاوضہ اس قدر خدمت کی ہے کہ اگر یہی کام ٹھیکہ داروں سے کرایا جاتا تو ہمارے تخمینہ میں پورے پانچ ہزار روپے خرچ آتے۔

(۱) یہ سابقہ چھوٹی مسجد کا ذکر ہے جس کی جگہ اب عالیشان وسیع مسجد نے لے لی ہے جس کی تعمیر و بنا خود آپ کے عہد میں ہو چکی تھی مگر پلاستر، محراب اور گنبدوں کی تزئین اور فرش وغیرہ شیخ وقت حضرت مولانا ابوالخلیل خان محمد صاحب مدظلہ کی توجہ خاص سے پایۂ تکمیل کو پہنچے۔ غسل خانے، وضو خانے تعمیر کرائے۔ ٹیوب ویل کے ذریعے سے خانقاہ شریف کے تمام مکانات میں پانی کی بہم رسانی کا انتظام قائم فرمایا۔

اعراب کا معاملہ دیکھو کہ اس سے ایک شیخ علامہ کی کیا غرض وابستہ ہو سکتی ہے، سوائے اس کے کہ اس ادنیٰ خدمت کے ذریعے سے مرید مبتدی کی عملی کل کے کسی پرزے کی درستی مقصود ہو۔

منت منہ کہ خدمت سلطان ہمی کنی
منت شناس ازو کہ بخدمت بداشتت

خدام آستانہ ادب وشائستگی کے بھی اچھے نمونہ ہیں۔ شیخ کی صحبت کے جو آداب کتب سلوک میں لکھے ہیں، وہ ان سب کے پابند ہیں۔ مجلس میں بیٹھے ہوں تو اس سلیقہ سے بیٹھیں گے کہ اپنا سایہ شیخ پر نہ پڑے۔ معیت میں چل رہے ہوں تو اس قرینے سے چلیں گے کہ شیخ کے نشان پا پر اپنا قدم نہ پڑے۔

خدامِ آستانہ کا باہم سلوک بھی برادرانہ ہے۔ سب آپس میں نہایت محبت، خلوص اور اتحاد کے ساتھ رہتے ہیں۔ روحانی اخوت کے باطنی رشتے نے شمال وجنوب اور مشرق و مغرب کے مختلف النسل اور متبائن المذاق[1] ہستیوں کو وحدت کی لڑی میں کچھ اس طرح پرو دیا ہے کہ ان میں نہ اجنبیت و بیگانگی باقی رہی، نہ کسی قسم کے رشک ورقابت کا امکان ہے۔
وَنَزَعْنَا مَا فِیْ صُدُوْرِھِمْ مِّنْ غِلٍّ.[2]

جدا نمے شود از ہم دو دل یکے چو شود
نمے تواں ز دل من کشید پیکاں را

مجھے نہایت خوشی ہوئی۔ جب میں نے کتاب ''کنز الہدایات'' میں مکتوباتِ حضرت خواجہ محمد معصوم صاحب قدس سرہٗ سے یہ عبارت منقول دیکھی جس میں تربیت کے وہی مذکورہ چار اصول بیان فرمائے ہیں:

''مسترشدان را بوظائف طاعات واذکار سرگرم دارند۔ و باتیان خدمات و رعایت آداب ترغیب کنند و معطل نگذارند، امید کہ از نسبت خاص بزرگان

۱۔ جدا جدا ذوق رکھنے والی

۲۔ ترجمہ: اور نکال دی ہم نے ان کے سینوں سے جو بھی ان میں خرابی تھی۔

بہرہ یاب ہو۔'' (مکتوب نمبر ۲۵۶، ج ۱، کنز الہدایات، فائدہ نمبر ۹۰۸، مطبوعہ حکیم سیفیؒ)

اس سے ظاہر ہے کہ تربیت خدام میں حضرت دام ظلہم کے زیر عمل وہی ضابطہ ہے جس کا نفاذ دربار مجددی سے ہوا۔

تزکیہ و تصرف

مشہور ہے کہ پارس جس دھات سے چھو جائے اس کو سونا بنا دیتا ہے۔ پارس کا یہ کرشمہ تو ایک افسانہ ہے، مگر شیخ کامل کی تاثیر امورِ واقعیہ سے ہے۔ اس کی صحبت اس کم مرتبہ آدمی کو کمالات انسانی کے اس درجے پر پہنچا سکتی ہے جو فلزات[1] کی برادری میں سیم و طلا کو بھی حاصل نہیں۔

اکسیر شد از قرب گہر گرد یتیمی
از دست مدہ دامن روشن گہراں را

راقم ناچیز نے بیعت کے بعد تنہائی کا موقع پا کر حضرت کی خدمت میں عرض کیا کہ بعض اوقات کچھ ایسے وسوسے دل میں اٹھتے ہیں جن سے میں لرز جاتا ہوں۔ آج تک مطالعۂ کتب سے، غور و فکر سے، اعتبار و استبصار سے دل کو مطمئن کرنے کی بہتیری کوشش کرتا رہا ہوں، لیکن شکوک و شبہات کا جو مرض عارض ہو چکا ہے، وہ دور نہیں ہوتا۔ اس کا کیا علاج؟ آپ نے فرمایا، یہ مرض مطالعۂ کتب وغیرہ سے نہیں جایا کرتا۔ اس کا واحد علاج صحبت شیخ ہے۔ اس کے بعد ایک مرتبہ سید عبدالسلام صاحب نے مجھ سے کہا کہ شیخ کے حضور میں صرف بیٹھ جانا بھی اصلاحِ باطن اور تزکیہ خیالات کا اثر رکھتا ہے۔ خواہ اس صحبت میں کچھ گفت و شنید نہ ہو۔ افہام و تفہیم نہ ہو۔ پند و وعظ نہ ہو۔ آفتاب پھلوں اور میووں پر صرف اپنی روشنی ڈال دیتا ہے اور کچھ نہیں کرتا۔ بس اتنی سی بات سے وہ پک کر رسیلے بن

۱۔ دھاتیں

جاتے ہیں اور اپنے کمال کو پہنچ جاتے ہیں۔ چاند کا نورانی مکھڑا پھولوں کے صرف سامنے آجاتا ہے تو اس کا دیدار ہی ان میں گوناگوں رنگ پیدا کر دیتا ہے اور ان کو خوشبودار بنا دیتا ہے۔ اسی طرح شیخ کی صرف صحبت کے انوار، اس کے دیدار کی برکت مرید کو کچھ سے کچھ بنا دیتی ہے۔

در صحبت ما قطرہ شود گوہر شہوار
از دل صدف پاک دہانیم جہاں را

سید صاحب کی اس تقریر کی صداقت مجھے واقعات سے معلوم ہوئی۔ حضرت کے بیعت ہونے والوں میں داڑھی منڈے، بے نماز، مبتدع، مرتکب منہیات وغیرہ ہر قسم کے لوگ دیکھے۔ مگر جہاں تک میرا مشاہدہ ہے، آپ نے نہ کبھی کسی کو اس کے غیر مستحسن طور و طریق پر ٹوکا اور نہ احکامِ شرع کی پابندی کا سختی سے حکم دیا، بلکہ صرف توجہ باطن سے کام لیا اور وہ بشرطیکہ پوری عقیدت کے ساتھ کچھ عرصہ صحبت سے مستفیض رہا ہو، آخر کسی غیر محسوس تصرف سے پابندِ شریعت اور متقی و پرہیزگار بن گیا۔

نگاہِ مست تو آنرا کہ مستفید کند ہزار پیر خرابات را مرید کند

آپ کے متوسلین میں بعض ایسے افراد کو میں جانتا ہوں جن کی پہلی روش زندگی سخت معیوب و معتوب تھی، مگر آج حضرت کے فیضان سے وہ ورع و تقویٰ اور طاعت و عبادت کے نمونۂ کبریٰ ہیں اور ان کی پاک نفسی و پاک نظری ضرب المثل بن رہی ہے۔ قاضی غلام حیدر صاحب جب بیعت ہونے لگے تو عرض کیا کہ میں اس شرط پر بیعت ہوتا ہوں ذکر و شغل سے مجھے معاف رکھا جائے۔ حضرت نے یہ شرط منظور فرمائی اور انہیں بیعت کر لیا۔ چند روز کے بعد وہ خود ملتمس ہوئے کہ مجھے ذکر و شغل کی تعلیم فرمائی جائے۔ حضرت نے مسکرا کر فرمایا، یہ درخواست معاہدہ کے خلاف ہے۔

میاں سیفی صاحب[1] علی گڑھ کے تعلیم یافتہ نوجوان ہیں اور مولانا محمد علی جوہر مرحوم کی پارٹی کے خاص افراد سے ہیں۔ جن دنوں وہ بیعت ہوئے انگریزی اخبار پڑھنے کے بہت عادی تھے۔ حضرت نے فرمایا، اس فضول کام کو چھوڑ کر اوقات کو ذکر و شغل میں صرف کرنا

۱۔ حکیم عبدالمجید احمد سیفی مرحوم

چاہیے۔ سیفی صاحب نے عرض کیا، حضرت! مطالعۂ اخبار تو چھوٹ نہیں سکتا۔ آپ نے مسکرا کر فرمایا، خیر دیکھا جائے گا۔ اور اس پر طرہ یہ کہ جب سیفی صاحب حضرت کے ہمراہ سفر میں ہوتے تو حضرت خود ان کے لیے بڑے بڑے سٹیشنوں کے بک سٹال سے انگریزی اخبار مول منگوا دیتے۔ مگر سیفی صاحب کو خود بخود چند روز کے بعد اخبار کی صورت تک سے نفرت ہوگئی۔

ہزارہ کا ایک پٹھان علی بہادر خاں نام اوائلِ عمر سے سرقہ و رہزنی کا عادی تھا اور کئی کئی مسلح جوان اس کے زیرِ کمان رہتے تھے۔ ایک مرتبہ اس شغل "صید افگنی" کے سلسلے میں اس کا گزر خانقاہ کے پاس سے ہوا۔ اس وقت اتفاق سے اس کو بخار عارض ہوگیا اور خانقاہ ہی میں آ پڑا۔ خدامِ آستانہ نان و نمک سے تواضع کرتے رہے۔ ایک دن حضرت نے اسے دیکھ کر نام و مقام پوچھا اور فرمایا، علی بہادر خاں! تم تو درویش بننے کے لائق ہو۔ علی بہادر کا بیان ہے کہ میں اس وقت درویش کے معنی تک نہیں سمجھتا تھا کہ یہ کس چیز کا نام ہے، مگر خانقاہ سے جانے کو جی بھی نہیں چاہتا تھا۔ آخر بعض مبشراتِ منامیہ سے اس کی شرحِ صدر ہوئی۔ دل بیعت پر مائل ہوا اور مرشدِ کامل کی توجہ سے اس کا حالِ ماضی کا کفارہ بن گیا اور مستقبل نے دولتِ سعادت کے دروازے کھول دیے۔ اب چند سال سے خاص خدمت گزار متوسلین میں داخل ہیں۔

ضلع شاہپور کے ایک مولوی صاحب (اظہارِ نام و مقام مناسب نہیں) بعض حبائلِ شیطان کے مقید تھے۔ مکایدِ شیطانیہ نے ہوساتِ نفسانیہ کے ساتھ مل کر انہیں اس قدر مغلوب کر لیا تھا کہ علم و عقل دونوں بیکار رہ گئے۔ لیکن نفسِ لوامہ کا تازیانہ جو دم بدم دل پر برس رہا تھا، وہ بھی کسی پہلو چین نہ لینے دیتا تھا۔ آخر کسی دوست نے مشورہ دیا کہ کسی شیخ کامل کے مرید ہو جاؤ تو اس سے نجات مل جائے گی۔ وہ حضرت کے آستانہ پر پہنچے، اپنا دکھ سنایا اور داخلِ سلسلہ ہو گئے۔ آخر آپ کی توجہ سے یہ بلا ان کے سر سے ٹل گئی۔

مولوی صاحب واپس وطن پہنچے تو اب ان کی حالت ہی اور تھی۔ نہ وہ پہلے سے خیالات تھے، نہ وہ ارادے۔ رفیقِ صحبت کو، جس کی رفاقت میں ورثالثہما الشیطان کا خاصہ تھا، ہمت

حیرت تھی کہ وہ جوشِ محبت کیا ہوا؟ وہ ملاقات کے لیے اضطراب اور بے تابیاں کہاں گئیں؟ آخر اس فتنے نے خود ملاقات کے لیے پیغام بھیجا جو اُن کے شرور نفس کی بجھی ہوئی آگ میں پھر شرارے کا کام کر گیا۔ ارادہ کیا کہ گھر کے سب لوگ سو جائیں گے تو پھر مقام معہود کی طرف جاؤں گا۔ اتنے میں آنکھ لگ گئی۔ خواب میں کیا دیکھتے ہیں کہ ایک بڑی چرخی قائم ہے جو گویا اس بیلنے کی چرخی کی ہم شکل ہے اور اس میں مردوں اور عورتوں کو اس طرح بیلا جارہا ہے کہ ان کی ہڈی پسلی چکنا چور ہوتی چلی جاتی ہے۔ پوچھا، ان لوگوں نے کیا گناہ کیا ہے جس کی یہ سنگین سزا اُن کو مل رہی ہے؟ جواب ملا کہ یہ لوگ بدکاری کرتے تھے۔ اتنے میں خود ان کو ٹانگ سے گھسیٹ کر چرخی کی طرف لے جانے لگے، جس کی دہشت سے ان کی چیخ نکل گئی۔ یہ چیخ سن کر گھر کے سب لوگ بیدار ہو گئے۔ قدرت کی اس شدید تنبیہ نے اب ان کے سینے کو ہوس کے تمام گرد و غبار سے پاک کر دیا اور یہ خواب اس مستحکم توبہ کی بنیاد بن گیا جس کو پھر کوئی نفسانی خیال متزلزل نہیں کر سکا۔

آفتاب دنیا کے ہر خشک و تر پر درخشاں ہوتا ہے، لیکن جن مجلّی اشیاء میں قبولِ نور کی صلاحیت ہے، ممکن نہیں کہ آفتاب ان پر ضوفشاں ہو اور وہ اس کے نور کے مظہر نہ بن جائیں۔ بادل کوہ و دشت کے ہر حصے پر برستا ہے، لیکن جس سرزمین کی رگوں میں قوتِ نامیہ کا خون دوڑ رہا ہے ممکن نہیں کہ فیضِ باران اسے پہنچے اور وہ چند روز میں سبزہ زار نہ بن جائے۔ اسی طرح پیرِ کامل کے انوارِ باطن ہر قسم کے مریدوں پر پڑتے ہیں مگر جو جوہر قابل اور جو وجود صاحبِ صلاحیت ہیں وہ اس کے کرشموں کا مظہر ہوئے بغیر نہیں رہتے۔

حضرت کے اکثر خلفاء و خدام پر جن احوالِ عجیبہ اور کیفیاتِ غریبہ کا ورود ہوتا ہے اور جو واقعاتِ نادرہ ان کو پیش آتے ہیں، اگر ان کی تفصیل لکھنے بیٹھیں تو ایک بڑا دفتر بھی کافی نہ ہوگا۔ مگر اس قسم کی تفصیل نہ سہل ہے اور نہ مناسب۔ صرف چند واقعات کے ذکر پر اکتفا کیا جاتا ہے۔

مالیر کوٹلہ میں ایک بی بی کا حال معلوم ہوا۔ ورود تجلیات کا یہ عالم ہے کہ رات کو چراغ گل کر دینے اور لحاف اوڑھ کر لیٹ جانے پر بھی گھر بقعۂ نور نظر آتا ہے۔ اور گھر کی ہر چھوٹی

بڑی چیز اس صفائی سے دکھائی دیتی ہے جیسے دن میں نگاہ کے سامنے ہو۔ لطائف میں ذکر کا سریان یہاں تک ہے کہ ذکر کے وقت یوں سنائی دیتا ہے کہ گویا محلے کا محلّہ بآوازِ بلند اللہ اللہ پکار رہا ہے۔

ایک اور خاتون کا حال معلوم ہوا کہ ان کے جسم میں سرایتِ ذکر کا یہ عالم ہے کہ دو دو دن تک طعام کھانا بھی یاد نہیں رہتا۔

مستری ظہور الدین اپنے وطن مالیر کوٹلہ میں ایک دکان پر کھڑے اپنے حضراتِ سلسلہ کا ذکرِ خیر کر رہے تھے۔ ریاست کا ایک اعلیٰ عہدہ دار چلا جا رہا تھا۔ یہ گفتگو سن کر ٹھہر گیا اور اُن کی بات کاٹ کر بولا، ان صوفی لوگوں کے پاس کیا دھرا ہے؟ صرف دکانداریاں ہیں، اور آپس کی رشک و رقابت کے سوا اُن کے پلّے کچھ بھی نہیں۔ مستری صاحب خاموش ان کے کلمات سنتے رہے۔ مگر جب اُس نے یہ گستاخانہ الفاظ کہے کہ میں مجدّد صاحب کی بہت تعریف سنتا تھا، مگر جب ان کے روضے پر گیا تو وہاں بھی کوئی خاص بات نظر نہ آئی تو اس پر مستری صاحب کو جوش آگیا اور اس کے عہدہ و منزلت کی کچھ پروا نہ کر کے بولے، تم کو جب بصیرت کی آنکھیں ہی نہیں ملیں تو کوئی خاص بات کیونکر نظر آتی۔ اس پر گفتگو بڑھتی چلی گئی۔ آخر ایک قدرتی کرشمہ کیا ظہور میں آیا کہ کسی غیبی ہاتھ نے مستری جی کا بازو پکڑ کر اس زور سے کھینچا کہ وہ سلسلۂ گفتگو وہیں چھوڑ کر بے اختیار اپنے گھر کی طرف دوڑے چلے گئے۔ دوسری طرف اس عہدہ دار پر ایک وحشت طاری ہوگئی۔ وہ سراسیمگی کی حالت میں اپنے گھر پہنچا۔ رات بے خوابی میں کٹی۔ صبح کو مستری کا نام اور پتہ پوچھ کر پیغام بھیجا کہ للہ! میری گستاخی معاف کرو۔ مستری جی نے جواب میں کہلا بھیجا کہ مجھ سے معافی مانگنا بیکار ہے، کیونکہ میری ذات سے متعلق تم نے کوئی گستاخی نہیں کی۔ ہاں جس ذات عالی صفات کے بارے میں گستاخی کی ہے، ان سے معافی مانگو۔ اور اس کی مناسب صورت یہی ہے کہ جس مجلس میں ان کی توہین کی تھی، اسی جگہ انہی لوگوں کے سامنے اپنے جرم کا اعتراف اور ان کی تعریف کرو۔ عہدہ دار نے ایسا ہی کیا۔ تب اس کی طبیعت بحال ہوئی۔

شہر کوٹلہ میں مستری ظہور الدین تعمیر کا کام کرتے تھے۔ ان کے ساتھ کام کرنے

والا ایک معمار وہابیانہ[1] خیالات رکھتا تھا۔ ایک روز وہ حضرت مجددؒ صاحب قدس سرہٗ کے بارے میں کچھ ایسے خیالات کا اظہار کرنے لگا جو آپ کی شانِ عالی کے لیے زیبا نہ تھے۔ مستری جی اس کی تردید کرتے جاتے تھے۔ اثنائے گفتگو میں باہر سے ایک گھوڑا دوڑتا ہوا آیا اور اُس مجمع میں آن گھسا۔ اور لوگ تو اِدھر اُدھر سرک گئے مگر اُس گستاخ معمار کے پاؤں کو گھوڑے نے اپنی ٹاپ سے کچل ڈالا، جس سے وہ سخت زخمی ہو گیا:

اہلِ دل را بہ بدی یاد مکن بعد از مرگ
خواب و بیداریٔ ایں طائفہ یکساں باشد

آفتابِ کمال کی ذرہ نوازی کا صحیح اندازہ لگانے کے لیے صرف ایک مثال، یعنی مولوی محمد شفیع صاحب گنجیالی کے حفظِ قرآن کا واقعہ کافی و وافی ہے۔ اس واقعہ میں نہ کسی تاویل کا امکان ہے، نہ اس کی تکذیب و تغلیط کی گنجائش۔ مولوی محمد شفیع صاحب فاضلِ دیوبند، خطیب جامع مسجد خوشاب، ضلع شاہپور (پنجاب) آج بفضلہٖ تعالیٰ زندہ و سلامت موجود ہیں،[2] جس کا جی چاہے اس معاملہ کی تحقیق کر لے۔ واقعہ یہ ہے کہ وہ آغاز طالب علمی میں حضرت کے پاس ابتدائی فارسی کتابیں پڑھتے تھے۔ ذہن و ذکا اچھا خاصا تھا، جس میں کوئی فوق العادت بات نہ تھی۔ مگر بغتۃً ان کی دماغی طاقتوں کے محیر العقول کارنامے منظرِ عام پر آنے لگے جن سے لوگ ششدر رہ گئے۔ قرآنِ مجید اب تک ناظرہ بھی نہیں پڑھا تھا، مگر اب اس کو حفظ کرنا شروع کر دیا تو صرف ۲۹ روز میں تیس کے تیس پارے حفظ تھے۔ صرف و نحو کے ابتدائی رسالے گھر میں پڑھے تھے اور اس سے آگے تحصیلِ علم کے لیے لاہور پہنچے۔ مدرسہ رحیمیہ (نیلا گنبد) میں داخل ہوئے تو اسباق میں ان کے لاجواب جرح و اعتراض سے استادوں کا ناک میں دم آ گیا۔ آخر بالزامِ شرارت ان کے اخراج کا فیصلہ ہوا۔ اس کے بعد امرتسر پہنچے۔ ایک عربی درسگاہ کی اعلیٰ جماعت میں داخل ہونے کی

۱۔ غیر مقلدانہ

۲۔ بعد میں آپ سرگودھا شہر میں منتقل ہو گئے اور مدرسہ سراج العلوم قائم کیا۔ ابھی چند سال ہوئے آپ نے وفات پائی۔ (محمد محبوب الٰہی عفی عنہ)

درخواست دے دی۔ کنز اور شرح وقایہ پڑھنے کی نوبت نہیں آئی کہ ہدایہ کے حلقۂ درس میں جا بیٹھے۔ قطبی دیکھی تک نہیں کہ میر زاہد ملا جلال پڑھنے لگے۔ اور لطف یہ کہ حسنِ تعقل، سرعتِ فہم، اور صفائی درک کے لحاظ سے ساری جماعت میں گل سر سبد سمجھے جاتے تھے۔ اس فوق العادۃ ذہنی انقلاب کی وجہ وہ خود یوں بیان کرتے ہیں کہ ایک دن حضرت نے اپنی بنیان دھونے کے لیے مجھے دی۔ میں ساحل اٹک پر اسے دھونے لگا اور از راہِ عقیدت دھوون کا پانی چلو بھر بھر پیتا جاتا تھا۔ اس روز سے کشائش ذہن کی یہ غیر مترقبہ نعمت حاصل ہوئی۔ پھر میں نے امرتسر سے حضرت کو خط لکھا تو اس میں اپنی کامیاب طالب علمی کے ذکر کے ساتھ یہ شعر سپردِ قلم کیا:

نیاوردم از خانہ چیزے نخست تو دادی ہمہ چیز و من چیز تست

مولانا مولوی محمد نصیر الدین صاحب [2] مدرس عربی ہائی سکول سمندری بیان فرماتے

۱۔ سب سے زیادہ تر و تازہ اور بڑا پھول جو پھولوں کی ٹوکری کے اوپر رکھا جاتا ہے، مراد ممتاز و نمایاں۔

۲۔ مولوی محمد نصیر الدین صاحب سلمۂ ہمارے حضرت کے ارادتمندانِ خاص میں سے ہیں اور استاذ نا و مولانا محمد ذاکر صاحب بگوی مرحوم کے چھوٹے بھائی اور پنجاب کے ایک نامی گرامی علمی خاندان کی یادگار ہیں۔ ان کے دادا مولوی غلام محی الدین بگویؒ اور دادا کے چھوٹے بھائی مولوی احمد الدین بگویؒ نے شاہ اسحٰق صاحب محدث دہلوی سے علم حدیث پڑھا۔ حضرت شاہ عبد العزیزؒ سے سند حاصل کی اور حضرت شاہ غلام علیؒ کے دست مبارک پر بیعت کی۔ سالہا سال تک دہلی اور لاہور میں درس حدیث دیا اور ایک مخلوق کثیر ان سے فیض یاب ہوئی۔ آج پنجاب پر ہمارا دیوبند کا علمی آفتاب پرتو فگن ہے، مگر اس سے پہلے تقریباً سارے پنجاب کے علمی طبقات اسی خاندان کے علمی فیضان سے سیراب ہوئے۔ مولوی محمد نصیر الدین صاحب کے چھوٹے بھائی مولوی ظہور احمد صاحب ایڈیٹر رسالہ "شمس الاسلام" ایک نہایت روشن خیال اور خوش تقریر نوجوان ہیں۔ مرزائیوں اور شیعوں کا ناطقہ بند کرنے میں خوب نام پا چکے ہیں۔

ہیں کہ ہمارے سکول کے ایک ماسٹر چودھری نصرت حسین صاحب بی اے، بی ٹی ایک باوجاہت خاندان کے رکن ہیں۔ دنیادارانہ پرورش پانے کے باعث دینی شعار سے کوئی لگاؤ نہ تھا۔ صوم وصلوٰۃ کے نام سے بھی نفرت تھی۔ مئی ۱۹۳۱ء میں حضرت قبلہ سمندری تشریف لے گئے تو واپسی میں اتفاق سے آپ کو موٹر کی اگلی سیٹ پر چودھری صاحب کے دوش بدوش بیٹھنا پڑا، جو انگریزی سوٹ میں ملبوس اپنے سگریٹ کے دھوئیں اڑاتے جاتے تھے۔ مگر ایک طرف سے دھوئیں کی ظاہری آوارہ روی مخلِ جمعیت تھی تو دوسری طرف سے اس گھڑی بھر کی صحبت کا باطنی اثر اپنا کام کر رہا تھا:

در ساغرِ چشمِ تو ندانم چہ شراب ست
بر ہر کہ نظر مے فگنی مست وخراب ست

چنانچہ چودھری صاحب کی زبانی معلوم ہوا کہ اس وقت ان کے دل میں صوفیہ علیہ کی عظمت ووقعت کا سکہ بیٹھتا جارہا تھا، اور دل ہی دل میں کہہ رہے تھے، آج دنیا میں اگر کوئی جماعت صحیح معنی میں قابلِ تعظیم ہے تو یہ ہے۔ صلاح وتقویٰ کی عمارت کا یہ سنگِ بنیاد جو چودھری صاحب کے دل میں جمایا گیا، اب دیکھئے قدرت اس عمارت کی تکمیل کے لیے کیا انوکھے اور غیر معمولی سامان کرتی ہے۔ کچھ مدت بعد چودھری صاحب کو ایک کتے نے کاٹا، جو نہ کٹکھنا تھا اور نہ دیوانہ۔ وہ کبھی بھی کسی یگانہ وبیگانہ پر حملہ آور نہیں ہوا تھا، نہ اس کے بعد کبھی ہوا۔ تاہم چودھری صاحب نے احتیاطاً کسولی جا کر علاج کرایا جہاں ڈاکٹر نے شہادت دی کہ یہ سگِ دیوانہ کا زخم نہیں۔ مگر ساتھ ہی علاج بھی کر دیا۔ واپس آئے تو ہر طرف سے اطمینان دلایا گیا کہ کتا تندرست ہے۔ مگر بار بار کی تسلی اور کافی علاج کے باوجود بھی چودھری صاحب کے دل میں پے بہ پے ایک اضطراب انگیز کھٹک پیدا ہوتی تھی کہ ابھی تھوڑی دیر میں مرض کا دورہ ہونے والا ہے جس کا علاج نہ کسی ڈاکٹر کے پاس ہے نہ حکیم کے پاس، بلکہ کوئی شیخ طریقت ہی اس کا تدارک کر سکتا ہے۔

مولانا نصیر الدین صاحب نے مشورہ دیا کہ اس مرض کے علاج کے لیے ہمارے حضرت کے آستانہ سے بڑھ کر کوئی دارالشفا نہیں۔ چنانچہ چودھری صاحب مولوی صاحب

موصوف اور ڈاکٹر محمد شریف صاحب [1] کے ساتھ خانقاہ پہنچے۔ وضو کر کے حضرت کے حلقہ میں بیٹھے۔ یہاں آ کر پہلی مرتبہ نماز پڑھی اور رفتہ رفتہ ہمیشہ کے لیے پکے نمازی بلکہ تہجد گزار بن گئے۔ طبیعت کی تمام کلفت، وحشت اور پریشانی رفع ہو گئی۔ مرض کا وہم جاتا رہا۔

ازیں سیاہ دروناں بانلِ دل بگریز
کہ کعبہ چارۂ اصحاب فیل میداند

آج وہی چودھری صاحب جو نماز کے نام سے کوسوں بھاگتے تھے، مسجد کے اندر انتظارِ جماعت میں بیٹھے نظر آتے ہیں۔ راگ باجا سننے کا بڑا شوق تھا اور زرِ کثیر صرف کر کے مختلف باجے خریدے تھے۔ مولوی نصیر الدین نے حضور کی خدمت میں یہ کیفیت عرض کی تو فرمایا، خیر ترک کر دیں گے۔ چند روز گزرے تھے کہ چودھری صاحب کو ان مشاغل سے یکلخت نفرت ہو گئی۔

۱۔ ڈاکٹر صاحب ایک نہایت عالی ہمت نوجوان ہیں۔ آجکل حضرت کے خدام خاص میں داخل اور کسب سلوک کے لیے حاضر آستانہ ہیں۔ ڈاکٹر صاحب کو جن کٹھن عملی و اعتقادی منزلوں سے گزر کر ساحلِ ہدایت پر پہنچنا نصیب ہوا ہے ان کی داستان اس زمانے کے تعلیم یافتہ جوانوں کے لیے ایک درسِ عبرت ہے۔ مگر آپ گمنامی پسند ہیں اس لیے اپنے حالات کی اشاعت پسند نہیں کرتے۔ اس کتاب کی طباعت کے لیے فراہمی چندہ کی بہم زیادہ تر آپ ہی کی کوشش کی ممنون ہے۔ حاشیہ طبع اوّل۔ اعلیٰ حضرت قدس سرہٗ کے وصال کے بعد کچھ عرصہ ڈاکٹر صاحب حضرت کے نامزد جانشین مولانا محمد عبداللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی صحبت سے گریزاں رہے مگر قادرِ توفیق نے چند سال کے بعد ہی پا بجولاں و بادیدۂ گریاں حضرت مرحوم کی خدمت میں عذر خواہ بنا کر بھیج دیا اور نہایت استقامت کے ساتھ حضرت کے زمرۂ مخلصین میں تا دمِ آخر شامل رہے۔ ان کے وصال کے بعد حضرت مولانا ابوالخلیل خان محمد صاحب کے انتخاب جانشینی میں سرگرم حصہ لیا۔ بالآخر آپ کی خدمت میں رہتے ہوئے جان جانِ آفرین کے سپرد کی اور قبرستان خانقاہ پاک میں مدفون ہوئے، جس کی آرزو مرض الموت میں ان کو کندیاں سے حجرۂ خانقاہ پاک میں لے آئی تھی۔ رحمۃ اللہ رحمۃً واسعۃً

بعض ارشادات متعلقہ سلوک

خطورِ خواطر

ایک دن فرمایا، ابتداً ذکر و شغل میں خیالات و خواطر ضرور پیش آیا کرتے ہیں اور شاذ و نادر ہی کوئی ایسی ہستی ہوگی جس کو یہ پیش نہ آئیں۔ ورنہ عموماً سب کو ان سے واسطہ پڑتا ہے۔ خطرات پہلے قلب پر وارد ہوا کرتے ہیں، پھر جب قلب کو فنا و بقا کا درجہ حاصل ہو جاتا ہے تو ان کا ورود نفس پر ہوتا ہے۔ نفس کی فنا و بقا کے بعد وہ قالب پر وارد ہوتے ہیں اور اس پر مدت العمر آتے رہتے ہیں، پھر زائل نہیں ہو سکتے اور وہ مضر بھی نہیں۔ ان کا علاج یہی ہے کہ ان کی پرواہ نہ کی جائے۔ اس کے بعد آپ نے رسالہ قشیریہ سے ایک بیان پڑھ کر سنایا، جس کے چند چند فقرات یہ ہیں:

اذا خلوا في مواضع ذكرهم يهجس في نفوسهم اشياءً منكرةً يتحققون ان الله سبحانه منزهٌ عن ذلك وليس يعتريهم شبهةً في ان ذلك باطلٌ ولكن يدوم ذلك فيشتد تاذيهم به حتى يبلغ ذلك حداً يكون اصعب شتم بحيث لا يمكن للمريد اجراء ذالك على اللسان فالواجب عند هذا ترك مبالاتهم تلك الخواطر واستدامة الذكر والابتهال الى الله

۱۔ حضرت کے خدام میں سے ایک صاحب کا بیان ہے کہ میں نے عرض کیا، میں تو سنتا تھا کہ اس مقام میں قلب پر خواطر کو ورود نہیں ہوتا، مگر میں اب تک خواطر کو وارد ہوتے پاتا ہوں۔ آپ نے فرمایا، ذرا غور تو کرو کہ یہ خواطر قلب پر وارد ہوتے ہیں یا قالب پر؟ میں نے جو غور کیا تو صاف معلوم ہوا کہ قالب پر وارد ہو رہے ہیں۔ میں نے عرض کیا، ان کا بھی کوئی علاج ہے؟ آپ نے فرمایا، کیا تم فرشتہ ہی بننا چاہتے ہو۔ نہیں، تم بشر ہو۔ یہ خطرات لازمۂ بشریت ہیں، موت تک زائل نہ ہوں گے۔

باستدفاع ذلک و تلک الخواطر لیست من وساوس الشیطٰن وانما ھی من ھواجس النفس فاذا قابلھا العبد بترک المبالات بھا ینقطع ذلک عنہ. (قشیریہ، ص ۱۸۳)

جب ذاکرین اپنے ذکر کرنے کی جگہوں میں خلوت نشین ہوتے ہیں تو ان کے نفوس میں بری بری باتوں کا خطرہ پیدا ہوتا ہے، حالانکہ وہ یہ بیقین جانتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ان باتوں سے پاک ہے اور اس بات میں ان کو ذرا شبہ نہیں ہوتا کہ یہ خطرہ باطل ہے۔ لیکن پھر بھی یہ خطرہ برقرار رہتا ہے۔ اس لیے ان کو اس سے سخت اذیت پہنچتی ہے۔ حتیٰ کہ یہ خطرہ کبھی اس حد کو پہنچ جاتا ہے کہ وہ ایسی سخت گالی کی صورت اختیار کر لیتا ہے جس کا زبان پر لانا ایک مرید کے لیے قطعاً ناممکن ہے۔ پس اس وقت واجب ہے کہ ذاکرین ان خطرات کی بالکل پروا نہ کریں۔ برابر ذکر میں لگے رہیں اور اللہ تعالیٰ سے بعجز وزاری ان کے دفعیہ کے طالب رہیں۔ واضح رہے کہ یہ خطرات شیطانی وسوسوں کی قسم سے نہیں ہیں بلکہ وہ نفس کے خیالات ہیں۔ پس جب بندہ ان کا مقابلہ بے پروائی کے ساتھ کرتا ہے تو وہ اس سے بند ہو جاتے ہیں۔

کیفیات و حظوظ

ایک دن ارشاد کیا کہ ذکر و شغل میں کیفیات و حظوظ[1] کو مقصود نہ بنانا چاہیے، بلکہ ذکر بھی مقصود نہیں۔ اصل مقصود حق تعالیٰ کی محبت کا دوام ہے جس کو نسبت سے تعبیر کرتے ہیں اور ذکر و شغل وغیرہ اس کے حصول کے ذرائع ہیں۔ حظوظ و کیفیات تو کسی صورت میں بھی مقصود نہیں ہو سکتے۔ جو شخص ان کو مقصود بناتا ہے وہ ثمراتِ اعمال سے محروم رہتا ہے۔ ہاں اگر تبعاً و عرضاً حظوظ حاصل ہوں تو مضائقہ نہیں۔ پھر بھی وہ شخص جس کو حظوظ حاصل نہ ہوں، اس شخص سے بہتر ہے جو ان سے متمتع ہو۔ کیونکہ حظ ایک نعمت ہے، جس شخص کو دنیا میں کسی طاعت پر کوئی نعمت بطور اجر مل گئی تو اسی قدر اس کا اجر آخرت میں کم ہو جاتا ہے۔ کیونکہ وہ

۱۔ جمع حظ، لذت و سرور

عمل کے موافق اجر پانے کا مستحق ہے۔ ثُمَّ یُجْزٰهُ الْجَزَآءَ الْاَوْفٰی[1] بخلاف اس کے خط نہ پانے والا پورے کے پورے اجر کا مستحق ہے۔ جَزَآؤُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ۔[2]

لباسِ درویشی

ایک مرتبہ خاکسار نے عرض کیا کہ درویش کے لیے ظاہر آرائی بطور ریا تو بیشک حرام ہے لیکن اگر کوئی صالح و مخلص آدمی محض اس نیت سے لباسِ درویشی اختیار کر لے کہ لوگ اس کی طرف رجوع ہو کر ہدایت حاصل کریں، اور کوئی ذاتی غرض اور دُنیوی منفعت اس کا مقصود نہ ہو تو کیا یہ بھی ناجائز ہے؟ آپ نے فرمایا، اگر ایسی خالص نیت ہو تو پھر ظاہر آرائی میں مضائقہ نہیں۔ کیونکہ ہدایت خلق افضل طاعات ہے۔ جس طرح بھی بن پڑے اس کی تدبیر کرنی چاہیے۔ بابا فرید شکر گنج علیہ الرحمۃ نے اپنے ایک خلیفہ کو ہوشیار پور بھیجا کہ لوگوں کو ہدایت کریں۔ وہاں ایک ہندو جوگی کا بہت شہرہ تھا۔ تمام لوگ اس کے معتقد تھے۔ ان درویش صاحب کی بات کا کسی پر اثر نہیں ہوتا تھا۔ آخر بابا صاحب کی خدمت میں واپس گئے اور حال عرض کیا۔ آپ نے فرمایا، تم بھی اس جوگی کا سا لباس پہن لو اور پھر وہاں جا کر اپنا کام کرو۔ یہ درویش دوبارہ ہوشیار پور گئے اور جوگی کی طرح ٹخنوں تک گیروا چولا پہن کر برہنہ سر، سرِ راہ بیٹھ گئے۔ شہر کی شیر فروش عورتوں کا دستور تھا کہ وہ صبح سویرے اپنے اپنے دودھ کے برتن سر پر اُٹھا کر اس جوگی کی خدمت میں حاضر ہوتیں اور دودھ اس کو پیش کرتیں۔ وہ ہر برتن میں سے تھوڑا تھوڑا دودھ لے لیتا۔ مگر آج یہ تماشا ہوا کہ ان عورتوں کا گزر جو ان درویش صاحب کے پاس سے ہوا تو وہ ہر عورت کو اشارہ سے بلاتے۔ عورت سمجھتی کہ یہ جوگی کا کوئی چیلا ہے۔ دودھ ان کے آگے رکھ دیتی۔ یہ ایک نظر دودھ پر ڈالتے اور وہ خون ہو جاتا۔ عورت اپنا برتن اٹھا کر جوگی کے آگے جا رکھتی۔ جوگی ہر عورت کے دودھ کا یہ حال دیکھ کر حیران ہوا۔ سبب پوچھا تو سب عورتوں نے اصل حال سنا دیا۔ جوگی نے اپنا ایک چیلا بھیجا کہ اس شخص کو پکڑ لاؤ۔ چیلا گیا مگر وہ درویش کے اثر سے متاثر ہو کر ادب کے

۱۔ پھر اس کو عمل کی جزا دی جائے گی۔ پوری کی پوری جزا۔ (محمد محبوب الٰہی عفی عنہ)

۲۔ ان کی جزا ان کے رب کے پاس۔

ساتھ سامنے بیٹھ گیا۔ جوگی نے انتظار کے بعد دوسرا چیلا بھیجا تو وہ بھی اسی طرح مؤدبانہ بیٹھ گیا۔ اسی طرح جوگی جس چیلے کو بھیجتا تھا، وہ شریک حلقہ ہوتا جاتا تھا۔ آخر وہ خود درویش کے پاس آیا اور بطور معاوضہ بولا، یا تو کچھ دکھاؤ، ورنہ دیکھ لو۔ درویش نے کہا، میں تو دکھا چکا ہوں، تم دکھاؤ۔ جوگی یہ سنتے ہی اوپر کو اچھلا اور ہوا میں اڑنے لگا۔ درویش نے اپنی کھڑاؤں کو اشارہ کیا، دونوں کھڑاویں اوپر چڑھ گئیں اور جوگی کے سر پر تڑاتڑ برسنے لگیں۔ وہ اس بلائے بے درماں سے بچنے کے لیے پاس ہی ایک پہاڑ کی طرف پناہ گیر ہوا اور اس کی ٹھوس چٹان میں اس طرح گھستا چلا گیا جس طرح پانی میں غوطہ لگا کر اندر ہی اندر تیر جاتے ہیں۔ پہاڑ کا یہ سوراخ اب تک تماشا گاہ عام ہے اور جوگی کی ٹکر کے نام سے مشہور ہے۔ مگر کھڑاؤں نے اب بھی اس کا پیچھا نہ چھوڑا۔ آخر وہ ہاتھ جوڑ کر درویش کے سامنے حاضر ہوا۔

پھر فرمایا، خواجہ عزیزان علی رامیتنی قدس سرہٗ جب لوگوں کی ہدایت کے لیے نکلے تو کوئی ان کی طرف رجوع نہیں کرتا تھا۔ آخر یہ تدبیر کی کہ راہ چلتے لوگوں کو مزدوری دے کر بلاتے اور حلقہ میں بٹھا کر توجہ دیتے۔ پھر توجہ نے اثر کیا تو رجوع عام ہو گیا۔

حضرت مجدد صاحب قدس سرہٗ نے اپنے ایک خلیفہ میر محمد نعمان رحمۃ اللہ علیہ کو ہدایت و ارشاد کے لیے برہان پور بھیجا۔ وہ گئے تو لوگ متوجہ نہ ہوئے۔ واپس آ کر عذر کیا تو حضرت نے دوبارہ جانے کا حکم دیا۔ اب بھی وہی حالت پیش آئی۔ پھر واپس آئے تو تیسری مرتبہ پھر جانے کا ارشاد ہوا۔ اب کی مرتبہ رجوع عام ہو گیا۔ اس کے بعد فرمایا، مگر ظاہر آرائی نفس، شیطان اور دنیا سے بچنا اور شاہراہ شریعت پر مستقیم رہنا نہایت مشکل کام ہے۔ ہزاروں میں سے کوئی ایک شخص ہی اس امتحان میں پورا اترے تو اترے، ورنہ لیلائے نفس سے بچنا آسان نہیں۔ اسی لیے ہمارے حضرات نے عموماً ایسے لباس سے پرہیز کیا ہے جو فقر و درویشی کا نمایاں عنوان سمجھا جائے۔

تزکیۂ باطن کے لیے اکل و شرب میں احتیاط

ایک مرتبہ فرمایا کہ ذاکر و شاغل کو خورد و نوش میں نہایت احتیاط رکھنی چاہیے، ورنہ ثمرات ذکر کے حصول میں توقف و تاخیر واقع ہو جاتی ہے۔ بے نمازوں اور بدعتیوں

نجاست کی تمیز نہ رکھنے والوں کا کھانا ہرگز نہ کھانا چاہیے۔ مشتبہ آمدنی والوں کی دعوت قبول کرنے سے پرہیز لازم ہے۔ ان باتوں سے بیعت میں کدورت پیدا ہو کر باعث ضرر ہوتی ہے۔ فرمایا، میری عادت ہے کہ بازار کی پکی ہوئی شیرینی اور نانبائی کی روٹی ہرگز نہیں کھاتا۔ کم خوری بھی لازم ہے، مگر انگشت نما ہونے سے بچنا چاہیے۔

مستری ظہور الدین کا بیان ہے کہ ایک مرتبہ حضرت کھانا کھاتے کھاتے رُک گئے۔ فرمایا، اس سے کچھ کدورت محسوس ہوتی ہے۔ سب متعجب تھے کہ کدورت کی وجہ کیا ہو گی؟ حالانکہ آٹا بڑی احتیاط سے پس کر آتا ہے۔ دال ترکاری حلال وطیب ذرائع سے مہیا ہوتی ہے۔ آٹا گوندھنے اور روٹی پکانے میں باوضو ہونے کا التزام ہے۔ آخر تحقیق سے معلوم ہوا کہ کسی قدر آٹا پڑوس سے آیا تھا، وہ لوگ کچھ آٹا اُدھار لے گئے تھے، یہ آٹا اُس کے عوض بھیجا تھا، اور انہوں نے یہ آٹا ایک ایسے گھر سے لیا تھا جس میں اراضی مرہونہ کی پیداوار آتی تھی۔

توجہ شیخ کے ثمرات مدت کے بعد

فرمایا، ایک دن حضرت مرحوم (مولانا سراج الدین علیہ الرحمۃ والغفران) نے مجھ سے فرمایا، بھئی مجھ کو اپنے مرشد سے فقیری[1] تو ملی نہیں کہ یہ بڑی چیز ہے، البتہ یہ بات ملی ہے

ا۔ فقیری سے مراد شاید حضرت فضیلؒ ابن عیاض و بایزید بسطامیؒ و معروف کرخیؒ جیسے اکابر صوفیہ متقدمین کی سی زاہدانہ زندگی ہو، جو ایک وقت کا کھانا ذخیرہ رکھنا بھی خلافِ توکل سمجھتے تھے اور ادھر حضرت مرحوم کی شانِ زندگی اور سامانِ لنگر خانہ امیرانہ ٹھاٹ کے تھے۔ جہاں تشریف لے جاتے غلغلہ، خدام کا ایک جم غفیر جلو میں ہوتا اور ایک ایک سو اونٹ پر سامانِ ضرورت و خذ خوراک بار ہوتے۔ سفر میں کسی مرید پر اپنی مہمانی کا بار نہیں ڈالتے تھے۔ جہاں جاتے شاہانہ خیمے نصب ہو جاتے۔ دیگیں چڑھ جاتیں۔ ذبح کے لیے بھیڑ دں، بکریوں کا ریوڑ ساتھ ہوتا۔ گوشت کی نانوں کے ڈھیر لگ جاتے اور عام زائرین و مسافرین تک سیر ہو ہو کر کھاتے۔ حضرت مرحوم نے اپنے متعلق فقیری کی نفی بطور کسر نفسی فرمائی ہے، ورنہ سب کچھ ہوتے ہوئے آپ کی شانِ توکل کچھ نہ ہوتے ہوئے توکل کرنے سے افضل ہے۔ ساحل دریا پر کھڑے ہو کے دامن تر نہ ہونے دینا کیا کرامت ہے۔ کرامت یہ ہے کہ قعر دریا میں ہوں اور دامن تر نہ ہو۔

کہ پیسے کی مجھ کو محبت نہیں۔ اگر کسی وقت میرے دل میں یہ خطور بھی ہو کہ کل کو کام کس طرح چلے گا، تو میں اس کو اکبر کبائر سمجھتا ہوں۔ حضرت فرماتے ہیں کہ پھر مجھ سے فرمایا، ایک بات کا تم عہد کرو اور ایک ہم عہد کرتے ہیں۔ میں نے معاً بلا دریافت عہد کیا کہ حضرت! میرا تو عہد ہے۔ تو فرمایا، تم یہ عہد کرو کہ مکتوبات شریف کا سبق روزانہ پڑھو گے اور تا اختتام یہاں قیام رکھو گے۔ میرا یہ عہد ہے کہ ہر سبق پر توجہ دوں گا۔ پھر خلوت خاص میں در پستہ یہ زبانی و روحانی سبق ہوتا تھا، مگر مجھے کوئی خاص اثر محسوس نہ ہوتا تھا۔ ایک مرتبہ حضرت نے پوچھا، کہو حالت کیسی ہے؟ تو از راہِ ادب[1] میں نے یہی عرض کیا کہ الحمدللہ اچھی حالت ہے۔ مگر اس توجہ کا اثر مدتوں کے بعد ظاہر ہوا۔ پھر فرمایا، بعض اوقات اثر کی صورت مرشد کو محسوس ہو جاتی ہے، مرید کو محسوس نہیں ہوتی۔ اور یہ تو ناممکن ہے کہ پیر کامل کی توجہ ہو اور بے اثر رہے۔

روزہا باید کشیدن انتظار بے شمار
تا کہ در جوفِ صدف باراں شود دُرِّ عدن

پھر فرمایا، ایک مرتبہ خلیفہ صاحب[2] نے اپنے مرشد (حاجی صاحب قدس سرہٗ) سے محض تبرکاً قرآن مجید پڑھا تو سالوں کے بعد اس توجہ کے اثر سے حروفِ مقطعات کے معنی

۱۔ یہی بات ایک مرتبہ آپ نے کوئٹہ میں بھی فرمائی تھی اور اس کے ساتھ یہ کلمات بھی اضافہ کیے تھے کہ مرید کو چاہیے کہ جب شیخ اس کی حالت کے متعلق استفسار کرے تو ایسے کلمات کے ساتھ جواب دے جس سے کچھ سکون و طمانیت ٹپکتی ہو۔ صاف لفظوں میں یوں نہ کہنا چاہیے کہ مجھے کچھ فائدہ نہیں ہوا کہ یہ خیال ہو وہ بے ادبی ہے اور شیخ کے انقباضِ خاطر کا موجب ہونے کے سبب سے مضر بھی۔ اس پر میں نے عرض کیا کہ میرے ایک استاد ڈاکٹر فیض محمد خان مرحوم نے ایک دن کسی تیماردار سے اپنے زیرِ علاج بیمار کا حال پوچھا۔ اس نے کہا آپ کی دوا سے اب تک کچھ فائدہ نہیں ہوا، تو ڈاکٹر صاحب نے فرمایا یوں نہیں کہنا چاہیے، بلکہ ایسا جواب دینا چاہیے جس سے حال بھی ظاہر ہو جائے اور معالج کو ناگوار نہ گزرے۔

۲۔ خواجہ محمد عثمان رحمۃ اللہ علیہ

پھر فرمایا: بعض اوقات سالک کو مقصود حاصل ہو جاتا ہے مگر اس کے حصول کا احساس وادراک نہیں ہوتا۔ اس کو "جہل نسبت" کہتے ہیں اور یہ مضر نہیں۔ ہمارے بزرگ و ظہیر قاضی قمر الدین مرحوم[۱] کے معاملات کو سب اہل باطن جانتے ہیں۔ ان پر یہی جہل نسبت غالب تھی۔ وہ بڑے صاحب اثر تھے۔ مگر خود اس اثر و تاثیر کو محسوس نہ کرتے تھے۔ آگے ان کے مریدوں پر جذب و سلوک غالب تھا۔

در تماشا گہ تو افتادہ کلاہ از سر چرخ
خبر از خویش نداری چہ قمر رخشانی

آخر میں فرمایا: جو شخص نقشبندیہ سلسلہ میں داخل ہو جائے اس کو مطمئن رہنا چاہیے کہ انشاء اللہ فیض سے محروم نہیں رہے گا۔ حضرت خواجہ نقشبند قدس سرہ کا ارشاد ہے:
"با اصحاب ما مراد نیستیم در طریقہ ما محرومی نیست۔"[۲]

سلسلہ نقشبندیہ کا طریقۂ سلوک

ایک مرتبہ حضرت نے سلسلہ عالیہ نقشبندیہ کے طریقہ سلوک پر یوں تقریر فرمائی:
انسان کا وجود دس لطائف پر مشتمل ہے۔ پانچ لطائف عالم امر سے تعلق رکھتے ہیں یعنی قلب، روح، سر، خفی، اخفیٰ۔ اور پانچ عالم خلق سے متعلق ہیں۔ ایک نفس، دوسرا قالب جو چار عناصر سے مرکب ہے۔ یہ کل پانچ چیزیں ہوئیں۔ لطائف عالم امر کے اصول فوق العرش ہیں اور لطائف عالم خلق کے اصول تحت العرش۔ عرش، عالم امکان کا قطر ہے۔ حضرات نقشبندیہ لطائف عالم امر کے سیر و سلوک کو عالم خلق کے سیر و سلوک سے

۱۔ قاضی صاحب عبداللہ چکڑالوی کے چچیرے بھائی تھے، جو مشہور فرقہ اہل قرآن کا بانی ہے۔ نہایت علامہ و فہامہ تھے۔ انہوں نے عبداللہ مذکور کا وہ ناطقہ بند کیا تھا کہ ان کی زندگی میں وہ چکڑالہ میں داخل نہیں ہو سکا۔

۲۔ تاثر و احساس میں دیر لگ جائے تو طالب کو مایوس ہونا اور اپنی عدم استعداد کا فیصلہ کر لینا نہیں چاہیے۔ حضرت مجدد صاحب قدس سرہ فرماتے ہیں: "بطوء تاثر علامت نقصان استعداد نیست۔ گروہے باشند تام الاستعداد کہ بایں بلا مبتلا گردند۔" (مکتوب ۱۲۵، جلد اول)

مشہور کہتے ہیں۔

ہمارے حضرات پہلے اسم ذات کے ذکر کی تلقین فرماتے ہیں، پھر جب پانچوں لطائف عالم امر میں ذکر جاری و ساری ہو جاتا ہے تو پھر لطیفہ نفس پر ذکر کا حکم دیتے ہیں۔ پھر قالب پر ذکر جاری کراتے ہیں جو عناصر اربعہ سے مرکب ہے۔ قالب پر ذکر کرنے کو سلطان الاذکار کہتے ہیں۔ اس کے بعد ذکر نفی و اثبات کی تلقین فرماتے ہیں۔ اس کے ساتھ وقوف قلبی بھی لازم ہے۔ پھر مراقبۂ احدیت بایں نیت تلقین فرماتے ہیں کہ فیض[2] می آید بمن از ذاتیکہ مستجمع جمیع صفات کمال ست و منزہ از ہر نقص و زوال و مورد فیض لطیفۂ قلب من ست۔ یہ وہ ذات ہے جو عرش پر متجلی مع الصفات[3] ہے۔ یہ سلوک کا اجمال تھا آگے اس کی تفصیل شروع ہوتی ہے جس کا آغاز قلب سے ہوتا ہے اور قلب کو مناسبت تجلی فعلی سے ہے۔ اس کو انتہا تجلی فعلی سے حاصل ہوتی ہے۔ وصول کی علامت یہ ہے کہ اس کو نسیان ماسوی ہو جاتا ہے یعنی تعلق علمی و حبی ماسوی سے منقطع ہو جاتا ہے۔"

"حضرت مجدد صاحب قدس سرہٗ قلب کے بعد باقی لطائف کا تصفیہ بھی کراتے تھے مگر حضرت خواجہ محمد معصوم صاحب و حضرت خواجہ محمد سعید صاحب کا معمول تھا کہ لطیفہ قلب کے بعد نفس کی طرف توجہ فرماتے تھے کہ باقی لطائف عالم امر کی فنا و بقا انہیں دونوں کے ضمن میں حاصل ہو جاتی ہے۔ کیونکہ سابقہ طریقہ سے وقت زیادہ صرف ہوتا ہے اور ہمتیں قوی نہیں ہیں۔"

۱۔ یعنی توجہ بدل و توجہ دل بذات خداوندی تعالیٰ شانہٗ۔ (محمد محبوب الٰہی عفی عنہ)

۲۔ مجھے اس ذات سے فیض پہنچ رہا ہے جو تمام کمالی صفات کی جامع اور ہر عیب اور زوال سے پاک ہے اور فیض لطیفہ قلب پر آ رہا ہے۔ واضح رہے کہ ان الفاظ کو زبان پر جاری کرنا ضروری نہیں، بلکہ دل ہی دل میں یہ الفاظ بتصور معنی کہے جائیں۔ فارسی زبان کا عنوان رکھنا ضروری ہے۔ کیونکہ اکابر کے کلام میں یہی عنوان متعارف ہے جس کا معنوں سے خاص ربط ہے۔ (مفتی عطا محمد سلمہٗ)

۳۔ صفات کے ساتھ جلوہ افروز

’’قلب کا مذکورہ سیر و سلوک ظلال سے متعلق ہے جس کا نام ولایتِ صغریٰ ہے۔ اس کے بعد ولایتِ کبریٰ کا درجہ ہے، جس میں اسماء و صفات کا سیر و سلوک اصالۃً ہوتا ہے۔ صفات کے اعتبار میں ایک ان کا قیام فی نفسہٖ، دوسرا قیام بالذات ہے۔ پہلی حیثیت سے مبادی تعینات انبیاء علیہم السلام ہیں۔ دوسرے اعتبار سے مبادی تعینات ملائکہ کرام ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت مجدد صاحب قدس سرہٗ فرماتے ہیں کہ ولایت ملاء اعلیٰ ولایت انبیاء علیہم السلام سے افضل ہے۔ انبیاء علیہم السلام کو فضیلت باعتبارِ نبوت کے ہے۔ ولایت انبیاء کو ولایتِ کبریٰ سے اور ولایتِ ملائکہ کو ولایتِ علیاء سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ ولایت کبریٰ میں مورد فیض لطیفۂ نفس ہے۔ اس میں تین دائرے اور ایک قوس ہے۔ پہلا دائرہ ولایتِ صغریٰ کی اصل ہے۔ دوسرا پہلے کی، تیسرا دوسرے کی اور قوس تیسرے کی۔‘‘

’’ولایت علیاء میں مورد فیض عناصر سوائے عنصر خاک کے ہوتے ہیں۔ ولایت صغریٰ و کبریٰ کے سلوک کو سلوک اسم ظاہر سے اور ولایت علیاء کے سلوک کو سلوک اسم باطن سے تعبیر کرتے ہیں۔ جب یہ دونوں اعتبار طے کر چکا تو گویا اس نے دو بازو عالمِ قدس میں طیران کرنے کے لیے مہیا کر لیے۔‘‘

’’اس کے بعد معاملہ ذات کے ساتھ وابستہ ہوتا ہے۔ تجلی ذاتی میں تین اعتبار ہیں: کمالاتِ نبوت، کمالاتِ رسالت، کمالاتِ اولوالعزم۔ کمالاتِ نبوت میں مورد فیض عنصر خاک ہوتا ہے۔ اس کے بعد آخر تک ہیئت وحدانی ہوتی ہے۔ یعنی لطائفِ عالمِ امر و خلق کا تصفیہ و تزکیہ ہو کر ان میں اعتدال کامل آ جاتا ہے۔ اس اعتدال کی وجہ سے جو ہیئت پیدا ہوتی ہے وہ ہیئت وحدانی ہے۔‘‘

’’ولایتِ صغریٰ کا سیر و سلوک تعین علمی میں ہے اور ولایت کبریٰ سے لے کر کمالات نبوت تک تعین وجودی میں۔ کمالات نبوت و رسالت و اولوالعزم میں سیر و سلوک اس ذات کا ہے اجمالاً جو وراء الوراء ہے۔ اس کے بعد حقائق الٰہیہ میں جن کا منشا ذات بحت کے اعتبارات ہیں۔ اس کے بعد صرف ذات بحت ہے، جس کو معبودیت صرفہ اور لاتعین بھی کہتے ہیں۔ حقائق انبیاء جو تعینات ہیں درحقیقت نفس ولایت کبریٰ ہیں۔ چونکہ یہ منکشف

بالکل آخر میں ہوتے ہیں، اس لیے اس کا سیر و سلوک آخر میں کیا گیا ہے۔"

ایک دن فرمایا، ہمارے سلسلے میں مشائخ دس سال میں تفصیلی سلوک طے کراتے ہیں، جس میں مرید کو سفر و حضر میں برابر شیخ کے ساتھ رہنا ہوتا ہے۔ دوسرا اجمالی سلوک۔ اس میں اس طرح کی معیت لازم نہیں۔ گاہے گاہے حاضری کافی ہے مگر آجکل لوگوں کا عجیب حال ہے۔ بیعت ہونے آتے ہیں تو چاہتے ہیں کہ ہتھیلی پر سرسوں جم جائے اور ایک ہی دن میں ولی بن جائیں۔ اور جب وطن جاتے ہیں تو پھر اس معاملہ کی بات تک نہیں پوچھتے۔ نہ کبھی ملاقات کے لیے آتے ہیں۔" یا آں شوراشوری۔ یا ایں بے نمکی۔"

رابطۂ شیخ

موضع سمندری کی مسجد میں ایک شخص کو بیعت کرنے کے بعد حاضرین سے فرمایا، حصول مراتب کے تین طریقے ہیں:

۱۔ ذکر اسم ذات

۲۔ ذکر نفی و اثبات

۳۔ رابطۂ شیخ

رابطہ صحبت اور تصور سے حاصل ہوتا ہے۔ مگر ہمارے شیخ اس کا حکم کم فرماتے ہیں۔ خاکسار نے پوچھا، کیا یہ خطرناک ہے؟ فرمایا، نہیں، بلکہ معترضین و متشککین کے فتنے سے بچنے کے لیے، ورنہ یہ طریقہ حصول قرب کے لیے مفید تر اور اسلم تر ہے۔ ہمارے مشائخ نے اس (کی اہمیت) پر بہت زور دیا ہے۔ حضرت مجدد صاحبؒ نے فرمایا ہے کہ اگر اتباع شریعت اور رابطۂ شیخ حاصل ہے تو اختتام بالخیر ہونے کی امید ہے۔ رابطۂ شیخؒ کے مشروع و مستحسن ہونے کی اس سے قوی دلیل اور کیا ہوگی کہ مولانا رشید احمد گنگوہیؒ اور ان کی جماعت کے تمام لوگ اس کے قائل ہیں۔ مولوی خلیل احمد صاحب انبیٹھوی مرحوم نے شرح ابی داؤد میں جلد پنجم صفحہ ۸۵، باب ما جاء فی خاتم الحدید کے حاشیہ پر بذیل حدیث حضرت علی کرم اللہ وجہہ تصور شیخ کے مشروع ہونے کے دلائل پیش کیے ہیں۔ یہ مسئلہ ان مسائل میں سے ہے جو اپنی غایت احتیاط کی وجہ سے اہل غلو کے نزدیک بدعت اور وہابیت سے منسوب ہیں۔ ورنہ

صوفیہ کے دفاتر اس کی تائید سے لبریز ہیں۔ پھر فرمایا، شیخ کی محبت[1] تمام کمالات کی اصل ہے۔ اگر یہ ہے تو پھر کسی چیز کی ضرورت نہیں۔ اس سے خود شیخ کے کمالات کا عکس مرید پر پڑ جاتا ہے۔ پھر توجہ کی بھی ضرورت نہیں۔ لیکن اگر ہو، فبہا، ورنہ بلا توجہ بھی کمالات حاصل ہو سکتے ہیں۔ رسالہ قشیریہ کے مؤلف پر اپنے پیر کی عظمت کا اس قدر غلبہ تھا کہ ان کی مجلس میں جاتے وقت سوءِ ادب کے خیال سے خائف ہوتے۔ غسل کرتے، روزہ رکھتے، پھر ڈرتے ڈرتے جاتے۔ اور فرماتے ہیں کہ اس وقت مجھ پر ایسی بے حسی طاری ہو جاتی ہے کہ اگر میرے جسم میں سوئی چبھوئی جائے تو مجھے خبر تک نہ ہوتی۔ حضرت مرزا جان جاناں مظہر الشہید علیہ الرحمہ کے ایک مرید پر اپنے پیر کی اطاعت کا جذبہ اس قدر غالب تھا کہ ہر کام پوچھ کر کرتے۔ حتیٰ کہ اگر قے آنے لگتی تو بھی اپنا گلا پکڑے ہوئے مرزا صاحبؒ کے حضور میں آتے اور پوچھتے، حضرت قے کروں یا نہ کروں؟ حضرت ابو حفص حداد رحمۃ اللہ علیہ کے ایک مرید کا بھی یہی حال تھا کہ کوئی کام پیر سے پوچھے بغیر نہ کرتے۔ تنور میں روٹی لگانے کی خدمت ان کے سپرد تھی۔ ایک دن حسب عادت پوچھنے آئے، حضرت! تنور میں روٹی لگاؤں؟ ابو حفصؒ اس وقت کسی کے ساتھ گفتگو میں مشغول تھے۔ ملتفت نہ ہوئے۔ انہوں نے پھر وہی سوال کیا۔ مگر جواب نہ پایا۔ تیسری مرتبہ پھر وہی سوال دہرایا۔ ابو حفصؒ نے زِچ ہو کر کہا، تم خود کیوں نہیں تنور میں جا پڑتے۔ یہاں تعمیل میں کیا دیر تھی، گئے اور فوراً تنور میں کود پڑے۔

عاشقہ را گر در آتش می پسند و لطف دوست
تنگ چشمم گر نظر بر چشمۂ کوثر کنم

(حافظؒ)

---

[1] خواجہ محمد معصوم قدس سرہٗ فرماتے ہیں اور حق یہ ہے کہ مدار وصول بدرجہ کمال مربوط برابطۂ محبت شیخ است۔ مقتدا طالب صادق از راہ محبت کہ شیخ دارد انفاس فیوض و برکات از باطن ہوئے نمی دید و بذا جذب محبت معنویہ ساعۃ فساعۃ رنگ او می پذیرد۔ (مکتوب ۸۷ جلد اوّل)

آں گرم رو عشق سزد کز کمال شوق
پروانہ وش بآتشِ سوزاں دروں رود

(جامی)

تھوڑی دیر کے بعد ابو حفصؒ کو خیال آیا کہ وہ حکم کی تعمیل سے ٹلنے والا نہیں، مبادا تنور میں کود پڑے۔ فوراً مریدوں کو لنگر خانہ کی طرف دوڑایا۔ مرید وہاں پہنچ کر کیا دیکھتے ہیں کہ وہ تنور میں پڑے ہیں اور بال بیکا نہیں ہوا۔

کسے کہ سوخت بداغِ خلیلؑ مے داند
کہ آتشِ دگراں ست عشق و باغ من ست

پھر فرمایا، آجکل کچھ ایسی وہابیت کی رو چل گئی ہے کہ اعتقاد، محبت اور ادب یکسر اُٹھ گیا۔ بیعت بھی ہے، انتساب سلسلہ بھی، ورد وظائف بھی، مگر محبت و اعتقاد نہیں اور مراسم ادب کی پابندی نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ فیوض بھی کم پہنچتے ہیں۔ حضرت حاجی (دوست محمد) صاحب مرحوم جب اپنے مرشد حضرت شاہ احمد سعید صاحب قدس سرہٗ کی خدمت میں تھے تو ان کے بیت الخلاء کا قدمچہ خود اپنے ہاتھ سے صاف کرتے۔

تا ابد رنگِ کمالات نگیرد ہرگز
ہر کہ خاکِ درِ میخانہ برخسار نرفت

حضرت حاجی صاحب فرمایا کرتے تھے کہ میں نے جو کچھ پایا ہے، شیخ کی محبت سے پایا ہے اور حضرت شاہ احمد سعید حاجی صاحب سے معانقہ کر کے ان کے حق میں فرماتے:

وجد ما وجد من محبتنا والمحبة التي لي به ليست بغيره من الاصحاب وهو مخصوص من بينهم.

انہوں نے جو کچھ پایا ہے ہماری محبت سے پایا ہے اور ہم کو بھی ان کے ساتھ جو محبت ہے وہ رفقا میں سے کسی کے ساتھ نہیں۔ وہ ان میں سے خاص درجہ رکھتے ہیں۔

طریقۂ ذکر

سلسلۂ نقشبندیہ میں پہلے اسم ذات کا ذکر خفی کرایا جاتا ہے۔ اس کا طریقہ "کنز الہدایات" میں مکتوبات خواجہ محمد معصوم قدس سرہٗ سے یوں منقول ہے

طریق ایں ذکر اینست کہ طالب را باید کہ زبان خود را بکام چسپاند و بجمیع ہمت متوجہ قلب صنوبری کہ در پہلوے چپ واقع ست گردد۔ و ایں قلب صنوبری آشیانہ قلب حقیقی ست کہ از عالم امر ست و آنرا حقیقت جامعہ نیز گویند و لفظ مبارک اللہ را در دل نظر یق خطرہ بگذراند و بزبان دل ایں لفظ عظیم گوید۔ بے آنکہ صورت دل را تصور کند و نفس را بند نکند و در ذکر گفتن ہیچگونہ آنرا دخل ندہد نفس بطور خود ے آمدہ باشد۔ (مکتوب ۱۱۳، ج ۲)

اس ذکر کا طریقہ یہ ہے کہ طالب کو چاہیے کہ اپنی زبان کو تالو سے لگا لے اور پورے عزم کے ساتھ قلب صنوبری کی طرف، جو بائیں پہلو میں واقع ہے، متوجہ ہو۔ اور یہ قلب صنوبری قلب حقیقی کا آشیانہ ہے جو عالم امر سے ہے اور اس کو حقیقت جامعہ بھی کہتے ہیں۔ اور لفظ مبارک اللہ کو دل میں بطور خطرہ گزارے اور دل کی زبان سے اس بزرگ لفظ کو کہے۔ بلا اس کے کہ دل کی صورت کا تصور کرے اور سانس کو بند نہ کرے اور ذکر کرنے میں اس کو کسی طرح کا دخل نہ دے۔ سانس بطور خود آتا رہے۔

بیعت کے بعد خاکسار کو بھی مجملاً اسی طرح ذکر کرنے کی ہدایت ہوئی تھی۔ مگر دو روزہ مختصر حاضری میں اس کو تفصیلی طور پر سیکھنے کا موقع میسر نہ ہوا۔ اس لیے کماحقہٗ اس پر عمل نہ ہوسکا۔ پھر حاضری خانقاہ کے ایام میں اس طریق ذکر کو اخذ کرنے کی کوشش شروع کی تو اس سرعت رفتار کے ساتھ ذکر کا جریان قلب میں نہ ہوتا تھا کہ حسب ہدایت پچیس ہزار کی تعداد پوری ہوسکے۔ لفظ مبارک "اللہ" کے ایک ہی مرتبہ متصور ہونے میں کئی سیکنڈ خرچ ہو جاتے تھے۔ مجھے بڑی حیرت و پریشانی لاحق ہوتی تھی کہ دوسرے لوگ ذکر پر اس تیزی کے ساتھ تسبیح کو کیونکر گردش دے رہے ہیں کہ میرے ایک مرتبہ اللہ کہتے کہتے وہ تسبیح کے چند دانے

بیس دانے گرا جاتے ہیں۔

میرے استفسار پر حکیم عبدالرسول صاحب نے فرمایا، ابتدا میں ہر ذاکر کو یہ مشکل پیش آیا کرتی ہے۔ لیکن جب ذکر رواں ہو جاتا ہے تو قلب کی تیزیٔ رفتار کو تسبیح کی گردش بھی نہیں پہنچتی اور ذاکر کو اپنے قلب سے ذکر کی آواز صاف سنائی دیتی ہے۔ مولوی نور احمد صاحب نے مجھے تشفی دی کہ یہاں اگر اجرائے ذکر میں دقت محسوس ہوتی ہے تو اُمید ہے کہ وطن پہنچ کر یہ دقت رفع ہو جائے گی۔ کیونکہ بعض اوقات صحبت شیخ جاذب قوی ہونے کے سبب سے قلب کو من کل الوجوہ اپنی طرف متوجہ رکھتی ہے۔ پھر غیبت میں قلب اپنا کام بآسانی کرنے لگتا ہے۔ مولوی عبداللہ صاحب نے فرمایا کہ ایک مرتبہ میں نے کسی دفتر میں برقی پنکھا چلتا دیکھا۔ اس کے مقابلے میں مَیں نے بھی اپنے قلب کی بائیں ذکر پر چھوڑ دیں تو وہ برق رفتار سے بھی آگے رہتا تھا۔ سید عبدالسلام صاحب نے اس گتھی کو سلجھانے کی یوں کوشش کی کہ ذکر خفی پر قلب کی اس قدر تیزیٔ رفتار کوئی تعجب کی بات نہیں۔ یہ ذکر خیالی طور پر ہوتا ہے اور پیکِ خیال کی سبک پروازی ظاہر ہے کہ ایک آن میں ہفت اقلیم کا چکر کاٹ جائے۔ کپڑا سینے کی مشین کس سرعت سے ٹانکا لگاتی چلی جاتی ہے کہ نظر اس پر قابو نہیں پا سکتی، کم از کم اسی سرعت سے قلب بھی ذکر کرتا چلا جا سکتا ہے۔ پھر انہوں نے اپنی تسبیح کو دو اُنگلیوں سے موڑا اور کہا، ذکر اس تیزی سے بھی ہو سکتا ہے۔ دوسرے لوگ اس کو ناممکن سمجھیں گے۔ مگر ہم لوگوں کا چونکہ یہ حال ہے اس لیے ہمارے لیے یہ ممکن بلکہ امر واقع ہے۔

ان سماعت بھانت کی بولیوں نے مجھے اور بھی حیرت میں ڈال دیا۔

ع شد پریشاں خواب من از کثرت تعبیر ہا

ایک دو روز پریشانی و وحشت میں گزرے۔ آخر ارادہ کیا کہ یہ مشکل حضرت ہی سے حل کرائی جائے۔

بیا کہ چارۂ ذوقِ حضور و نظم امور   بفیضِ بخشی اہلِ نظر توانی کرد

میں نے تخلیہ کا موقع پا کر حضرت کی خدمت میں عرض کیا کہ مجھے اب تک ذکر کا کچھ پتہ نہیں لگتا کہ کیونکر ہونا چاہیے۔ آپ اس وقت کسی کتاب کا مطالعہ فرما رہے تھے۔ میری

طرف نگاہ اٹھا کر فرمایا، تم کو سرِدست پانچ لطائف: قلب، روح، سِر، خفی، اخفی میں ذکر کرنا چاہیے اور میں تم کو انہی میں توجہ دیا کرتا ہوں۔ پھر میری قمیص کا دامن اٹھا کر الگ الگ ان لطیفوں کے مقام بتائے۔ ہر لطیفے پر انگلی رکھ کر نوبت بہ نوبت لفظ اللہ بآواز کہا اور مجھے ذکر شروع کرنے کا حکم دیا۔ اب جو میں الگ جا کر ذکر کرنے لگا تو بطور کلام نفسی اللہ اللہ اللہ کا ایک ممتد سلسلہ قلب سے گزرتا چلا جاتا تھا۔ اور میں دیکھتا تھا کہ اس سلسلے کی رفتار کو تیز سے تیز تر کر لینا اپنے اختیار کی بات ہے۔

میں سنا کرتا تھا کہ فلاں شیخ ایک مرتبہ قلب پر انگلی رکھ کر اس کو جاری کر دیتے ہیں۔ اب اس قول کی تصدیق ہو گئی۔ کل برادرانِ طریقت کی گوناگوں تقریروں، تمثیلوں اور توجیہوں نے کچھ بھی عقدہ حل نہ کیا تھا۔ مگر آج شیخ کامل کے صرف اشارۂ انگشت نے معمے کا معما کھول کر رکھ دیا۔

مشکلِ خویش بر پیر مغاں بردم دوش
کو بتائید نظر حلِ معما مے کرد

حضرت نے بیعت کے وقت بھی میرے قلب پر انگلی رکھی تھی اور لفظ اللہ بآواز کہا تھا لیکن جب میں نے بروقت اس تلقین سے فائدہ نہ اٹھایا اور اس تحریک یافتہ عمل کو آگے جاری نہ کیا تو شیخ کے اشارۂ انگشت کا قصور نہیں، اپنا قصور تھا۔ مشین کے ماہر نے مشین کو فٹ کر دیا اور تیل دے کر چلنے کے قابل بنا دیا لیکن جب مشین مَین ہی اس کو نہ چلائے اور مدتوں اسے بیکار پڑی رہنے دے تو ماہر کیا کرے؟

بیعت سے کچھ عرصہ پیشتر میں نے مستری ظہور الدین کی پہلی ملاقات میں ان سے پوچھا کہ حضرت ابتدا میں کتنی مرتبہ روزانہ ذکر کرنے کا امر فرماتے ہیں؟ تو انہوں نے کہا، کم از کم پچیس ہزار مرتبہ[1] یعنی ڈھائی سو تسبیح۔ میں نے تعجب کے ساتھ کہا، کاروباری یا علم و قلم کا

---

[1] حکیم عبدالرسول صاحب نے بتایا کہ اس تعداد میں حکمت یہ ہے کہ انسان رات دن میں چوبیس ہزار مرتبہ سانس لیتا ہے۔ پس اتنی تعداد میں ذکر کرنے کا مفاد یہ ہوا کہ گویا اس کا کوئی سانس ذکر سے خالی نہیں۔ وہذا احق العبودیۃ۔

شغل رکھنے والا آدمی روزانہ اس قدر لمبا وظیفہ کیونکر پورا کر سکتا ہوگا۔ مستری صاحب نے ہنس کر کہا، بآسانی پورا کر سکتا ہے بلکہ بعض ذاکر لاکھ لاکھ مرتبہ روزانہ ذکر کر لیتے ہیں۔ اس وقت میرے نزدیک یہ باتیں نہایت تعجب خیز بلکہ ناقابلِ یقین تھیں، لیکن آج میں ان کو واقعات کی شکل میں دیکھ رہا ہوں۔ فالحمد للہ!

میں پہلے غلطی سے قلب کے فعل کو زبان کے فعل پر قیاس کرتا تھا، یعنی زبان سے اللہ کہتے وقت جس طرح مخارج دہن کے لیے الف کو لام کے ساتھ اور لام کو دوسرے الف کے ساتھ ضم کرنے اور پھر ہا کو ادا کرنے کی ضرورت ہے۔ میں سمجھتا تھا، ذکرِ خفی میں یہی ترکیب و ترتیب قلب کو بھی عمل میں لانی چاہیے۔ جس کے لیے ذکر خفی میں اتنی ہی دیر لگتی تھی جو زبان سے اللہ کہنے میں لگتی ہے۔ حالانکہ وہ عمل کچھ اور ہے یہ کچھ اور۔ پہلے عمل کا نام ہے تلفظ، دوسرے کا نام ہے تصور۔ تلفظ کا عمل زینہ بہ زینہ ادا ہوتا ہے اس لیے کچھ زمانہ چاہتا ہے۔ اور تصور ایک چشمکِ برق ہے جو ایک آن سے بھی کم میں تلفظ کے مفاد کو اپنے مخصوص انداز میں ادا کر دیتا ہے۔ زبان اللہ اللہ اللہ اللہ کہے گی تو ہر مرتبہ اس اسمِ پاک کی حرفی تفصیل کو پورا کرنا اس کے لیے لازم ہے۔ مگر قلب ذکر کرے گا تو اس اسمِ پاک کی صرف اجمالی صورت کو لے گا۔ زبان جتنی دیر میں ایک ہی مرتبہ اس اسم کی حرفی ترتیب کو سلجھائے گی، قلب اتنے میں اس کے ذکر کا ایک طویل سلسلہ طے کر جائے گا۔ اس سے ظاہر ہے کہ عادتِ عام میں یہ محال ہے کہ ذکر میں زبان قلب کا ساتھ دے سکے۔

ایک مرتبہ خاکسار نے حضرت کی خدمت میں عرض کیا کہ کیا پانچوں لطیفوں میں یکجائی ذکر بھی ہو سکتا ہے یا فرداً فرداً ہی کرنا چاہیے۔ فرمایا، فرداً فرداً ہی کرنا چاہیے، اور زیادہ تر قلب میں ذکر کرنا چاہیے۔ اس سے دوسرے درجے پر اخفیٰ میں، باقی لطائف میں ان

۱۔ ایک مرتبہ خوشاب میں حضرت نے فرمایا کہ ایک بی بی تلقین کے موافق ذکر کیا کرتی ہے۔ اس سے پوچھا گیا، کتنی تعداد میں ذکر ہو جاتا ہے؟ تو اس نے کہا، مجھے حساب نہیں آتا، البتہ تسبیح کا شمار رکھ لیتی ہوں۔ اس کے متعینہ شمار کو دیکھ کر حساب لگایا گیا تو معلوم ہوا کہ سوا لاکھ روزانہ ذکر کر لیتی ہے۔

سے کم۔

س: کیا ذکر میں لطائف کی ترتیب کو ملحوظ رکھنا ضروری ہے؟

ج: ضروری تو نہیں۔ جس ترتیب سے چاہے ذکر کر سکتا ہے۔ مگر ترتیب کا لحاظ رکھنا مستحسن ہے۔ ہمیشہ ذکر کو قلب سے شروع کرنا چاہیے۔

س: قلب کے جاری ہونے یا لطائف ستہ کے جاری ہونے کے کیا معنی ہیں؟

ج: اس کے معنی یہ ہیں کہ ان میں حرکت پیدا ہو جائے۔ کبھی ان کی حرکت کے اتباع میں جسم کے اندر بھی حرکت پیدا ہو جاتی ہے، مگر یہ ضروری نہیں۔ اصل مقصد توجہ الی اللہ ہے۔ جب لطائف اس طرح متوجہ الی اللہ ہو جائیں کہ کوئی مشغلہ یا منظر اس توجہ کو منقطع نہ کر سکے تو یہی ان کا جاری ہونا ہے۔ جس طرح آنکھ کا کام ہے دیکھنا اور کان کا کام ہے سننا۔ جب آنکھ کھلی ہو اور کوئی منظر اس کے سامنے آئے تو ممکن نہیں کہ وہ اس کو محسوس یہ نظر نہ ہو۔ اور جب کان شنوا ہو اور کوئی آواز اس کے اندر پڑے تو ممکن نہیں کہ وہ اس کو محسوس بہ سماعت نہ کرے۔ اسی طرح جب ان لطائف پر ذکر کا اس قدر غلبہ ہو جاتا ہے کہ مذکور کو کسی حالت اور کسی وقت میں فراموش نہیں کر سکتے تو اسے کہتے ہیں کہ لطائف جاری ہیں۔ جس شخص کے لطائف جاری ہوں اس کو دنیوی مشاغل میں لطائف کے اس عمل سے ذہول ہو سکتا ہے، لیکن لطائف اپنا کام کرتے رہتے ہیں۔ وہ شغل لطائف کو اپنے کام سے نہیں روک سکتا، اس کی مثال ایک گھڑی کی سی ہے۔ گھڑی والا خواہ کسی طرف متوجہ ہو اور کسی شغل میں مشغول ہو اس کی جیب کے اندر گھڑی اپنا کام کرتی رہتی ہے۔

س: اکثر ذاکر تسبیح پھیرتے ہیں تو اِدھر اُدھر تکتے بھی جاتے ہیں اور مخاطب کی بات سنتے اور اشارۂ سر سے یا منہ سے ہاں ہوں بھی کرتے جاتے ہیں، کیا اس طرح ذکر کرنا درست ہے؟

ج: ابتدا میں ذکر کے وقت تخلیہ اور تمام ماحول سے صرفِ نظر ضروری ہے۔ پھر جب توجہ الی اللہ کا ملکہ راسخ ہو جاتا ہے تو ماحول کی طرف نظر، مخاطب کی طرف توجہ اور اس کے

مکاشفات کا جواب اشارۂ سر وغیرہ سے مضر نہیں۔ کیونکہ اس وقت ''دل بیار و دست بکار'' کا معاملہ ہوتا ہے۔ مگر ابتدا میں یہ مشکل ہے کیونکہ حواس جو جواسیس قلب ہیں، ان کو ماحول سے منقطع رکھنا صفائی قلب کے لیے لازم ہے۔ اس لیے بزرگانِ دین ذکر کے وقت ضروری سمجھتے ہیں کہ تاریکی ہو یا کمرہ چھوٹا ہو، تاکہ نظر محدود رہے یا کم از کم خلوتِ صغیرہ ہو، جس سے مراد یہ ہے کہ اپنے آپ کو ہر طرف سے ایک کپڑے میں ڈھک لیا جائے تاکہ قلب خواطر سے محفوظ رہے۔

پھر فرمایا، ہمارے حضرات نقشبندیہ ہمیشہ تا دمِ آخر اسمِ ذات اور نفی و اثبات کے ورد اور تحفظِ لسانی کو لازم سمجھتے ہیں تاکہ صفائی قلب قائم رہے اور کدورات دفع ہوتی رہیں۔ کدورتوں کے اسباب روزانہ پیش آتے ہیں۔ ان کا روز کا روز علاج ہونا چاہیے۔ مثلاً سفہاء و جہلاء کے میل جول سے پرہیز، بدمست و بدمذہب لوگوں کی ملاقات سے اجتناب، کھانے پینے میں احتیاط۔ اس لیے بعض بزرگ اپنی روٹی خود پکاتے ہیں کہ دوسرے کے ہاتھ کی پکی ہوئی روٹی قابلِ اطمینان نہیں ہوتی۔ شیخ کے برتن محفوظ و مخصوص رکھنے میں یہی مصلحت ہے کہ وہ اسبابِ کدورات سے ملوث نہ ہوں۔ اس لیے مریدوں کو حکم ہے کہ اپنے شیخ کے برتن استعمال نہ کریں۔ اس میں پاسِ ادب کے علاوہ ان کی حفاظت بھی مقصود ہے۔ حضرت مرزا جانِ جاناں مظہر الشہید قدس سرہٗ ایک مرتبہ اپنے شیخ حضرت سید نور محمد بدایونی کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ راستے میں ایک شرابی ان کے پاس سے گزرا۔ جب مرزا صاحب شیخ کی خدمت میں پہنچے تو انہوں نے فرمایا تم سے شراب کی بو آتی ہے۔

وقائعِ شتّٰی

اولیائے اللہ وفات کے بعد

ایک مرتبہ اولیاء اللہ کے ذکر میں فرمایا کہ خوشاب میں ایک جگہ مزدور فجر کی تاریکی میں مٹی کھود رہے تھے۔ ایک جگہ پھاوڑا جو پڑا تو ایک برقی روشنی نمودار ہوئی۔ مزدور ڈر کر پیچھے ہٹ گیا۔ لوگ جمع ہو گئے۔ معلوم ہوا یہاں قبر ہے۔ قبر کھودی گئی تو اس کے اندر انوار سے چکا چوند کا عالم تھا۔ کفن کو ہاتھ لگایا تو بوسیدگی سے راکھ ہو گیا تھا مگر بدن سالم و درست تھا۔ حتیٰ کہ ایک معتبر راوی کا بیان ہے کہ اس نے خود تجربہ کے لیے بالوں کو چھوا اور کسی قدر کھینچ کر دیکھا تو وہ مضبوط تھے۔ فرمایا، اولیاء اللہ کے اجسام کا اللہ تعالیٰ خود حافظ ہے۔ انبیاء کے جسم کا محفوظ و مصئون ہونا تو منصوص ہے، اولیاء اللہ بھی انبیاء کے نائب ہیں۔

پھر فرمایا، ایک مرتبہ دریائے اٹک کا پانی کناروں کو تراشتا جاتا تھا۔ ساحل سے زمین کا ایک بڑا ٹکڑا جدا ہو کر گرا تو اس میں سے ایک لاش کفن میں لپٹی ہوئی نکلی اور پانی میں بہنے لگی۔ پھر کچھ دور جا کر وہ لاش پانی کی سطح پر ٹھہر گئی۔ اتنے میں مٹی کا ایک اور بڑا ٹکڑا گرا تو اس میں سے دوسری لاش نکلی اور پانی میں بہتی ہوئی پہلی لاش تک پہنچ گئی۔ پھر دونوں لاشیں اکٹھی تیرتی[1] ہوئی چلی گئیں۔

فرمایا، امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے ایک مرتبہ نہر کھدوائی۔ سامنے قبرستان پڑتا تھا۔ حکم دیا کہ لوگ اپنے اپنے مردوں کے جسم نکال کر دوسری جگہ دفن کر دیں۔ لوگوں نے اس حکم کی تعمیل کی۔ باوجودیکہ بیس بیس سال کی لاشیں مدفون تھیں، مگر بعض کو دیکھا گیا تو ان کے وجود پر ایسی تازگی پائی جاتی تھی گویا ابھی لحد میں رکھے ہیں۔ حتیٰ کہ کسی میت کے جسم پر اتفاق سے کوئی زخم پہنچا تو اس سے لہو جاری ہو گیا۔

۱۔ اس قسم کا ایک واقعہ تذکرۃ الرشید میں بھی لکھا ہے۔ ممکن ہے کہ دونوں روایتیں ایک واقعہ سے تعلق رکھتی ہوں یا دو واقعے ایک ہی طرح وقوع پذیر ہوئے ہوں۔

اس کے بعد فرمایا، آجکل سوءِ اعتقاد اور کج فہمی کی رَو کچھ اس قسم کی چلنے لگی ہے کہ جو باتیں از قسم خوارق کتب دین میں لکھی ہیں، ان کو توہمات سمجھتے ہیں۔ اور جو بات یورپ کی کتابوں میں درج ہو، اگرچہ وہ کیسی ہی لغو و بیہودہ ہو اُس پر آمنا وصدقنا کہنے کو تیار ہیں۔

میں نے عرض کیا کہ لکھنؤ کے اخبار ''سچ'' ۲۰ر نومبر ۱۹۳۱ء میں رائٹر کا ایک تار چھپا ہے:

''کناڈا میں کوئلہ کی ایک نئی کان کے اندر دو چھپکلیاں ہزار ہا ہزار سال کی مدت کے بعد زندہ برآمد ہوئیں۔ یہ کان ابھی دریافت ہوئی ہے۔ کان کھودتے ہی یہ چھپکلیاں نظر پڑیں۔ ان میں سے ایک تو تھوڑی سی کمزور حرکتوں کے بعد مرگئی لیکن دوسری ہزار ہا سال کی زندگی کو ابھی قائم رکھے ہوئی ہے۔''

اس تار پر اخبار مذکور کے ایڈیٹر صاحب یہ حاشیہ اضافہ کرتے ہیں، جس میں ''نئی روشنی'' والوں سے خطاب ہے:

رائٹر کا یہ تار انگریزی اخبارات میں آپ پڑھتے ہیں اور خبر پر بلا تامل وتوقف یقین لے آتے ہیں۔ زیادہ سے زیادہ اسے ایک ''حیرت انگیز واقعہ'' سمجھتے ہیں۔ اس سے آگے اس کے انکار کرنے یا اس کی واقعیت میں شک کرنے کی بھی جرأت آپ کو نہیں ہوتی، حالانکہ آپ کو نہ راوی کا نام معلوم، نہ اس کی عدالت اور ثقاہت کا کوئی علم۔ لیکن جب آپ قرآن مجید میں ایک نبی اور ان کے گدھے کا حال پڑھتے ہیں جنہیں صرف سو سال کے بعد زندہ کردیا گیا تھا یا احادیث میں اس قسم کے معجزات کا تذکرہ دیکھتے ہیں تو معاً آپ کی سوئی ہوئی ''عقلیت اور روشن خیالی'' بیدار ہوجاتی ہے۔ اور آپ طرح طرح کے ظنون وشکوک اوہام و وساوس کے شکار ہوکر رہ جاتے ہیں۔

حضرت نے فرمایا، سنا ہے ایک مرتبہ بڑھئی ایک لکڑی کو چیر رہے تھے۔ جب چیرتے چیرتے لکڑی کے وسط میں پہنچے تو آرا ٹیڑھا چلنے لگا۔ بڑھئی ہر چند کوشش کرتے تھے مگر آرے کی رفتار ٹیڑھی ہی رہی۔ آخر جب لکڑی کے دو ٹکڑے الگ ہوگئے تو ان میں سے ایک گوہ (سوسمار) نکل کر بھاگ گئی۔ اب معلوم ہوا کہ آرا اس مقام سے ٹیڑھا چلنے لگا تھا جہاں یہ گوہ

اپنے لکھوکھل میں بیٹھی تھی۔

بلقیس کا تخت

خوارق کے بیان میں بلقیس کے تخت کا ہزار ہا میل سے ایک لحہ میں آ جانے کا ذکر ہوا تو فرمایا، حضرت شیخ اکبر علیہ الرحمۃ پر تعجب ہے کہ وہ اس واقعہ کے متعلق یوں تاویل کرتے ہیں کہ وہ تخت بعینہٖ سبا سے حضرت سلیمان علیہ السلام کے پاس نہیں آیا بلکہ وہاں سے معدوم ہو کر یہاں از سر نو پیدا ہو گیا تھا۔ حالانکہ یہ تاویل اگر استبعاد واقعہ کی بناء پر کرنی پڑی تو کیا اعدام و ایجاد کا فعل بھی بجائے خود مستبعد نہیں؟

عورتوں کی بے دینی

عورتوں کی بے دینی کا ذکر ہو رہا تھا۔ فرمایا، آجکل عورتوں کی بے دینی حد انتہا تک پہنچ گئی۔ میں نے عرض کیا کہ ہمارے علاقے میں اکثر نمازی عورتیں فرض واجب وغیرہ تمام نمازیں بیٹھ کر پڑھتی ہیں۔ بلکہ بعض عورتیں یہ دعویٰ کرتی ہیں کہ عورت ذات کے لیے بیٹھ کر نماز پڑھنے کا حکم ہے کہ اس میں زیادہ پردہ ہے۔ ہر چند ان کو کتابیں دکھا دکھا کر سمجھایا جاتا ہے مگر بہت کم اثر ہوتا ہے۔ آپ نے اس پر بڑی حیرت ظاہر کی اور فرمایا، ملک سندھ میں اس سے زیادہ افسوسناک حال ہے۔ اوّل تو عورتوں میں سرے سے نماز کا رواج ہی نہیں۔ اگر کوئی خدا کی بندی نماز پڑھنے لگے تو دوسری عورتیں اس کو طعنہ دیتی ہیں اور آپس میں چرچا کرتی ہیں کہ نہ معلوم اس سے کونسا بڑا گناہ ہو گیا ہے کہ اب نمازیں پڑھ پڑھ کر بخشوا رہی ہیں۔

ولایت اور خوارق

ایک مرتبہ فرمایا، ولایت سے مراد قرب بلا کیف ہے جس کے لیے یادِ حق کا دوام لازم ہے۔ جس قدر قرب میں کمال ہوگا، اُسی قدر ولایت بدرجۂ اتم ہوگی۔ مگر لوگوں نے غلطی سے صرف ظہورِ خوارق کو ولایت سمجھ رکھا ہے۔ حالانکہ اس مقام میں یہ چیزیں ہیچ[1] ہیں

---

[1] مکتوباتِ معصومیہ میں شیخ شہاب الدین سہروردیؒ سے منقول ہے کہ مرتبہ ایں ہمہ خوارق و کرامات فروتر ست از مرتبۂ تجوہر قلب بذکر دوجود و تو کرو ذات۔ (مکتوب نمبر ۹۵، جلد اوّل)

ہیں۔ خواجہ عبدالخالق غجدوانی قدس سرہٗ کے حضور میں ذکر ہوا کہ فلاں شخص ہوا پر اُڑتا ہے۔ فرمایا، یہ کون سا کمال ہے، پرندے بھی تو اُڑتے ہیں۔ پھر ذکر ہوا کہ فلاں شخص پانی پر چلتا ہے۔ فرمایا، یہ کون سا کمال ہے، خس و خاشاک بھی پانی کی سطح پر چلتے ہیں۔ پھر کہا گیا، فلاں شخص ایک لمحہ میں ایک جگہ سے دوسری جگہ پہنچ جاتا ہے۔ فرمایا، یہ کہاں کا کمال ہے، شیطان مشرق سے مغرب تک پہنچ جاتا ہے۔ پھر فرمایا:

مرد آنست کہ زن کند و درمیان خلق نشیند و داد و ستد کند و یک لمحہ از ذکر خدا غافل نماند۔

مرد وہ ہے جو نکاح کرے اور لوگوں میں بیٹھے، لین دین کرے اور (ساتھ ہی) ایک لمحہ کے لیے بھی خدا کی یاد سے غافل نہ ہو۔

دشمن کے ساتھ مناسب سلوک

ایک مرتبہ خاکسار نے عرض کیا، اگر کوئی شخص علماء کی توہین وتضحیک کا عادی ہو، امورِ دین مثلِ تعمیر مسجد و اصلاح رسوم میں حارج اور رسوم جاہلیت اور بدعت کا حامی اور مروج ہو، کیا اس کے حق میں بددعا کرنا اور اُس کی تخریب وتباہی کے لیے کوئی عمل کرنا جائز ہوگا یا نہیں؟ آپ نے فرمایا، میں اس کے متعلق کچھ نہیں کہہ سکتا۔ پھر کسی قدر رد و قدح کے ساتھ فرمایا، اگر ایسی ہی قبولیتِ دعا کی امید ہے تو کیوں نہ یہ دعا کی جائے کہ وہ نیک بن جائے۔ علماء کی تعظیم کیا کرے اور امورِ دین کا حامی ہو۔[1]

ع گر زہ سے جو مرے تو زہر کیوں دو

محبتِ شیخ

ایک مرتبہ فرمایا، میں ایام جوانی میں بہت طاقتور تھا۔ والد مرحوم کا ارادہ تھا کہ فوج

---

[1] وکان رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم اذا سئل ان یدعو علی احد مسلم او کافر عام او خاص عدل عن الدعاء علیہ الی الدعاء لہٗ. یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے جب التماس کی جاتی کہ کسی فلاں مسلمان یا کافر خاص یا عام کے لیے بددعا کریں تو آپ بددعا کی بجائے نیک دعا کرتے۔ (احیاء العلوم)

میں کوئی عہدہ دلایا جائے۔ اس لیے مجھے گھوڑے کی سواری کا فن بھی خاص طور پر سکھایا تھا۔ طاقت کا یہ عالم تھا کہ ایک مرتبہ حضرت مرحوم[1] آخر شب میں سون کے علاقہ سے سوار ہوئے۔ خوشاب پہنچنا تھا، جو بارہ میل دور تھا۔ مجھ سے فرمایا، راستے میں پانی صرف ہندوؤں کی سبیلوں سے مل سکے گا، وضو کے لیے بڑی دقت پیش آئے گی۔ میں نے اسی وقت پانی کا لوٹا ساتھ لیا اور پیدل حضرت کی سواری کے ساتھ چل پڑا۔ سواری اس سرعت سے چلتی تھی کہ ساتھ کے تمام سوار اور پیادے پیچھے رہ گئے، مگر میں رکاب کے ساتھ تھا۔ فجر کی نماز کے وقت خوشاب پہنچے تو میں نے وضو کے لیے پانی کا لوٹا پیش کیا۔

ایک بار ارشاد فرمایا کہ میں حضرت مرحوم کی زیارت کے لیے موسیٰ زئی شریف جاتا تھا تو صرف دریا خاں تک ریل کی سواری ملتی۔ اگلی مسافت پیدل طے کرنی پڑتی جو لق و دق بیابانوں اور خشک ریگستانوں پر مشتمل تھی۔ میلوں تک پانی کی بوند تک میسر نہیں آتی تھی۔ مگر میں اپنے ذوق و شوق میں کچھ بھی تکلیف محسوس نہیں کرتا تھا۔ اور شاداں و فرحاں منزلیں طے کرتا چلا جاتا تھا۔

یارب ایں کعبۂ مقصود تماشا گہ کیست
کہ مغیلانِ طریقش گل و نسرین من ست

مستری ظہور الدین راوی ہیں کہ حضرت دام ظلہم نے حضرت مرحوم کی معیت میں حج کیا تھا۔ طواف کے وقت حجر اسود پر بوسہ دینے والوں کا اس قدر ہجوم تھا کہ حجر کو لکڑی سے چھو کر بوسہ دینا بھی ممکن نہ تھا۔ ادھر حضرت مرحوم کو تقبیل حجر کی بڑی آرزو تھی۔ مگر اس کی کوئی صورت نظر نہ آتی تھی۔ ہمارے حضرت نے یہ ہمت کی کہ لوگوں کے اژدحام کو چیر کر آگے پہنچے۔ پیچھے پیچھے حضرت مرحوم تھے اور حجر اسود کے سامنے دونوں بازو پھیلا کر اس طرح ڈٹ گئے کہ آپ کی اوٹ میں حضرت مرحوم نے بآسانی بوسہ دے لیا اور جتنی دیر چاہتے بوسے دیتے رہے۔ اہلِ ہجوم میں سے کسی ترک، افغان، مصری، ہندی، جاوی، چینی، روسی جوان میں اتنی طاقت نہ تھی کہ اس مضبوط حصار کو توڑ سکتا۔

---

[1] خواجہ سراج الدین علیہ الرحمۃ

شیر مست نام مجذوب

میری حاضریٔ خانقاہ کے ایام میں شیر مست نام ایک مجذوب کا آنا بھی عجیب واقعات سے تھا۔ یہ مجذوب صاحب قدیم سے حضرت کے واقف اور معتقد ہیں۔ اب کے چندرہ سال کے بعد ان کا آنا ہوا، اس لیے خانقاہ کے نئے خدام ان کو نہیں جانتے تھے۔ مگر مولوی احمد الدین صاحب اور مولوی محمد شفیع صاحب وغیرہ پرانے خدام ان کے خوب شناسا تھے۔ جب وہ آئے تو اپنی کچکول وغیرہ اتار کر رکھ دی۔ وضو کیا اور پھر حضرت کی مجلس میں حاضر ہوئے۔ پہلے حضرت سے مصافحہ کیا، پھر دوسرے لوگوں سے اور مصافحہ کے وقت ہر شخص پر ایک مجتسسانہ نظر ڈالی۔

شیر مست کیا ہیں؟ فی الواقع انسانی صورت میں ایک قوی ہیکل شیر اور نشۂ جذب میں مست ہیں۔ سفید مشیخ داڑھی، پرجلال چہرہ، پرکیف آنکھیں، سفید دانتوں کی خوبصورت لڑی، پیرانہ سالی میں جوانمردانہ قوت کا پتہ دیتی ہے۔ ایک ہاتھ کلائی سے کٹا ہوا، مگر دوسرا سالم ہاتھ اپنے مضبوط پنجے اور پرگوشت بازو سے اکیلا دو ہاتھوں کا قائم مقام۔ طبیعت کے تلون کا یہ عالم کہ ابھی تو مولوی احمد الدین وغیرہ سے ہنس ہنس کر ایسے لفظوں میں مذاق کرتے اور قہقہے لگاتے ہیں جن سے تہذیب کان دباتی ہے اور ابھی جوش میں آکر آہیں بھرنے اور چھاتی پیٹنے لگے۔ چند لمحہ کے بعد معقولیت کے ساتھ سنجیدہ گفتگو شروع کر دی اور تھوڑی دیر میں پھر وہی دورہ۔ پہلے حضرت سے گلہ شروع کیا کہ میں ان پندرہ برس میں دو مرتبہ زیارت کے لیے حاضر ہوا مگر دونوں مرتبہ آپ نہ ملے۔ پھر اس زمانے میں خانقاہوں کی ابتری اور گدی نشینوں کی بداعمالی کا ذکر نہایت درد کے ساتھ کیا۔ ایک خانقاہ کا خصوصیت کے ساتھ بہت رونا رویا، جس کے ساتھ ان کو خاص روحانی تعلق معلوم ہوتا تھا کہ اس کے سجادہ نشینوں کی اولاد آج فرنگیانہ فیشن اختیار کرتی جاتی ہے۔ اسی سلسلۂ گفتگو میں شیعوں کی بھی بہت مذمت کی۔

اتنے میں حاضرین پر سرسری نظر ڈالی اور کہا، یہ سب درویش ہیں۔ فیض حاصل کرنے کے لیے دور دور سے حاضر ہوئے ہیں۔ (حضرت سے مخاطب ہو کر کہا) آپ

فیضان کے خزانے لیے بیٹھے ہیں، ان غریبوں پر رحم کرو۔ ان کو بھی کچھ بخشو۔ یہ نہیں کہ جو کچھ ملا آپ ہی ہضم کر لیا، کسی کو کچھ نہ دیا۔ پھر کہا، حضرت! فیض پہنچنے کی صورت تو یہ ہے کہ خادم اپنے پیر کا جاں نثار ہو اور پیر اپنے خادم کا عاشق ہو۔

اس کے بعد کسی اور سلسلۂ کلام میں جوش کے ساتھ آہ کھینچی اور کہا، موسیٰ (علیہ السلام) سے ایک تجلی بھی برداشت نہ ہو سکی، (اپنی چھاتی پر مکا مار کر) یہاں روزانہ تین سو ساٹھ تجلیاں ہوتی ہیں اور برداشت کرنی پڑتی ہیں۔ حضرت نے اس فقرہ پر مسکرا کر کہا، لَاحَوْلَ وَلَاقُوَّۃَ اِلَّا بِاللّٰہِ الْعَلِیِّ الْعَظِیْمِ۔[1]

تھوڑی دیر کے بعد کہا، پیاس لگی ہے پانی پلاؤ۔ حضرت کے حکم سے ایک خادم لسی کا پیالہ بھروا کر لایا۔ مجذوب نے اس کو پی چکنے کے بعد خالی پیالے کی طرف دیکھ کر کہا، ایک شخص نے مجھ سے پانی مانگا، میں نے پہچان لیا کہ یہ شیعہ ہے۔ پیاسے کو پانی پلانا میرا فرض تھا۔ کٹورا بھر کر پلا دیا۔ جب پی چکا تو میں نے کہا، یہ کٹورا تم ہی لے جاؤ، میرے کام کا نہیں رہا۔ (حضرت سے مخاطب ہو کر) حضرت! چار چیزیں سب سے زیادہ نجس ہیں، خنزیر، کتا، کراڑ (بنیا)، چوہا۔ مگر میرے نزدیک شیعہ ان سے بھی زیادہ ناپاک ہے۔ ان چاروں چیزوں کا جھوٹا برتن تو پاک ہو سکتا ہے، شیعہ کا جھوٹا پاک نہیں ہو سکتا۔ اثنائے گفتگو میں ادھر اُدھر نظر کی تو سید عبدالسلام اور سید محمد احمد کے بارے میں پوچھا، یہ کون ہیں؟ کسی نے بتایا

۱۔ حضرت کے لاحول پڑھنے میں یہ اشارہ مضمر تھا کہ مجذوب کا یہ قول درست نہیں بلکہ داخلِ بے ادبی ہے۔ واضح رہے کہ مجذوبوں اور مست فقیروں کے ایسے کلمات جو دائرۂ شریعت سے خارج واقع ہوں، قابلِ حجت نہیں ہوتے اور نہ ان مجذوبوں کے مقبولِ حق ہونے میں قادح ہو سکتے ہیں۔ بشرطیکہ وہ مجذوب یا فقیر فی الواقع خدا رسیدہ ہو، کوئی مکار و مزوّر نہ ہو، جیسے کہ آجکل بہت سے رنگے ہوئے گیدڑ پھرتے ہیں۔ وہ کلمات قابلِ حجت تو اس لیے نہیں ہوتے کہ ایسے مجذوب بے علم ہونے کی وجہ سے حق بات اور ناحق بات میں تمیز نہیں رکھتے، خصوصاً مسائلِ کلامیہ اور احکامِ فقہیہ میں، اور ان کے درجہ و رتبہ میں قادح اس لیے نہیں ہو سکتے کہ وہ حواس و ادراکات پر ضبط نہ رکھ سکنے کی وجہ سے قابلِ عفو ہیں۔

کہ یہ سید ہیں۔ شیر مست صاحب فوراً تعظیماً کھڑے ہو گئے اور ان دونوں سے دوبارہ مصافحہ کیا اور گھٹنوں کو چھوا۔ تھوڑی دیر کے بعد حضرت کی خدمت میں سید عبدالسلام کے لیے سفارش کی کہ یہ تو نور علیٰ نور ہو چکے ہیں۔ اب ان کو کیوں قید کر رکھا ہے، چھٹی دے دیجیے کہ اپنی بیوی کے پاس جائیں، بیچاری منتظر ہے۔[1] اس کے بعد اپنی کچکول اٹھائی، سب سے مصافحہ کیا اور جنگل کی راہ لی۔

قطعۂ تاریخ تصنیف کتاب ہذا

از احقر الخدام عبدالرسول ساکن بکھر ضلع شاہپور

مرتب کرد چوں از طبع نقاد　　سوانح قبلۂ اقطاب و امجاد

جناب مولوی عرشی معظم　　ز خورسندی دل خدام شد شاد

دریں فیض و ہدایت بر کشادہ　　مصنف را ہزاراں آفریں باد

بگفتا عبد ہاں تاریخ ہم جو

عجیب ایں تحفۂ ارباب ارشاد

۱۳۵۱ھ

شَجَرَةٌ طَيِّبَةٌ اَصْلُهَا ثَابِتٌ وَّفَرْعُهَا فِی السَّمَآءِ

شجرۂ سعدیہ معلّٰی

جس کو بحکم

اعلیٰ حضرت سیّدی ومولائی مولانا ابوالسعد احمد خاں صاحب مدظلہم العالی

خادم حقیر مرزا محمد نذیر عرشی دھنولوی نے مرتب ومنظوم کیا

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

الٰہی بحرمت شفیع المذنبین رحمۃ للعالمین حضرت محمد رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم [1] الٰہی بحرمت خلیفہ رسول اللہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ [2] الٰہی بحرمت صاحب رسول اللہ حضرت سلمان رضی اللہ عنہ [3] الٰہی بحرمت حضرت قاسم ابن محمد ابن ابی بکر رضی اللہ عنہم [4] الٰہی بحرمت حضرت امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ [5] الٰہی بحرمت حضرت بایزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ [6] الٰہی بحرمت حضرت خواجہ ابوالحسن خرقانی رحمۃ اللہ علیہ [7] الٰہی بحرمت حضرت خواجہ

۱۔ تاریخ ولادت مبارک ۱۲ ربیع الاوّل ۶۰۰ بعد رفع عیسیٰ علیہ السلام، وفات دوشنبہ ۱۲ ربیع الاوّل ۱۰ھ

۲۔ ولادت دو سال چار ماہ بعد واقعہ فیل، وقت ۲۲ جمادی الاوّل ۱۳ھ، عمر ۶۳ سال

۳۔ وفات ۱۰ رجب ۳۶ھ، عمر ۲۵۰ قبر بمقام مدائن

۴۔ وفات ۲۴ جمادی الاوّل ۱۰۷ھ، عمر ۷۰ سال

۵۔ وفات ۱۵ رجب ۱۴۸ھ، عمر ۶۸ سال، مرقد جنت البقیع مدینہ منورہ

۶۔ وفات ۱۴ شعبان ۲۳۴ھ، عمر ۷۳ سال، مدفون شہر بسطام

۷۔ وفات یوم عاشورا ۴۲۳ھ، مرقد شہر خرقان

ابوعلی فارمدی رحمۃ اللہ علیہ،[۱] الٰہی بحرمت حضرت خواجہ یوسف ہمدانی رحمۃ اللہ علیہ،[۲] الٰہی بحرمت حضرت خواجہ جہاں عبدالخالق غجدوانی رحمۃ اللہ علیہ،[۳] الٰہی بحرمت حضرۃ خواجہ عارف ریوگری رحمۃ اللہ علیہ،[۴] الٰہی بحرمت حضرت خواجہ محمود انجیر فغنوی رحمۃ اللہ علیہ،[۵] الٰہی بحرمت حضرت خواجہ عزیزان علی رامیتنی رحمۃ اللہ علیہ،[۶] الٰہی بحرمت حضرت خواجہ محمد بابا سماسی رحمۃ اللہ علیہ،[۷] الٰہی بحرمت حضرت سیّد میر کلال رحمۃ اللہ علیہ،[۸] الٰہی بحرمت خواجہ خواجگاں پیر پیراں حضرت سید بہاؤ الدین نقشبند رحمۃ اللہ علیہ،[۹] الٰہی بحرمت حضرت خواجہ علاء الدین عطار رحمۃ اللہ علیہ،[۱۰] الٰہی بحرمت حضرت مولانا یعقوب چرخی رحمۃ اللہ علیہ،[۱۱] الٰہی بحرمت حضرت خواجہ عبید اللہ احرار رحمۃ اللہ علیہ،[۱۲] الٰہی بحرمت حضرت مولانا محمد زاہد رحمۃ اللہ علیہ،[۱۳] الٰہی بحرمت حضرت خواجہ درویش محمد رحمۃ اللہ علیہ،[۱۴] الٰہی بحرمت حضرت مولانا خواجگی امکنگی

۱۔ وفات ۴/ربیع الاوّل ۴۷۷ھ، مرقد شہر طوس

۲۔ وفات ۲۷/رجب ۵۳۵ھ، عمر ۹۵ سال، مرقد بمقام مرواز، مضافات ہرات

۳۔ وفات ۱۲/ربیع الاوّل ۵۷۵ھ

۴۔ وفات ماہ شوال ۶۱۶ھ، مرقد موضع ریوگر قریب بہ بخارا

۵۔ وفات ۷۱۵ھ، مرقد موضع انجیر فغنہ

۶۔ وفات ۲۸/ذیقعدہ ۷۱۵ھ، عمر ۱۳۴ سال، مرقد شہر خوارزم

۷۔ وفات ۷۵۵ھ، مرقد موضع سماس

۸۔ وفات ۱۵/جمادی الاخریٰ ۷۷۲ھ، مرقد قریہ سوخار

۹۔ ولادت مبارک ۷۱۸ھ، وفات ۳/ربیع الاوّل ۷۹۱ھ، عمر مبارک ۷۳ سال

۱۰۔ وفات ۳۰/رجب ۸۰۲ھ

۱۱۔ وفات ۵/صفر ۸۵۱ھ

۱۲۔ وفات ۲۹/ربیع الاوّل ۸۹۵ھ، مرقد شہر سمرقند

۱۳۔ وفات یکم ربیع الاوّل ۹۳۶ھ

۱۴۔ وفات ۲۹/محرم الحرام ۹۷۰ھ، مرقد موضع اسقر ملک ماوراء النہر

رحمۃ اللہ علیہ، ^۱^ الٰہی بحرمت حضرت خواجہ محمد باقی باللہ رحمۃ اللہ علیہ، ^۲^ الٰہی بحرمت حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی شیخ احمد فاروقی سرہندی رحمۃ اللہ علیہ، ^۳^ الٰہی بحرمت عروۃ الوثقیٰ حضرت خواجہ محمد معصوم رحمۃ اللہ علیہ، ^۴^ الٰہی بحرمت سلطان الاولیاء حضرت شیخ سیف الدین رحمۃ اللہ علیہ، ^۵^ الٰہی بحرمت سیّد نور محمد بدایونی رحمۃ اللہ علیہ، ^۶^ الٰہی بحرمت شمس الدین حبیب اللہ حضرت مرزا جان جاناں مظہر شہید رحمۃ اللہ علیہ، ^۷^ الٰہی بحرمت مجدد مأۃ الثالث عشر، نائب حضرت خیر البشر خلیفہ خدا مروج شریعت مصطفیٰ حضرت مولانا وسیدنا عبداللہ المعروف بشاہ غلام علی دہلوی رحمۃ اللہ علیہ، ^۸^ الٰہی بحرمت حضرت شاہ ابو سعید رحمۃ اللہ علیہ، ^۹^ الٰہی بحرمت حضرت شاہ احمد سعید رحمۃ اللہ علیہ، ^۱۰^ الٰہی بحرمت حضرت حاجی دوست محمد قندھاری رحمۃ اللہ علیہ، ^۱۱^ الٰہی بحرمت حضرت خواجہ محمد عثمان رحمۃ اللہ علیہ، ^۱۲^ الٰہی بحرمت قیوم زماں قطب

۱۔ وفات ۲۲ رشعبان ۱۰۰۸ھ، عمر ۹۰ سال، مرقد شہر امکنگہ

۲۔ وفات ۲۵ رجمادی الثانی ۱۰۱۴ھ، عمر ۴۰ سال، سمرقندی الاصل ہیں، ولادت کابل میں ہوئی اور مرقد دہلی میں ہے۔

۳۔ وفات ۲۷ رصفر ۱۰۳۴ھ، عمر ۶۳ سال، مرقد مبارک بمقام سرہند

۴۔ ولادت ۱۰۰۷ھ، وفات ۹ ربیع الاول ۱۰۷۹ھ، مرقد بمقام سرہند

۵۔ ولادت ۱۰۴۹ھ، وفات ۲۶ رجمادی الاوّل ۱۰۹۶ھ، عمر مبارک ۴۷ سال، مرقد بمقام سرہند

۶۔ وفات ۱۱ رذیقعدہ ۱۱۳۵ھ، مرقد بمقام دہلی نزد مزار خواجہ نظام الدین اولیاءؒ

۷۔ ولادت ۱۱ ررمضان ۱۱۱۱ھ بروز جمعہ، شہادت بہ یوم عاشورہ ۱۱۹۵ھ، مرقد مبارک بمقام چتلی قبر، دہلی

۸۔ ولادت بمقام بٹالہ، پنجاب، وفات ۲۲ رصفر ۱۲۴۰ھ، مرقد بمقام چتلی قبر، دہلی

۹۔ وفات یوم عید الفطر ۱۲۵۰ھ، مرقد مبارک بمقام چتلی قبر، دہلی، عمر ۶۴ سال

۱۰۔ وفات ربیع الاول ۱۲۷۷ھ، مرقد مبارک جنت البقیع، مدینہ منورہ، عمر ۶۰ سال

۱۱۔ وفات ۲۲ رشوال ۱۲۸۴ھ، مرقد مبارک خانقاہ موسیٰ زئی، ڈیرہ اسمٰعیل خان، عمر [illegible] سال

۱۲۔ وفات ۲۲ رشعبان ۱۳۱۴ھ، مرقد مبارک خانقاہ موسیٰ زئی، ڈیرہ اسمٰعیل خان، عمر [illegible] سال

دوران محبوب رب العالمین حضرت خواجہ حاجی محمد سراج الدین رحمۃ اللہ علیہ،[1] الٰہی بحرمت سیّدنا وسندنا مقبول رحمٰن حضرت مولانا ابوالسعد احمد خاں رحمۃ اللہ علیہ،[2] (الٰہی بحرمت حضرت سیّدنا وسندنا ومولانا محمد عبداللہ رحمۃ اللہ علیہ،[3] الٰہی بحرمت حضرت سیّدنا ومولانا ابوالخلیل خان محمد سلّمہم اللہ تعالیٰ) بر فقیر حقیر[4] ...... رحم فرما و محبت و معرفت خود نصیب او کن

۱۔ وفات ۲۶ ربیع الاول ۱۳۳۲ھ، مرقد بمقام خانقاہ موسیٰ زئی، ذریعہ ابوالخلیل خان، عمر ۷۵ سال

۲۔ وفات ۱۲ صفر ۱۳۰۲ھ بروز دوشنبہ

۳۔ وفات ۲۰ شوال ۱۳۷۵ھ (حاشیہ نمبر ۲، ۳ کا اضافہ کیا گیا۔ "تحفۂ سعدیہ" کی اشاعت نو کے وقت خانقاہ شریف کا تیسرا دور شروع ہو چکا ہے۔ محمد محبوب الٰہی عفی عنہ

۴۔ یہاں ہر شجرہ پڑھنے والا اپنا نام درج کرے اور ورد میں اپنا نام پڑھا کرے۔

شجرۂ سعدیہ منظوم اُردو[1]

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

خداوندا بحقِ سرورِ دین — محمد مصطفیٰ[2] با عز و تمکین

بحقِ حضرتِ بوبکر صدیق — بہ سلماں قدوۂ اہلِ توفیق

بحقِ قاسمِ عالی مقامے — بحقِ جعفرِ صادق امامے

بحقِ بایزید شاہ بسطام — بحقِ بوالحسن فرخندہ فرجام

بحقِ بوعلی اہلِ عرفان — بحقِ خواجہ بو یوسف ز ہمدان

بحقِ عبد خالق غجدوانی — بخواجہ عارف فی اللہ فانی

بحقِ خواجۂ محمود انجیر — بحقِ آں عزیزان علی پیر

بحقِ خواجۂ بابائے سماس — بآں میر کلال پاک انفاس

بحقِ آں بہاء الدین ذیشاں — جناب نقشبند شاہِ شاہاں

بحقِ آں علاؤ الدین عطار — بآں یعقوب چرخی پُر انوار

بحقِ شہ عبید اللہ احرار — بحضرت زاہد آں ابرِ گہر بار

بحقِ خواجہ درویش محمد — بحقِ خواجگی امکنگی امجد

بحقِ مرشدِ کل باقی باللہ — بآں حضرت مجدد صاحبِ جاہ

بحقِ عروۃ الوثقائے معصوم — بحقِ شیخ سیف الدین قیوم

بحقِ سید نور محمد — بہ مرزا جانِ جاناں ماہِ مشہد

۱۔ یہ شجرہ شریف خاص حضور حضرت صاحب مدظلہم (قدس سرہٗ) کے ارشاد اور ہدایت کے مطابق لکھا ہے۔ (عرشی)

۲۔ پیرِ پیراں۔ (محبوب الٰہی)

بحق شہ غلام علی ذیشان	بہ شاہ ابو سعید اہل عرفاں
بہ شہ احمد سعید صاحب تاج	بہ دوست محمد[2] سرخیل فوج
بحضرت خواجہ عثماں صاحب دل	بآں حاجی سراج الدین کامل
بہ شیخی سعدی غوثی امامی	مجددی متقی شیخی ہمامی
کہ ہیں ابو سعد احمد خاں ثانی	زمانے میں مکرم دور آرائی
(بآں کہ[3] شیخ الشیوخ ایں زمانی	ہمامی، قدوسی، غوثی، امانی
بنام شیخ عبداللہ موسوم	بہ "صدیق زماں" در لوح مرقوم
بحق بہ خلیل خاں محمد	کہ ہیں وہ وارث ذیشان احمد
کرم فرما کہ محبوب الٰہی	ہے اس منزل کا اک وا ماندہ راہی)
وہ کہتا ہے [4] احقر	الٰہی مجھ پہ رحمت کی نظر کر
مرے دل میں محبت اپنی بھر دے	منور معرفت اس کو کر دے
مرے دل میں نہ پیدا کچھ خطر ہو	مری شاخ تمنا پر ثمر ہو
میں پاؤں دین و دنیا میں بھلائی	نہ تجھ سے دل کو ہو اک دم جدائی
ہو آساں مجھ پہ وقت نزع سکرات	نہ دکھ دیں قبر کے اندر کی آفات

۱۔ بضرورت شعری سکتہ رہ گیا جس کے بغیر چارہ نظر نہ آیا۔ اگر کوئی صاحب بنا سکتے اس نام کو باندھ سکیں تو براہ کرم اطلاع بخشیں، میں ممنون ہوں گا۔ (عزیزی)۔ حضرت قدس سرہ کے اصلی نام عبداللہ کو باندھا جائے تو "بحق شاہ عبداللہ ذی شان" مصرعہ بے سکتہ ہو جاتا ہے۔ (محمد محبوب الٰہی)

۲۔ اس مصرعہ میں بھی نام کی وجہ سے سکتہ روا رکھا گیا ہے لیکن نام کے دونوں لفظوں کو مقدم مؤخر کر کے "بقندھاری محمد دوست الحاج" کہا جائے تو سکتہ نہیں رہتا اور نسبت وطن قندھاری کا اضافہ بھی ہو جاتا ہے۔ (محمد محبوب الٰہی)

۳۔ یہ چار اشعار بمناسبت اشاعت نو اضافہ کیے گئے۔ (محمد محبوب الٰہی عفی عنہ)

۴۔ بہ شجرہ خواں یہاں اپنا نام درج کرلے۔ (عزیزی)

خطر کا وقت ہو جب روزِ محشر — کرم کر مجھ پہ یا اللہ کرم کر
شقاوت سے مجھے محفوظ فرما — عذابِ نار سے محفوظ فرما
مرے احباب اور خویش و برادر — رہیں قائم ہمیشہ راہِ حق پر
الٰہی ہو ہمیشہ فتح اسلام — رہے ہر دشمنِ اسلام ناکام
مرے مرشد جو ہیں اک شیخِ اکبر — رہیں مجھ پہ ہمیشہ سایہ گستر

سدا پہنچے مجھے فیضان ان کا
میں ہوں گرویدۂ احسان ان کا

شجرۂ سعدیہ منظوم پنجابی[1]

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

یارب توں صفتاں دا سائیں — تیں تھیں ہر دم کراں دعائیں

واسطہ اپنے پاک نبی دا — جو سرور ہے دین دنی دا

واسطہ اس صدیق اکبر دا — پیارا ساتھی پیغمبر دا

حضرت سلمان فارس والے — پیتے حب نبی دے پیالے

حضرت قاسم شیر خدا دا — ابوبکر اسدا ہے دادا

حضرت جعفر صادق پیارے — اہل بیت دے روشن تارے

بایزید بسطام نوابی — جو سرور کل ولیاں دا بی

حضرت ابوالحسن خرقانی — جیہڑے سن اللہ وچ فانی

ابوعلی جو فارمدی سن — ہریا انہاں تھیں دین دا گلشن

اپی حضرت یوسف ہمدانی — رب دے خاص بندے نورانی

حضرت عبدالخالق پیارے — کل ولیاں دے راج دلارے

واسطہ عارف ریوگری دا — جو خادم سی دین نبی دا

اپی حضرت محمود فغنوی — تازہ جنہاں تھیں سنت نبوی

خواجہ عزیزان علی رامیتن — ہویا جہان جنہاں تھیں روشن

---

[1] بعض پنجابی مستورات اور عامۃ الناس، جو صرف قرآن مجید پڑھے ہوئے ہیں اُن کو اُردو زبان اور اُردو خط میں شجرہ پڑھنا مشکل تھا۔ ان کی ضرورت کو ملحوظ رکھ کر یہ شجرہ پنجابی زبان میں لکھا گیا ہے۔ مگر چونکہ خاکسار نے آج تک پنجابی میں کبھی ایک مصرعہ تک نہیں کہا اس لیے اس میں غلطی کا احتمال غالب ہے، ناظرین معاف فرمائیں۔

اوہ حضرت بابا سماسی — دنیا سی دیدار دی پیاسی
سید میر کلال مکرم — درویشی دے بھید دے محرم
شاہ بہاؤ الدین حقانی — نقشبند محبوب ربانی
خواجہ علاؤ الدین عطاری — ہر دم برسے رحمت باری
مولانا یعقوب دا صدقہ — اس اپنے محبوب دا صدقہ
خواجہ عبید اللہ احراری — رب انہاں بخشی سرداری
حضرت خواجہ محمد زاہد — عارف کامل آہے مجاہد
اوہ خواجہ درویش محمد — پاک مراتب عالی مقصد
واسطہ خواجگی امکنگی دا — رب دے پیاریاں دے سنگی دا
حضرت خواجہ محمد باقی — جام طریقت دے اوہ ساقی
آہے مجدد دین نبی دے — اوہ سورج اسمان زمی دے
اتے حضرت معصوم دا صدقہ — امت دے قیوم دا صدقہ
حضرت سیف الدین منور — بڑے ولی ولیاں دے سرور
حضرت سید نور محمد — دلی دے وچ جنہاں دا مرقد
حضرت مرزا مظہر جاناں — بخشی دولت اہل ایماناں
واسطہ شاہ غلام علی دا — ولیاں دے سردار ولی دا
ابو سعید حبیب خدا دے — بڑے گھرانے دے شہزادے
شاہ سعید خدا دے پیارے — امت دے پر نور ستارے
حضرت دوست محمد حاجی — سارے مرید انہاں دے ناجی
خواجہ محمد عثمان عالی — نقشبندی گلزار دے مالی
حاجی سراج الدین دا صدقہ — اس صاحب تمکین دا صدقہ
صدقہ میرے پیر ولی دا — ابو سعد احمد خان جی دا
پیر عبد اللہ حضرت ثانی — جو نائب قیوم زمانی

حضرت مولانا محمد عبداللہ قدس سرہ

صاحب فضل یقین با شد

۳۲۱ھ

حالات جناب محمد عثمان صدیقی دوراں

حضرت مولانا محمد عبداللہ قدس سرہٗ

سجادہ نشین خانقاہ سراجیہ کندیاں (ضلع میانوالی)

حضرت اقدس کا اسم گرامی محمد عبداللہ، ولدیت میاں نور محمد ولد میاں قطب الدین، اور مولد و مسکن موضع سیم پور سدھواں، تحصیل جگراؤں، ضلع لدھیانہ تھا۔ تاریخ ولادت مرتبِ تحقیقات اردو ڈائجسٹ کے اندراج کے مطابق ۱۵ اکتوبر ۱۹۰۴ء مطابق ۱۳۲۲ھ ہے۔

والد ماجد کا مختصر حال

آپ کے والد ماجد حضرت میاں نور محمد صاحب اپنے گاؤں کے متوسط درجے کے زمیندار تھے۔ نہایت دیندار، پاک طینت، سادہ مزاج اور صاحب دل انسان تھے۔ بعض امراض کا موثر دم بھی جانتے تھے۔ اس قدر ہمدرد و خلیق تھے کہ اگر کوئی شخص پچھلی رات کو بھی دم کرانے کے لیے جاتا تو کسی قسم کا بار محسوس نہ فرماتے۔ اہل خانہ کو ہدایت کر رکھی تھی کہ جس وقت بھی کوئی ضرورت مند آئے، مجھے جگا دیا جائے۔ خلق خدا کی یہ خدمت آپ للہ انجام دیتے تھے۔ مروت و مودت کا یہ عالم تھا کہ اگر کسی ایسے قصبے میں تشریف لے جاتے، جہاں اپنے گاؤں کی لڑکیاں بیاہی ہوتیں تو انہیں اپنی اولاد سمجھتے ہوئے ہمیشہ اُن کی خیر و عافیت دریافت کرتے تھے۔ آپ کا یہ معمول عمر بھر رہا۔ اپنے گاؤں اور برادری میں عزت کی نگاہ سے دیکھے جاتے تھے، یہاں تک کہ اپنے پرائے سب ان کا ادب و احترام کرتے تھے۔

صوم و صلوٰۃ اور اطاعتِ الٰہی سے متعلق امور کے بڑے پابند تھے۔ اس سلسلہ میں اپنے کنبے اور برادری کے بچوں کی بھی نگہداشت کرتے تھے اور سب کو احکامِ شریعہ کا پابند بنانے کی کوشش میں لگے رہتے۔

اولاد

آپ کے تین صاحبزادے اور ایک صاحبزادی تھی۔ صاحبزادوں کے نام حسب ذیل ہیں:

فرزندِ اکبر: حضرت اقدس مولانا محمد عبداللہ قدس سرہٗ، سجادہ نشین خانقاہ سراجیہ، کندیاں

فرزندِ اوسط: ماسٹر بدرالدین صاحب مدظلہٗ، جو اَب سکول کی ملازمت سے فارغ ہو کر بستی سراجیہ، خانیوال میں قیام پذیر ہیں۔

فرزندِ اصغر: میاں محمد ابراہیم صاحب مدظلہٗ، جو کپڑے کی تجارت اور زمینداری کرتے ہیں۔ آپ بھی بستی سراجیہ ہی میں مقیم ہیں۔

ماحول

گاؤں کی زندگی کا اُسلوب سادہ اور بے تکلف تھا۔ مسلمانوں کے گھروں میں عموماً اور آپ کے گھرانے میں خصوصاً دینداری کا چرچا تھا۔ فضا شہری تکلفات سے بالکل پاک تھی۔ انگریزی طرزِ تمدن اور معاشرت کے اثرات یکسر ناپید تھے۔ اسلامی تعلیم، قرآن مجید اور نماز روزہ وغیرہ کے مسائل تک محدود تھی۔ خط و کتابت کی ضرورت کے لیے اُردو کی پرائمری یا مڈل تک بچوں کو تعلیم دلائی جاتی تھی۔ انگریزی تعلیم کا نام و نشان نہ تھا بلکہ مغربی تہذیب اور اس کے طرز و انداز سے یکسر نفرت تھی۔

گھریلو زندگی سادگی کا مرقع تھی۔ لباس اور وضع قطع سے اسلامی شان نمایاں تھی۔ سادہ اور مقوی غذا بکثرت دستیاب تھی۔ بستی میں رہنے والے لوگ اکثر و بیشتر متقی و پرہیزگار تھے۔ سب فجر سے پہلے اٹھتے۔ تہجد کی نماز ادا کرتے اور یادِ الٰہی سے فراغت کے بعد اپنے روزمرہ کے کام کاج میں مشغول ہو جاتے۔ مساجد سے ذکرِ الٰہی کی صدا بلند ہوتی اور فضا پر عطر باری کرتی تھی۔

رمضان شریف کا احترام اور زکوٰۃ و خیرات کا اہتمام بہت زیادہ کیا جاتا تھا۔ ہر گھر میں ایک بار کم از کم سو ڈیڑھ سو آدمیوں کے لیے کھانا پکایا جاتا اور لوگوں کو دعوت دی جاتی تھی۔ یہ دعوت بھی دعوتِ شیراز کی طرح بیحد سادہ ہوتی تھی جس میں بے تکلفی سے تمام

مدعوین شریک ہوتے، برضا و رغبت کھاتے اور اللہ تعالیٰ کا شکر بجالاتے تھے۔

لوگ صحت مند اور توانا تھے۔ بیس پچیس میل پیدل سفر کر لینا ان کے لیے معمولی بات تھی۔ گاؤں میں دو مسجدیں تھیں اور ہر ایک میں بچوں کو قرآن عزیز پڑھانے کا انتظام تھا۔

حضرت کی پیدائش

غرض اس صاف ستھرے، سادہ اور پاکیزہ ماحول میں حضرت مولانا محمد عبداللہ قدس سرہٗ میاں نور محمد کے گھر ۱۵/اکتوبر ۱۹۰۴ء کو پیدا ہوئے۔ بوقتِ پیدائش آپ کی ہیئت سے یوں معلوم ہوتا تھا جیسے آپ بارگاہِ الٰہی میں سجدہ ریز ہوں۔

تعلیم و تربیت

پانچ سال کی عمر تک والدین کی آغوش میں لاڈ پیار کے ساتھ پرورش پاتے رہے۔ آپ میاں صاحب موصوف کے پہلوٹے بیٹے تھے۔ جب چھٹا سال شروع ہوا تو قریبی مسجد میں پڑھنے کے لیے بٹھا دیے گئے۔ امام مسجد ہی معلم مکتب تھے۔ تھوڑے دنوں میں قاعدہ اور پارۂ عم کی ناظرہ تعلیم کے ساتھ شش کلمے، نماز کی ترکیب اور نماز میں پڑھی جانے والی سورتیں اور دعائیں سب حفظ کر لیں اور نماز پابندی کے ساتھ ادا کرنے لگے۔ ابھی قرآن مجید پورا[1] ختم نہ کرنے پائے تھے کہ ۱۹۱۱ء میں آپ کو پرائمری سکول سلیم پور میں پہلی جماعت کے طالب علم کی حیثیت سے داخل کرا دیا گیا۔ ۱۹۱۶ء تک اسی سکول میں تعلیم حاصل کرتے رہے۔ حضرت اقدس اپنے سکول میں داخل ہونے کا یہ واقعہ خود ذکر فرمایا کرتے تھے کہ جب ماسٹر صاحب نے سکول میں میرا نام درج کر لیا تو مجھے جماعت میں بیٹھنے کے لیے اس طرح خطاب کیا ”تشریف کا ٹوکرا رکھیے۔“ میں سکول کے صحن میں ادھر اُدھر ٹوکرا تلاش کرنے لگا مگر وہاں ٹوکرا مجھے کہاں ملتا۔ بعد میں اس محاورے کے معنی معلوم

---

[1] آپ کو قرآن عزیز پورا نہ پڑھنے کا بہت قلق تھا۔ آپ قرآن مجید ختم کرنا چاہتے تھے مگر آپ کے تایا فتح محمد صاحب نے یہ وعدہ کر کے اس وقت راضی کر لیا کہ مڈل پاس کر لینے کے بعد تمہیں قرآن شریف پڑھائیں گے۔

ہوئے تو اپنی لاعلمی پر بڑی ہنسی آئی۔

آپ کی مبارک عادت تھی کہ عالمِ طفولیت میں بھی ہر شخص سے خوش خلقی کے ساتھ پیش آتے اور بزرگوں کا ادب واحترام ملحوظ رکھتے۔ سکول آتے جاتے اگر راستے میں گاؤں کا کوئی بڑا یا بزرگ مل جاتا اور وہ گنتی سنانے کے لیے کہتا تو آپ فوراً کھڑے ہوجاتے اور اچھا جی کہہ کر سنانا شروع کردیتے۔

قدرت نے دین سے رغبت آپ کی سرشت میں ودیعت کررکھی تھی۔ جب سے ہوش سنبھالا، کبھی نماز ترک نہ کی۔ علم کے شائق، ذہن کے تیز اور حافظے کے قوی تھے۔ ہر جماعت میں امتیازی نمبروں سے کامیابی حاصل کرتے رہے۔ ۱۹۱۲ء کے اوائل میں پرائمری سکول کی تعلیم سے فارغ ہوئے اور سالانہ امتحان میں شاندار کامیابی پر مستحق وظیفہ قرار پائے۔

دینی تعلیم کا غیبی سامان

حضرت اقدس رحمہ اللہ تعالیٰ نے خود اس زمانے کا یہ واقعہ بیان فرمایا، اسے انہیں کی زبانی سنیے:

ہمارے گاؤں میں ایک بزرگ صورت عالمِ دین کبھی کبھی آیا کرتے تھے اور ان کا قیام ہماری مسجد ہی میں ہوا کرتا تھا۔ جن دنوں میں پرائمری سکول سے وظیفہ یاب ہوکر فارغ ہوا، وہ تشریف لائے ہوئے تھے۔ مسجد میں گیا تو انہوں نے مجھے محبت اور پیار سے اپنے پاس بلایا اور مجھ سے مسائلِ نماز پوچھنے لگے۔ میں اپنی یادداشت سے جواب دیتا رہا اور صحیح بتاتا رہا۔ ایک مسئلہ انہوں نے ایسا پوچھا جو مجھے نہ آتا تھا مگر تھوڑا سا تامل کرکے اس کا جواب دینے میں کامیاب ہوگیا۔ جواب گو صحیح تھا مگر اپنے اندازے اور قیاس سے دیا تھا۔ مولانا نے یہ بات بھانپ لی اور فرمایا کہ تم نے جواب تو صحیح دیا ہے لیکن یہ بتاؤ کہ تمہیں یہ جواب معلوم تھا یا اپنے اندازے سے بتایا ہے؟ میں نے کہا کہ اندازے ہی سے جواب دیا ہے۔ اس پر مولانا نے مجھے آفرین کہی اور ساتھ ہی یہ تنبیہ بھی کردی کہ دیکھو دین کا مسئلہ جب اچھی طرح معلوم نہ ہو، بتانا نہیں چاہیے۔ اگر اندازے سے جواب صحیح بھی دیا جائے تو آدمی پھر

مجبور نہ کر دیں، چپکے سے مولانا محمد ابراہیم صاحب بلیم پوری کے پاس دھرم کوٹ، ضلع فیروز پور چلے آئے۔ ان کی خدمت میں جانے کا مقصد یہ تھا کہ دینی تعلیم کا سلسلہ شروع ہو جائے گا۔ مزید برآں حضرت اقدس کے والد ماجد کے ساتھ ان کے دیرینہ مراسم بھی تھے جن کے باعث وہ دینی تعلیم کے سلسلے میں معاونت کر سکتے تھے اور آپ کے والد ماجد کو بھی مطمئن کر سکتے تھے۔ چنانچہ آپ مولانا محمد ابراہیم کے زیر تربیت تعلیم پاتے رہے۔ اس کے بعد دو سال مدرسہ عزیزیہ لدھیانہ میں پڑھا اور کچھ عرصہ مدرسہ عربیہ امرتسر میں بھی تعلیم پائی۔ بالآخر ۱۳۳۲ھ میں دارالعلوم دیوبند تشریف لے گئے اور درس نظامی کے متوسطات سے دورۂ حدیث تک تمام علوم وفنون کی کتابیں دارالعلوم ہی میں پڑھیں۔ ۱۳۳۵ھ میں دورۂ حدیث سے فارغ ہوئے۔ جن اساتذہ کی خدمت میں مختلف علوم پڑھے، ان کی تفصیل حسب ذیل ہے:

۱۔ فن حدیث وتفسیر کے اساتذہ: حضرت علامہ سید انور شاہ صاحب کشمیریؒ صدر المدرسین دارالعلوم دیوبند، حضرت میاں اصغر حسین صاحبؒ، حضرت مولانا مرتضیٰ حسن صاحبؒ، حضرت مولانا مفتی عزیز الرحمٰن صاحبؒ، حضرت علامہ شبیر احمد صاحب عثمانیؒ

۲۔ فقہ وادب کے اساتذہ: مولانا محمد اعزاز علی صاحبؒ، مولانا محمد ادریس صاحبؒ کاندھلوی

۳۔ منطق وفلسفہ کے اساتذہ: مولانا محمد رسول خان صاحبؒ، مولانا محمد ابراہیم صاحبؒ بلیاوی

سہ سالہ امتحانات کی تفصیل

حسن اتفاق سے مولانا انوار الحسن صاحب شیر کوٹی مؤلف ”انوار قاسمی“ کے پاس دارالعلوم دیوبند کی ۱۳۳۲ھ تا ۱۳۳۵ھ کی سالانہ روئیدادیں موجود ہیں۔ مولانا موصوف دارالعلوم میں حضرت اقدس کے ہم درس بھی رہے ہیں۔ ان روئیدادوں سے، جن میں سالانہ امتحانات کے نتائج بھی مندرج ہیں، یہ ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت اقدس نے ۱۳۳۲ھ

میں جلالین، ہدایہ اولین، سلّم العلوم، رشیدیہ اور مقاماتِ حریری کے امتحانات میں کامیابی حاصل کی تھی اور جلسہ تقسیم انعام میں آپ کو تین کتابیں: مرقاۃ، انوار الفطر اور ارشادِ مرشد بطورانعام دی گئی تھیں۔

۱۳۴۴ھ میں مشکوٰۃ شریف، نخبۃ الفکر، ہدایہ اخیرین، دیوان متنبّی، ملا حسن اور تحریر عربی کے امتحانات میں شامل ہوئے اور سب پرچوں میں نمایاں کامیابی حاصل کی اور مدرسہ کی طرف سے کتاب انوار احمدیہ آپ کو بطورانعام عطا کی گئی۔

۱۳۴۵ھ میں دورۂ حدیث شریف (صحاح ستہ وغیرہا) کل گیارہ کتابوں کے امتحانات میں شرکت فرمائی اور حسب ذیل نقشہ کے مطابق نمبر[۱] حاصل کر کے کامیاب ہوئے:

نمبر شمار	نام کتاب	حاصل کردہ نمبر
۱۔	مسلم شریف	۴۹
۲۔	ابوداؤد شریف	۴۹
۳۔	موطاامام محمد	۴۶
۴۔	بخاری شریف	۴۵
۵۔	نسائی شریف	۴۵

۱۔ واضح رہے کہ دارالعلوم دیوبند میں جہاں نظامِ تعلیم مثالی حیثیت رکھتا ہے، وہاں امتحانات کے پرچوں کے لیے نمبروں کا معیار بھی منفرد نوعیت کا حامل ہے۔ دارالعلوم میں ہر کتاب کا پرچہ مستقل طور پر الگ ہوتا ہے۔ ہر پرچہ میں مساوی نمبروں کے تین سوال دیے جاتے ہیں جن میں ہر ایک لازمی ہوتا ہے۔ کل نمبر ۵۰ ہوتے ہیں۔ درجہ سوم میں کامیابی کے لیے طالب علم کو کم از کم ۳۰ نمبر حاصل کرنا ضروری ہیں۔ درجہ دوم کے ۴۱ تا ۴۹ اور فرسٹ ڈویژن کے لیے ۵۰ نمبر درکار ہیں۔ اس کے بعد اگر طالب علم کا پرچہ غیر معمولی اور امتیازی شان رکھتا ہو تو ۵۱ سے ۵۴ تک امتیازی نمبر دیے جاتے ہیں۔ سنا ہے اب اس معمول میں کچھ تبدیلی کر دی گئی ہے۔

۶۔ طحاوی شریف ۳۵
۷۔ ابن ماجہ شریف ۳۵
۸۔ شمائل ترمذی شریف ۳۵
۹۔ موطا امام مالک ۳۵
۱۰۔ تفسیر بیضاوی شریف ۴۳
۱۱۔ ترمذی شریف ۴۰

دارالعلوم دیوبند کا ماحول

چار سال آپ نے دارالعلوم دیوبند میں گزارے۔ وہاں کا دینی ماحول عجیب شان کا حامل تھا۔ بلند پایہ اور بے لوث علماء طلبہ کی تعلیم وتربیت پر مامور تھے۔ ہر استاد علم وعمل کا جامع، اتباع سنت کا مرقع اور سادہ وپاکیزہ زندگی کا آئینہ دار تھا۔ یہاں طلبہ کو درس ومطالعہ اور تکرار اسباق سے سروکار تھا۔ دنیا کا کوئی فکر نہ تھا اور دنیوی تمام اندیشوں سے بے نیاز۔ معمول یہ تھا کہ صبح اٹھ کر فجر سے پہلے تہجد نوافل اور ذکر اور مطالعہ کتب، ساتھ ہی پچھلے سبق کا اعادہ اور اگلے اسباق کی تیاری، حاضری کا گھنٹہ بجتے ہی تمام اساتذہ وطلبہ درس وتدریس میں مصروف ہو جاتے۔ درسگاہ قال اللہ وقال الرسول کی صداؤں سے گونج اٹھتی تھی۔ اوقات تدریس روزانہ چار گھنٹے صبح اور دو گھنٹے ظہر کی نماز کے بعد تھے۔ مغرب کی نماز کے بعد طلبہ کی متفرق جماعتیں نو درہ یا دوسری درسگاہوں میں بیٹھ جاتیں۔ باری باری ہر طالب علم باقاعدہ استاد سبق کی تقریر دہراتا اور اس طرح جب تک اسباق کا اعادہ مکمل نہ ہو جاتا، اپنی جگہ سے نہ اٹھتے تھے۔

اسباق کے تکرار اور اعادہ سے فارغ ہو کر سب طلبہ اپنے اپنے حجروں میں چلے جاتے، شرکائے حجرہ ایک ہی چٹائی پر یا الگ الگ بیٹھ کر خاموشی سے ہر کتاب کے آئندہ سبق کا مطالعہ کرتے اور آخر اس میں رات کے بارہ بج جایا کرتے تھے۔

فرنگی کھیلوں کو اس ماحول میں پسند نہ کیا جاتا تھا۔ سینکڑوں میں بمشکل چند طلبہ ہوں گے جو عصر کے بعد تھوڑی دیر کے لیے سیر وتفریح کی غرض سے مدرسہ کے عقبی میدان میں

دوڑتے بھاگتے۔

دارالعلوم کا دائرۂ اہتمام

دارالعلوم کا نظامِ اہتمام و انصرام نہایت مقدس، مدبر اور آزمودہ کار بزرگوں کے ہاتھ میں تھا۔ صدر مہتمم حضرت مولانا حافظ محمد احمد رحمہ اللہ تعالیٰ تھے جو بانی دارالعلوم دیوبند حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ کے فرزند وحید اور علم و عمل میں نمونۂ اسلاف تھے۔ نائب مہتمم حضرت مولانا حبیب الرحمٰن عثمانی قدس سرہٗ تھے جو مولانا شبیر احمد عثمانیؒ کے برادر بزرگ اور مفتی عزیز الرحمٰنؒ کے برادر خورد تھے۔ آپ حضرت مولانا گنگوہیؒ کے فیض یافتہ تھے اور علمی و عملی اعتبار سے بڑی پاکیزہ اور بارُعب شخصیت کے مالک تھے۔ رعب و جلال کا یہ عالم تھا کہ اگر طلبہ و اساتذہ میں سے کوئی اثنائے راہ ان سے دوچار ہو جاتا تو سراپا ادب و احترام بن کر ان کے سامنے آنکھیں بچھا دیتا تھا، دارالعلوم میں ان حضرات کی زیارت دل و دماغ کے لیے موجب تسکین تھی۔ اساتذہ میں نائب شیخ الہندؒ امام الحدیث حضرت مولانا سیّد انور شاہ صاحب کشمیریؒ، حضرت مولانا میاں اصغر حسین صاحب، حضرت مولانا مفتی عزیز الرحمٰن صاحب، حضرت علامہ شبیر احمد عثمانیؒ، حضرت مولانا مرتضیٰ حسن صاحب چاند پوری، حضرت مولانا اعزاز علی صاحب امروہوی، حضرت مولانا عبدالسمیع صاحب، حضرت مولانا محمد نبیہ الحسن صاحب، حضرت مولانا محمد ابراہیم صاحب بلیاوی، حضرت مولانا رسول خان صاحب ہزاروی اور حضرت مولانا سراج احمد صاحب رشیدی رحمۃ اللہ علیہم اجمعین منتخب روزگار اور خلاصۂ عالم تھے۔ یہ اکابر علم و عمل کے وہ درخشندہ ستارے تھے کہ جن کی نظیر چشمِ فلک شاید پھر کبھی نہ دیکھ سکے۔

مقامِ اساتذہ

حضراتِ اساتذۂ کرام نہ صرف یہ کہ اپنے اپنے ذوقِ خاص کے مطابق حدیث، تفسیر، علم کلام، فقہ، ادب، منطق، فلسفہ، صرف و نحو، معانی بیان، افتاء اور مناظرہ وغیرہ علوم و فنون میں یکتائے روزگار تھے بلکہ حقائق و اسرار، معارف لدنیہ، حکمت ربانیہ اور باطنی کمالات سے مالا مال تھے۔ ظواہر شریعت پر اس درجہ کاربند تھے کہ صاحب نسبت شخص ہی

ان کے روحانی مقام کا اندازہ کرسکتا تھا۔ متعدد اساتذہ کو یونیورسٹیوں اور کالجوں سے گراں قدر مشاہرت پر بلایا گیا مگر انہوں نے دارالعلوم کے ساٹھ ستر روپے کے مشاہرے کو کالجوں کے ہزاروں پر ترجیح دی۔

سلوک کی ابتدا

حضرتِ اقدس رحمہ اللہ تعالیٰ نے دارالعلوم دیوبند میں طالب علمی کے زمانے میں حضرت مولانا مفتی عزیز الرحمٰن نقشبندی مجددی رحمہ اللہ تعالیٰ سے طریقۂ نقشبندیہ میں بیعت کا شرف حاصل کرلیا تھا۔ دارالعلوم میں اکثر طلبہ نمازِ عصر کے بعد روحانی سکون اور باطنی اطمینان کے لیے حضرت علامہ سیّد انور شاہ صاحب کشمیریؒ اور مولانا میاں اصغر حسین صاحبؒ کی پاکیزہ مجالس میں شریک ہوا کرتے تھے۔ ان میں سے بعض طلبہ حضرت مفتی عزیز الرحمٰن قدس سرہٗ کی صحبت میں بھی حاضر ہوتے تھے۔ انہی میں حضرت سیّدنا و مولانا محمد عبداللہ قدس سرہٗ تھے۔

حضرت اقدسؒ نے راقم الحروف سے بیان فرمایا کہ میں وقتاً فوقتاً ان بزرگوں کی صحبت میں عصر کے بعد حاضر ہوا کرتا تھا۔ رفتہ رفتہ حضرت مفتی عزیز الرحمٰن رحمہ اللہ کی طرف روحانی کشش پیدا ہوئی اور ان سے بیعت کی درخواست کی۔ حضرت مفتی صاحب نے پہلے تو میرے طالب علم ہونے کی بنا پر بیعت کرنے میں تامل کیا، مگر کئی بار عرض کرنے کے بعد بالآخر طریقہ نقشبندیہ مجددیہ میں داخل کرلیا۔ اور یہ ارشاد فرمایا کہ کوئی ایک نماز اس چھوٹی مسجد میں پڑھ لیا کرو۔ حضرت فرماتے تھے کہ بیعت کے بعد پانچوں وقت اسی مسجد[1] میں نماز پڑھنا میرا معمول بن گیا تھا۔ اور حضرت مفتی صاحب نے نسبت مجددیہ کی جس لذت سے قلب و روح کو آشنا کیا تھا، وہی بالآخر مجھے اعلیٰ حضرت قیوم زماں قدس سرہٗ کی خدمت میں

۱۔ مسجد چھتہ سے محلہ شاہ رمز الدین کی طرف جاتے ہوئے تھوڑے سے فاصلے پر یہ مسجد واقع ہے۔ اس کی تعمیر خود مفتی صاحب رحمہ اللہ نے کرائی تھی۔ چند کمرے طلبہ و متوسلین کے لیے وقف تھے۔ آپ پنجگانہ نمازیں یہیں ادا فرمایا کرتے تھے اور متوسلین کی روحانی تربیت کا مرکز بھی یہی مسجد تھی۔

خانقاہ سراجیہ کشاں کشاں لے آئی۔

خانقاہ سراجیہ میں حاضری

ماہِ شعبان ۱۳۴۵ھ میں آپ نے دارالعلوم دیوبند سے فارغ التحصیل ہو کر اپنے وطن مراجعت فرمائی۔ اکتسابِ علم سے فراغت کے بعد شادی کا مرحلہ پیش آ گیا۔ چنانچہ اہل و عیال اور والدین بزرگوار کے لیے کسبِ معاش کا خیال دامن گیر ہونا لازمی تھا۔ دیہات میں اہلِ علم کے لیے مسجد کی امامت و خطابت یا دینی مدارس میں بچوں کی ابتدائی تعلیم کے سوا اور کوئی مشغلہ ممکن نہ تھا۔ اور اس کام کے لیے آپ اپنے خاندان کی افتادِ طبع کے باعث خود کو آمادہ نہ پاتے تھے۔ دارالعلوم دیوبند ہی میں آپ کو رفیقِ درس حضرت مولانا سید مغیث الدین شاہ صاحب سے، جو اعلیٰ حضرت بانیٔ خانقاہ سراجیہ کے متوسل تھے، یہ معلوم ہو چکا تھا کہ سرگودھا میں مولانا حکیم عبدالرسول صاحب کلاں مطب بھی کرتے ہیں اور طب کا درس بھی دیتے ہیں۔ فنِ طب میں علمی، عملی اور تدریسی لحاظ سے امامِ فن کا مقام رکھتے ہیں، اس لیے اس وقت سے آپ نے زندگی کے مستقبل کا لائحۂ عمل یہ سوچ رکھا تھا کہ اس فن شریف کو حاصل کر کے اسے خدمتِ خلق کے ساتھ معاشی زندگی کا وسیلہ بنانا مناسب ہوگا۔

اس بنا پر آپ فنِ طب کی تحصیل کے لیے حکیم صاحب موصوف کی خدمت میں سرگودھا تشریف لے گئے۔ انہوں نے آپ کو فن کا طالب صادق پا کر طب کا درس دینا شروع کر دیا۔ حکیم صاحب ممدوح اعلیٰ حضرت قدس سرہٗ کے حلقۂ ارادت میں بھی شامل تھے اور طریقت میں ان کی طرف سے مجاز تھے۔

حسنِ اتفاق کہ اعلیٰ حضرت حکیم صاحب کے ہاں سرگودھا تشریف لے آئے اور اُن کے حلقۂ درس میں ایک صالح نوجوان کو دیکھ کر حکیم صاحب سے ان کے بارے میں دریافت فرمایا۔ حکیم صاحب نے عرض کیا کہ ان کا نام مولوی عبداللہ ہے۔ دارالعلوم دیوبند کے فارغ التحصیل ہیں۔ اب فنِ طب حاصل کرنے کے لیے میرے پاس آئے ہیں۔ اعلیٰ حضرت نے یہ سن کر از راہِ کشف فرمایا کہ یہ طبیب بنتے تو نظر نہیں آتے۔ البتہ آپ پڑھاتے رہیں، تا کہ ان کا شوق پورا ہو جائے۔

حضرتِ اقدس کو حضرت مفتی عزیز الرحمٰن رحمہ اللہ کے فیضِ صحبت سے طریقۂ نقشبندیہ کی نسبت نصیب ہو چکی تھی اور اب اعلیٰ حضرت کی صحبت میں جو باطنی کیفیات و واردات کا بے پایاں ادراک ہوا تو وہیں اعلیٰ حضرت سے تجدید بیعت فرمائی۔ بروایتِ دیگر بیعتِ ثانیہ کا واقعہ اس طرح ہے کہ آپ اعلیٰ حضرت قدس سرہٗ سے حکیم عبدالرسول صاحب کے نام ایک سفارشی تحریر لینے کے لیے خانقاہ سراجیہ تشریف لائے۔ چنانچہ آپ نے سفارشی تحریر مرحمت فرما دی۔ جب حضرت اقدس حکیم صاحب کے پاس سرگودھا تشریف لے گئے تو حکیم صاحب نے اعلیٰ حضرت کی تحریر کو سرآنکھوں پر رکھا اور خصوصی توجہ کے ساتھ تعلیم طب کا سلسلہ شروع کر دیا۔ لیکن صحبت کے ان چند لمحات میں، جو سفارشی خط حاصل کرنے کے لیے اعلیٰ حضرت کی خدمت میں گزرے، آپ کو عجیب و غریب کیفیات کا ادراک ہوا۔ آپ نے شیخ اوّل حضرت مفتی صاحبؒ کو دیوبند خط لکھا، جس میں اعلیٰ حضرت کا تذکرہ، آن کی خدمت میں حاضری اور ادراکِ فیض کا ذکر کیا۔ مفتی صاحبؒ نے اس کے جواب میں تحریر فرمایا کہ آپ کو بزرگ موصوف سے مناسبت معلوم ہوتی ہے اس لیے میری طرف سے اجازت ہے کہ آپ ان کے حلقۂ ارادت میں شامل ہو جائیں۔ قریب ہونے کے لحاظ سے بھی ان کی صحبت میں حاضری آسان ہوگی اور اس سلسلۂ پاک میں مدارِ فیض صحبتِ شیخ پر ہے۔

اس کے بعد اعلیٰ حضرت حکیم صاحب کے پاس سرگودھا تشریف لائے تو حکیم صاحب سے ان کا ذوق و شوق پورا کرنے اور تعلیم طب جاری رکھنے کے لیے فرمایا۔ اس دوسری صحبت میں حضرتِ اقدس کو مزید واردات و کیفیات کا احساس ہوا۔ اب آپ نے بیعت کے لیے درخواست کی۔ حضرت اعلیٰ نے کشفاً فرمایا، ''آپ پہلے ہی سلسلۂ نقشبندیہ سے منسلک ہیں، اجازتِ شیخ کے بغیر بیعتِ ثانی مناسب نہیں۔''

حضرتِ اقدس نے جناب مفتی صاحبؒ کا اجازت نامہ آپ کے سامنے پیش کر دیا۔

اعلیٰ حضرت نے اس کے بعد آپ کو اپنے حلقۂ ارادت میں شامل کر لیا اور حکیم صاحب کو مزید ہدایت فرمائی کہ انہیں طبّی کورس پر جلد عبور کرا دیں۔

حضرت اقدس اپنے باطنی احوال و واردات کے سلسلے میں اعلیٰ حضرت کو خطوط لکھتے رہتے تھے اور گاہے گاہے حاضر بھی ہوا کرتے تھے۔ ایک دفعہ حکیم صاحب کے ساتھ اعلیٰ حضرت کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ اعلیٰ حضرت نے حکیم صاحب کو ارشاد فرمایا کہ آپ اپنی حکمت انہیں جلد پڑھا دیں کیونکہ اس کے بعد مجھے اپنی حکمت بھی پڑھانی ہے۔ اور یہ شعر پڑھا:

چند خوانی حکمتِ یونانیاں
حکمتِ ایمانیاں را ہم بخواں

حضرت اقدس فرمایا کرتے تھے کہ اعلیٰ حضرت کی زبانِ مبارک سے یہ شعر سن کر میرا دل فنِ طب کی تعلیم سے یکسر سرد ہو گیا۔ غرض آپ اس وقت حکیم صاحب کے ساتھ سرگودھا واپس تشریف لے گئے۔ وہاں پہنچ کر اپنے باطنی احوال و کوائف سے حضرت اعلیٰ کو مطلع کیا تو اعلیٰ حضرت نے آپ کی قوتِ استعداد اور سرعتِ سیر کو دیکھتے ہوئے حکیم صاحب کو لکھ بھیجا کہ مولوی عبداللہ صاحب کی تعلیم طب جہاں تک ہو چکی ہے، کافی ہے۔ اب آپ انہیں خانقاہ شریف بھیج دیں۔ ادھر آپ کا دل بھی طبِ یونانی سے سرد اور حکمتِ ایمانی کی طلب سے سرگرم ہو چکا تھا۔ چنانچہ آپ برضا و رغبت تعلیم طب کا سلسلہ ملتوی کر کے اعلیٰ حضرت کی خدمت میں خانقاہ شریف حاضر ہو گئے اور حاضر بھی ایسے ہوئے کہ بس یہیں کے ہو رہے۔ پھر اس حاضری کی برکت سے وہ سعادتِ لازوال حاصل کی جو روزِ ازل سے آپ کا مقدر تھی۔ پوری زندگی آستانۂ شیخ کی خدمت کے لیے وقف کر دی اور اسی خاکِ پاک میں آخری آرام گاہ پائی:

ایں سعادت بزورِ بازو نیست
تا نہ بخشد خدائے بخشندہ

ذٰلِکَ فَضْلُ اللّٰهِ یُؤْتِیْهِ مَنْ یَّشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِیْمِ۔

مدتِ قیام و درویشی

غرض چودہ پندرہ سال اعلیٰ حضرت کی خدمتِ اقدس میں گزارے، سفر و حضر میں

ساتھ رہے اور تحصیلِ کمالاتِ باطنی کے بعد مجازِ طریقت ہوئے، بلکہ وصیت نامہ کے مطابق، جس کا ذکر اعلیٰ حضرت قدس سرہٗ کے حالات میں گزر چکا ہے، آپ کے جانشین نامزد ہوگئے۔ شیخ کی ذات میں ایسے فنا ہوئے کہ اس طویل مدت میں ایک دو بار ہی اپنے وطن سلیم پور، لدھیانہ، والدین اور اہل وعیال سے ملنے کے لیے گئے ہوں گے۔

تعلق حجاب است و بے حاصلی
چو پیوندہا بگسلی، واصلی

یہ نشۂ عرفان جس نے آپ کو اپنے وجود اور ذاتی روابط سے ناآشنا اور بے تعلق بنا دیا تھا، بھلا کب اپنے تقاضوں کی تکمیل سے پہلے یہ اجازت دے سکتا تھا کہ آپ غیر کی طرف متوجہ ہوں۔ شروع میں آپ کے والد، جد اور دیگر اقربا جو تکمیلِ تعلیم کے بعد تحصیلِ معاش میں آپ کی معاونت کے منتظر تھے، آپ کا یہ رنگ دیکھ کر مایوس، بلکہ کسی حد تک آپ سے شاکی تھے لیکن جب تھوڑے عرصے بعد اس دولتِ خداداد کی عظمت سے آگاہ ہوئے جس کے آگے ہفت اقلیم کی شہنشاہی بھی ہیچ ہے تو بیحد خوش اور مسرت اندوز ہوئے۔ چنانچہ وہ آپ کے وجودِ گرامی کو اپنے خاندان کے لیے باعثِ ہزار افتخار جانتے ہوئے مسرور و شکر گزار ہوئے۔

نہ پوچھ ان خرقہ پوشوں کی ارادت ہو تو دیکھ ان کو
ید بیضا لیے بیٹھے ہیں اپنی آستینوں میں

منصبِ شیخی

اعلیٰ حضرت قدس سرہٗ نے آپ کو اپنی حیاتِ مبارکہ ہی میں جانشین نامزد فرمایا تھا، باوجودیکہ آپ کے تین صاحبزادوں میں سے صاحبزادہ محمد معصوم موجود تھے۔ لیکن یہ امانتِ الٰہیہ وراثت کی بجائے اہلیت کی متقاضی تھی، اس لیے وَاَنْ تُؤَدُّوا الْاَمٰنٰتِ اِلٰٓى اَهْلِهَا کے مطابق آپ نے اپنے وارثِ نسبی کے بجائے فرزندِ روحانی کو اس منصب سے سرفراز فرمایا اور خانقاہ شریف کا انتظام وانصرام آپ کے حوالے کر دینے کی وصیت فرمائی۔ اپنے سامنے ہی امامتِ نماز، ذکر وختم کے جملہ امور اور دیگر اشغالِ طریقت وروحانی تربیت بھی

آپ کے سپرد کر دی تھی۔ جب بتقدیرِ الٰہی ۱۲؍صفر ۱۳۹۰ھ کو اعلیٰ حضرت قدس سرہٗ کی وفات حسرت آیات کا سانحۂ جاں گداز پیش آیا اس وقت حضرتِ اقدس ہی اعلیٰ حضرت کے جسدِ مبارک کو کانپور سے خانقاہ شریف لائے۔ آپ کی اقتداء میں جمِ غفیر نے نمازِ جنازہ ادا کی۔ آپ نے بصد حسرت و یاس جان سے عزیز تر شیخ کو مشیتِ الٰہی پر راضی رہتے ہوئے، آغوشِ لحد میں رکھا۔ پوششِ قبر مبارک سے پہلے حضرت مولانا ظہور احمد صاحب بگوی امیر حزب الانصار، بھیرہ نے، جو اعلیٰ حضرت کے مخلص خادم تھے، تمام حاضرین کو بآوازِ بلند اعلیٰ حضرت قدس سرہٗ کا وصیت نامہ پڑھ کر سنایا۔ چنانچہ حضرت اقدس کے دستِ مبارک پر تمام برادرانِ طریقت نے تجدید بیعت کر لی۔ اس کے بعد قبر کی پوشش کا کام سرانجام پایا۔ الحمدللہ کہ طالبانِ طریقت میں سے جو حضرات شریک جنازہ تھے، کسی کو کوئی تردّد لاحق نہ ہوا، سب نے بطیبِ خاطر اعلیٰ حضرت کی وصیت پر عمل کیا اور اللہ رب العزت نے طالبانِ حق کو اعلیٰ حضرت کے وصال کے بعد حضرت ثانیؒ کی بدولت پھر باطنی سکون اور جمعیتِ خاطر سے نوازا۔

صبر و استقامت

حضرت اقدس رحمہ اللہ صبر و استقامت کے کوہ گراں تھے، جس سے حادثاتِ روزگار ٹکرا کر خود بخود پاش پاش ہو جاتے تھے۔ ہر چند کہ اس راہ میں دشواریاں پیش آئیں مگر آپ نے پورے حلم و وقار اور صبر و استقامت کا ثبوت دیتے ہوئے شانِ نیابت کو برقرار رکھا اور پائے ثبات میں ادنیٰ سی لغزش بھی پیدا نہ ہونے دی۔ وصیت شیخ علیہ الرحمہ کے ایک ایک حرف کو صبر آزما حالات میں بھی کمال ہمت کے ساتھ پورا کیا۔

ایک لطیف اور عبرت انگیز اشارہ

شوال ۱۳۷۴ھ میں حضرتِ اقدس مانسہرہ تشریف لے گئے تھے۔ راقم الحروف بھی حاضر تھا۔ اتفاق سے خلوت میسر تھی۔ خادم و مخدوم کے علاوہ کوئی تیسرا فرد موجود نہ تھا۔ نہ معلوم اس وقت حضرت اقدس کی لوحِ خیال پر کن صبر آزما حوادث کا نقشہ ابھر آیا کہ اچانک فرمانے لگے کہ بعض اوقات جی تو یہ چاہتا ہے کہ کہیں نکل چلیں، لیکن پھر خیال آتا کہ "ہاں

کہہ بیٹھے ہیں۔"[1]

ادائے فرضِ منصبی

اس منصب عالی کا تقاضا تھا کہ آپ کسی حال میں بھی طالبانِ حق کی رہنمائی کے اہم فریضے سے صرفِ نظر نہ فرمائیں۔ چنانچہ حضرتِ اقدس نے اپنے دل و دماغ کو ہر قسم کے تردد و انتشار سے فارغ کر کے پوری توجہ طلبگارانِ معرفت کی تربیت و تلقین اور ان کے دلوں میں القائے سکینت کی طرف مرکوز رکھی۔ حق تعالیٰ نے آپ کو توجہ کی بے پناہ قوت سے نوازا تھا۔ جس طالب حق پر ایک ادنیٰ سی توجہ فرما دی، اس کے قلب و روح کو عرفانِ حق کے کیف و سرور سے معمور کر دیا۔ ہوش مندانِ جہاں کو اگرچہ ظاہری ہوش اور شعور سے بیگانہ بنایا لیکن انہیں وہ سرمدی سرور آگاہی بخشا جو ماسوا اللہ کی دراندازی سے زائل نہ ہو سکتا تھا۔ جامِ شریعت اور سندانِ عشق کو ایسے دل آویز انداز سے یک رنگ کر دیا کہ شعرِ سعدی گویا آپ کے حال کا ترجمانِ صادق بن گیا:

بر کفے جامِ شریعت، بر کفے سندانِ عشق
ہر ہوسناکے نداند جام و سندان باختن

منصب شیخی کوئی پھولوں کی سیج نہیں، بلکہ یہ تخت تو کیلے کانٹوں کا ایک تاج ہے جو اُسی فردِ یگانہ کے سر پر سجتا ہے جس نے طلب حق کی راہ میں بے شمار نشیب و فراز اور دشوار گزار گھاٹیوں سے اَٹی ہوئی خار دار وادیوں کو زہد و توکل اور ثبات و استقامت سے طے کیا ہو۔ خصوصاً اُس وقت جبکہ ایک نامور اور جلیل القدر شیخ نے اپنی مسندِ عرفان کی عزت و حرمت کے لیے اسے اپنا جانشین بھی مقرر کر دیا ہو۔ ہر کس و ناکس اس امر کی اہمیت کا اندازہ نہیں لگا سکتا۔ ظاہر پرست لوگ جنہوں نے سجادہ نشینوں کے اوضاع و اطوار دیکھے ہیں وہ تو یہی سمجھیں گے کہ سجادہ نشینی عیش و تنعم کے حصول کا ذریعہ ہیں۔ انہیں کیا معلوم کہ کاملانِ طریقت کی نظر میں کسی متمول شخصیت کو اپنے حلقۂ اثر میں لانے کا خیال بھی کفر کے مترادف ہے۔ یہ حضرات زر کش نہیں ہوتے بلکہ زر پاش و زر بخش ہوتے ہیں۔ امام ربانی حضرت

---

[1] یہ فرائضِ نیابت اور حقوق طریقت کی ادائیگی کی طرف اشارہ ہے۔

مجدد الف ثانیؒ کے فرمان ''روز نو روزی نو'' کے مطابق ان حضرات کا ہر آنے والا دن نئی روزی لے کر آتا ہے۔ رازقِ ازل خزانہ غیب سے جو کچھ دن میں ان کے پاس بھیجتا ہے وہ رات سے پہلے ان کے ہاتھ سے نکل کر اہلِ حقوق کے مصرف میں خرچ ہو جاتا ہے۔ افسوس کہ رسم پرستوں کے اطوار نے پاکبازانِ طریقت کی آبرو کو بھی داغدار کر دیا۔ بقول غالب:

ہر بوالہوس نے حسن پرستی شعار کی
اب آبروئے شیوۂ اہلِ نظر گئی

حضرت اقدس کی پاکیزہ زندگی کو ہر پہلو سے دیکھنے والے ہزاروں شاہد عدل موجود ہیں کہ آپ نے جس زہد و اتقا اور بے نفسی و بے لوثی کے ساتھ اپنی عمر عزیز کے چودہ پندرہ برس عالم درویشی میں اور قریباً اتنے ہی سال بحالت سجادہ نشینی میں گزارے ہیں، اس کی نظیر قرونِ اولیٰ میں تو بآسانی نظر آ سکتی ہے لیکن موجودہ عہد میں فقر و درویشی کی تاریخ شاید ہی اس کی کوئی مثال پیش کر سکے۔

نیابتِ قیومِ زمانی

حضرت اقدس، اعلیٰ حضرت کی وصیت و ہدایت کے تحت ان کے جانشین بنے تھے۔ ورنہ اس سے پہلے کبھی اس منصب کی طلب و آرزو کا گزر بھی ان کے حاشیۂ خیال میں نہ ہوا تھا۔ یہ ایک اہم ذمہ داری تھی جو اعلیٰ حضرت نے بالہامِ ربانی آپ کو سونپی تھی۔ اس راہ میں پیش آنے والی دشواریوں کو آپ بخوبی جانتے تھے لیکن اپنے شیخ مربی کے امر کا احترام تھا کہ آپ نے ساری زندگی طریقہ پاک کی ترویج و اشاعت میں صرف کر دی۔ آپ حضرت اعلیٰ کے خلیفۂ اعظم تھے۔ اس منصبِ جلیل کا تقاضا بھی یہی تھا کہ آپ اپنی اور اہل و عیال کی آسائشوں کو نظر انداز کرتے ہوئے آستانۂ شیخ کی عزت و حرمت کو حضرت شیخ ہی کے اُسلوب و انداز پر برقرار رکھیں۔ چنانچہ آپ نے طریقۂ پاک کی خدمت کو اپنا اصل اصول قرار دیا۔ یہی وصیتِ شیخ کا مقتضا اور نیابتِ قیومِ زماں کا منشا تھا۔ آپ نے دیگر امور سے صرفِ نظر فرما کر اسی کو اپنا نصب العین بنایا۔ حضرت شیخ علیہ الرحمہ کی وفات کے بعد جن سالکانِ طریقت کے قلوب افسردہ، چہرے پژمردہ اور حوصلے پست ہوتے نظر آئے اُن کے

دلوں کو تازگی، چہروں کو شگفتگی اور حوصلوں کو بلندی عطا کی۔ ہر طرح سے ان کی دلجوئی کی اور منازل سلوک طے کرانے میں اپنی پوری روحانی قوت اور قلبی توانائی کو بروئے کار لائے۔

مولانا سید جمیل الدین احمد صاحب ؓ کا بیان ہے کہ اعلیٰ حضرت قدس سرہٗ کی وفات کے بعد میں بہت شکستہ خاطر تھا۔ اپنے اندر تجدید بیعت کی ہمت نہ پاتا تھا، بلکہ کبھی کبھی یہ خیال بھی آتا کہ اب سلوک چشتیہ صابریہ کے اذواق والوان سے تسکین خاطر کا سامان فراہم کیا جائے۔ اس قسم کے عجیب وغریب تردد وانتشار کا عالم تھا کہ میں نے حضرت اقدس کی خدمت میں اعلیٰ حضرت کی جدائی کے صدمے اور باطنی پریشانی کا اظہار کرتے ہوئے ایک عریضہ لکھا جس کے جواب میں حضرت اقدس نے تحریر فرمایا کہ بے شک حضرت شیخ علیہ الرحمہ کی جدائی ایک عظیم سانحہ ہے جو سالکانِ طریقت کے لیے سخت رنج والم اور پریشانی کا موجب ہے۔ لیکن واضح رہے کہ اعلیٰ حضرت ایسے مضبوط اور قوی ہاتھ میں معاملہ سونپ گئے ہیں کہ جس کے ہوتے ہوئے انشاء اللہ برادرانِ طریقت کے لیے واماندگی کا کوئی اندیشہ نہیں۔ حضرت اقدس کی اس حوصلہ افزائی اور دل دہی سے متاثر ہو کر میں نے آپ کے ہاتھ پر تجدید بیعت کر لی اور بحمدہٖ تعالیٰ اپنے وہم وگمان سے بڑھ کر آپ کی کرم فرمائیوں کے ثمرات ونتائج سے بہرہ یاب ہوا۔ فالحمد للہ علیٰ ذالک۔

نیز مولانا موصوف کا بیان ہے کہ جب میں تجدید بیعت کے لیے حاضر ہوا تو سابقہ بے تکلفی سے عرض کیا کہ تجدید کا ارادہ تو کر لیا ہے مگر آپ کے جلال سے ڈر لگتا ہے کہ سابقہ بے تکلفانہ انداز کا عادی ہونے کی وجہ سے اگر آدابِ شیخ کی بجاآوری میں کوئی فروگذاشت ہوگئی تو جو کچھ اعلیٰ حضرت دے گئے ہیں، کہیں وہ بھی نہ چھن جائے۔ یہ سن کر حضرت اقدس مسکرائے اور شفقت وعنایت سے مجھے آغوش میں کھینچ لیا۔ بعد ازاں فرمایا، اس کا کچھ خیال نہ کریں، آپ سے جو راہ ورسم ہے وہ انشاء اللہ برقرار رہے گی۔

ا۔ مولانا موصوف دار العلوم دیوبند میں حضرت اقدس کے ہم درس تھے۔ ہم عصر اور ہم پیری کے باعث آپ سے بہت بے تکلف تھے۔ اسی بنا پر حضرت اقدس بھی مولانا سے خاص شفقت ومروت کا سلوک فرمایا کرتے تھے۔

مولانا عبدالخالق پر شفقت وعنایت

حضرت مولانا عبدالخالق رحمہ اللہ بانی ومہتمم مدرسہ عربیہ کبیر والا اس زمانے میں دارالعلوم دیوبند میں مدرّس تھے اور اعلیٰ حضرت قدس سرہٗ سے سلوک طے کر رہے تھے کہ رحلتِ شیخ کا سانحہ پیش آ گیا، سخت حیرانی وسرگردانی لاحق ہوئی۔ رہنما سے اثنائے سفر بچھڑ گئے۔ حضرت اقدس کی جانشینی کا علم ہوا تو سابقہ روابط کے پیش نظر آپ سے امید نوازش بندھی مگر اظہار مدعا کی جرأت اپنے قلم وزبان میں نہ پا کر حضرت علامہ شبیر احمد عثمانیؒ سے سفارش نامہ لکھا کر ارسال کیا اور تجدیدِ بیعت کی درخواست کی۔ سفارش نامہ کی عبارت درج ذیل ہے:

کرمفرمائے محترم جناب مولانا عبداللہ صاحب دامت معالیہم

بعد سلام مسنون آنکہ الحمدللہ مجھے اب بہت کچھ صحت ہے۔ کچھ خفیف سا بقیہ مرض ہے، انشاء اللہ وہ بھی زائل ہو جائے گا۔ بہرحال دعا کا طالب ہوں۔ عریضہ ہٰذا لکھنے کی ضرورت یہ ہے کہ حق تعالیٰ شانہٗ نے اپنے فضل ورحمت سے آپ کو اپنے مقامِ قرب سے نوازا اور اپنے شیخ علیہ الرحمہ کے اختصاصِ فیوض سے بہرہ یاب کیا۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت شیخ علیہ الرحمہ کے بعد اُن کے متوسلین کے قلوب آپ پر مجتمع ہو گئے۔ حق تعالیٰ کے اس احسانِ عظیم کا شکریہ ادا کیجیے، آپ بھی تابحدِ امکان دوسروں کو سیراب کرنے کی سعی سے دریغ نہ فرمائیں۔ حاملِ عریضہ مولانا عبدالخالق صاحب مدرّس دارالعلوم بحمدللہ حضرت شیخ سے مستفیض ہو چکے ہیں لیکن باطنی تشنگی دور ہونے سے پہلے شیخؒ کی وفات نے تشنگی پیدا کر دی۔ اب جو کچھ امیدیں ہیں آپ سے وابستہ ہیں۔ گو اس معاملہ میں سفارش کی ضرورت نہیں۔ مولانا کو آپ سے خاص عقیدت اور تعلق ہے مگر اُن کے حوال پر نظر کرتے ہوئے اپنے دیرینہ تعلقات نے مجبور کیا کہ میں بھی سفارش[1] کر کے مستوجب اجر ہوں۔ مجھے

۱۔ یہ مکتوب پروفیسر مولانا محمد انوار الحسن صاحب شیرکوٹی نے حضرت اقدس رحمہ اللہ سے حاصل کیا تھا اور اب انہی کے پاس ہے۔ علامہ عثمانی کا مجموعہ مکتوبات جو موصوف نے "انوار عثمانی" کے نام سے شائع کیا ہے، اس کے صفحہ ۱۲۹، ۱۳۰ پر یہ مکتوب درج ہے۔

امید ہے کہ میرے معروضہ پر خیال فرما کر موصوف کی طرف خصوصی توجہ اور ہمت مبذول فرمائیں گے۔ اس صورت میں بندہ بھی دال علی الخیر اور ساعی فی الحسنۃ کے ثواب حاصل کرنے کا امیدوار ہے۔ والسلام

شبیر احمد عثمانی

از دیوبند

۶ر ذی الحجہ ۱۳۶۳ھ

حضرت علامہ ممدوح حضرت اقدس رحمہ اللہ کے استاذِ حدیث تھے، اس لیے عرضداشت اور سفارش نامہ کو ملاحظہ فرما کر حضرت اقدس نے مولانا موصوف پر وہ شفقت و عنایت فرمائی کہ چند سال ہی میں سلوکِ نقشبندیہ طے کروا دیا اور حج کے موقع پر حرم شریف میں طریقہ پاک کی اجازت سے نوازا۔ حقیقت یہ ہے کہ مولانا موصوف نے وہ اندازِ طلب اختیار کیا جس نے شیخ کو عنایت توجہ اور کرم گستری پر آمادہ کر دیا۔ پھر ادھر سے صداقت طلب تھی اور اُدھر سے کثرتِ نوال و عطا۔ چنانچہ تھوڑے ہی عرصے میں منزلِ مقصود کو جا لیا۔ سچ ہے:

جو مانگنے کا طریقہ ہے اس طرح مانگو
درِ کریم سے بندے کو کیا نہیں ملتا

کتب خانہ کی توسیع

اعلیٰ حضرت قدس سرہٗ نے از روئے وصیت نامہ آپ کو کتب خانہ کی حفاظت اور اس کی ترقی و توسیع کا کام بھی سونپ دیا تھا۔ چنانچہ آپ نے اسلاف کے ان جواہر پاروں کی ہمیشہ حفاظت کی اور اس ذخیرہ میں قابلِ قدر اضافہ کی طرف اپنی توجہ مبذول رکھی۔ حج پر تشریف لے گئے تو مدینہ منورہ کے کتب خانہ سے تصوف کی ایک نایاب قلمی کتاب "تحقیقات" کی نقل ۷۰۰ ریال دے کر حاصل کی۔ اس کے علاوہ تفسیر و حدیث کی متعدد کتابیں خرید کر انہیں خانقاہ شریف کے کتب خانے کی زینت بنایا۔ حج سے واپسی کے وقت جب کسٹم آفس کراچی پر سامان چیک کیا جا رہا تھا تو کسٹم آفیسر نے پوچھا، آپ کے ساتھ سونا

صحن پر مشتمل صرف ایک رہائشی مکان تعمیر کرایا جس میں آپ بمشکل سال بھر اہل وعیال کے ساتھ مقیم رہے۔ ذخیرۂ کتب میں اضافے کے پیش نظر ایک وسیع عمارت کتب خانہ کے لیے مسجد کی شرقی جانب تعمیر کرانے کا خیال ظاہر فرمایا کرتے تھے لیکن اس کے معرض وجود میں آنے سے پہلے ہی آپ رفیق اعلیٰ سے واصل ہوگئے۔

درج ذیل روایات حضرت جناب قاضی شمس الدین صاحب مدظلہٗ سے منقول ہیں:

عنایت خصوصی

قاضی صاحب کا بیان ہے کہ شروع شروع میں جب خانقاہ شریف حاضر ہوا تو حضرت اقدس مجھے اپنے ساتھ چائے پلایا کرتے تھے۔ ایک دو روز بعد قاضی صاحب موصوف کو یہ خیال آیا کہ لنگر شریف سے چائے حضرت اقدس کے حصے کی آتی ہے اور حضور ازراہ مروّت واخلاق مجھے بھی اس میں شریک کر لیتے ہیں۔ چنانچہ اس بنا پر ایک مرتبہ چائے کے وقت میں مسجد کی جنوبی سمت چلا گیا۔ چائے پیش کی گئی تو حضرت نے مجھے بلوایا۔ میں کمرے میں موجود نہ تھا۔ آپ نے میاں گل محمد مخدوم عرف گلایا سے فرمایا کہ قاضی صاحب کو ڈھونڈ کر لاؤ۔ جب میں حاضر ہوا تو حضرت نے ارشاد فرمایا کہ قاضی صاحب آپ چائے میرے ساتھ پیا کریں۔ یہ واقعہ پہلی حاضری کا ہے، اس کے دو روز بعد شرف بیعت حاصل ہو گیا۔

فقیر نہ بیعت کے ارادے سے آیا تھا اور نہ زیادہ ٹھہرنے کا خیال تھا۔ اب بیعت کے بعد جب بھی جانے کا ارادہ کرتا تو یہ خیال آتا کہ نہ معلوم پھر حاضری کب نصیب ہو، لہٰذا دو چار روز اور ٹھہرنا چاہیے، یہاں تک کہ ماہ ذی الحجہ کی ۷ رتاریخ آگئی۔ اب بتقریب عید گھر جانے کا ارادہ کر لیا۔ اجازت لینے کے لیے حاضر خدمت ہوا تو حضرت اقدس نے فرمایا، پھر کب آؤ گے؟ جا کر ہمیں بھول تو نہ جاؤ گے؟! اس خاص توجہ اور ارشاد گرامی کا اثر یہ ہوا کہ اگرچہ اس وقت چلا گیا مگر عید سے فارغ ہوتے ہی ۱۳ رذی الحجہ کو روانہ ہو کر ۱۳ رذی الحجہ ۱۳۶۰ھ کو پھر خانقاہ شریف حاضر ہو گیا۔ زیارت سے مشرف ہوا۔ حضرت اقدس بہت خوش ہوئے۔ اس مرتبہ مجھے حجرہ شریف سے متصل ایک کمرے میں ٹھہرایا گیا، جس کی وجہ سے ہر وقت حضوری کے ساتھ خدمت کا موقع بھی ہاتھ آتا رہتا تھا۔

اخلاقِ عالیہ

حضرت اقدس بہت بلند اخلاق اور بیحد شفیق تھے، کسی سے کوئی خدمت لینا ہوتی تو بڑے دلربا انداز میں خطاب فرماتے۔ پوری مدت قیام ایک بار بھی ایسا نہ ہوا کہ فقیر کو تُو کے لفظ سے مخاطب کیا ہو۔ پینے کے لیے پانی کی خواہش ہوتی تو یوں ارشاد فرماتے، قاضی صاحب جی! تھوڑا سا پانی عنایت فرما سکو گے۔

چند دن بعد فقیر کو بخار آنے لگا۔ بخار کی حالت میں ایک روز طبیعت نے چائے کا تقاضا کیا۔ دروازے کے سامنے صوفی عبداللہ صاحب کو دیکھ کر آہستہ سے پکارا، مگر انہوں نے آواز نہ سنی اور چلے گئے۔ حضرت قدس نے اپنے کمرے میں آواز سن لی۔ درمیانی کھڑکی سے فوراً تشریف لائے اور پوچھا، کیا کام ہے؟ عرض کیا، حضرت! کچھ نہیں۔ فرمایا، پھر صوفی عبداللہ کو کیوں پکارا تھا؟ فقیر نے ہر چند بات ٹالنا چاہی مگر آپ نے باصرار دریافت فرمایا کہ ٹھیک ٹھیک بتاؤ کیا کام ہے؟ مجبوراً عرض کرنا پڑا کہ اس وقت چائے پینا چاہتا تھا، اس لیے چائے بنوانے کے لیے صوفی عبداللہ کو بلایا تھا۔ فرمایا، اچھا منہ ڈھانپ لو، کہیں ہوا نہ لگ جائے۔ میں صوفی عبداللہ کو بھیجتا ہوں، وہ چائے بنا دیں گے۔ حسب ارشاد فقیر نے منہ ڈھانپ لیا تو حضرتِ اقدس نے چپکے چپکے چائے بنانا شروع کر دی۔ تیار کرنے کے بعد ٹرے میں چینک اور ایک پیالی لگا کر میری چارپائی کے پاس رکھ دی اور یہ کہتے ہوئے اٹھایا کہ قاضی صاحب جی! عبداللہ نے چائے بنا کر رکھ دی ہے، اٹھ کر پی لو۔

ایک بار پھر بخار آیا۔ میں کپڑا لپیٹے لیٹا ہوا تھا۔ کسی نے آ کر بدن دبانا شروع کر دیا۔ منہ کھولا تو دیکھا کہ خود حضرت والا ہیں۔ یہ دیکھ کر فقیر نے گھبرا کر اٹھنے کی کوشش کی مگر آپ نے فرمایا نہیں نہیں، لیٹے رہو، لیٹے رہو، کوئی بات نہیں۔ یہ فرماتے رہے اور بدن دباتے رہے۔ سبحان اللہ! تواضع و انکسار کا کیا عالم ہے کہ خود مخدوم، خادم کی خدمت انجام دے رہا ہے اور خادم کی ہر تکلیف کو کن شفقت بھرے کلمات سے دور کیا جا رہا ہے۔

شیخ سے رابطۂ محبت

حضرت اقدس کو اعلیٰ حضرت قدس سرہٗ کے ساتھ بیحد والہانہ محبت تھی۔ جب بھی

حضرت کی یاد آتی اور کیفیتِ ہجر ستاتی تو محویت کے عالم میں اپنے مخصوص پُر درد اور پُر تاثیر مترنم لہجے میں فارسی اور پنجابی کے یہ شعر پڑھتے، اور پڑھتے ہوئے آپ کی آنکھیں اشکبار ہو جاتیں۔

فارسی: باز گو از نجد و از یارانِ نجد
تا در و دیوار را آری بوجد

پنجابی: میرے پاٹل جدوں وی جائیاں میں
خدا جانے ترے لڑ لائیاں میں

مندرجہ ذیل عربی اشعار بھی حزن انگیز ترنم کے ساتھ اکثر پڑھا کرتے تھے:

وَکَیْفَ تَرٰی لَیْلٰی بِعَیْنٍ تَرٰی بِھَا
سِوَاھَا وَمَا طَھَّرْتَھَا بِالْمَدَامِعِ
وَتَسْمَعُ بِالْاُذْنِ الْکَلَامَ وَقَدْ جَرٰی
حَدِیْثُ سِوَاھَا فِیْ خُرُوْقِ الْمَسَامِعِ[1]

یہ درد انگیز اشعار حضرت اقدس کی زبان مبارک سے بارہا سننے میں آئے اور جب کبھی آپ یہ اشعار پڑھتے تو حاضرین پر حزن و غم کی عجیب و غریب کیفیت طاری ہو جاتی۔

اُمورِ دینیہ میں رسوخ اور پختگی

فرائض کے علاوہ مسنون اور مستحب امور کا اہتمام فرمانے میں بھی حضرت اقدس پوری جد و جہد فرماتے تھے۔ اذانِ نماز کے مستحب اوقات از روئے فقہ حنفی معلوم کرنے کے لیے بڑے اہتمام سے دھوپ گھڑی بنوا کر مسجد کے حاشیہ پر لگا رکھی تھی۔ ہر روز بلا ناغہ بوقتِ زوال اپنی جیبی گھڑی کو درست کیا کرتے تھے۔

لباس میں سنت کا اہتمام اس قدر تھا کہ اسے حضرتِ والا کی کرامت ہی پر محمول کیا جا

---

[1] اپنے محبوب کو تو اس آنکھ سے کیسے دیکھ سکتا ہے جس سے تو دوسرے کو دیکھ رہا ہے، دراں حالیکہ تو نے اسے آنسوؤں سے دھو کر پاک بھی نہیں کیا اور اپنے کانوں سے محبوب کا کلام تو کیسے سن سکتا ہے جبکہ تیرے کان کے سوراخ غیر کے قصوں سے بھرے ہوئے ہیں۔

سکتا ہے۔ آپ کا جسم مبارک ذرا بھاری بھرکم تھا اور قوی الجثہ آدمی کا تہبند عموماً سرک کر ٹخنوں سے نیچے ہو جایا کرتا ہے مگر کسی وقت بھی آپ کا تہبند ٹخنوں سے نیچے تو درکنار، ان کے متصل بھی دیکھنے میں نہیں آیا، بلکہ ہمیشہ چار پانچ انگشت اونچا ہی رہتا تھا۔

اتباعِ شریعت اور پیرویٔ سنت کے اہتمام میں اس قدر سرگرم تھے کہ مسجد میں آنے یا نکلنے والے کا قدم اگر بے خیالی میں سنت کے خلاف پڑتا تو ٹوکا کرتے نرمی سے سمجھاتے کہ داخل ہوتے وقت دایاں پاؤں پہلے اندر رکھنا چاہیے اور نکلتے وقت بایاں پاؤں باہر رکھنا چاہیے۔

بعض مستحسن امور کی رعایت

جن امور کے مسنون ہونے میں فقہا کا اختلاف ہے اگر مسلکِ فقہی میں اس کی صریح ممانعت نہیں ہے تو اُن کی رعایت مستحسن سمجھتے تھے۔ چنانچہ فجر کی سنتوں کے بعد چند منٹ کے لیے لیٹ جایا کرتے تھے لیکن اس کا التزام نہ فرماتے تھے۔ اس طرح دونوں سجدوں کے درمیان جلسہ میں اَللّٰهُمَّ اغْفِرْلِي وَارْحَمْنِي وَاهْدِنِي وَارْزُقْنِي وَاجْبُرْنِي پڑھنے کو مستحسن سمجھتے تھے۔ گو فرائض کی جماعت میں اَللّٰهُمَّ اغْفِرْلِي وَارْحَمْنِي پر اکتفا فرماتے۔ سنن و نوافل میں پوری دعا پڑھتے تھے کیونکہ امام احمد بن حنبلؒ کے نزدیک یہ پڑھنا واجب ہے۔ نمازِ وتر کے بعد تین بار سُبْحَانَ الْمَلِكِ الْقُدُّوْسِ، دو بار آہستہ اور تیسری بار قدرے بلند آواز سے قُدُّوْسِ کی واؤ کو دراز کر کے پڑھتے کہ یہ مسنون ہے۔ [illegible]

سورۂ الم السجدہ پڑھنے کا معمول

[illegible]

تلقین۔ رمضان المبارک میں آخر شب وتروں کے بعد اس سورت کی تلاوت فرمایا کرتے تھے۔ پھر اس کا وقت تبدیل فرمادیا تاکہ لوگوں کو سجدۂ شکر کا گمان ہی نہ ہو۔

فرض نماز کے بعد ایک خصوصی دعا

ہر فرض نماز کا سلام پھیرنے کے بعد آپ دایاں ہاتھ پیشانی پر رکھ کر پیچھے کی طرف پھیرا کرتے تھے۔ اس سلسلے میں قاضی صاحب موصوف نے ایک روز عرض کیا کہ آپ نماز کے بعد سر پر ہاتھ کیوں پھیرتے ہیں؟ فرمایا، کتب خانے سے حصن حصین لاؤ۔ قاضی صاحب موصوف کتاب لے آئے۔ آپ نے کتاب کھولی اور حدیث نکال کر دکھائی کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام فرض نمازوں کے بعد اسی طرح سر پر ہاتھ رکھ کر یہ دعا پڑھا کرتے تھے:

بِسْمِ اللّٰهِ الَّذِىْ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الرَّحْمٰنُ الرَّحِيْمُ. اَللّٰهُمَّ اَذْهِبْ عَنِّى الْهَمَّ وَالْحُزْنَ.

مسلکِ فقہی میں اعتدال

رفع یدین اور آمین بالجہر کے بارے میں بھی اعتدال پر گامزن تھے۔ خود نہ کرتے تھے مگر کرنے والوں کو منع بھی نہ فرماتے تھے، بلکہ قرأت خلف الامام کے سلسلے میں بھی مولانا محمد عمر صاحب بستوی مقیم راولپنڈی نے بیعت کے بعد جب اپنے مسلکِ اہلحدیث کے تحت عرض کیا کہ میں نے مدارسِ احناف میں فقہ حنفی پڑھی ہے، مجھے فریقین کے دلائل بھی معلوم ہیں، لیکن میری طبیعت امام کے پیچھے فاتحہ پڑھے بغیر نہیں مانتی۔ اس پر حضرت اقدس نے انہیں اجازت دے دی کہ آپ پڑھ لیا کریں۔ اس لیے کہ بعض ائمہ کا مسلک قرأت خلف الامام ہے۔ چنانچہ انہوں نے دوسری نماز میں حضرت اقدس کے پیچھے فاتحہ پڑھنے کا ارادہ کیا، مگر مولانا موصوف کی حیرت کی انتہا نہ رہی کہ ہزار کوشش کے باوجود بھی نہ پڑھ سکے۔ یوں محسوس ہوتا تھا جیسے زبان پر قفل لگ گیا ہو۔ حضرت اقدس نے اس انداز سے مولانا موصوف کے ذہن کو لاشعوری طور پر تقلید پر آمادہ کر دیا اور وہ اس تصرف و کرامت کو دیکھ کر مسلکِ حنفی کی حقانیت پر مطمئن ہو گئے چنانچہ پھر پڑھنے کا کبھی ارادہ نہ کیا۔ سبحان اللہ! کیا اندازِ تعلیم و تربیت تھا جس سے فکر و عمل میں انقلاب برپا ہو جاتا تھا۔

حرمتِ شیخ کی پاسداری

قاضی شمس الدین صاحب مدظلہٗ کا بیان ہے کہ کندیاں میں ایک مولوی صاحب تھے جو اعلیٰ حضرت قدس سرہ العزیز سے عناد رکھتے تھے اور نامناسب تنقید سے بھی نہ چوکتے تھے۔ ایک دفعہ کسی مسئلہ کی تحقیق کے سلسلے میں کتب خانہ خانقاہ سراجیہ میں کتابیں دیکھنے آئے۔ فقیر نے حضرت اقدس کو اطلاع دی کہ فلاں صاحب کتابیں دیکھنے آئے ہیں۔ آپ نے فرمایا، کتب خانہ ان کے لیے کھول دو۔ چنانچہ کتب خانہ کھول دیا گیا۔ انہوں نے مطلوبہ کتب دیکھیں، اس کے بعد حضرت اقدس کی خدمت میں آ بیٹھے اور ادھر اُدھر کی زمانہ سازی کی سی باتیں کرنے لگے۔ ان کی باتیں سننے کے بعد حضرت اقدس کے چہرے پر غیرت وجلال کے آثار نمایاں ہو گئے۔ فرمایا، بس مولوی صاحب! زیادہ باتیں نہ کریں۔ آپ ہمارے شیخ حضرت قبلہ ابوالسعد احمد خان رحمۃ اللہ علیہ کے خلاف زبان درازی کرتے رہے ہیں اور ہمارے اکابر رحمہم اللہ کا فرمان ہے، ''ہر کہ باپیر تو بد باشد وتو باوے بد نباشی، سگ از تو بہتر۔''

یہ فرماتے ہوئے حضرت اقدس کی آنکھوں سے آنسو بہنا شروع ہو گئے۔ وہ مولوی صاحب چپکے سے اٹھے اور اپنا سامان لے کر چلے گئے۔ نَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْ غَضَبِ الْحَلِیْمِ۔

خلافِ سنت امور پر تنبیہ

اعلیٰ حضرت قدس سرہٗ کے بھتیجے اور داماد ملک حاکم خان صاحب خانقاہ شریف میں وفات پا گئے۔ انتقال سے دو چار روز بعد دوسری بستی کی کچھ عورتیں پرسہ دینے آ گئیں اور اپنی بستی کے دستور کے مطابق بلند آواز سے نوحہ شروع کر دیا۔ جب شور وشیون کی یہ آواز حضرت اقدس کے گوش گزار ہوئی تو برہنہ پا بھاگتے ہوئے حویلی کے دروازے پر پہنچے اور پکار کر کہا کہ بلند آواز سے رونا بند کریں، یہ شرعاً منع ہے۔ جسے رونا آئے وہ چپکے چپکے رو لے۔ حضرت اقدس کی آواز سنتے ہی سب عورتیں خاموش ہو گئیں۔

اعلیٰ حضرت کی وفات پر ایک سال گزرنے کے بعد بعض با اثر اصحاب نے اصرار کیا کہ سالانہ ختم کیا جائے۔ حضرت اقدس جانتے تھے کہ یہ چیز آئندہ چل کر سالانہ عرس کی

حیثیت اختیار کر لے گی۔ اس لیے آپ نے انکار فرما دیا۔ لیکن جب تقاضا کرنے والوں کا اصرار بڑھ گیا تو تین شرطوں کے ساتھ اجازت دے دی:

۱۔ کسی اخبار یا اشتہار سے اعلان نہ کیا جائے۔

۲۔ صرف مرد شریک ہوں، عورتیں اور بچے ہرگز نہ آئیں۔

۳۔ ختم قرآن، دعا اور فاتحہ پر اکتفا کیا جائے۔

یہ شرطیں مان لی گئیں۔ شرط اوّل وسوم پر تو عمل ہوا، لیکن دوسری شرط پر عمل نہ کیا جا سکا۔ عورتیں اور بچے بھی آگئے جس کی وجہ سے نظام لنگر شریف میں بے انتظامی ہوئی۔ اُدھر بچوں نے کھیتوں سے گدرائے ہوئے چنے بکثرت توڑ لیے۔ یہ دیکھ کر حضرت اقدس نے اسی مجمع میں اعلان کر دیا کہ اس سال لوگوں کے اصرار پر مشروط اجازت دی گئی تھی، مگر دوسری شرط پوری نہیں کی گئی۔ عورتیں اور بچے بھی آگئے ہیں اور انہوں نے کھیتوں کو اُجاڑ ڈالا ہے۔ حقوق العباد کا یہ اتلاف کون اپنے سر لینے کے لیے تیار ہے؟ لہٰذا فقیر ابھی اعلان کرتا ہے کہ آئندہ سال کسی قسم کا اجتماع نہ ہوگا۔ چنانچہ اس کے بعد سالانہ ختم کا اہتمام بھی موقوف ہو گیا۔ متوسلین میں سے جس کا جی چاہتا ہے بطور خود فاتحہ خوانی کے لیے آجاتا ہے اور فاتحہ پڑھ کر چلا جاتا ہے۔ کوئی ہنگامہ آرائی نہیں ہوتی۔ موجودہ سجادہ نشین حضرت مولانا ابوالخلیل خان محمد صاحب قبلہ نے حضرت اقدس کے وصال کے بعد یہی طریقہ اختیار کیا ہوا ہے۔ چنانچہ دائمی ایصالِ ثواب کا سلسلہ خاموشی کے ساتھ ہر لمحہ جاری ہے۔

لطافتِ مزاج

آپ کی لطافتِ طبع کا یہ عالم تھا کہ اگر کسی قابلِ نفرت چیز کا ذکر روبرو آجائے تو دیر تک طبیعت مکدر رہتی تھی۔ ایک دفعہ باگڑ میں دسترخوان پر مچھلی کا سالن تھا۔ اہلِ ضیافت میں سے کسی نے اس کی تعریف کرتے ہوئے عرض کیا کہ حضرت! یہ مچھلی دریا کی ہے، دریا کی مچھلی بہت لذیذ ہوتی ہے اور سمندر یا تالاب کی مچھلی تو ایسی بدمزہ ہوتی ہے کہ مچھلی کیا کھائی گوبر کھا لیا۔ یہ سنتے ہی حضرت نے اس شخص کو تنبیہ فرمائی کہ کھاتے وقت ناپسندیدہ چیز کا ذکر نہیں کرنا چاہیے۔ اور خود دسترخوان چھوڑ کر اپنے کمرے میں تشریف لے گئے۔ دیر تک

طبیعت مکدر رہی۔ بالآخر استفراغ کے بعد کچھ سکون ہوا۔

اہلِ دنیا سے بے نیازی

رمضان المبارک میں مانسہرہ قیام کے دوران ایک روز عصر کے وقت کسی ریاست کے والی کا آدمی آیا اور عرض کیا کہ نواب صاحب ملاقات کے لیے وقت مانگتے ہیں۔ حضرت نے فرمایا کہ اس وقت گنجائش نہیں، نمازِ عصر ہوگی، پھر ختم خواجگان اور اس کے بعد افطار کی تیاری، کل ظہر کے بعد وہ آکر مل سکتے ہیں۔ چنانچہ نواب صاحب سرکاری ریسٹ ہاؤس میں ٹھہرے رہے اور اگلے روز نمازِ ظہر کے بعد اپنے سٹاف سمیت حضرتِ اقدس کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ آپ کے کلام مبارک سے محظوظ ہوئے اور چلتے وقت بطورِ نذر قریباً پانچ سو روپیہ پیش کیا۔ حضرتِ اقدس نے مناسب و موزوں الفاظ میں قبولِ نذر سے معذرت چاہی۔ نواب صاحب بے نیلِ مرام چلے گئے۔ ان کے چلے جانے کے بعد حضرت نے فرمایا کہ اپنے حضرات کا معمول یہ ہے کہ غیر متعلق شخص کا ہدیہ اور نذرانہ قبول نہیں کرتے۔ کیونکہ اس میں کچھ نہ کچھ دنیوی غرض بھی شامل ہوتی ہے۔ یہ نواب صاحب آجکل کسی مشکل میں مبتلا ہیں۔ جہاں کسی پیر فقیر کا نام سنتے ہیں اُس کے پاس چلے جاتے ہیں، نذرانہ دیتے ہیں اور دُعا کرواتے ہیں۔ فقیر کو ان کا کام ہوتا نظر نہیں آتا۔ جب کام نہ ہوگا تو نذر قبول کرنے والوں کو نہ جانے کیا کچھ کہیں گے۔ الحمدللہ کہ اس فہرست میں فقیر کا نام تو شمار نہیں کریں گے۔ پھر آپ نے اعلیٰ حضرت قدس سرہٗ کی استغنا کا واقعہ سنایا کہ جب اعلیٰ حضرت دہلی میں حکیم نابینا صاحبؒ کے زیرِ علاج تھے تو کسی سیٹھ کو آپ کی تشریف آوری کا پتہ چل گیا۔ وہ ملاقات کرنے اور نذر پیش کرنے کے لیے معقول رقم لے کر آیا۔ حضرت اعلیٰ نے رقم قبول کرنے سے حسبِ معمول انکار فرمادیا۔ اس نے ہر چند کوشش کی مگر آپ نے اس کی نذر قبول نہ کی۔ بالآخر اس نے یہ کہا کہ اس رقم کو آپ مستحقین میں تقسیم فرمادیں مگر لے ضرور لیں۔ اس پر اعلیٰ حضرت نے فرمایا سیٹھ صاحب! یہ آپ کی محنت کی کمائی ہے، آپ کو اس کا درد ہوگا اور تلاش کر کے آپ صحیح مستحق لوگوں کو دیں گے۔ ہم سے اتنا تردد نہ ہو سکے گا۔ لہٰذا آپ خود ہی مستحقین کو تلاش کر کے تقسیم کردیں۔ غرض وہ سیٹھ خجالت کے ساتھ اپنی رقم لے کر چلا گیا۔

قبولِ زکوٰۃ سے احتراز

حضرتِ اقدس زکوٰۃ کی رقم اپنے غریب درویشوں کو بھی کھلانا پسند نہ فرماتے تھے۔ ایک دفعہ ایک متمول شخص غالباً مانسہرہ ہی میں زکوٰۃ کی رقم لایا اور کہا کہ یہ زکوٰۃ کی رقم ہے، اسے آپ اپنے درویشوں میں تقسیم فرمادیں۔ آپ نے فرمایا، یہاں کوئی شخص مستحقِ زکوٰۃ نہیں، یہ سب لوگ اغنیاء ہیں۔ آپ اپنی رقم واپس لے جائیں اور خود مستحقین کو تلاش کر کے انہیں دے دیں۔

مدتِ قیام مانسہرہ میں حضرتِ اقدس کی طرف سے لنگر تقسیم ہوا کرتا تھا۔ مانسہرہ کے عوام آپ کی شانِ استغنا اور درویشوں کی شان وشوکت دیکھ کر تعجب کیا کرتے تھے کہ یہ عجیب درویش ہیں۔ ململ کے کرتے پہنتے ہیں۔ گندم کی روٹی کھاتے بلکہ کھلاتے ہیں۔ کسی سے کوئی سروکار نہیں رکھتے اور پھر فقیر بھی کہلاتے ہیں۔

آپ کی نظر میں سلوک کا ماحصل

قاضی ثناء اللہ پانی پتی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے رسالہ ''ارشاد الطالبین'' میں اثباتِ ولایت کے باب میں کشف وکرامت کو دلیلِ مجسم قرار دیا ہے، لہٰذا اگر صاحبِ کرامت و ورع وتقویٰ سے آراستہ ہو تو کرامت سحر واستدراج کے دائرے سے نکل کر اس کی ولایت کی دلیل ہوسکتی ہے۔ اگرچہ حضرتِ اقدس سے کرامات کا ظہور بکثرت ہوا کرتا تھا اور کرامات الاولیاء حق کے پیشِ نظر اس کے ذکر وبیان میں بظاہر کوئی مضائقہ نظر نہیں آتا، لیکن آپ کشف وکرامت کو کوئی خاص اہمیت نہ دیا کرتے تھے اور اس کے اظہار کو بھی ناپسند فرمایا کرتے تھے۔ اس بنا پر راقم الحروف نے بے شمار واقعات کا علم ہونے کے باوجود اس باب سے صرفِ نظر کیا ہے۔ صرف بطور مشتے نمونہ از خروارے چند ایک کا ذکر برسبیل تذکرہ آگیا ہے۔ آپ کی نظر میں تخلق باخلاق اللہ، اخلاص وتقویٰ، قلب وروح کا تزکیہ وتصفیہ، حضورِ دائم، دوامِ ذکر اور قول وفعل میں شریعتِ مطہرہ کا کامل اتباع قابلِ قدر تھا۔ خود آپ کی ساری زندگی گفتار وکردار کے اعتبار سے ایک ایسا مثالی نمونہ تھی جس میں حضور ختمی مرتبت صلی اللہ علیہ وسلم کے اسوۂ حسنہ کی پوری جھلک نظر آتی تھی۔ چلتے وقت بھی حضورِ رسالت

مآب صلی اللہ علیہ وسلم کی رفتار مبارک کا عکس آپ کی چال سے نمایاں تھا۔ یوں معلوم ہوتا تھا جیسے آپ ڈھلوان زمین پر چل رہے ہیں۔

حافظ امان اللہ صاحب خلیفۂ مجاز حضرت ثانیؒ کا بیان ہے کہ آپ عمر بھر صاحب نصاب نہ ہوئے کہ آپ پر زکوٰۃ فرض ہوتی۔ عقیدت مند جو نذرانے اور ہدایا پیش کرتے، آپ ان سب کو گھر میں حضرت مائی صاحبہ کے پاس بھجوا دیتے تھے۔ زندگی میں کوئی ایسا فعل سرزد نہ ہوا جو سر بسر شریعت نہ ہو۔ اصلاح و تربیت کا انداز نہایت نرالا اور پاکیزہ تھا۔ بسا اوقات کسی نامناسب عمل پر براہِ راست سمجھانے کی بجائے آیت قرآنی یا حدیث شریف کی طرف توجہ دلاتے، مثلاً آپ وضو سے فارغ ہونے کے بعد اُٹھے اور پاس بیٹھنے والے تمام ساتھی بھی اُٹھ کھڑے ہوئے تو آپ ان میں سے کسی شخص کو فرماتے، مولوی صاحب! اس حدیث شریف کا کیا مفہوم ہے، وَلَا تَقُوْمُوْا کَمَا یَقُوْمُ الْیَهُوْدُ وَالنَّصَارٰی۔[1] یا اگر عشاء کی نماز کے بعد بعض حضرات مصروفِ گفتگو ہو جاتے تو آپ ان میں سے کسی ایک کو مخاطب کرتے ہوئے استفسار فرماتے کہ حدیث، لَا مُسَامَرَةَ بَعْدَ الْعِشَاءِ[2] کا کیا مطلب ہے؟ اس سے تمام حضرات اپنی کوتاہی پر متنبہ ہو کر اصلاحِ احوال کی طرف متوجہ ہو جاتے۔

ایک مرتبہ حافظ صاحب موصوف نے حضرتِ اقدس کو پانی کا ایک پیالہ بسم اللہ شریف پڑھے بغیر پیش کر دیا۔ حضرت اقدس نے فرمایا، کیا آپ مجھے برکت سے خالی پانی پلانا چاہتے ہیں۔ اس کے بعد حافظ صاحب کی عادتِ ثانیہ بن چکی ہے کہ کسی کام کا آغاز بسم اللہ شریف پڑھے بغیر نہیں کرتے۔

نمود و نمائش سے احتراز

نمود و نمائش سے آپ کو سخت نفرت تھی۔ اگر کہیں پیدل جاتے اور چند خدام بھی ساتھ ہوتے تو اُن سے یہ فرما دیتے کہ سب ساتھی الگ الگ ہو کر چلیں تاکہ لوگ ان کی طرف متوجہ نہ ہوں اور یہ نہ سمجھیں کہ کوئی بزرگ ہیں جن کے جلو میں مرید چلے جا رہے

۱۔ تم اس طرح نہ اٹھا کرو جیسے یہود و نصاریٰ ایک دوسرے کے لیے تعظیماً کھڑے ہوتے ہیں۔

۲۔ نمازِ عشاء کے بعد باتیں نہیں کرنی چاہئیں۔

ہیں۔ اگر دو آدمی بھی ساتھ ہوتے تو ایک آپ کے برابر چلتا اور دوسرے کو آگے آگے چلنے کا امر فرمادیتے۔ چنانچہ ایک بار ایسا ہوا کہ آپ لاہور میں حکیم سیفی صاحب مرحوم کے مکان پر رونق افروز تھے۔ دورانِ قیام ایک دن میو ہسپتال میں کسی مریض کی عیادت اور اس کے بعد مولانا محمد ادریس صاحب کاندھلوی مدظلہٗ سے ملاقات کا ارادہ فرمایا۔ پاپیادہ تشریف لے گئے۔ قاضی شمس الدین صاحب اور راقم الحروف کو شرف رفاقت بخشا۔ عیادتِ مریض سے فارغ ہو کر جب مولانا محمد ادریس صاحب کے مکان کی طرف چلے تو قاضی صاحب موصوف حضرتِ اقدس کے ساتھ چل رہے تھے اور یہ خادم پیچھے پیچھے آرہا تھا۔ یکا یک حضرتِ اقدس نے پیچھے مڑ کر دیکھا اور خادم سے فرمایا کہ آپ آگے آگے راستہ بتاتے ہوئے چلیں۔ راستہ بتانا تو ایک بہانہ تھا، دراصل آپ کو کسی شکل کا نیازمندانہ انداز میں پیچھے پیچھے چلنا گوارا نہ تھا۔ اس وقت اگرچہ ہیبت کی وجہ سے شیخ کے آگے آگے چلنا احقر کو دشوار ہو رہا تھا، لیکن تعمیلِ ارشاد سے چارہ نہ تھا۔ مولانا موصوف کے مکان تک یہی منظر رہا کہ ناچیز آگے آگے جارہا تھا اور آپ قاضی صاحب کے ساتھ پیچھے پیچھے تشریف لارہے تھے۔

دیدِ قصور

تمام مقامات ومناسب عالیہ مجددیہ پر فائز ہونے کے باوجود آپ خود کو ہیچ در ہیچ سمجھتے تھے۔ اخفائے احوال کا یہ عالم تھا کہ کسی طور بھی اپنے کمالات کا اظہار نہ ہونے دیتے تھے۔ ایک خادم اپنے مکتوبات میں حضرت اقدس کے فیوض وبرکات اور مادی وروحانی فوائد کا ذکر متشکرانہ انداز میں بار بار کیا کرتا تھا۔ حکیم ذوالفقار احمد مدظلہٗ کا بیان ہے کہ ایک روز حضرت اقدس مجھے ساتھ لے کر احاطۂ خانقاہ شریف سے باہر ٹہلنے کے لیے تشریف لے گئے۔ اثنائے گفتگو اس شخص کا نام لے کر مجھ سے فرمانے لگے کہ فلاں صاحب اپنے خطوط میں بہت سے مادی وروحانی فوائد حاصل ہونے کا ذکر کیا کرتے ہیں۔ خدا جانے انہیں کیسے فائدہ ہوجاتا ہے، ہمیں تو کچھ پتہ نہیں چلتا۔

بزرگاں نکردند در خود نگاہ
خدا بینی از خویشتن بیں مخواہ

اپنے احوال واذواق کا کبھی ذکر نہ فرماتے البتہ اگر کوئی سالک اپنے کسی خاص حال کے بیان سے قاصر ہوتا تو اس کے حال وذوق کی تصدیق کے لیے کبھی کبھی اپنا کوئی واقعہ بیان فرمادیا کرتے تھے۔ راقم الحروف کو دو تین مرتبہ اس قسم کے تجربات ہوئے جو درج ذیل ہیں۔

کشاں کشاں لیے چلنا

اوائل میں کچھ یوں محسوس ہوتا تھا کہ بے اختیار کھنچا چلا جارہا ہوں۔ اس کیفیت کے بیان سے عاجز تھا، لہٰذا آپ سے دریافت بھی نہ کرسکتا تھا۔ ایک روز حضرت اقدس نے خود فرمایا کہ ہمیں حضرت اعلیٰ کی خدمت میں رہتے ہوئے کسی حال کا ادراک نہ ہوتا تھا۔ البتہ یوں محسوس ہوا کرتا تھا کہ آپ ہمیں کشاں کشاں لیے جارہے ہیں۔ آپ کی زبانِ مبارک سے یہ سن کر تصدیق حال کے ساتھ اس کا پیرایۂ بیان بھی معلوم ہوگیا اور بے حد اطمینان نصیب ہوا۔ حضرت اقدس کے کشفِ احوال پر حیرت زدہ ہوکر رہ گیا اور زبان پر شیخ سعدیؒ کا یہ شعر آگیا جس میں اسی کیفیت کا بیان ہے:

رشتۂ در گردنم افگندہ دوست
می برد ہر جا کہ خاطر خواہِ اوست

گاہے گاہے نصیحت کے طور پر یہ بھی فرمایا کرتے تھے کہ مرید کو شیخ کے ہاتھ میں کَالْمَیِّتِ فِیْ یَدِ الْغَسَّالِ اور مثلِ نابینا بدستِ قائد بے رہنا چاہیے۔[1]

تمام بدن کا سُنتا

حضرت اقدس کی اقتدا میں نماز پڑھتے ہوئے قرأت کے ہر لفظ پر تمام بدن میں سنسناہٹ اور کیفیت سماعت محسوس ہوتی تھی۔ اس حال کو بیان کرنے کے لیے الفاظ نہ ملے اس لیے عرضِ خدمت نہ کرسکا۔ جب شیخ خانہ میں بوقتِ دوپہر حاضری کی سعادت نصیب ہوئی تو حضرت اقدس نے بطریق سابق راقم الحروف کے حال کی تصدیق کرتے ہوئے

۱۔ جس طرح مردہ غسل دینے والے کے ہاتھ میں اور نابینا اپنے رہنما کے ہاتھ میں ہو، کہ ہر دو کی نقل وحرکت اپنے اختیار میں نہیں ہوتی۔

ارشاد فرمایا کہ حضرت اعلیٰ کی اقتدا میں نماز پڑھتے ہوئے بعض اوقات یوں محسوس ہوتا تھا کہ تمام بدن سن رہا ہے۔

ایک غلط فہمی کا ازالہ

حضرت اقدس کے متوسلین میں سے ہر شخص کا یہ عالم تھا کہ وہ اپنی زندگی کے ہر حال، یہاں تک کہ حرکت وسکون اور اپنے سانس تک کو حضرت اقدس کی کرامت تصور کرتا تھا اور یہ بلاشبہ ایک حقیقت تھی۔ اسی تصور کے تحت راقم الحروف نے ایک مرتبہ حضرت اقدس سے دریافت کیا کہ کیا شیخ کو اپنی کرامات اور سالک کی ہر حالت وکیفیت کا علم ہوتا ہے؟ فرمایا، کوئی ضروری نہیں، ہوتا بھی ہے اور نہیں بھی ہوتا۔[1] اس کے بعد کچھ غلط فہمی سی پیدا ہو گئی کہ شاید آپ میرے بعض واردات اور ان سے رونما ہونے والے فوائد سے آگاہ نہیں۔ چنانچہ ان امور میں حضرت اقدس سے مراسلت کیا کرتا تھا۔ اسی اثنا میں حضرت اقدس لاہور تشریف لائے اور یہاں سے ماسٹر محمد شادی خان صاحب کی استدعا پر گوجرانوالہ تشریف لے گئے۔ راقم الحروف نے بھی ہمراہ چلنے کی اجازت حاصل کر لی۔ حضرت اقدس ماسٹر صاحب موصوف کے مکان پر تشریف فرما ہوئے۔ نیازمند بھی قریب بیٹھ گیا۔ اس وقت ارشاد فرمایا، بسا اوقات سالک کو یہ خیال آتا ہے کہ شاید شیخ اس کے بعض احوال سے آشنا نہیں۔ یہ خیال درست نہیں۔ یہ سن کر بندہ نے عرض کیا کہ حضرت! گوجرانوالہ آنا میرے لیے بہت مفید ثابت ہوا۔ فرمایا، وہ کیسے؟ عرض کیا کہ حضور کے اس ارشاد سے میری ایک بہت بڑی غلط فہمی دور ہو گئی۔ یہ سن کر حضرت اقدس مسکرا دیے اور خاموش ہو گئے۔ عارف

[1] اللہ تعالیٰ اپنی عنایت سے شیخ کامل کو اس کے زیر تربیت مریدوں کے جمیع احوال وکیفیات کا ادراک بھی عطا کر دیتا ہے۔ حضرت اقدس نے "نہیں بھی ہوتا" کے الفاظ سے جو نفی فرمائی ہے، وہ اصول طریقت کے تحت ہے۔ ورنہ مرید کی جمیع کیفیات شیخ کامل کے انوار وبرکات کا ہی پرتو ہوتی ہے۔ البتہ ان کوائف سے آگاہی صرف صاحب ادراک شیخ کو ہوتی ہے جیسا کہ حضرت امام ربانی نے شیخ احمد دمشقی کے نام مکتوب نمبر ۱۶، دفتر سوم میں تفصیل کے ساتھ بیان فرمایا ہے۔

رومیؒ نے اس مقام پر بجا ارشاد فرمایا ہے:

دستِ پیراز غائباں کوتاہ نیست　　دستِ او جز قبضۂ اللہ نیست

ایک خواب اور اُس کی تعبیر

راقم الحروف نے بیعت ہونے سے چند روز بعد خواب دیکھا کہ ایک بہت بڑا وسیع کمرہ ہے جس میں فرش بچھا ہوا ہے اور چاروں طرف دیواروں کے ساتھ اولیائے عصر حلقہ باندھے بیٹھے ہوئے ہیں۔ درمیان میں ایک بڑا تخت ہے، اُس پر ایک مرصّع ومزیّن نہایت خوشنما چوکی ہے جس پر حضرت اقدس جلوہ افروز ہیں۔ احقر دروازہ سے داخل ہوا۔ گرد وپیش بیٹھے ہوئے اولیائے کرام کی طرف بالکل توجہ نہ کی اور سیدھا جا کر حضرت اقدس کی پشت کی جانب کھڑا ہوگیا۔

حضرت اقدس کی خدمت میں عریضہ لکھ کر اس خواب کی تعبیر دریافت کی۔ سبحان اللہ! اخفائے حال کی کیا شان تھی کہ صرف اتنے حصے کی تعبیر دی جو نیازمند سے متعلق تھا۔ تحریر فرمایا کہ خواب نیک ہے جو قوت رابطہ پر دلالت کرتا ہے کہ آپ دوسروں کی طرف توجہ دیئے بغیر سیدھے اپنے شیخ کے پیچھے آگئے۔ حضرت اقدس نے ادنیٰ سا اشارہ بھی اپنے رتبہ و مقام کی طرف نہ فرمایا۔ اب دل میں خواب کے بقیہ حصے کی تعبیر خود بخود آگئی ہے کہ حضرت اقدس ماشاء اللہ اپنے عہد کے قطب الارشاد تھے۔ تمام اولیائے زمانہ آپ کے گرد مثل ہالۂ قمر جمع ہو کر آپ کے انوارِ فیض سے مستنیر ہو رہے تھے۔ فَالْحَمْدُ لِلّٰہِ تَعَالٰی عَلٰی ذٰلِکَ۔

عالی شان مکان

حضرت اقدس کی نظر میں دنیوی شان وشوکت کی کوئی قیمت نہ تھی بلکہ ساز وسامان دنیا کا ذکر کلمات تحسین کے ساتھ بھی ناپسند فرماتے تھے۔ ایک دفعہ شیخ محمد صدیق مرحوم نے حضرت اقدس سے راؤ جمشید احمد صاحب کے الاٹ کرائے ہوئے وسیع مکان کی تعریف میں یہ کہہ دیا کہ راؤ جمشید کو بڑا عالی شان مکان مل گیا ہے۔ آپ کو دنیا کے ناپائیدار کی چند روزہ اقامت گاہ کا ذکر ''عالی شان'' کی صفت کے ساتھ ناموزوں معلوم ہوا۔ ان سے فرمایا: ''مسجد کی طرف دیکھو، عالی شان مکان تو یہ ہے۔ یہ وہ مکان اس کے برابر ہے۔'' یہ تو

شیخ صاحب نادم ہو کر دم بخود رہ گئے۔ بعد میں انہوں نے کہیں اس بات کا ذکر راؤ جمشید صاحب سے کر دیا۔ راؤ صاحب کی عقیدت اور وابستگی کا یہ عالم تھا کہ جب اس مکان کے ذکر پر حضرت اقدس کی ناپسندیدگی کا اظہار معلوم ہوا تو اسے فوراً چھوڑ دیا، حالانکہ وہ مکان اپنی وسعت، محلِ وقوع اور مکانیت کے اعتبار سے اہلِ دنیا کی نظر میں واقعی عالی شان تھا۔ اس کے بعد جب راؤ صاحب موصوف خانقاہ شریف حاضر ہوئے تو حضرت اقدس نے پوچھا کہ آپ کو اچھا مکان مل گیا ہے؟ عرض کیا مل تو گیا تھا مگر میں نے اسے چھوڑ دیا۔ فرمایا، کیوں چھوڑ دیا؟ عرض کیا، اس لیے کہ اس کا ذکر حضرت والا کے مزاجِ مبارک پر گراں گزرا تھا۔ مسکرا کر فرمایا، وہ تو شیخ صاحب کو متنبہ کیا تھا۔ خیر جو ہوا بہتر ہوا۔ پھر راؤ صاحب کے لیے آرام دہ مکان میسر آنے کی دعا بھی فرما دی۔ چنانچہ موصوف کو چند روز میں پہلے مکان کی بجائے ایک عمدہ اور آرام دہ مکان مل گیا۔ وہ آج کل اسی مکان میں میانوالی قیام پذیر ہیں۔

آپ کے تصرف کا ایک واقعہ

حضرت اقدس کے ایک مخلص خادم صوفی محمد صادق صاحب جنگِ عظیم کے زمانے میں ریاست نابھہ کے ٹرانسپورٹر تھے۔ پولیس کے ہندو سکھ متعصب اہل کاروں نے ان پر پٹرول کے سلسلے میں ڈیفنس رولز کے تحت ناحق مقدمہ قائم کر دیا اور لدھیانہ میں ایک سخت مزاج سکھ مجسٹریٹ کی عدالت میں ان کی پیشی مقرر ہو گئی۔ صوفی صاحب نے پریشانی کے باوجود مقدمہ کو دُنیوی معاملہ سمجھتے ہوئے حضرت اقدس کی خدمت میں زبانی یا تحریری طور پر اس کا کوئی تذکرہ نہ کیا۔

اتفاق سے انہی دنوں حضرت اقدس خانقاہ شریف سے اپنے وطن سیم پور مدھوان تشریف لے آئے۔ صوفی صاحب موصوف اور ماسٹر محمد شادی خاں صاحب بھی آپ کی تشریف آوری کی خبر سن کر حاضرِ خدمت ہو گئے۔ اسی اثنا میں صوفی صاحب کے مقدمہ کی تاریخ آ گئی۔ انہوں نے بہ پاسِ ادب ماسٹر صاحب کی وساطت سے حضرت اقدس سے رخصت مانگی۔ آپ نے فرمایا، خلافِ معمول ہماری روانگی سے قبل کیوں جانا چاہتے ہیں؟ اس پر ماسٹر صاحب نے ان کے مقدمہ کی روداد عرض کر دی۔ مقدمہ کا ذکر سنا تو حضرت

اقدس نے صوفی صاحب کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا، تم بھی عجیب آدمی ہو، اس معاملہ کا ذکر اب تک ہم سے کیوں نہیں کیا؟ صوفی صاحب نے آبدیدہ ہو کر عرض کیا کہ حضور سے خادم کا تعلق محض اللہ کے لیے ہے، اس لیے دنیوی معاملہ کا تذکرہ کچھ مستحسن نظر نہ آیا۔ یہ سن کر حضرت اقدس نے قدرے سکوت اختیار کیا اور پھر صوفی صاحب سے فرمایا، "جاؤ بے فکر رہو، کچھ نہیں ہوگا۔"

تاریخِ پیشی پر صوفی صاحب عدالت میں پہنچے۔ اُن کے مقدمہ سے پہلے اس قسم کے جتنے مقدمات پیش ہوئے، مجسٹریٹ نے سب میں مختلف جرمانوں کی سزا سنائی۔ لیکن جب صوفی صاحب کی باری آئی تو مجسٹریٹ نے کاغذاتِ مقدمہ پر ایک سرسری نظر ڈال کر حکم سنا دیا کہ صوفی محمد صادق کو بَری کیا جاتا ہے۔ ہر چند سرکاری وکیل نے مجسٹریٹ کی توجہ بار بار مقدمہ کی سنگینی کی طرف دلائی مگر مجسٹریٹ یہی کہتا رہا کہ میں محمد صادق کو بَری کر چکا ہوں، بس یہی آخری فیصلہ ہے۔

غرض حضرتِ اقدس کی دعا و تصرف کے نتیجے میں صوفی صاحب کامیاب و کامراں لدھیانہ سے واپس آئے۔ ضبط شدہ پٹرول بھی انہیں واپس مل گیا اور زیرِ ضمانت ڈرائیور نے بھی اس ابتلا سے نجات پائی۔ پیر رومیؒ کا یہ شعر اس واقعہ کی موزوں تعبیر ہے:

گفتۂ او گفتۂ اللہ بود گرچہ از حلقومِ عبداللہ بود

دلداری اور سیر چشمی کی ایک عظیم مثال

[illegible]

مگر گھر جا کر اہلیہ محترمہ سے فرمایا کہ یہ بالیاں ہمارے ایک مسکین ساتھی محمد صادق کی امانت ہیں، انہیں محفوظ رکھیں۔ کسی موزوں وقت پر انہیں لوٹانا ہے۔

حضرتِ اقدس کی وفات حسرت آیات کے بعد حسب ارشاد حضرت مائی صاحبہ نے صوفی صاحب کی وہ امانت ان کے حوالے کردی۔ اب صوفی صاحب کو معلوم ہوا کہ حضرت کا اس وقت قبول فرمالینا محض میری دلداری کے لیے تھا، ورنہ آپ مال و دولتِ دنیا کی طرف نظر اُٹھا کر دیکھنا بھی پسند نہ کرتے تھے۔

درویش را کہ گنج قناعت مسلّم است درویش نام دارد و سلطانِ عالم است

ولادت فرزند پر آپ کے تاثرات

اعلیٰ حضرت قدس سرہٗ کے وصال کے بعد حضرت اقدس خانقاہ شریف میں قیام پذیر رہے۔ آپ کے اہل و عیال، والدین اور دیگر اعزہ و اقارب وطنِ مالوف موضع سلیم پور سدھواں، ضلع لدھیانہ اقامت گزیں تھے۔ جانشینی کا منصب سنبھالنے کے بعد صرف چند روز کے لیے وطن تشریف لے جایا کرتے تھے۔

صوفی محمد صادق کا بیان ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے حضرت اقدس کو فرزند عطا فرمایا تو آپ کو بذریعہ تار صاحبزادہ کی ولادت کی اطلاع ملی۔ اس خوشخبری کی اطلاع پا کر حضرت اقدس پر خوف وخشیہ کی ایسی کیفیت طاری ہوئی کہ آپ آبدیدہ ہو گئے اور تا دیر اشکبار رہے۔ آپ کی گریہ وزاری سے تمام اہلِ مجلس بھی متاثر ہوئے۔ بعد ازاں ایک لمبا سانس لے کر فرمایا کہ گھر سے لڑکا پیدا ہونے کی اطلاع آئی ہے۔ بے شک اولاد خدائے تعالیٰ کی عطا کردہ ایک نعمت ہے مگر بعض اوقات ابتلائے سخت کا موجب بن جاتی ہے بلکہ والدین کی عاقبت بھی برباد کردیتی ہے۔ سب ساتھی دعا کریں کہ اللہ تعالیٰ نومولود کو سعادت مند بنائے، کسی امتحان وابتلا کا موجب نہ ہو۔[1]

۱۔ یہ حضرت اقدس کی دعا و برکت کا ثمرہ ہے کہ صاحبزادہ محمد عابد نہایت خلیق، منکسر المزاج اور سعادت مند نوجوان ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں حفظِ قرآن اور علمِ دین کی دولت سے حظِ وافر عطا فرمایا ہے۔

حضرت مائی صاحبہ رحمۃ اللہ علیہا کو اطلاع ہوئی تو بہت مسرور و شاداں ہو کر آمد و رفت کا کرایہ عنایت فرمایا اور وطن جانے کی تاکید کی۔ حضرت اقدس کے وطن جانے کی خبر سن کر باگڑ سرگانہ، ضلع ملتان کے بعض متوسلین، جن میں حضرت میاں جان محمد صاحب مرحوم و مغفور بھی شامل تھے، حضرت اقدس کی ہمرکابی کا شرف حاصل کرنے کے لیے آپ سے لاہور آملے۔ پھر تمام رفقاء کی معیت میں آپ سلیم پور رونق افروز ہوئے۔ بچے کا نام محمد عابد تجویز فرمایا اور سنتِ عقیقہ ادا فرمائی۔ بنفسِ نفیس گوشت کا لذیذ سالن تیار کیا اور اصحاب و احباب کو خود کھلاتے رہے۔ سبحان اللہ! آپ صحیفۂ داؤدی کے اس حکم اِذَا رَئَيْتَ لِيْ طَالِبًا فَكُنْ لَهٗ خَادِمًا[1] کا عملی نمونہ تھے۔

بعدِ وفات اولادِ شیخ پر نظر

صاحبزادہ محمد عارف سلمہ اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا کہ حضرت اقدس کے وصال کے بعد ایک روز احساسِ تنہائی کی وجہ سے میری طبیعت سخت پریشان تھی اور یاس انگیز خیالات کا ہجوم تھا۔ اسی عالم میں بغرضِ تحصیلِ سکون حضرت اقدس نائب قیوم زماں مولانا محمد عبداللہ قدس سرہٗ کے مزارِ مبارک پر حاضر ہوا۔ فاتحہ پڑھنے کے بعد آپ کی طرف متوجہ ہو کر بیٹھ گیا۔ اسی اثنا میں نیند آ گئی۔ خواب دیکھا کہ حضرت اقدس رحمہ اللہ تعالیٰ نمازِ عشا مسجد میں ادا فرما کر حسبِ معمول سنتیں اور وتر پڑھنے کے لیے حجرہ شریف کی جانب تشریف لے جا رہے ہیں۔ جب مسجد کے دالان سے صحن میں پہنچے اور میں بھی ان کے پیچھے پیچھے مسجد کے صحن میں آ گیا تو دیکھا کہ مسجد کے باہر کا میدان سپاہیوں اور فوجیوں سے بھرا ہوا ہے۔ ان میں سے ایک سپاہی آگے بڑھ کر مسجد میں داخل ہوا اور حضرتِ اقدس سے دریافت کیا کہ عارف کہاں ہے؟ آپ نے فرمایا، کیوں؟ تمہیں اس سے کیا کام ہے؟ سپاہی نے جواب دیا کہ ہم اسے ختم کرنے کے لیے بھیجے گئے ہیں۔ آپ نے یہ سن کر مجھے اشارہ فرمایا کہ مسجد میں جا کر باقی نماز پڑھ لو اور مولوی محمد عثمان صاحب سے فرمایا کہ اس سپاہی کو مسجد سے نکال دو۔

---

[1] زبور میں حضرت داؤد علیہ السلام کو حکم ملا تھا کہ اے داؤد! جب تمہیں کوئی ہمارا طلبگار ملے تو تم اس کے خدمت گار بن جاؤ۔

چنانچہ مولوی محمد عثمان صاحب سپاہی کو دھکیلتے ہوئے پیچھے لے گئے اور اسے مسجد کے شرقی حاشیہ سے نیچے گرا دیا۔ میں حضرت اقدس کے حسب الحکم مسجد میں باقی نماز ادا کرنے کے بعد باہر آیا تو دیکھا کہ تمام سپاہی اور فوجی غائب ہو چکے ہیں اور حضرت اقدس اپنے حجرہ شریف کے سامنے مہمان خانہ اور تسبیح خانہ کے دالان میں بندوق حمائل کیے ٹہل رہے ہیں۔ میں نے قریب آ کر عرض کیا کہ حضرت! میں بھی اپنی بندوق لے آؤں؟ فرمایا، تم گھر جا کر آرام کرو، میں حفاظت کے لیے کافی ہوں۔ جب میری آنکھ کھلی تو دل سکون و اطمینان سے لبریز تھا۔ اللہ کا شکر ہے اس کے بعد کبھی کسی قسم کا خوف و ہراس مجھ پر اثر انداز نہیں ہوا۔ سبحان اللہ! حضرتِ اقدس کی شفقت اور حمایت پردہ فرمانے کے بعد بھی اپنے شیخ کے عیال واطفال پر کس قدر مبذول ہے۔ برد اللہ مضجعہ ونور مرقدہٗ۔

بیعت کا مقصد

مارچ ۱۹۵۶ء میں راقم الحروف کی دختر کے نکاح کے موقعہ پر حضرت اقدس لاہور تشریف فرما تھے۔ لکھنؤ سے برادرم مقبول الٰہی ایم اے (علیگ) آئے ہوئے تھے۔ حضرت اقدس سے ملاقات کے بعد ایک روز انہوں نے احقر سے کہا، ''بیعت کی غرض و غایت کیا ہے؟ اور اس سے کیا فائدے حاصل ہوتے ہیں؟ میں نے کئی بزرگوں سے یہ سوال کیا ہے مگر ان کے جواب سے میری تشفی نہیں ہوئی۔''

احقر نے اس خیال سے کہ کہیں میرا جواب بھی تسلی بخش نہ ہو اور بحث کی صورت بن جائے، انہیں مشورہ دیا کہ حضرت اقدس تشریف فرما ہیں، آپ یہ بات خود ان سے پوچھ لیں۔ وہ کہنے لگے کہ حضرت اقدس سے دریافت کرتے ہوئے اس لیے جھجکتا ہوں کہ کہیں میری کوئی بات ناگوارِ خاطر نہ ہو جائے۔ میں نے کہا کہ حضرت اقدس بہت شفیق ہیں، انہیں کوئی بات بارِ خاطر نہ ہو گی، آپ جس طرح چاہیں بات کریں۔ چنانچہ وہ حضرت اقدس کی خدمت میں حاضر ہوئے اور بیعت کا مقصد دریافت کیا۔ فرمایا، آپ نے اپنے بھائی سے کیوں نہیں پوچھ لیا؟ عرض کیا کہ پوچھا تھا مگر انہوں نے آپ کی طرف رجوع کرنے کی ہدایت کی ہے۔

یہ سن کر حضرت اقدس نے فرمایا، آپ دیکھتے ہیں کہ احکامِ شرعیہ اور امورِ دینیہ کا علم ہوتے ہوئے بھی لوگوں کو اخلاقِ حسنہ اور اعمالِ صالحہ پر کاربند رہنا مشکل ہوتا ہے۔ بہت سے مسلمان ایسے بھی ہیں کہ نماز روزہ کے تو عادی ہوتے ہیں مگر جھوٹ، فریب اور غیبت جیسی برائیوں سے پرہیز نہیں کرتے۔ بیعت کا مقصدِ وحید یہ ہے کہ انسان سے رذائل چھوٹ جاتے ہیں اور ان کی بجائے اخلاقِ عالیہ[1] پیدا ہو جاتے ہیں۔ اعمالِ صالحہ کی بجا آوری میں سہولت اور معاصی سے نفرت ہو جاتی ہے۔

حضرت اقدس کا یہ جواب مقبول الٰہی صاحب کے لیے ایسا وجہِ اطمینان ہوا کہ اسی وقت درخواستِ بیعت کی اور داخلِ طریق ہو گئے۔ سبحان اللہ! حضرت اقدس نے ان مبارک الفاظ میں شریعت وطریقت کی روح کو سمو دیا ہے۔

حضرت مولانا عبدالقادر رائے پوریؒ سے روابط

ایک دفعہ حضرت اقدس اپنے رفقاء کے ساتھ سرہند شریف سے دہلی تشریف لے جا رہے تھے۔ حضرت مولانا خان محمد صاحب مدظلہٗ بھی ہمراہ تھے۔ راستے میں خواجہ محمد صادق کاشمیری کی دعوت پر ایک روز انبالہ قیام فرمایا۔ حسنِ اتفاق کہ حضرت رائے پوریؒ بھی انبالہ تشریف فرما تھے۔ ان سے ملاقات ہوئی تو آپ نے حضرت رائے پوریؒ سے مولانا خان محمد صاحب کا تعارف کرایا اور ساتھ ہی یہ بھی کہا کہ انہیں کوئی نصیحت فرما دیجیے۔ یہ سن کر حضرت رائے پوریؒ نے روئے سخن مولانا خان محمد صاحب قبلہ کی طرف کرتے ہوئے فرمایا، فقیر آپ کو یہ نصیحت کرتا ہے کہ جی کرے یا نہ کرے، مولانا عبداللہ صاحب سے چمٹے رہنا۔

ایک مرتبہ حضرت رائے پوریؒ حضرت اقدس کی دعوت پر خانقاہ سراجیہ تشریف لائے۔ نمازِ عصر کے بعد حضرت اعلیٰؒ کے مزارِ مبارک پر تا دیر مراقب رہے، یہاں تک کہ مغرب کا وقت قریب آ گیا۔ مراقبہ سے فارغ ہو کر حضرت رائے پوریؒ نے آپ سے یہ ارشاد فرمایا کہ مولانا نماز کا وقت ہو گیا تھا، ورنہ اٹھنے کو جی نہیں چاہتا تھا۔

---

[1] اِنَّمَا بُعِثْتُ لِاُتَمِّمَ مَکَارِمَ الْاَخْلَاقِ۔ (حدیث شریف) میں اخلاقِ حسنہ کی تکمیل کے لیے بھیجا گیا ہوں۔

مغرب کے بعد تسبیح خانہ میں مجلس منعقد ہوئی۔ آپ نے حضرت رائے پوریؒ سے مسند پر بیٹھنے کے لیے فرمایا، مگر حضرت رائے پوریؒ باوجود اصرار مسند کے ایک گوشہ پر تشریف فرما ہوئے اور دوسرے گوشے پر آپ بیٹھ گئے۔ دوران گفتگو حضرت رائے پوریؒ نے آپ سے سلوک نقشبندیہ مجددیہ کی تفصیلات کے بارے میں استفسار فرمایا، جس پر آپ نے ولایت ثلاثہ، کمالات ثلاثہ اور دیگر حقائق و مقامات کی مختصر توضیح فرمائی۔ اسی اثنا میں حکیم محمد مظہر صاحب پر ایسا والہانہ جذب طاری ہوا کہ وہ عالمِ بے اختیاری میں بلند آواز سے اللہ اللہ پکارنے لگے۔ آپ نے کسی خادم سے کہا کہ انہیں باہر لے جاؤ۔ اس پر حضرت رائے پوریؒ نے فرمایا، مولانا! کوئی بات نہیں، ایسا ہو ہی جایا کرتا ہے۔ بعد ازاں حضرت رائے پوریؒ نے اپنے خدام سے فرمایا، دیکھو، تربیت اسے کہتے ہیں کہ شیخ کی ہیبت تمام مریدوں پر چھائی ہوئی ہے اور ہر شخص اپنے اپنے کام میں مشغول ہے۔

حضرت رائے پوریؒ سے آپ کا رابطۂ جانی اس قدر مستحکم تھا کہ اگر حضرت رائے پوریؒ خانقاہ شریف سے قریب کسی جگہ قیام فرماتے تو آپ ان سے ملنے کے لیے وہاں ضرور تشریف لے جایا کرتے تھے۔ اس قسم کی ایک ملاقات کے دوران حضرت رائے پوریؒ نے اپنے خدام کو کمرہ سے باہر چلے جانے کا اشارہ فرمایا۔ چنانچہ دونوں حضرات کے درمیان خلوت میں فقر و درویشی کے بعض اسرار و رموز پر گفتگو ہوتی رہی جن میں ایک یہ بات بھی تھی کہ حضرت رائے پوریؒ نے آپ سے دریافت فرمایا، مولانا! کمال کسے کہتے ہیں؟ ہمیں اس راہ میں تگ و دو کرتے ہوئے اتنا عرصہ گزر چکا ہے مگر کمال کا کہیں پتہ نہیں چلا۔ آپ نے ارشاد فرمایا، حضرت! یہی کمال ہے۔[1]

دلِ عارف ز ہر اندیشہ خالی است
کمالِ عشق عذرِ بے کمالی ست

۱۔ حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ کا قول ہے: در ایں طریق کمال در بے کمالی است و تحصیل ادب بے تحصیلی۔

مزار امام ربانیؒ پر ایک مشاہدہ

سیّد گل حسن شاہ صاحب ساکن کوٹلہ الوری، ضلع گجرات حضرت اعلیٰ سے اور اُن کے بعد حضرت ثانیؒ سے وابستہ رہے۔ ایران کی ایک پٹرولیم کمپنی میں ملازم تھے۔ ایک مدت تک ملازمت کرنے کے بعد گھر چلے آئے لیکن جب وطن میں کسبِ معاش کی کوئی مناسب و موزوں صورت نظر نہ آئی تو پھر سابقہ ملازمت دوبارہ اختیار کرنے کے لیے حضرت اقدس کی خدمت میں بار بار دعا کی درخواست کرتے رہتے تھے۔ ایک مرتبہ حضرت اقدس نے سرہند شریف حضرت مجدد الف ثانیؒ کے مزار مبارک پر جانے کا پروگرام بنایا تو شاہ صاحب موصوف کو بھی وہاں پہنچنے کے لیے گرامی نامہ تحریر فرمایا۔ شاہ صاحب اپنے قصبے سے صوفی عبدالجلیل صاحب کے ہمراہ، جو حضرت اعلیٰ کے مرید اور صاحبِ کشف درویش تھے، آپ کی خدمت میں سرہند شریف پہنچ گئے۔ دورانِ قیام ایک روز حضرت اقدس ارادتمندانِ سلسلہ کے ساتھ حضرت امام ربانیؒ کے مزار مبارک پر مراقب ہوئے۔ اثنائے مراقبہ صوفی عبدالجلیل صاحب نے دیکھا کہ حضرت امام ربانیؒ نے ایک تحریر حضرت اقدس کو عنایت فرمائی، جس میں یہ درج تھا کہ اگر سیّد گل حسن شاہ ملازمت کے لیے دوبارہ ایران گئے تو اس میں انہیں بہت سے مصائب و آلام پیش آ سکتے ہیں حتیٰ کہ ان کی جان کا بھی خطرہ ہے۔

مراقبہ سے فراغت کے بعد حضرت اقدس اپنی قیام گاہ پر تشریف لے آئے اور احباب سے کہا کہ ہمارے سلسلے میں سراسر خاموشی اور سکوت ہے، کوئی ہاؤ ہو نہیں۔ اس گفتگو کے دوران حضرت اقدس نے فرمایا کہ ساتھیوں میں سے اگر کسی نے کوئی بات دیکھی ہو تو وہ اسے بیان کرے۔ اس ارشاد پر صوفی عبدالجلیل صاحب نے مذکورہ بالا مشاہدہ عرض کیا۔ حضرت اقدس نے فرمایا کہ اپنے مشاہدے سے شاہ صاحب کو بھی آگاہ کر دیں۔ چنانچہ شاہ صاحب موصوف نے اسے سننے کے بعد عرض کیا کہ حضور! اب مجھے ملازمت نہیں چاہیے، بس آپ یہ دعا فرمائیں کہ میری عاقبت بالخیر ہو جائے۔

حضرت داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ سے روحانی تعلق

ایک مرتبہ حضرت اقدس لاہور سے تشریف لائے۔ صوفی محمد اسلم صاحب، جو

حضرت اقدس کے مریدوں میں سے صاحب کشف بزرگ ہیں، آپ کی زیارت کے لیے آئے۔ حضرت اقدس کے دوران قیام صوفی صاحب موصوف حضرت سید مخدوم علی ہجویری داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ کے مزار مبارک پر حاضر ہوئے۔ اثنائے مراقبہ انہیں حضرت داتا صاحبؒ کی زیارت ہوئی۔ آپ نے انہیں بے کراں الطاف وعنایات سے نوازا اور ساتھ ہی یہ بھی ارشاد فرمایا کہ آپ کے شیخ لاہور آیا کرتے ہیں، ان سے کہنا کسی روز ہم سے بھی آ کے مل جائیں۔

واپس آکر صوفی صاحب موصوف نے حضرت اقدس سے وہ تمام مشاہدات بیان کیے جو حضرت داتا صاحبؒ کے مزار مبارک پر پیش آئے تھے مگر ان کا خصوصی پیغام ذہن سے اتر گیا۔ اگلے روز حضرت اقدس نے صوفی صاحب سے فرمایا کہ حضرت داتا صاحبؒ کے مزار پر گئے تھے مگر کوئی خاص بات بیان کرنا بھول گئے۔ اس پر صوفی صاحب نے عرض کیا، افسوس! مجھے یاد نہیں رہا۔ حضرت داتا صاحبؒ نے یہ ارشاد فرمایا تھا کہ اپنے شیخ سے کہنا، کسی روز ہم سے بھی آ کے مل جائیں۔ یہ سن کر حضرت اقدس نے فرمایا، اب آپ حضرت داتا صاحبؒ کے مزار مبارک پر جا کر اپنی فروگذاشت کی معذرت کریں۔ باقی میں ان سے مل آیا ہوں۔

تحفظ ختم نبوت سے والہانہ لگاؤ

حضرت اقدس رحمہ اللہ تعالیٰ اسلام اور داعی اسلام علیہ الصلوٰۃ والسلام کی حرمت و ناموس کو عقیدۂ ختم نبوت کی اساس سمجھتے تھے۔ چنانچہ آپ اس عقیدہ کو ایمان کا موقوف علیہ تصور فرماتے ہوئے اس کے تحفظ کے سلسلے کو حرز جان کی طرح اولین اہمیت دیتے تھے۔ ختم نبوت کے منکروں، اس عقیدہ میں من گھڑت تاویلات کرنے والوں اور جعلی نبوت کے قائلین کو اسلام کا سب سے بڑا دشمن گردانتے تھے۔ ۱۹۵۳ء میں جب تحریک ختم نبوت ابھری تو آپ نے اس کی پوری طرح پشت پناہی فرمائی۔ عقیدۂ حق کا اعلان کرنے والوں کی گرفتاریاں شروع ہوگئیں اور ان پر گولیاں برسنے لگیں۔ جہاں جہاں آپ کے متوسلین تھے، انہوں نے اس تحریک میں سرگرمی سے حصہ لیا۔ خود آپ نے مرکز میں رہ کر اس تحریک

کی قیادت فرمائی۔ موجودہ سجادہ نشین حضرت خان محمد صاحب قبلہ کو برملا اعلانِ حق کرنے اور میانوالی اجلاس منعقد کرنے کے لیے بھیجا۔ حضرت قبلہ تعمیلِ ارشاد کے پیشِ نظر قید و بند کی صعوبتوں سے بے نیاز میانوالی تشریف لے گئے اور خود کو گرفتاری کے لیے پیش کر دیا۔ پہلے میانوالی جیل میں رہے، پھر بورسٹل جیل لاہور منتقل کر دیے گئے۔ بعد ازاں اس تحریک کو دبانے کے لیے اس دور کے وزیر اعظم خواجہ ناظم الدین نے حدودِ لاہور میں، جو تحریک کا سب سے بڑا عملی مرکز تھا، مارشل لاء نافذ کر دیا۔ مولانا غلام غوث ہزاروی مدظلہ العالی کے متعلق حکم دے دیا گیا کہ جہاں ملیں، انہیں گولی مار دی جائے۔ مولانا ہزاروی حضرت اقدس کے حلقۂ ارادت میں شامل تھے۔ آپ کو ان کی حفاظتِ جان کی فکر ہوئی۔ انہیں لاہور سے خانقاہ شریف خاص حکمتِ عملی سے لایا گیا۔ پھر کسی محفوظ و مخفی مقام پر حالات درست ہونے تک رکھا گیا۔ پھر جب لاہور میں اس تحریک کے سلسلے میں تحقیقاتی کمیشن بیٹھا تو منکرینِ ختمِ نبوت کے خارج از اسلام ہونے اور عقیدۂ ختمِ نبوت کو اسلام کا بنیادی عقیدہ ثابت کرنے کے لیے علمائے اسلام کا بورڈ حکیم عبدالمجید صاحب سیفی کے مکان بیڈن روڈ پر بیٹھا۔ متعلقہ کتب فراہم کی گئیں۔ تحریک مرزائیت لعن اللہ بانیہا سے متعلق تمام لٹریچر جمع کیا گیا۔ علمائے کرام ختمِ نبوت کے عظیم الشان مسئلہ کے اثبات میں کتابوں سے حوالے تلاش کر کے فراہم کرتے رہے، حتیٰ کہ مودودی جماعت کے افراد بھی حکیم عبدالرحیم اشرف لائل پوری کی سرکردگی میں اس مرکزِ تحقیق سے اپنے لیے کارآمد مواد حاصل کر کے لے جایا کرتے تھے۔

حضرت اقدس نے دو بار حج بیت اللہ شریف فرمایا۔ دوسرے حج کے بعد عالمِ فانی سے روگردانی کے آثار کچھ زیادہ نمودار ہونے لگے تھے۔ حافظ سید عبدالحمید صاحب بہاولپوری راوی ہیں کہ دوسرے حج سے واپسی کے بعد حضرت اقدس نے فرمایا کہ اعلیٰ حضرت نے جو باتیں بتائی تھیں، وہ سب کی سب اس حج کے موقعہ پر حل ہو گئی ہیں۔ بس ایک عقدہ باقی رہ گیا ہے، انشاء اللہ وہ بھی عنقریب حل ہو جائے گا۔ یہ اشارہ اس طرف تھا کہ مقاماتِ عالیہ مجددیہ کے تمام اسرار و معارف اور سلسلۂ ارشاد کے تمام مقاصد پورے ہو چکے ہیں، اب صرف جان و تن کے ربط کا معاملہ باقی رہ گیا ہے تا کہ روح قیدِ تن سے آزاد ہو

کر فضائے لامکاں کی سیر کرتے ہوئے رفیقِ اعلیٰ کی طرف ایسا عروج کرے کہ اس کے بعد نزول کا سوال ہی پیدا نہ ہو۔ حاصلِ کلام یہ کہ آپ کے اطوار و احوال سے یہ مترشح ہونے لگا تھا کہ اب آپ کا دل عالمِ آب وگِل سے سیر ہو چکا ہے۔ مزاجِ مبارک میں طبعی حرارت کے علاوہ محبت الٰہی کے سوزِ دروں نے بھی ایک آگ سی لگا رکھی تھی۔ سرد آہیں کثرت سے بھرا کرتے تھے۔ سانس سے گوشت کے جلنے کی سی بُو آتی تھی۔ اسی دوران دردِ قولنج کی شکایت ہوگئی جس سے اضمحلال بہت بڑھ گیا۔ مقامی علاج سے جب کچھ افاقہ نہ ہوا تو حکیم عبدالمجید صاحب سیفی نے اپنے ہاں مستقل علاج کے لیے لاہور تشریف لانے کی دعوت دی۔ آخر ماہِ رجب ۱۳۷۵ھ میں راقم الحروف کی دختر کی شادی بھی لاہور میں تھی۔ اس پر حضرت اقدس مدعو تھے، چنانچہ شادی کی تاریخ سے پہلے ہی لاہور تشریف لے آئے۔ سیفی صاحب مرحوم نے اپنے مخصوص معمولات کے مطابق علاج کیا۔ روز بروز افاقہ ہو کر طبیعت قریب قریب بحال ہوگئی۔ تقریباً بیس روز تک قیام فرمایا۔

سرہند شریف کا آخری سفر

شعبان ۱۳۷۵ھ کے دوسرے ہفتے میں سرہند شریف، مالیر کوٹلہ اور دہلی کے ارادے سے ہندوستان تشریف لے گئے۔ چونکہ ویزے میں مالیر کوٹلہ کا اندراج سب سے پہلے تھا، لہٰذا پہلے مالیر کوٹلہ جانا پڑا۔ اس کے بعد سرہند شریف تشریف لائے۔ تقریباً ایک ہفتہ وہاں قیام رہا۔ حکیم سیفی صاحب، حاجی جان محمد صاحب، مولوی عبدالمجید صاحب اور صوفی محمد صادق صاحب وغیرہم ہمراہ تھے۔ راقم الحروف بھی وقت نکال کر سرہند شریف پہنچ گیا۔ دہلی ساتھ چلنے کا قصد تھا۔ دہلی میں مولانا احمد رضا صاحب بجنوری مصنف ''انوار الباری'' شرح اردو صحیح بخاری کو، جو حضرت اقدس سے وابستہ تھے، سفر کے پروگرام سے مطلع کیا جا چکا تھا۔ توقع تھی کہ وہ سرہند شریف آ جائیں گے۔ لیکن انہیں خط دیر سے ملا اور پروگرام سمجھنے میں بھی کچھ غلط فہمی ہوئی، لہٰذا وہ متوقع تاریخ پر سرہند شریف نہ آ سکے۔ ادھر حکیم سیفی صاحب مرحوم کو اسہال کی شکایت ہوگئی اور وہ بھی بوجہ نقاہت سفرِ دہلی کے قابل نہ رہے، لہٰذا حضرت نے سفرِ دہلی کا ارادہ ملتوی فرما دیا اور سرہند شریف ہی سے لاہور کے لیے واپسی طے ہوگئی۔

دریں اثناء مولانا سیّد احمد رضا صاحب بھی دہلی سے آ گئے۔ چونکہ اب پروگرام بدل چکا تھا اس لیے حضرت قبلہ اگلے روز لاہور کے لیے روانہ ہو گئے اور مولانا احمد رضا صاحب دہلی چلے گئے۔ حضرت اقدس نے ایک دو روز لاہور قیام فرمایا اور اس کے بعد خانقاہ سراجیہ تشریف لے گئے۔ رمضان المبارک کی آمد قریب تھی۔ حرارتِ مزاج اور شدتِ گرما کی وجہ سے آپ رمضان المبارک مانسہرہ میں گزارا کرتے تھے جو نسبتاً خاصا سرد مقام ہے۔ اس علاقے میں حضرت کے متوسلین بھی کثیر تعداد میں تھے۔ لیکن اس سال رمضان شریف اپریل اور مئی میں آیا۔ چونکہ موسم ہلکا سا معتدل تھا اس لیے آپ نے رمضان المبارک خانقاہ شریف ہی میں گزارا اور حسبِ دستور پورے مہینے کی راتیں تا سحر تراویح و مراقبات میں بسر کیں۔ بحمدہٖ تعالیٰ طبیعت بہت شاداں و فرحاں رہی۔ وسطِ شوال میں موسم زیادہ گرم ہو جانے کی وجہ سے مانسہرہ تشریف لے جانے کا ارادہ فرما رہے تھے کہ طبیعت بوجہ غلبۂ صفرا علیل ہو گئی۔ حرارتِ درونی کی سوزش نے سخت بے تابی پیدا کر دی۔ آپ کے متوسلین میں سے نامور حکیم مولانا چن پیر اور حکیم محمد زبیر صاحب علاج کے لیے خانقاہ شریف حاضر ہو گئے۔ علاج ہوتا رہا مگر تکلیف بڑھتی گئی۔ قاضی شمس الدین صاحب اور صوفی محمد صادق صاحب کو مانسہرہ روانہ کیا گیا، تاکہ انتظام مکمل ہو جانے کی اطلاع آئے تو حضور روانہ ہوں لیکن اس کی نوبت آنے سے پہلے ہی صفرا اور استفراغ کی شدت ہو گئی۔ کوئی دوا یا غذا اندر نہ ٹھہرتی تھی۔ موجود طبیبوں نے ہر چند تدابیر کیں مگر قضائے الٰہی کے آگے پیش نہ گئی۔ سوزشِ درونی کا یہ عالم تھا کہ ٹھنڈے پانی کے چھینٹے اپنے بدن اور تلووں پر زور زور سے چھڑکواتے تھے تو کچھ چین آتا تھا۔

یہ حالت دیکھ کر صاحبزادہ محمد عارف صاحب ۲۶ رشوال کی صبح لاہور پہنچے اور اسی وقت حکیم نیّر واسطی صاحب کو ساتھ لے کر شام کے بعد خانقاہ شریف پہنچ گئے۔ حضرت اقدس نے حکیم صاحب کو دیکھا تو اظہارِ اطمینان کے ساتھ تعجب بھی کیا۔ ارشاد فرمایا کیا ہوائی جہاز سے آئے ہو؟ سب حکیموں اور حاضرین پر یاس و الم کی عجیب کیفیت طاری تھی مگر حضرت ان سب کو تسلی و تشفی دیتے تھے۔

حکیم محمد زبیر صاحب نے روتے ہوئے عرض کیا کہ آپ نے مجھے مرتے ہوئے اپنے تصرفات سے سلب مرض فرما کر حق تعالیٰ کی جناب سے دوبارہ مانگا تھا، کچھ اپنے ازالۂ مرض کے لیے بھی توجہ فرمائیں۔ لیکن جواب سوائے رضا بہ قضا کچھ عنایت نہ فرمایا۔ صوفی محمد عبداللہ صاحب بھی عجز و الحاح کے ساتھ اللہ رب العزت کی بارگاہ میں آپ کی صحت کے لیے بار بار دعا کرتے تھے مگر حضرت اقدس نے فرمایا، "صوفی! جھنڈ مکن رے۔" یعنی چھوڑ دو، قصہ ختم ہونے دو۔ دن پوچھا تو عرض کیا گیا کہ چہار شنبہ گزر کر جمعرات کی شب آگئی ہے۔ کچھ اطمینان کا سانس لیا۔ حکیم سیفی صاحب نے نبض دیکھی۔ آپ نے پوچھا کہ نبض کا کیا حال ہے؟ عرض کیا کہ اللہ تعالیٰ فضل فرمائے نبض بہت کمزور ہے۔ یہ سن کر فرمایا، ماشاء اللہ! پھر خاموشی اختیار فرمائی۔ اتفاق سے حضرت کی اہلیہ محترمہ اپنے بھائی کے ہاں ہونے والا گئی ہوئی تھیں، گھر میں صرف صاحبزادی صاحبہ تھیں۔ والد صاحب قبلہ کی اس حالت سے سخت بے چین تھیں۔ آپ باہر تھے اور وہ اندر۔ حضرت ان کو تسلی و تشفی دلاتے رہے۔ مگر افسوس کہ وقتِ آخر آچکا تھا۔ اب آپ نے اپنا رُخ اور رُوئے سخن سب سے ہٹا کے اپنے آقا و مولا تعالیٰ شانہٗ کی طرف کرلیا۔ بالآخر یہ جامع کمالات وجود مسعود استغراق و محویت میں راضی برضائے الٰہی ساڑھے بارہ بجے شب بروز پنجشنبہ ۲۷ شوال ۱۳۷۶ھ بمطابق ۷ جون ۱۹۵۷ء رفیقِ اعلیٰ سے واصل ہوگیا۔ اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّآ اِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ.

آنچہ از من گم شدہ، گر از سلیماں گم شدے
ہم سلیماں، ہم پری، ہم اہرمن بگریستے

آپ نے پندرہ سال، آٹھ ماہ اور پندرہ روز مسندِ ارشاد کو زینت بخشی۔

نو دس بجے دن کو تدفین عمل میں آئی۔ مفتی عطا محمد صاحب اور دیگر حضرات نے غسل دیا۔ حضرت مولانا خان محمد صاحب مدظلہ العالی نے نمازِ جنازہ بجماعتِ کثیرہ پڑھائی۔ اپنے شیخ علیہ الرحمۃ کی آغوش میں بجانب غرب مدفون ہوئے۔ نوّر اللّٰہ مرقدہٗ و عطّر اللّٰہ مضجعہ و امطر علیہ شآبیب الرضوان۔ اللّٰھم لاتحرمنا من برکاتہ۔

ع ویرحم اللّٰہ عبدًا قال آمینا

پسماندگان

اولاد میں ایک صاحبزادی اور ایک صاحبزادہ مولانا حافظ محمد عابد صاحب سلمہٗ، ان کی والدہ وام مجدھا، دو چھوٹے بھائی ماسٹر بدرالدین صاحب اور میاں محمد ابراہیم صاحب، ان کے علاوہ ہزاروں سالکان طریقت پسماندگان میں شامل ہیں۔

تقسیم ملک کے بعد آپ کے برادران اور دیگر اعزہ سلیم پور لدھیانہ سے منتقل ہو کر بستی سرادیہ متصل خانیوال میں آباد ہو چکے تھے، اس لیے آپ کی وفات کے بعد سے آپ کے متعلقین اسی بستی میں مقیم ہیں۔ صاحبزادی اور صاحبزادہ محمد عابد ہر دو اپنے گھروں میں خوش وخرم آباد ہیں۔ ابتهما اللّٰه تعالٰی نباتًا حسنًا وجعل اللّٰه تعالٰی ابنه الصالح كاسمه عابدًا ولكمالات والده المعظم وارثًا، آمين۔

حضرت اقدس رحمہ اللہ تعالیٰ کے خلفاء

حضرت اقدس علیہ الرحمہ کے معروف خلفاء درج ذیل ہیں:

۱۔ حضرت مولانا ابوالخلیل خان محمد صاحب مدظلہ العالی

جو آپ کی وفات حسرت آیات کے بعد ۲۸ر شوال ۱۳۷۶ھ کو آپ کے جانشین منتخب ہو کر مسند ارشاد پر جلوہ افروز ہوئے۔ آپ کے حالات کتاب ہذا کے آخر میں ہدیۂ ناظرین ہیں۔

۲۔ حضرت حاجی میاں جان محمد صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ

آپ سلسلۂ نقشبندیہ مجددیہ میں اعلیٰ حضرت قدس سرہٗ کے مجاز تھے۔ آپ کے مختصر حالات حضرت اعلیٰ کے خلفاء کے ذکر میں بیان ہو چکے ہیں۔ آپ نے ازسرِ نو تفصیلی سلوک حضرت اقدس کی خدمت میں رہ کر طے فرمایا اور طریقہ نقشبندیہ کے ساتھ سلاسل اربعہ میں حضرت اقدس کی طرف سے بھی شرفِ اجازت سے بہرہ یاب ہوئے۔

۳۔ حضرت مولانا سید پیر عبداللطیف شاہ صاحب مدظلہ العالی

ساکن احمد پور سیال، ضلع جھنگ۔ حضرت اقدس نے اپنے عہد جانشینی میں سب

سے پہلے آپ کو خلافت عطا کی۔ آپ حضرت سیّد مخدوم جہانیاں جہاں گشت علیہ الرحمہ اوچ شریف کی اولادِ امجاد میں سے ہیں۔ حضرت پیر سیّد عبداللہ شاہ صاحب آپ کے چچا تھے جو حضرت اعلیٰ قیوم زماں کے جلیل القدر خلیفۂ مجاز اور بہت باکمال بزرگ تھے۔ آپ نے عربی، فارسی کی ابتدائی تعلیم پنجاب کے مختلف مدارس میں حاصل کی اور تکمیل حضرت مولانا سیّد انور شاہ صاحب کشمیری اور مولانا شبیر احمد عثمانی قدس سرہما کی خدمت میں رہ کر جامعہ اسلامیہ ڈابھیل، ضلع سورت میں کی۔ سلوک طریقۂ نقشبندیہ اعلیٰ حضرت قدس سرہٗ کی خدمت میں طے کرنا شروع کیا۔ تکمیل حضرت قبلہ جانشین قیومِ زماں مولانا محمد عبداللہ رحمہ اللہ تعالیٰ سے کی۔ اوّلاً طریقۂ نقشبندیہ مجددیہ میں مجاز ہوئے پھر دیگر سلاسل کی نسبتوں سے فیض یاب ہو کر تمام سلاسل میں اجازتِ مطلقہ سے مشرف ہوئے۔ بحمدہٖ تعالیٰ سلسلۂ پاک کی اشاعت میں مشغول و منہمک ہیں۔ دید قصور کا غلبہ آپ پر بہت زیادہ ہے۔ موجودہ سجادہ نشین حضرت مولانا خان محمد صاحب قبلہ کی خدمت میں ایک مریدِ بااخلاص کی حیثیت سے حاضر ہوتے رہتے ہیں۔ خاص طور پر رمضان المبارک کا پورا مہینہ خانقاہ شریف میں ارادت مندوں کے ساتھ گزارتے ہیں۔ زہد و اتقاء اور فقر و قناعت کا ایک مثالی نمونہ ہیں۔ اطال اللّٰہ حیاۃ و ابقاہ لافاضتہ برکات الاکابر رحمہم اللّٰہ تعالیٰ۔

۴۔ حضرت مولانا قاضی شمس الدین مدظلہٗ

ساکن موضع درویش، ہری پور، ہزارہ۔ آپ ۱۳۳۴ھ مطابق ۱۹۱۹ء میں موضع کوٹ نجیب اللہ، تحصیل ہری پور، ہزارہ میں حضرت مولانا فیروز الدین قدس سرہٗ کے گھر متولد ہوئے۔ والد مرحوم معقول و منقول کے جلیل القدر عالم تھے اور نانا مولانا فیض عالم ہزاروی مؤلف نبراس الصالحین و نبراس الابرار مشہور آفاق عالم گزرے ہیں۔ ان کی بعض تحقیقاتِ نادرہ میں سے قریات صغیرہ میں جمعہ کے عدم جواز کا فتویٰ ہے جس کی طرف صدر المدرسین دارالعلوم دیوبند حضرت علامہ سیّد انور شاہ صاحب کشمیری رحمہ اللہ نے بدیں الفاظ ارشاد فرمایا ہے، وَاَوَّلُ مَنِ اسْتَدَلَّ بِہٖ الْمَوْلَوِیُّ فَیْضُ عَالِمِ الْھَزَارَوِی. نیز مولانا موصوف ہی نے سب سے پہلے غیر مقلد عالم محمد حسین بٹالوی کے دس سوالوں کے جوابات

دی۔ بحمدہٖ تعالیٰ اب یہ مدرسہ پنجاب کا ایک مرکزی دارالعلوم شمار ہوتا ہے۔ بعد از نمازِ فجر بحالتِ مراقبہ واصل بحق ہوئے۔ تغمده الله بفضله و كرمه.

۶۔ حضرت مولانا حافظ محمد امان اللہ صاحب مدظلہٗ

آپ بھی حضرت اقدس کے ممتاز خلفاء میں سے ہیں۔ تعلیمِ دین کی مبادیات پنجاب کے بعض مدارس میں پڑھیں اور تکمیل دارالعلوم دیوبند میں کئی سال مقیم رہ کر فرمائی۔ صاحبِ علم وعمل اور جامعِ کمالاتِ ظاہر و باطن ہیں۔ حضرت اقدس کے خلفاء میں غالباً آپ سب سے کم عمر ہیں۔ جید عالمِ دین ہونے کے علاوہ دولتِ حفظِ قرآن سے بھی بہرہ ور ہیں۔ حضرت اقدس کے عہد میں مدت تک درسِ قرآن اور تعلیمِ کتبِ عربی کی خدمات انجام دیتے رہے۔ صاحبزادہ محمد زاہد صاحب سلمہٗ نے آپ ہی سے قرآن شریف حفظ کیا۔ خطابت میں بھی دستگاہِ کامل رکھتے ہیں۔ موضع چھلار مدینہ، متصل بائی پاس سرگانہ میں درس، مطب اور امامت وخطابت مسجد کے ساتھ ساتھ طریقۂ پاک کی اشاعت وترویج میں سعی بلیغ فرما رہے ہیں۔ فجزاهم الله جزاءً حسناً.

۷۔ حضرت مولانا مفتی عطا محمد صاحب مدظلہٗ

ساکن چودھوان، ضلع ڈیرہ اسماعیل خان۔ آپ کا شمار حضرت اقدس کے جلیل القدر خلفاء میں ہوتا ہے۔ جامع معقول ومنقول اور عالمِ دین ہیں۔ تحصیلِ علم پنجاب کے بعض مدارس میں فرمائی۔ درس وتدریس کا ملکۂ کامل رکھتے ہیں۔ تحصیلِ سلوک کے ساتھ حضرت اقدس کے حسب الارشاد مدرسہ سعدیہ خانقاہ شریف میں بھی پڑھاتے رہے۔ حضرت اقدس نے آپ کو طریقۂ پاک کے اسرار ومعارف سے سیراب کیا۔ آپ کے درس کا اہتمام خصوصی طور پر نبیرگانِ اعلیٰ حضرت صاحبزادہ محمد عارف وصاحبزادہ محمد زاہد سلمہما کی تعلیم وتربیت کی خاطر عمل میں آیا تھا۔ شرفِ اجازت حاصل کرنے کے باوجود بارگاہِ شیخ سے وابستہ رہے۔ حضرت اقدس کے وصال پر بھی حاضرِ خدمت تھے۔ آپ نے دیگر رفقا کے ساتھ مل کر غسل و تکفین کی خدمات بھی انجام دیں اور تدفین کے وقت جب انتخابِ جانشین کا مسئلہ درپیش آیا تو آپ نے حضرت مولانا ابوالخلیل خان محمد صاحب مدظلہٗ کے مراتب وکمالات کے پیشِ نظر

آپ کی جانشینی کی پرزور تائید کی۔ خود بھی تجدید بیعت کی اور دوسروں کو بھی مخلصانہ مشورہ دیا۔ پھر کئی سال حضرت والا کی خدمت میں گزارے اور حسب معمول مدرسہ سعدیہ میں بھی تعلیم دیتے رہے۔ آجکل اپنے وطن چودھوان میں دینی مدرسہ قائم کر رکھا ہے اور اپنے فرزند مولانا قطب الدین صاحب سلمہٗ کے ساتھ خدماتِ دین انجام دے رہے ہیں۔ اپنے علاقے میں مفتی اور فقیہ کے نام سے معروف ہیں۔ آپ نے رسالہ "تحفۂ سعدیہ" پر نظر ثانی کی اور اس کے حواشی میں اضافہ کی سعی بلیغ فرمائی۔ وفقہ اللّٰہ تعالٰی لتائید الدین واشاعة الطریقة العالیه.

۸۔ حضرت مولانا محمد مکرانی رحمۃ اللہ علیہ

آپ نے سلوک نقشبندیہ مجددیہ کی تحصیل اعلیٰ حضرت قیوم زماں کی خدمت میں رہ کر شروع کی اور مجاز ہوئے۔ حضرت اعلیٰ کے وصال کے بعد جانشین قیوم زماں حضرت مولانا محمد عبداللہ قدس سرہٗ کی خدمت میں انتہائی مقامات طے فرمائے اور دیگر سلاسل کی نسبتوں سے سرفراز ہوکر اجازتِ مطلقہ حاصل کی۔ آپ کا ذکر اعلیٰ حضرت کے خلفاء میں قدرے تفصیل کے ساتھ گزر چکا ہے۔

۹۔ حضرت حافظ محمد سعد اللہ خان صاحب خاکوانی مدظلہٗ

آپ کی بیعتِ اوّل اعلیٰ حضرت قدس سرہٗ سے ہے، مگر آپ کو تلقین ذکر اور طریقۂ پاک کی اجازت حضرت اقدس سے حاصل ہوئی۔ جید حافظ اور عالم دین ہیں۔ دارالعلوم دیوبند میں تحصیلِ حدیث فرمائی۔ خطۂ ملتان کے بااثر اور عالی قدر زمینداروں میں شمار ہوتے ہیں۔ آپ کا تمام خانوادہ حضرات مجددیہ کی برکات سے بطفیل خانقاہ سراجیہ شرف یاب ہوا۔ اللہ تعالیٰ نے دولتِ دارین سے نوازا:

ع وَمَا اَحْسَنَ الدِّیْنَ وَالدُّنْیَا اِذَا اجْتَمَعَا

عمر رسیدہ بزرگ ہیں اور اپنے علاقے میں طریقۂ پاک کی اشاعت فرما رہے ہیں۔ وفقه اللّٰه لمرضاته واطال حیاته.

۱۰۔ حضرت حکیم عبدالمجید[1] احمد صاحب سیفی رحمہ اللہ تعالیٰ

ساکن بیڈن روڈ، لاہور۔ آپ حضرتِ اقدس کے آخری خلیفہ ہیں جنہیں آپ نے دوسرے حج سے واپسی کے بعد خانقاہ شریف میں ۳ ربیع الاوّل ۱۳۷۵ھ کو اجازتِ طریقہ عطا فرمائی۔ آپ ضلع سرگودھا میں مولانا عبدالقادر رائے پوری رحمہ اللہ کے گاؤں ڈھڈیاں سے متصل موضع سدا کمبوہ کے رہنے والے تھے۔ بہ سلسلۂ مطب لاہور میں پہلے نکلسن روڈ، پھر بیڈن روڈ پر قیام فرما رہے اور یہیں داعیٔ اجل کو لبیک کہا۔ آپ متوسط درجہ کے زمیندار گھرانے سے تعلق رکھتے تھے۔ ایف اے تک تعلیم علی گڑھ یونیورسٹی میں حاصل کی۔ تحریک آزادی میں مولانا محمد علی جوہرؒ کے ساتھ ان کے پرائیویٹ سیکرٹری کی حیثیت سے کچھ عرصہ قومی خدمات انجام دیتے رہے۔ پھر خوش قسمتی سے اعلیٰ حضرت قیومِ زماں قدس سرہٗ کی خدمت میں رسائی نصیب ہوئی اور طریقۂ مجددیہ سے منسلک ہونے کے بعد ابی کے ہو رہے۔ والد کے انتقال کے بعد اپنے حصے کی جائیداد فروخت کر کے یکسو ہو گئے تا کہ پھر وطن جانے کا خیال ہی نہ آئے۔ برسوں اعلیٰ حضرت کی خدمت میں رہ کر کسب فیض کرتے

۱۔ حضرت اقدس نے حکیم صاحب مرحوم کو پہلے رسالہ ''ایضاح الطریقہ'' تعلیم فرمایا۔ پھر اجازت طریقہ قبول کرنے پر آپ کو آمادہ کرتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ اگرچہ تمہیں اس کی ضرورت نہیں لیکن طریقۂ پاک کو تمہاری ضرورت ہے۔ حکیم صاحب مرحوم نے خانقاہ شریف سے واپسی پر اس بات کا ذکر راقم الحروف سے کیا تو معاً فقیر کا ماتھا ٹھنکا کہ ضرور اس میں کوئی راز ہے۔ اس وقت تو سمجھ میں نہ آیا مگر وہ راز حضرت اقدس کے وصال کے بعد ۲۷ شوال ۱۳۷۶ھ کو منکشف ہو گیا۔ گویا حضرت اقدس کا یہ ارشاد اپنے قرب ارتحال کی طرف اشارہ تھا کہ خانقاہ شریف میں طریقۂ عالیہ کی شانِ خاص کے بقا میں آپ سے کام لیا جائے گا۔ چنانچہ حکیم صاحب موصوف نے حضرت اقدس کے وصال کے بعد حضرت خان محمد صاحب قبلہ کی سجادہ نشینی کے سلسلے میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ حکیم نجم الدین صاحب، حکیم محمد زبیر صاحب، مفتی عطا محمد صاحب اور دیگر متوسلین آپ کے ہم خیال اور مؤید تھے۔ واللہ اعلم بالصواب

رہے۔ حضرت اعلیٰ آپ کی دلجوئی کا خاص خیال رکھتے تھے۔ چونکہ اخبار بینی کے عادی تھے اس لیے بعض اوقات خود حضرت اعلیٰ انہیں انگریزی اخبار منگوا کر دیا کرتے تھے۔ کسب معاش کے سلسلے میں آپ نے استاد طب جناب حکیم عبدالرسول صاحب رحمہ اللہ سے فن طب میں کمال حاصل کیا اور فن ادویہ سازی میں کئی جدید تصرفات کیے۔ اعلیٰ حضرت کے وصال کے بعد تا حیات قیوم زماں حضرت مولانا محمد عبداللہ قدس سرہ سے رابطہ باطنی استوار رکھا۔ حضرت اقدس جب لاہور تشریف لاتے تو حکیم صاحب موصوف کے مکان ہی پر قیام فرمایا کرتے تھے۔ آپ جان و دل سے حضرت اقدس کی خدمت بجا لاتے اور ہر طرح کے آرام و آسائش کا خیال رکھتے تھے۔ حکیم صاحب مرحوم کے مکان پر ہمہ وقت ارادتمندوں کا اجتماع رہتا تھا۔ راقم الحروف، محمد حبیب احمد صاحب ہیڈ ماسٹر اور دیگر وابستگان سلسلہ ختم خواجگان اور مجالس ذکر میں شریک ہوا کرتے تھے۔ آپ متوکل ہونے کے ساتھ بڑے فراخ طبع اور نفیس مزاج تھے۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں وسعتِ رزق بھی عطا فرمائی تھی۔ خود حضرت اقدس بھی ان کی استقامت کی تعریف فرمایا کرتے تھے۔

سلوکِ نقشبندیہ سے متعلق حضرت شاہ غلام علی قدس سرہ کے مکاتیب، رسالہ ایضاح الطریقہ، امام ربانی حضرت مجدد الف ثانی کے رسائل مبدأ و معاد اور معارف لدنیہ، قاضی ثناء اللہ پانی پتی کا رسالہ ارشاد الطالبین اور مولانا محمد باقر لاہوری کا رسالہ تحفۃ الہدایات چھپوا کر شائع کیے۔ مکتوبات معصومیہ، مکتوبات سعیدیہ اور رسالہ فضائل اذکار معصومیہ کی اعلیٰ کتابت بلاک بنوا کر طبع کرانے میں سعی فرمائی لیکن طباعت سے پہلے بارگاہِ الٰہی سے طلبی آگئی اور **بتاریخ ۲۴ راگست ۱۹۶۰ میلادی نمازِ فجر کے بعد ہاتھ میں تسبیح لیے ہوئے بحالتِ ذکر ومراقبہ واصل بحق ہوئے۔**

ع حق مغفرت کرے عجب آزاد مرد تھا

بسم الله الرحمن الرحيم

احوال و معارف

حضرت مرشدنا و مولانا

الحاج خان محمد صاحب مدظلہ العالی

سجادہ نشین خانقاہ سراجیہ، کندیاں

شجرۂ نسب قطب الاقطاب خواجہ خواجگان خان محمد صاحبؒ

(پیدائش ۱۴ فروری ۱۹۱۶ء، وفات ۲۰ جمادی الاولیٰ ۱۴۳۱ھ/۵ مئی ۲۰۱۰ء)

ملک جمال خان تلوکر

ملک علی خان تلوکر ← ملک یعقوب خان تلوکر ← ملک صدیق خان تلوکر ← ملک فتح خان تلوکر

ملک غلام محمد تلوکر (شہید)

ملک مستی خان تلوکر — ملک مستی خان تلوکر — ملک مرزا خان تلوکر

مجدد عصر قیوم دوراں مولانا ابوالسعد احمد خانؒ

(پیدائش ۱۸۸۰ء، وفات ۱۲ صفر المظفر ۱۳۶۰ھ/۱۱ مارچ ۱۹۴۱ء)

ملک خواجہ عمر تلوکر

ملک شیر محمد — قطب الاقطاب خواجہ خواجگان خان محمد صاحبؒ — ملک فتح محمد — ملک محمد افضل

خدیجہ بی بی (زوجہ اول) — حمیدہ بی بی (زوجہ ثانی)

① محمد صدیق

میمونہ بی بی

کلثوم بی بی

② عزیز احمد: عائشہ سعدیہ، ہریرہ سعدیہ، لبابہ سعدیہ، زینب فاطمہ، رابعہ سعدیہ

③ خلیل احمد: سعد احمد خان (← ولی احمد خان)، خدیجہ خلیل، انیسہ خلیل، ضماریہ خلیل

④ رشید احمد: حبیب احمد خان، وردہ رشید، ماہ نور رشید، محمد عبداللہ احمد خان

⑤ سعید احمد: انیقہ سعید، امرہ سعید، سارہ سعید، محمد صادق

⑥ نجیب احمد: جواد احمد خان، ثمر نجیب، سراج احمد خان

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

الحمدللّٰه الذی تجلت بنوره الآفاق ویسبحه ما فی السمٰوات والارض بالعشی والاشراق و قصر عن کنهه الادراک و یطیعه ما فی الثری الی السماک ثم الصلوٰة علیٰ سید الموجودات و فخر المکونات الذی اتباعه منتهی المقامات وازکی التسلیمات علیٰ صحبه الکرام الذین کانوا مصابیح الظلام ثم السّلام من الملک الجلیل علیٰ من هو ابو الخلیل۔ شرفه الرحمٰن بتاج الهدایة والارشاد۔ هذا عطاء اللّٰه ماله من نفاد۔ متعنا اللّٰه بضیاء افاداته طول حیاته دائمًا سرمدًا۔

آپ ۱۹۲۰ء میں عالم امکاں میں جلوہ افروز ہوئے۔ مولد موضع ڈھنگ، ضلع میانوالی ہے۔ سلسلۂ نسب اس طرح ہے: حضرت مولانا خان محمد صاحب ولد ملک خواجہ عمر ولد ملک مرزا صاحب ولد ملک غلام محمد صاحب۔ قوم ٹکور راجپوت۔

آبائی حالات

آپ کے والد ماجد حضرت خواجہ عمر رحمہ اللہ اعلیٰ حضرت مولانا ابوالسعد احمد خان قدس سرہ کے چچا زاد بھائی تھے۔ بہت متورع اور قدسی نشان تھے۔ ابتداءً حضرت خواجہ سراج الدین قدس سرہ سے سلسلہ عالیہ نقشبندیہ مجددیہ میں بیعت تھے۔ آپ حضرت خواجہ کی خدمت میں اکثر حاضر ہوتے رہتے۔

حضرت خواجہ کا دستور تھا کہ جب موسیٰ زئی شریف سے سون سکیسر تشریف لے جاتے تو راستے میں چند روز [illegible] خان قیام فرماتے۔ ان مقامات میں بسنے والے مریدوں اور عقیدتمندوں کو استفادہ کا موقع ملتا تھا۔ اس طرح حضرت خواجہ کی [illegible] ذکر میں [illegible] سون سکیسر سے واپسی پر بھی دریا خان چند روز قیام کرتے

معمول تھا۔ حضرت خواجہ عمر دریا خان میں بارہا حضرت خواجہ سراج الدین قدس سرہٗ کی زیارت سے مستفیض ہوئے۔ حضرت خواجہ ان کے حال پر بہت شفقت وعنایت فرماتے اور محبت کے ساتھ انہیں "نکا مرید" کہہ کر پکارا کرتے تھے۔

حضرت خواجہ عمر رحمہ اللہ ایک اچھے خاصے زمیندار تھے۔ کاشتکاری کے لیے کافی زمین تھی۔ چشمہ بیراج کی تعمیر کے بعد زمین کا معتد بہ رقبہ واپڈا کالونی اور بیراج کی نذر ہو گیا جس سے سخت دقت کا سامنا کرنا پڑا۔ اب بقیہ زمین زیر کاشت ہے۔ آپ کے چار صاحبزادے تھے جن میں سے دو کا انتقال ہو گیا۔ ہر چہار کے اسامی ان کی عمروں کے مطابق درج ذیل ہیں:

۱۔ ملک شیر محمد صاحب مرحوم

۲۔ حضرت مرشدنا ومولانا خان محمد صاحب قبلہ سجادہ نشین مدظلہٗ

۳۔ ملک فتح محمد صاحب مرحوم

۴۔ ملک محمد افضل صاحب سلمہٗ

ابتدائی تعلیم

جب آپ ذرا سن شعور کو پہنچے تو لوئر مڈل سکول کھولہ میں داخل کرا دیے گئے۔ یہاں چھٹی جماعت تک تعلیم حاصل کی۔ پھر حضرت اعلیٰ مولانا ابوالسعد احمد خان قدس سرہٗ نے آپ کو خلق خدا کی ہدایت اور طلبگاران معرفت کے تزکیۂ نفوس کے لیے منتخب فرمالیا، جس کے نتیجے میں سکول کی تعلیم کو خیر باد کہنا پڑا۔ سکول چھوڑنے اور علوم عربیہ کے آغاز کے ساتھ ایک واقعہ منسوب ہے جو ہدیۂ ناظرین ہے۔

حضرت اعلیٰ قدس سرہٗ نے ایک مرتبہ آپ کے والد ماجد حضرت خواجہ عمرؒ سے فرمایا کہ آپ کے پاس تین چیزیں ایسی ہیں کہ میرے پاس اس قسم کی ایک بھی نہیں۔[۱] آپ ان میں سے ایک مجھے دے دیں۔ اتفاق کی بات کہ ان ایام میں لنگر کی شیر دار بھینس خشک ہو چکی تھی اور حضرت خواجہ عمرؒ کے پاس تین شیر دار بھینسیں تھیں۔ چنانچہ ان کا فکر اس طرف مبذول

۱۔ حضرت جناب قاضی شمس الدین صاحب مدظلہٗ نے یہ واقعہ بیان فرمایا۔

ہوا کہ اعلیٰ حضرت اپنے لنگر کے درویشوں کے لیے ایک بھینس طلب فرما رہے ہیں، لہٰذا اس خیال کے پیش نظر فرمایا کہ آپ تینوں شیر دار بھینسیں لے لیں۔ اس پر حضرت اعلیٰ نے مسکرا کر فرمایا، "خواجہ عمرؒ! ہمیں کسی بھینس کی احتیاج نہیں۔ اپنا ایک فرزند ہمیں دے دو۔" حضرت خواجہ عمرؒ نے جواب دیا کہ جونسا لڑکا پسند فرمائیں وہ آپ کی خدمت کے لیے حاضر ہے۔ چنانچہ اعلیٰ حضرت کے ارشاد کے بموجب حضرت خان محمد صاحب قبلہ کو سکول کی تعلیم سے اٹھا کر آپ کی خدمت میں خانقاہ شریف بھیج دیا گیا۔ گویا آپ حضرت اعلیٰ قدس سرہٗ کی مراد تھے جنہیں حضرت قیوم زماں کی نگاہ حقیقت شناس نے سلسلۂ عالیہ کی ترویج و اشاعت کے لیے منتخب فرمایا تھا۔ اَللّٰهُ يَجْتَبِيْٓ اِلَيْهِ مَنْ يَّشَآءُ وَيَهْدِيْٓ اِلَيْهِ مَنْ يُّنِيْبُ.

حافظ شیرازی علیہ الرحمہ نے اسی مقام پر ارشاد فرمایا ہے:

ترا ز کنگرۂ عرش می زنند صفیر
ندانمت کہ دریں دامگہ چہ افتاد است

علوم عربیہ کی تحصیل

خانقاہ شریف آنے کے بعد سب سے پہلے آپ نے مولانا سید عبداللطیف شاہ صاحب سے قرآن عزیز پڑھا۔ پھر فارسی نظم و نثر اور علم صرف و نحو کی کتابیں حضرت مولانا محمد عبداللہ قدس سرہٗ سے پڑھیں۔ اس کے بعد دارالعلوم عزیزیہ بھیرہ میں داخل ہو کر متوسطات عربیہ کی تحصیل کی۔ پھر جامعہ اسلامیہ ڈابھیل، ضلع سورت تشریف لے گئے اور وہاں مشکوٰۃ شریف، جلالین، ہدایہ، مقاماتِ حریری اور دیگر کتب پڑھیں۔ جامعہ مذکورہ میں درج ذیل اساتذہ سے کسب فیض کیا:

۱۔ صدر المدرسین حضرت مولانا حافظ عبدالرحمٰن صاحبؒ امروہی

۲۔ حضرت مولانا بدر عالم صاحبؒ

۱۔ اس وقت حضرت خان محمد مدظلہ العالی کے ہر دو برادران شیر محمد اور فتح محمد رحمہما اللہ حیات تھے اور آپ تینوں بھائیوں میں منجھلے تھے۔ مکرمی محمد افضل صاحب ابھی متولد نہ ہوئے تھے۔

۳۔ حضرت مولانا محمد یوسف صاحب بنوری مدظلہ

۴۔ حضرت مولانا محمد ادریس صاحب سکروڈی

۵۔ حضرت مولانا عبدالعزیز صاحب کیمبل پوری

حدیث وتفسیر کی تکمیل کے لیے ۱۳۴۲ھ میں دارالعلوم دیوبند تشریف لے گئے۔ اس زمانے میں حضرت مولانا حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ نظر بند تھے، لہٰذا مولانا اعزاز علی صاحبؒ اور دیگر اساتذۂ کرام سے دورۂ حدیث پڑھا۔ جب خانقاہ سراجیہ واپس لوٹے تو معقول ومنقول کے جامع اور علم وادب میں کامل تھے۔ علوم دینیہ سے سیراب ہونے کے بعد اب زمینِ قلب تزکیۂ باطن کے لیے ہموار تھی۔ ہر چند کہ عرفانِ الٰہی کی منزل قریب تر نظر آرہی تھی، تاہم ہنوز سفر باقی تھا، لہٰذا امام ربانی حضرت مجدد الف ثانی رحمہ اللہ کے ارشاد کے مطابق کہ ظاہر بے باطن ناتمام است و باطن بے ظاہر نافرجام، آپ کو باطنی علوم اور مقاماتِ قرب کی تحصیل کا شوق دامن گیر ہوا۔ آپ نے حضرت ثانی قدس سرہٗ کی خدمت میں کنز الہدایات، مکاتیب حضرت شاہ غلام علی دہلویؒ، مکتوباتِ معصومیہ اور ہدایۃ الطالبین سبقاً سبقاً پڑھیں۔ مکتوباتِ امام ربانی تین مرتبہ پڑھے۔

پھر خانقاہ شریف کی فضا نے، جو اتباعِ سنت خیر الوریٰ صلی اللہ علیہ وسلم سے معمور تھی، آپ کے فکر ونظر کی نشو ونما کی۔ معرفتِ الٰہی کا یہ گل سر سبد بہار آفریں ثابت ہوا جس کی عطر آمیزی سے طالبانِ حق اپنے دامنِ مراد کو ہمیشہ ہمیشہ بھرتے رہیں گے۔

زمانۂ تدریس کا ایک دلچسپ واقعہ

حضرت قبلہ کو لنگر شریف کی مصروفیات سے فرصت میسر نہ تھی، پھر بھی حضرت ثانیؒ کے حسبِ ارشاد مدرسہ سعدیہ خانقاہ شریف میں جہاں دیگر فارغ التحصیل اساتذہ متعین تھے، آپ طلبہ کو گلستان، بوستان، منیۃ المصلی، قدوری، اصول الشاشی اور دیگر کتب پڑھایا کرتے تھے۔

ایک روز حافظ ظفر احمد صاحبؒ نے، جو مظفر گڑھ کے رہنے والے تھے، حضرت ثانیؒ سے عرض کیا کہ میں بعض کتب حضرت خان محمد صاحب قبلہ سے پڑھنا چاہتا ہوں۔ اس پر

حضرت ثانیؒ نے فرمایا کہ وہ عدیم الفرصت ہیں، ان سے علم حاصل کرنے کا بس ایک ہی طریقہ ہے، وہ یہ کہ کتاب لے کر اُن کے پیچھے لگے رہو۔ جہاں انہیں فراغت ملے، سبق پڑھ لو۔ ایک روز حضرت مولانا خان محمد صاحب گھوڑے پہ سوار ہو کر کندیاں سے خانقاہ شریف پہنچے۔ سورج غروب ہو چکا تھا۔ آپ نے گھوڑے کو تھان پر باندھا اور نمازِ مغرب ایک کمرے میں ادا کی۔ نماز سے فارغ ہوئے تو دیکھا کہ حافظ محمد ظفر صاحب کتاب لیے بیٹھے ہیں۔ پوچھا، کیا کام ہے؟ حافظ صاحب نے جواب دیا کہ سبق پڑھنا چاہتا ہوں۔ آپ نے فرمایا، سبق پڑھنے کا یہ کون سا وقت ہے؟ بایں ہمہ انہیں چند اسباق پڑھائے تو مطمئن ہو گئے۔

آپ کے اس دورِ تدریس کے قدیم تلامذہ میں سے مولانا عبداللہ خالد صاحب ہیں جو اس وقت مرکزی جامع مسجد، مانسہرہ میں خطیب ہیں۔

حضرت قبلہ کی ازدواجی زندگی

جب سنِ بلوغت کو پہنچے تو حضرت اعلیٰ نے اپنی صاحبزادی کی شادی آپ سے کر دی۔ گویا فیضانِ باطن کے ساتھ ظاہری انعام واکرام سے بھی نواز دیا۔ **واسبغ علیکم نعمہ ظاھرۃ و باطنۃ**۔ اس شادی کے بعد اللہ تعالیٰ نے تین صاحبزادے: عزیز احمد، خلیل احمد، رشید احمد اور ایک صاحبزادی عطا فرمائی۔ اہلیہ محترمہ کے ارتحال کے بعد تجرد کا ارادہ فرما لیا تھا مگر ارادتمندوں کے اصرار پر نکاح ثانی فرمایا۔ دوسری اہلیہ سے صاحبزادہ سعید احمد اور نجیب احمد متولد ہوئے۔

خدمتِ شیخ

آپ سالہا سال حضرت اعلیٰ کی خدمت میں رہے۔ خانقاہ شریف کے تینوں کمرے، مہمان خانہ، تسبیح خانہ اور کتب خانہ کی تعمیرات میں حصہ لیا۔ حضرت اعلیٰ کے تمام خانگی امور کی انجام دہی آپ کے سپرد تھی۔ گھوڑیوں اور دیگر مویشیوں کی دیکھ بھال، ان کے لیے چارہ کی فراہمی سابقہ خدمات پر مستزاد تھی۔ آپ نے اپنی زندگی درویشوں اور زائرین بارگاہ کی خاطر مدارات کے لیے وقف کر رکھی تھی۔ سبحان اللہ! یہ خدمت آج تک جاری ہے۔

طریقت بجز خدمتِ خلق نیست
بہ تسبیح و سجادہ و دلق نیست

حضرت اعلیٰ کے وصال کے بعد مسلسل پندرہ سال حضرت ثانی رحمہ اللہ کی خدمتِ اقدس میں رہے۔ فطرتِ الٰہیہ نے آپ کو ہر دو اکابر مجددیہ سے فیض یاب ہونے کی سعادت عطا فرمائی، جس سے ترویج و تکمیلِ طریقہ کی تمام شاہراہیں آپ پر کشادہ ہو گئیں۔ اس طرح اللہ رب العزت نے آپ کی تمام صلاحیتوں اور استعدادوں کو اُجاگر فرما دیا، تا کہ آپ وسیع پیمانے پر طالبانِ حق کی تربیت کر سکیں اور انہیں وصول الی اللہ کے تمام مقامات طے کرا سکیں۔

حضرت قبلہ کی اسیری

۱۹۵۳ء میں تحریکِ ختمِ نبوت نے زور پکڑا تو اُمتِ مسلمہ کے ہر فرد و بشر نے جذب و مستی سے سرشار ہو کر اس میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ جاں نثارانِ حضرت ختمی مرتبت، فدایانِ ناموسِ رسالت، عاشقانِ رحمۃ للعالمین، علمبردارانِ پیغامِ آخریں دریائے خوں سے گزر کر تاریخِ امت میں ایک نئے باب کا اضافہ کر رہے تھے اور اپنی جاں سپاری سے روایاتِ عشق و محبت کو دوام بخش رہے تھے۔

نہ جب تک کٹ مروں میں خواجۂ یثرب کی حرمت پر
خدا شاہد ہے کامل میرا ایماں ہو نہیں سکتا

اس سلسلے میں علمائے کرام کی گرفتاریاں شروع ہو گئیں۔ حضرت قبلہ خان محمد صاحب، جیسا کہ اجمالاً مذکور ہو چکا ہے، حضرت ثانی کے ارشاد سے میانوالی تشریف لے گئے اور اپنے آپ کو گرفتاری کے لیے پیش کیا۔

اے عاشقانِ ختمِ نبوت بشارتے
زنداں دہد بہ صدق شمائم شہادتے

چنانچہ آپ ۵؍اپریل ۱۹۵۳ء کو سیفٹی ایکٹ کے تحت گرفتار ہونے کے بعد میانوالی جیل بھیج دیے گئے اور ۲۵؍اپریل ۱۹۵۳ء کو میانوالی سے سنٹرل جیل لاہور منتقل کر دیے

گئے۔ ۲۸ اپریل ۱۹۵۳ء کو بورسٹل جیل جانا پڑا، جہاں سے پھر ارباب بست وکشاد نے ۱۱ اگست کو سنٹرل جیل منتقل کر دیا۔ جب سنٹرل جیل کی کال کوٹھڑیوں میں آپ اسیری کے ایام بسر کر رہے تھے، آپ سے متصل احاطہ میں درج ذیل حضرات اسیر تھے:

۱۔ امیر شریعت حضرت سید عطاء اللہ شاہ صاحب بخاری رحمۃ اللہ علیہ

۲۔ مولانا محمد علی جالندھری رحمۃ اللہ علیہ

۳۔ مولانا ابوالحسنات قادری رحمۃ اللہ علیہ

۴۔ مولانا ابوالحسنات کے صاحبزادے مولانا خلیل احمد مدظلہ

۵۔ مولانا عبدالحامد بدایونی صاحب

۶۔ صاحبزادہ فیض الحسن صاحب

۷۔ مولانا عبدالستار خان صاحب نیازی

۸۔ جناب سید ابوالاعلیٰ مودودی صاحب

۹۔ جناب تقی علی نقی صاحب وغیرہم

اس دور کا ایک دلچسپ واقعہ خود حضرت قبلہ نے بیان فرمایا کہ ایامِ اسیری میں عید الاضحیٰ آگئی اور ہم سب حضرت شاہ جیؒ کی زیارت کے لیے ان کے احاطہ میں چلے گئے۔ اسی اثناء میں مودودی صاحب، نصر اللہ خان عزیز اور تقی علی نقی صاحب بھی حضرت شاہ جیؒ سے ملنے کے لیے آگئے۔ آپ انہیں باوقار انداز سے ملے اور خیر و عافیت پوچھی۔ مودودی صاحب کو پنڈلی پر پھوڑے اور پھنسیاں نکلی ہوئی تھیں۔ شاہ جیؒ نے دیکھا تو از خود علاج تجویز فرمایا کہ فینائل پانی میں گھول کر لگائیں، انشاء اللہ آرام آ جائے گا۔ چند لمحوں بعد مودودی صاحب اپنے ہمراہیوں سمیت اٹھ کھڑے ہوئے اور رخصت چاہی۔ شاہ جیؒ اور آپ کے عقیدت مند بھی ان حضرات کی مشایعت کے لیے چل پڑے۔ شاہ جیؒ نے مودودی صاحب سے چلتے ہوئے دریافت کیا کہ آپ کہاں جا رہے ہیں؟ مودودی صاحب نے جواب دیا کہ میں احاطہ بم کیس جا رہا ہوں، وہاں دوستوں نے نمازِ عید کا اہتمام کیا ہوا ہے۔ اس پر شاہ جیؒ نے پوچھا: کیا جیل میں نمازِ عید جائز ہے؟ مودودی صاحب نے جواب دیا کہ

اگر کوئی پڑھ لے تو ہو جاتی ہے، نہ پڑھے تو کچھ مضائقہ نہیں۔ شاہ جیؒ نے فرمایا کہ یہ تو کوئی فتوئی نہ ہوا۔ اس کے بعد مودودی صاحب نے کہا کہ میں یہاں جیل میں جمعہ نہیں پڑھتا۔ شاہ جیؒ نے جواب دیا کہ جمعہ تو میں بھی نہیں پڑھتا۔ مگر میرا نہ پڑھنا حضرت امام اعظم علیہ الرحمۃ کی تقلید کے باعث ہے اور آپ میں رگ دوسری ہے۔ شاہ جیؒ کے اس تبصرے پر مودودی صاحب بھنا گئے اور آگے چل دیے۔

حضرت ثانیؒ کا ایک لطیف اشارہ

حضرت ثانیؒ نے ایک بار قاضی شمس الدین صاحب مدظلہ سے بیان فرمایا کہ حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ جب مالٹا میں نظر بند تھے تو معارف قرآن حکیم پر ایک کتاب لکھنے کا ارادہ فرمایا۔ مگر چند صفحات لکھنے کے بعد اسے ترک کر دیا۔ استفسار پر فرمایا کہ میں نے کتاب کی بجائے ایک آدمی (حضرت مولانا حسین احمد مدنی رحمہ اللہ) پر محنت شروع کر دی ہے تاکہ خلق خدا کی ہدایت کے لیے ایک چلتا پھرتا نسخہ تیار ہو جائے۔ حضرت اقدس نے یہ واقعہ بیان کرنے کے بعد فرمایا کہ میں بھی ایک آدمی تیار کر رہا ہوں۔ بعد ازاں قرائن سے پتہ چلا کہ وہ آدمی حضرت خان محمد صاحب دامت برکاتہم تھے۔ فَالْحَمْدُ لِلّٰهِ عَلٰى ذٰلِكَ.

حضرت قبلہ کی سجادہ نشینی

حضرت ثانیؒ کا وصال اکابر نقشبندیہ مجددیہ کے اس مرکز فیض کے لیے ایک عظیم المیہ تھا، مگر تائید الٰہی نے طالبانِ حق کی دستگیری کی۔ چنانچہ تمام حضرات نے، جو حضرت ثانیؒ کے وصال پر خانقاہ شریف موجود تھے اور جن میں حکیم چمن پیر صاحب، مفتی عطا محمد صاحب، حکیم سیفی صاحب جیسے بزرگ بھی شامل تھے، بالاتفاق حضرت قبلہ کے دست حق پرست پر تجدید بیعت کر لی۔ بعد میں تمام مخلص مرید اس سلسلہ تابدار سے وابستہ ہو گئے۔ بعض ایسے تھے کہ جنہوں نے حضرت اقدس کے بعد تجدید بیعت کے بارے میں تامل کیا مگر انہیں خواب میں حضرت ثانیؒ کی زیارت ہوئی اور آپ نے فرمایا کہ مجھ میں اور خان محمد میں کوئی فرق نہیں، لہٰذا اب حضرت خان محمد صاحب سے تجدید بیعت کرنے کے بعد ہی فیضانِ مجددیہ کا حصول ممکن ہے۔ اس حکم کے بعد وہ آپ سے منسلک ہو گئے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل

خاص سے اس سلسلۂ پاک کے فیوض و برکات کو جاری رکھا۔

حضرت قاری محمد سعید احمد صاحب رحمہ اللہ نے، جو احاطۂ قبرستان خانقاہ شریف میں مدفون ہیں، راقم الحروف سے بیان کیا کہ انہیں خواب میں حضرت اعلیٰ قدس سرہٗ کی زیارت ہوئی اور آپ نے یہ ارشاد فرمایا کہ اگر تربیت باطن چاہتے ہو تو خانقاہ شریف جا کر حضرت خان محمد صاحب سے رابطہ قائم کرو۔ چنانچہ انہوں نے بموجب ارشاد عمل کیا۔

حضرت قبلہ کی سجادہ نشینی کے سلسلے میں حافظ ریاض احمد اشرفی خازن روزنامہ جنگ، راولپنڈی کا بیان نہایت ایمان افروز ہے۔ انہوں نے حضرت ثانی رحمہ اللہ کے وصال کے بعد ۱۹۶۵ء میں خواب دیکھا کہ وہ بیت اللہ شریف میں باب ملتزم کے سامنے کھڑے ہیں۔ خلقِ خدا کا بے پناہ ہجوم ہے، بے شمار علمائے کرام کا اجتماع ہے جن میں بعض آپ کے متوسلین بھی ہیں۔ یہ ندا آ رہی ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لانے والے ہیں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم امامِ وقت کا اعلان فرمائیں گے۔ دریں اثنا بیت اللہ شریف کا دروازہ ایک دَم آواز کے ساتھ کھلا۔ حضرت مولانا محمد عبداللہ قدس سرہٗ اپنے جانشین حضرت قبلہ خان محمد صاحب مدظلہ العالی کا بازو تھامے ہوئے نمودار ہوئے اور تمام حاضرینِ کرام سے فرمایا کہ تم سب اس امامِ وقت کے مرید ہو۔ اس کے بعد اپنے سر مبارک سے دستار اُتار کر مولانا خان محمد صاحب مدظلہٗ کے سر پر رکھ دی۔ چنانچہ حضرت قبلہ نے سب کو کلمۂ شہادت اور استغفار پڑھا کر داخلِ سلسلہ کیا۔ ذکرِ خفی کی تلقین فرمائی۔ پھر وہیں کھڑے کھڑے حضرت اقدس رحمہ اللہ نے اذان دی، تکبیر اقامت کہی اور حضرت قبلہ خان محمد صاحب نے تمام حضرات کو نماز پڑھائی۔

علومِ اسلامیہ کی ترویج و اشاعت

حضرت قبلہ نے اس امر کو شدت سے محسوس کیا کہ ملتِ اسلامیہ کا احیاء اور اس کی فلاح و بہبود اسلامی تعلیمات کے فروغ میں مضمر ہے۔ جب تک فرزندانِ توحید کے قلوب اسلام کے مذہبی وثقافتی سرمایہ سے بہرہ ور نہ ہوں گے، تبلیغ دین کا صحیح مقصد پورا نہ ہو سکے گا۔ لہٰذا آپ نے دینی علوم کی ترویج و اشاعت کے عظیم مقصد کو اپنا نصب العین بنایا۔ دینی

نصب العین جو حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ کے افکار و نظریات کی روح رواں تھا اور جسے بعد میں حضرت شیخ الہند رحمہ اللہ نے زندہ رکھا۔ حقیقت یہ ہے کہ ان اکابر کی فیض رسانی سے کفر و الحاد کی ظلمتیں چھٹ گئیں اور برصغیر میں افراد امت اسلام کی شوکت و عظمت سے روشناس ہوئے۔

خارہا از اثرِ گرمیِ رفتارم سوخت
منتے بر قدمِ راہروانست مرا

چنانچہ آپ نے وابستگان سلسلہ کو اس کار خیر کی اہمیت کا احساس دلایا کہ دین قیم کے اس چراغ کو، جس نے کائنات کے گوشے گوشے کو منور کر دیا تھا، فروزاں رکھا جائے۔ اس کی ضیاء ہماری زندگی ہے اور اس کی بقا ہماری سلامتی ہے۔ علوم عربیہ کی پاکیزہ اقدار پر عمل پیرا ہو کر ہی دور حاضر کے فسق و فجور اور مغربی تہذیب کے مکر و فن کا سدباب ممکن ہے۔ اس کے پیش نظر آپ نے مختلف عربی مدارس کی سرپرستی فرمائی۔ جن مدارس کے ارباب نظم و نسق شکستہ خاطر تھے ان کی حوصلہ افزائی فرمائی اور جو تعاون چاہتے تھے ان کی معاونت فرمائی۔ اس وقت متعدد مدارس عربیہ قرآن و حدیث، فقہ و تفسیر اور دیگر علوم و فنون کی ترویج و اشاعت کا فریضہ آپ کی سرپرستی میں انجام دے رہے ہیں۔ ان میں خصوصی طور پر قابل ذکر مدارس حسب ذیل ہیں:

۱۔ دارالعلوم کبیر والا
۲۔ مدرسہ قاسم العلوم فقیر والی
۳۔ مدرسہ فرقانیہ، راولپنڈی
۴۔ مدرسہ عثمانیہ، ورکشاپی محلہ، راولپنڈی
۵۔ مدرسہ سراجیہ، فورٹ عباس
۶۔ دارالعلوم مجددیہ، مانکی شریف
۷۔ مدرسہ سعدیہ خانقاہ سراجیہ، ضلع میانوالی

اس کے علاوہ آپ دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک کی مجلس عاملہ کے ممبر بھی ہیں۔

مشہور آئین شریعت کانفرنس، جو لاہور میں منعقد ہوئی، اس کے ایک اجلاس کی صدارت کی۔ آپ اسلامی تہذیب و ثقافت کے احیاء کے لیے شبانہ روز کوشش کر رہے ہیں۔ جمعیت علمائے اسلام کے مخلص معاون اور سرپرست ہیں۔

کچھ کرامات کے بارے میں

اولیاء اللہ سے کرامات کا ظہور ممکن ہے اور اس سے کوئی شخص انکار نہیں کر سکتا۔ مگر کرامت کے مقابلہ میں جو مقام اہلِ عرفان کے نزدیک استقامت کو حاصل ہے وہ ارفع و اعلیٰ ہے۔ بحمد للہ کہ حضرت قبلہ کا ہر قول و فعل شریعتِ مطہرہ اور سنتِ نبویہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے عین مطابق ہے اور ان کی عظمت پر یہی دلیل کافی و وافی ہے۔ اہلِ ارادت نے حضرت قبلہ کی بے شمار کرامات مشاہدہ کی ہیں جنہیں بخوفِ طوالت درج نہیں کیا جا سکتا۔ پھر اس امر کا بھی اندیشہ ہے کہ زیرِ نظر کتاب کا قاری کرامات کے باب کو کہیں عام مدحت سرائی پر محمول نہ کر بیٹھے اور اس طرح چشمۂ فیض سے سیراب ہونے کی بجائے تہی داماں نہ رہ جائے۔ ویسے حضرت قبلہ بھی کرامات کو چنداں اہمیت نہیں دیتے اور ان کا تذکرہ بھی پسند نہیں فرماتے۔ اس کے پیشِ نظر ہم صرف ایک دو واقعات تحریر کرنے پر اکتفا کریں گے جس سے ناظرین آپ کے علو مرتبت اور رفعتِ مقام کا اندازہ ایک حد تک لگا سکیں گے۔

(۱) جناب حبیب الرحمٰن خان صاحب ساکن احمد پور شرقیہ حضرت قبلہ کی بیعت سے مشرف ہوئے۔ ۱۹۶۵ء میں جب خان صاحب نے اہلیہ اور اپنی بہن کے ساتھ حج بیت اللہ کا ارادہ کیا تو اس مبارک سفر کے سلسلے میں حضرت شیخ سے خصوصی ہدایات حاصل کرنے کے لیے خانقاہ شریف حاضر ہوئے۔ آپ نے بکمالِ شفقت وعنایت تمام مقامات کو تفصیل کے ساتھ سمجھایا اور ساتھ ہی یہ ارشاد فرمایا کہ اگر اثنائے سفر کوئی دشواری پیش آئے تو فقیر کی طرف متوجہ ہو کر بارگاہِ ایزدی میں عجز والحاح سے دعا کریں۔

جب خان صاحب ہوائی جہاز سے ظہران کے ہوائی اڈے پر اُترے تو وہاں سے ٹیکسی پر مکہ شریف جانے کا خیال تھا۔ لیکن اترتے ہی حکومت سعودی عرب کا یہ اعلان سنا کہ تمام زائرینِ حرم کو ظہران سے بذریعہ ہوائی جہاز جدہ جانا پڑے گا۔ خان صاحب کے پاس

کرنسی نوٹ تو تھے لیکن ریال کی صورت میں اتنی رقم نہ تھی جس سے وہ اپنے علاوہ اہلیہ اور بہن کا کرایہ ادا کر سکتے، چنانچہ سخت پریشانی لاحق ہوئی۔ اس مایوسی کے عالم میں حضرت والا کی نصیحت یاد آئی۔ نماز تہجد ادا کی اور حضرت قبلہ کے توسل سے اللہ رب العزت کی بارگاہ میں دعا کی۔ نماز فجر کے بعد ایک صاحب رسمی تعارف کے بعد انہیں ملک عباس صاحب کے گھر لے گئے جنہوں نے گیارہ سو بیس ریال خان صاحب موصوف کو پیش کیے۔ اس رقم سے موصوف نے اپنے تمام مصارف سفر ادا کیے اور واپسی پر یہ رقم اپنے محسن کو لوٹا دی۔

اس کے علاوہ جب بھی خوف وہراس یا کسی قسم کی ذہنی پریشانی کا سامنا کرنا پڑا تو اللہ تعالیٰ نے حضرت قبلہ کے فیض سے انہیں تمام دشواریوں سے نجات عطا فرمائی۔

(۲) قاری محمد عارف صاحب مظفر گڑھ کے ایک دینی مدرسہ میں معلم ہیں اور وہ حضرت قبلہ کے مخلص ارادتمند ہیں۔ ایک مرتبہ خانقاہ شریف حاضر ہوئے اور حضرت قبلہ سے عرض کیا کہ میں آپ جیسی عظیم الشان ہستی کا مرید ہوں مگر مجھے واردات وکیفیات وغیرہ کا کبھی ادراک نہیں ہوا۔ آپ یہ کرم فرمائیں کہ مجھے حضور رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت ہو جائے۔ آپ یہ سن کر مسکرا دیے اور خاموش ہو رہے۔

اسی رات قاری صاحب موصوف حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت سے مشرف ہوئے۔ حضرت قبلہ مدظلہ بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تشریف فرما تھے۔ حضرت قبلہ نے فرمایا کہ قاری صاحب! اب خوب جی بھر کر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی زیارت کرلو۔ اس کے بعد اُن کا خواب ختم ہو گیا۔

صبح کو جب حضرت قبلہ مجلس مبارک میں تشریف لائے تو قاری موصوف نے حاضر ہو کر پھر التماس کیا کہ میں حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کا ہنوز مشتاق ہوں، اس سعادت کے حصول کے لیے آپ ضرور توجہ فرمائیں۔ حضرت قبلہ نے جواب دیا کہ قاری صاحب! روز روز پروگرام نہیں بنا کرتے۔ اس ارشاد سے قاری صاحب کو یہ معلوم ہو گیا کہ حضرت قبلہ میرے رات کے مشاہدے سے کامل طور پر باخبر ہیں اور اس طرف اشارہ فرما رہے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت ایک بار ہو چکی ہے اور یہ عنایات ہر روز نہیں

ہوا کرتی ہیں۔ اس انتہائے کرم نوازی پر قاری صاحب موصوف دیر تک اشکبار رہے۔

اختتامیہ

اولیاء اللہ کے احوال و معارف تحریر کرتے ہوئے جو کیفیات لکھنے والے کے دل و دماغ پر طاری ہوتی ہیں، قلم انہیں سپرد قرطاس نہیں کر سکتا اور پھر فکر میں بھی یہ رفعت کہاں کہ کسی باکمال ہستی کے صحیح مقام تک رسائی حاصل کر پائے۔

نہ حسنش غایتے دارد نہ سعدی را سخن پایاں
بمیرد تشنہ مستسقی و دریا ہمچناں باقی

آخر میں یہی کہنا کافی ہوگا کہ آپ کی ذات گرامی ایک عظیم الشان ہستی ہے جس کی شفقت و رأفت کا دامن ہر ارادت مند پر وسیع ہے۔ اس کی نرم گفتگو اور چہرے کا حسنمانہ انداز سامع کو اس کی توقعات سے بڑھ کر نوازتا ہے جس میں اسے ہر مشکل ترین کام کی آسان ترین صورت جھلکتی ہوئی نظر آتی ہے۔ سراپا حلم اور بے پناہ بردباری جس طرح سینہ بحر میں کوئی چٹان ہو کہ متلاطم موجیں بڑھ کر اس سے ٹکرائیں اور خود ہی پاش پاش ہو کر رہ جائیں۔ طاغوتی قوتوں کے مقابل ہر آن سینہ سپر، اہل ایمان کی زبوں حالی کا چارہ گر، اتباع سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کا پیکر، نور باطن سے آراستہ، اخلاص وتقویٰ سے پیراستہ، آئینہ دار کیف روز الست، قلم اینجا رسید وسر بشکست۔

بہ حسن لطف و وفا کس بہ یار ما نرسد
ترا دریں سخن انکار کار ما نرسد

تکملہ

مدرسہ عربیہ سراجیہ کی ترقی

حضرت خواجہ نوّر اللّٰہُ مَرْقَدَہُ الْمَجِیْد کے زمانے میں مدرسہ عربیہ سراجیہ کا وفاق

۱۔ **حضرت خواجہ خواجگان رحمۃ اللہ علیہ کی وفات حسرت آیات کے بعد مولانا محمد نذیر رانجھا صاحب نے درج ذیل صفحات مرتب فرمائے۔ فجزاہ اللّٰہ۔**

المدارس سے الحاق ہوا اور مشکوٰۃ شریف تک اس کی تعلیم جا پہنچی۔ آپ نے اپنی زندگی میں مدرسہ کے کام کی تمام تر ذمہ داری سیدنا و مرشدنا و مخدومنا حضرت مولانا صاحبزادہ خلیل احمد بسط اللہ ظلہم العالی کو منتقل فرما دی تھی۔ مکانات کے مشرقی حصے کی جانب آپ کی ذاتی زمین پر آپ کی زندگی میں بہت بڑا مدرسہ قائم ہو گیا۔ اس کی شاندار نفیس عمارت اپنی رعنائیوں کے ساتھ ہر آنے والے کو حضرت خواجہ نَوَّرَ اللّٰہُ مَرْقَدَہُ الْمَجِیْد کی جیتی جاگتی نیکی و صدقہ جاریہ کا ثبوت بہم پہنچا رہی ہے۔ اس میں رہائش و تعلیم کی تمام سہولتیں موجود ہیں۔ سادہ، کم خرچ بالانشین کا مظہر، یہ عمارت ہے۔ اس کے کئی وسیع و عریض خوبصورت ہال ہیں۔ عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت کی مجلس شوریٰ کے کئی اجلاس حضرت خواجہ نَوَّرَ اللّٰہُ مَرْقَدَہُ الْمَجِیْد کی صدارت میں یہاں پر منعقد ہوئے۔

لائبریری کی توسیع

حضرت خواجہ نَوَّرَ اللّٰہُ مَرْقَدَہُ الْمَجِیْد نے حضرت اعلیٰ قدس سرہ کی لائبریری کی بہ تمام و کمال حفاظت فرمائی۔ اس میں ترقی ہوئی۔ الحمدللہ! اب مدرسہ کی لائبریری میں جدید کتب، حضرت اعلیٰ قدس سرہ کی لائبریری کی قدیم کتب کا ذخیرہ اور مدرسہ کی لائبریری میں جدید کتب کا ذخیرہ، کتب کی دنیا میں قدیم و جدید کا حسین امتزاج پیش کیے ہوئے ہیں۔

خانقاہی نظام کا عروج

حضرت اعلیٰ قدس سرہ کے منہج پر ان حضرات کے بعد حضرت خواجہ نَوَّرَ اللّٰہُ مَرْقَدَہُ الْمَجِیْد نے خانقاہی نظام کو جس طرح وسعت دی، وہ پوری دنیا کے سامنے ہے۔ حضرت مولانا حسین علی رحمۃ اللہ علیہ (م ۱۳۶۲ھ/ ۱۹۴۳ء) واں بھچراں، ضلع میانوالی کے صاحبزادے حضرت مولانا عبدالرحمٰن رحمۃ اللہ علیہ ایک بار واں بھچراں سے خانقاہ سراجیہ حضرت خواجہ نَوَّرَ اللّٰہُ مَرْقَدَہُ الْمَجِیْد کو مبارکباد دینے کے لیے تشریف لائے کہ آپ نے جس طرح نقشبندی سلسلہ کی رونقوں کو سدا بہار بنایا ہوا ہے، یہ قابل رشک ہے۔ واقعہ بھی یہی ہے کہ حضرت خواجہ نَوَّرَ اللّٰہُ مَرْقَدَہُ الْمَجِیْد کے آخری دور حیات میں تو خانقاہ سراجیہ کی برکات اور سلسلہ نقشبندیہ کی توسیع دنیا کے تمام براعظموں تک پھیل گئی۔

سرہند شریف (ہندوستان) سے خانقاہ موسیٰ زئی شریف، ضلع ڈیرہ اسماعیل خان، وہاں سے خانقاہ سراجیہ اور پھر وہاں سے پوری دنیا میں نظر دوڑائی جائے تو یہ کہنا مبالغہ نہ ہوگا کہ آپ روئے زمین پر اللہ رب العزت کے ان مقبول بندوں میں سے تھے جن کے ذریعے بیحد و شمار مخلوقِ خدا کی اصلاحِ باطن کا کام ہوا۔ اس پر حضرت خواجہ نَوَّرَ اللّٰہُ مَرْقَدَہٗ الْمَجِیْد کی مقبولیت کے آسمانوں اور زمینوں پر چرچے ہوئے۔ اس کی تصویر تو کوئی صاحبِ دل ہی کھینچ سکتا ہے۔

۷؍جون ۱۹۵۶ء/ ۲۷؍شوال ۱۳۷۵ھ کو صدیقِ دوراں نائب قیوم زماں حضرت مولانا محمد عبداللہ لدھیانوی قدس سرہٗ کے وصال مبارک کے بعد خانقاہ سراجیہ نقشبندیہ مجددیہ کی مسندِ ارشاد و تلقین پر مرشد عالم قطب الاقطاب خواجہ خواجگان سیّدنا و مرشدنا مخدومنا حضرت مولانا ابوالخلیل خان محمد نَوَّرَ اللّٰہُ مَرْقَدَہٗ الْمَجِیْد جلوہ افروز ہو کر قیومِ زماں حضرت مولانا ابوالسعد احمد خان قدس سرہٗ اور نائب قیومِ زماں حضرت مولانا محمد عبداللہ لدھیانوی قدس سرہٗ کے جملہ مریدوں اور عقیدتمندوں کی تربیت و تزکیہ میں مصروف ہو گئے، اس کے ساتھ ہی نئے طالبانِ حق اور عقیدتمند بھی آپ کے دستِ حق پرست پر بیعت ہو کر سلسلہ عالیہ نقشبندیہ مجددیہ کی سلکِ تابدار میں شامل ہونے لگے۔ ۵؍مئی ۲۰۱۰ء تک تقریباً ۵۵ برس مرشدِ کامل مکمل، ماہتابِ روحانیت اور آفتابِ ولایت کی حیثیت سے افقِ خانقاہ سراجیہ نقشبندیہ سے طلوع ہو کر جہان بھر کو منور و تاباں فرمایا اور اس طرح آپ کے وجودِ مبارک سے سلسلہ عالیہ نقشبندیہ مجددیہ کی بھرپور ترویج و اشاعت ہوئی اور چار دانگ عالم میں آپ کے مریدوں اور عقیدتمندوں کی تعداد لاکھوں سے متجاوز کر گئی۔

حضرت مولانا اللہ وسایا لکھتے ہیں کہ فقیر راقم اس وادی کا مسافر نہیں، نہ ہی تبلیغ و دانہ کا آدمی ہے، البتہ حضرت خواجہ نَوَّرَ اللّٰہُ مَرْقَدَہٗ الْمَجِیْد کی رفاقت کے صدقہ میں اس کی بہاروں کا خوب نظارہ کیا ہے۔ واناہ وزیرستان میں، بنگلہ دیش میں اور خود خانقاہ سراجیہ کی ایک ایک مجلس میں سینکڑوں آدمیوں کو لمبا سا کپڑا پکڑے سلک نقشبندیہ میں پروئے جانے کا منظر اب بھی آنکھوں کے سامنے آتا ہے۔ یا بیعت و توبہ کے کلمات کی تلقین کے وقت فرش تا

عرش جو فضا میں ارتعاش کا پیدا ہوتا، نزولِ رحمت کا وہ دلکش روح پرور، ایمان افروز، جہاد آفرین، حقائق ومعارف کے خزائن کے منہ کھلنے کا وہ دلربا کیف وسرور الفاظ کی دنیا میں بیان کرنا ممکن نہیں، لیکن اس وادی کے مسافر، بادہ پیا، ماہرینِ فن حضرات جو اپنے اپنے زمانے میں علم وفن کے پہاڑ تھے، ان سب کی متفقہ رائے تھی کہ اس وقت روئے زمین پر مجددی سلسلہ کے سب سے بڑے فیض رساں، نقشبندی سلسلہ کے امام اور اولیائے امت کے سرتاج حضرت خواجہ نَوَّرَ اللّٰہُ مَرْقَدَہٗ الْمَجِیْد ہیں۔

آپ نقشبندیہ مجددیہ کے روحانی معارف ومقامات کی تفہیم وتعلیم اور فیض رسانی میں درجۂ کمال پر فائز المرام تھے۔ آپ عمر بھر خانقاہ پاک میں آنے والے سالکینِ طریقت اور راہروانِ جادہ حق کو ''مکتوبات امام ربانی حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ''، ''مکتوبات حضرت خواجہ محمد معصوم قدس سرہٗ''، ''کنز الہدایات'' حضرت مولانا محمد باقر لاہوری رحمۃ اللہ علیہ، ''مکاتیب حضرت شاہ غلام علی دہلوی قدس سرہٗ'' اور ''ہدایۃ الطالبین'' حضرت شاہ ابوسعید مجددی رحمۃ اللہ علیہ سبقاً پڑھاتے رہے اور طالبین وسالکین کو نقشبندیہ مجددیہ فیوض و برکات سے نوازتے رہے۔

مریدوں کی تربیت

مرشد عالم قطب الاقطاب خواجہ خواجگان سیدنا ومرشدنا ومخدومنا حضرت مولانا ابوالخلیل خان محمد نَوَّرَ اللّٰہُ مَرْقَدَہٗ الْمَجِیْد کے زمانہ ارشاد وتلقین میں خانقاہ سراجیہ نقشبندیہ مجددیہ دنیا بھر کے طالبانِ حق، سالکینِ طریقت، راہروانِ جادۂ حق اور خاص وعام کے لیے چشمہ آبِ حیات بنی رہی۔ مخلوقِ خدا کے قافلے مور وملخ کی طرح خانقاہ پاک کی طرف رواں دواں رہے اور واردین وزائرین کے قلوب فیوض وبرکات کے جام نوش کر کے ابدی زندگی پاتے رہے۔ آپ خانقاہ میں ہوتے تو تین چار سو تک مرید تو ہر روز اصلاح باطن کے لیے موجود ہوتے۔ جمعہ، ہفتہ، اتوار کو ان کی تعداد پانچ چھ سو تک پہنچ جاتی۔ ۲۰۰۵ء میں آپ ایک جلسے میں شرکت کے لیے اٹک تشریف لے جارہے تھے کہ راستے میں حادثہ پیش آیا، جس میں سیّدنا ومرشدنا ومخدومنا حضرت مولانا صاحبزادہ خلیل احمد صاحب بسط اللہ

ظلہم العالی اور حضرت صاحبزادہ سعید احمد صاحب بسط اللہ ظلہم العالی کو معمولی چوٹیں آئیں، مگر حضرت نَوَّرَ اللّٰهُ مَرْقَدَهُ الْمَجِيْد کی کمر کا ایک مہرہ شدید زخمی ہو گیا جو آہستہ آہستہ ختم ہو گیا۔ اس کے بعد حضرت خواجہ نَوَّرَ اللّٰهُ مَرْقَدَهُ الْمَجِيْد کی علالت روز بروز بڑھتی گئی اور زائرین کی خانقاہ پاک میں حاضری بھی روز بروز بڑھتی گئی۔ بعض ایام میں پندرہ سو سے بھی زیادہ مہمان آ جاتے۔ خانقاہ پاک میں حضرت خواجہ نَوَّرَ اللّٰهُ مَرْقَدَهُ الْمَجِيْد اوسطاً نو گھنٹے ساتھیوں کے درمیان بیٹھ کر اُن کی تربیت اصلاح و تزکیہ میں مصروف ہوتے۔ اس کے علاوہ خصوصی ملاقاتیں گھر میں بھی جاری رہتیں۔ یہ معمول زندگی کے آخری ایام تک باقی رہا۔ نو گھنٹے سے کم ہو کر دورانیہ تین چار گھنٹے رہ گیا، لیکن حضرت خواجہ نَوَّرَ اللّٰهُ مَرْقَدَهُ الْمَجِيْد کی شفقت میں کمی نہیں آئی۔ ایک مرتبہ حضرت خواجہ نَوَّرَ اللّٰهُ مَرْقَدَهُ الْمَجِيْد نے فرمایا کہ پیر اپنا خونِ جگر دے کر مریدوں کی تربیت کرتا ہے۔

مجلس تحفظ ختم نبوت کی امارت و خدمات

۱۹۷۴ء میں مخدوم علماء حضرت مولانا محمد یوسف بنوری رحمۃ اللہ علیہ کو مجلس تحفظ ختم نبوت کا امیر بنایا گیا تو آپ نے امارت صرف اس شرط پر قبول کی کہ حضرت خواجہ خان محمد صاحب (رحمۃ اللہ علیہ) نائب امیر ہوں گے۔ اگر چہ اُن دنوں مرشد عالم قطب الاقطاب خواجہ خواجگان سیدنا و مرشدنا و مخدومنا حضرت مولانا ابوالخلیل خان محمد نَوَّرَ اللّٰهُ مَرْقَدَهُ الْمَجِيْد جمعیت علمائے اسلام کے نائب امیر بھی تھے، مجلس تحفظ ختم نبوت کے آئین کے مطابق کسی سیاسی جماعت کا رکن مجلس کا رکن یا عہدہ دار نہیں بن سکتا تھا، مگر حضرت بنوری رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت خواجہ نَوَّرَ اللّٰهُ مَرْقَدَهُ الْمَجِيْد کے لیے خصوصی اختیارات استعمال کرتے ہوئے اس شرط سے مستثنیٰ فرما دیا۔ عجیب لطیفہ اُس وقت پیش آیا جب حضرت مولانا منظور احمد چنیوٹی رحمۃ اللہ علیہ کو حضرت بنوری رحمۃ اللہ علیہ نے مجلس سے اس بناء پر نکال دیا کہ انہوں نے صوبائی الیکشن میں حصہ لیا تھا۔ حضرت چنیوٹی رحمۃ اللہ علیہ نے، جو حضرت بنوری رحمۃ اللہ علیہ کے لاڈلے شاگرد تھے، حضرت بنوری رحمۃ اللہ علیہ کو قائل کرنے کے لیے حضرت خواجہ نَوَّرَ اللّٰهُ مَرْقَدَهُ الْمَجِيْد کی مثال دی کہ وہ بھی تو سیاسی

عہدہ دار ہیں۔ تو حضرت بنوری رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ پہلے اُن جیسے بن جاؤ پھر آپ کو بھی اس شرط سے مستثنیٰ قرار دیں گے۔ گویا ۱۹۷۴ء سے حضرت خواجہ نَوَّرَ اللّٰہُ مَرْقَدَہُ الْمَجِیْد پر سلسلۂ پاک کی ذمہ داری کے ساتھ دواور ذمہ داریوں کا اضافہ ہوگیا یعنی نائب امیر جمعیت علمائے اسلام اور نائب امیر مجلس تحفظ ختم نبوت پاکستان۔ حضرت خواجہ نَوَّرَ اللّٰہُ مَرْقَدَہُ الْمَجِیْد بطورِ خاص تو دس بارہ مدارس کے سرپرست تھے، لیکن ملک بھر کے مدارس کے ختم بخاری شریف، افتتاح بخاری شریف، افتتاح مدرسہ، افتتاح مسجد کی تقاریب کے لیے پے در پے سفر کرنے پڑتے۔ ختم نبوت کانفرنس میں شمولیت اور سیرت کانفرنسوں میں شمولیت مستزاد تھی۔ مفکرِ اسلام حضرت مولانا مفتی محمود رحمۃ اللہ علیہ کی وفات اور جمعیت کی دو حصوں میں تقسیم کے بعد یہ امکان تھا کہ شاید حضرت خواجہ نَوَّرَ اللّٰہُ مَرْقَدَہُ الْمَجِیْد جمعیت کی ذمہ داری سے عہدہ برا ہو جائیں گے۔ مگر مرض بڑھتا گیا جوں جوں دوا کی۔ قائدِ جمعیت حضرت مولانا فضل الرحمٰن صاحب نے حضرت خواجہ نَوَّرَ اللّٰہُ مَرْقَدَہُ الْمَجِیْد کو جمعیت کا سرپرست اعلیٰ بنا دیا اور خود آئے دن خانقاہ شریف میں حاضری کو معمول بنا لیا۔ حضرت خواجہ نَوَّرَ اللّٰہُ مَرْقَدَہُ الْمَجِیْد کے دل میں بھی حضرت مولانا فضل الرحمٰن صاحب کا احترام اور محبت بڑھتی گئی۔ حضرت خواجہ قدس سرہٗ حضرت مولانا سمیع الحق صاحب کا بھی غایت احترام وشفقت فرماتے تھے اور دونوں حضرات کے درمیان صلح کرانے کے لیے تادمِ آخر کوشش فرماتے رہے، مگر وہی ہوتا ہے جو منظورِ خدا ہوتا ہے۔

۱۹۷۷ء میں حضرت مولانا محمد یوسف بنوری رحمۃ اللہ علیہ کے سانحۂ ارتحال کے بعد حضرت خواجہ نَوَّرَ اللّٰہُ مَرْقَدَہُ الْمَجِیْد کو مجلس تحفظ ختم نبوت پاکستان کا مرکزی امیر بنادیا گیا، جبکہ آپ کی اور باقی اداروں کی مصروفیات بھی روز افزوں تھیں۔

۱۹۷۷ء سے حضرت خواجہ نَوَّرَ اللّٰہُ مَرْقَدَہُ الْمَجِیْد امیر مرکزیہ مجلس تحفظ ختم نبوت مقرر ہوئے تو گویا مجلس کے کارکنوں کو پر لگ گئے۔ ملک بھر میں قادیانیوں کا تعاقب شروع ہوگیا۔ جگہ جگہ ختم نبوت کانفرنسیں اور تربیتی کورس شروع ہوگئے۔ ۷ ارفروری ۱۹۸۳ء میں مولانا محمد اسلم قریشی کے اغواء کے بعد تو مجلس تحفظ ختم نبوت کو گویا شمشیر بلا سر پر آ گئی۔

پورے ملک میں بھونچال کی سی کیفیت طاری تھی۔ مجلس کے ورکروں اور عام مسلمانوں کی محنت اور جذبات کا اندازہ لگانے کے لیے ڈونگا باغ، سیالکوٹ کی جامع مسجد میں ہونے والی ختم نبوت کانفرنس کا منظر قابلِ دید تھا، جبکہ مولانا ضیاء القاسمی رحمۃ اللہ علیہ کی سربراہی میں علماء کی جماعتوں نے سیالکوٹ کے گرد و نواح میں تقریباً ایک ماہ کام کیا۔ پورے ملک میں مساجد کے اندر تحریری اور تقریری طور پر کانفرنس میں حرکت کے لیے عوام کو تیار کیا گیا۔ بریلوی مسلک کی یہ عظیم مسجد کانفرنس کے دن اس طرح بھر گئی جس طرح شہد کا چھتہ مکھیوں سے بھرا ہوتا ہے۔ سامعین میں بھی بلا کے جذبات تھے اور مقررین بھی ایڑی چوٹی کا زور لگا رہے تھے۔ حضرت سید محمد امین گیلانی رحمۃ اللہ علیہ نے یہ نظم پڑھی:

سودا کر لیا جانوں کا، کام ہے یہ دیوانوں کا
جلنے کو شمع رسالت پر، میلہ ہے پروانوں کا

فضا نعرۂ تکبیر سے گونج اٹھی اور دیوانے جلنے مرنے کے لیے تڑپتے نظر آئے۔ بس اس کانفرنس کے بعد کام شروع ہو گیا۔ صوبائی سطح پر کانفرنسیں ہوئیں، مرکزی سطح پر کانفرنسیں ہوئیں، حتیٰ کہ بات یہاں تک پہنچی کہ ۲۶ر اپریل ۱۹۸۴ء کو قادیانیت آرڈیننس جاری ہو گیا۔ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ عَلٰى ذٰلِكَ. محمد اسلم قریشی بازیاب ہو گئے۔ ربوہ آزاد ہو گیا۔ ربوہ (موجودہ چناب نگر) میں سالانہ ختم نبوت کانفرنس کا آغاز ہو گیا، اور حضرت خواجہ نَوَّرَ اللّٰهُ مَرْقَدَهُ الْمَجِيْد بنفسِ نفیس انگلینڈ، امریکہ، افریقہ تک قادیانیت کے تعاقب میں گئے۔ اب یہ مجلس عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت بن گئی اور ہمارے شیخ و مخدوم، مرشد عالم اور زمانے کے خاموش مجدد کو اللہ تعالیٰ نے اس محاذ پر شاندار کامیابیاں عطا فرمائیں۔

حضرت خواجہ نور اللہ مرقدہ المجید کی حیات مبارکہ ہی میں حضرت صاحبزادہ رشید احمد صاحب مدظلہ تعالیٰ العالی نے لاہور، گلبرگ، غالب مارکیٹ کے نزدیک مرکز سراجیہ کے نام سے ایک ادارہ قائم فرمایا، جہاں مسلک کی ترویج اور ختم نبوت کا کام جاری ہے۔ اسی طرح [illegible] ضلع میانوالی میں حضرت حافظ محمد [illegible] صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی خانقاہ کو آباد رکھا ہے جو اس [illegible] کے پیر بھائیوں کو سیراب کرتی ہے۔

لاہور کے نوجوانوں نے ختم نبوت کی ویب سائٹ:

www.khatm-e-nubuwwat.org

کے نام سے تیار کی ہے جو مسلمانانِ عالم کی رہنمائی کر رہی ہے۔ اسی میں خانقاہ سراجیہ کی ویب سائٹ کا لنک موجود ہے جہاں سے سلسلہ عالیہ نقشبندیہ کی گراں قدر کتب اور حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ کے مکتوبات شریفہ کو ملاحظہ کیا جا سکتا ہے۔

جمعیۃ علمائے اسلام کی خدمات

مرشد عالم قطب الاقطاب خواجہ خواجگان سیدنا و مرشدنا و مخدومنا حضرت مولانا ابوالخلیل خان محمد نَوَّرَ اللّٰہُ مَرْقَدَہُ الْمَجِیْد کی خدمات کا ایک اور میدان جمعیت علمائے اسلام تھی۔ آپ آخر دم تک اس کے سرپرست اعلیٰ کے عہدے پر رونق افروز رہے۔ آپ نے سیاسی قوت کو مضبوط کرنے اور موثر آواز اٹھانے کے لیے ہمیشہ اس جماعت کی سرپرستی فرمائی اور اس کے قائدین کے لیے دعا گو رہے۔ مفکر اسلام حضرت مولانا مفتی محمود رحمۃ اللہ علیہ سے آپ کی گہری وابستگی رہی اور قائد جمعیت حضرت مولانا فضل الرحمٰن سے بھی آپ کے گہرے روابط رہے۔

جمعیت علمائے اسلام ایک چھوٹی سی جماعت تھی۔ ایک وقت تھا کہ ذوالفقار علی بھٹو مرحوم کے دور میں تین کے دو تین علماء اسمبلی میں پہنچ سکتے تھے۔ مگر حضرت خواجہ نَوَّرَ اللّٰہُ مَرْقَدَہُ الْمَجِیْد کی کوشش اور محنت رنگ لائی۔ متحدہ مجلس عمل قائم کی گئی، جس کے نتیجے میں ساٹھ سے زیادہ ممبران قومی اسمبلی، سینیٹر اور ممبران صوبائی اسمبلی جیت گئے۔ دو صوبوں یعنی بلوچستان اور سرحد (موجودہ خیبرپختونخواہ) میں جمعیت علمائے اسلام کی حکومت قائم ہوئی۔ یہ سب حضرت خواجہ نَوَّرَ اللّٰہُ مَرْقَدَہُ الْمَجِیْد کی محنت اور فکر کا نتیجہ تھا۔ ایم ایم اے سے پہلے حضرت خواجہ نَوَّرَ اللّٰہُ مَرْقَدَہُ الْمَجِیْد جامعہ فرقانیہ، راولپنڈی میں تھے کہ لاہور سے فون آیا۔ عباسی صاحب آپ کو بتا رہے تھے کہ سترہ سیٹوں پر مولانا فضل الرحمٰن صاحب کے آدمیوں کے مقابلے میں مولانا سمیع الحق صاحب کے آدمی کھڑے ہیں جو نا کامی کی واضح دلیل ہے۔ وہ حضرت خواجہ نَوَّرَ اللّٰہُ مَرْقَدَہُ الْمَجِیْد کو مجبور کر رہے تھے کہ آپ خانقاہ

شریف کا سفر ملتوی کر کے لاہور پہنچیں اور یہ صلح کرائیں۔ یہ پندرہ شعبان کی رات تھی اور رمضان المبارک کے انتظامات کے لیے حضرت خواجہ نَوَّرَ اللّٰہُ مَرْقَدَہٗ الْمَجِیْد کو خانقاہ شریف پہنچنا کتنا ضروری تھا؟ اس کے باوجود حضرت خواجہ نَوَّرَ اللّٰہُ مَرْقَدَہٗ الْمَجِیْد لاہور گئے، گو اس وقت تو صلح کرانے میں پیش رفت نہ ہو سکی، لیکن اس کے بعد متحدہ مجلس عمل کی صورت میں یہ کامیابی پیش آئی۔

رمضان المبارک کی مصروفیات

مرشد عالم قطب الاقطاب خواجہ خواجگان سیدنا و مرشدنا و مخدومنا حضرت مولانا ابوالخلیل خان محمد نَوَّرَ اللّٰہُ مَرْقَدَہٗ الْمَجِیْد سفر میں ہونے کی صورت میں رمضان المبارک سے ایک ہفتہ قبل رمضان المبارک کے استقبال کے لیے خانقاہ شریف پہنچ جاتے اور رمضان المبارک کے ایک ہفتہ بعد تک خانقاہ پاک میں موجود رہتے۔ ملک بھر سے تقریباً چار سو عقیدتمند پورا مہینہ یہاں گزارتے اور قرآن مجید و تراویح کے علاوہ اذکار و عبادات میں مصروف رہتے۔ حضرت خواجہ نَوَّرَ اللّٰہُ مَرْقَدَہٗ الْمَجِیْد کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے رمضان المبارک میں خصوصی قوت مل جاتی تھی اور چار پانچ گھنٹے تراویح اور مراقبات میں رمضان کی رات گزارتے تھے۔

جب رمضان کا چاند نظر آ جاتا تو حضرت خواجہ نَوَّرَ اللّٰہُ مَرْقَدَہٗ الْمَجِیْد نماز عشاء اپنے مقررہ وقت سے آدھا گھنٹہ مؤخر فرماتے۔ نماز عشاء کو مستحب تک کی رعایت رکھ کر ادا فرمانے کے بعد تقریباً پانچ سات منٹ بعد تراویح کی جماعت کھڑی ہو جاتی۔ آپ کے سامنے ٹائم پیس رکھا ہوتا تھا۔ تراویح شروع ہونے سے پہلے وقت کا خیال فرما لیتے تھے اور جب چار رکعات تراویح پڑھ لیتے تو پھر وقت کو دیکھتے۔ اب جتنا وقت چار رکعت تراویح پڑھنے میں صرف ہوا، کم و بیش اتنی دیر مراقبہ فرماتے تھے۔ اس لحاظ سے بیس رکعات تراویح ادا فرماتے تھے۔ ہر رات (تراویح میں) تین پارے قرآن پڑھا جاتا۔ حضرت خواجہ نَوَّرَ اللّٰہُ مَرْقَدَہٗ الْمَجِیْد مکمل تراویح میں قیام کھڑے ہونے کی حالت میں کرتے تھے۔ جب ضعف بدن بڑھ گیا تو مراقبات میں قدرے تخفیف آ گئی اور قیام میں بھی کبھی کبھی بیٹھ

جاتے، لیکن جب محسوس فرما لیتے کہ قاری صاحب رکوع کرنے والے ہیں تو کھڑے ہو جاتے، حالتِ قیام سے رکوع میں جاتے۔ کم وبیش پانچ گھنٹے تک یہ سلسلۂ تراویح چلتا رہتا، رات کے ڈیڑھ دو بجے جاتے، پھر آخر میں حضرت خواجہ نَوَّرَ اللّٰہُ مَرْقَدَہٗ الْمَجِیْد دعا فرما کر گھر تشریف لے جاتے تھے۔

حج وعمرے

رمضان المبارک کے بعد مرشدِ عالم قطب الاقطاب خواجہ خواجگان سیدنا ومرشدنا ومخدومنا حضرت مولانا ابو الخلیل خان محمد نَوَّرَ اللّٰہُ مَرْقَدَہٗ الْمَجِیْد کی مصروفیت سفرِ حج کی ہوتی تھی۔ آپ نے پہلی مرتبہ صدیق دوراں، نائب قیوم زماں حضرت مولانا محمد عبد اللہ لدھیانوی قدس سرہٗ کے ساتھ حج ۱۹۳۶ء میں فرمایا۔ اس کے بعد کبھی کبھی یہ مبارک سفر نصیب ہوتا رہا۔ مگر ۱۹۷۵ء سے ۲۰۰۵ء تک بلا ناغہ حج کی حاضری نصیب ہوتی رہی۔ وفات سے چند دن پہلے حضرت کو عمرے کی دعوت دی گئی تو فرمایا کہ اب صحت بہت کمزور ہو گئی ہے، میں نے ۴۳ حج کیے ہیں، اللہ تعالیٰ قبول فرمائے۔ حضرت خواجہ نَوَّرَ اللّٰہُ مَرْقَدَہٗ الْمَجِیْد اپنے سلسلہ پاک کے بزرگوں میں سے ایک بزرگ کی طرف سے ہر سال حج ادا فرماتے تھے۔ اللہ تعالیٰ آپ کے حج قبول فرمائے اور اُمتِ مسلمہ کی مغفرت کا ذریعہ بنائے، آمین۔ بیرونِ ملک اسفار میں بھی عمرہ کا اہتمام فرماتے تھے اور خصوصی طور پر بھی تقریباً ہر سال عمرے کے لیے تشریف لے جاتے تھے۔ بعض اوقات ایک سال میں دو مرتبہ بھی عمرہ فرماتے تھے۔ اندرونِ ملک اور بیرونِ ملک تمام اسفار کے انتظامات حضرت خواجہ نَوَّرَ اللّٰہُ مَرْقَدَہٗ الْمَجِیْد کے شیخ زادہ و رفیقِ سفر حضرت صاحبزادہ محمد عبد الحبیب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے۔

اتباعِ سنت

مرشدِ عالم قطب الاقطاب خواجہ خواجگان سیدنا ومرشدنا ومخدومنا حضرت مولانا ابو الخلیل خان محمد نَوَّرَ اللّٰہُ مَرْقَدَہٗ الْمَجِیْد اتباعِ سنت پر ایسے حریص تھے کہ تمام حرکات و سکنات میں سردار الانبیاء فخر کائنات حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے خصائل و شمائل

آپ کے پیشِ نظر رہتے تھے۔ آپ کے اُٹھنے بیٹھنے، کھانے پینے، رہنے سہنے، بول چال، غرض حیاتِ مبارکہ کے ہر پہلو میں اتباعِ سنت کی خوشبو بھری تھی۔

گویا آپ کا خصوصی شوق اتباعِ سنت تھا۔ آپ ہر عمل میں سنتِ نبویہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی جستجو فرماتے تھے۔ آپ نماز باجماعت ادا فرماتے۔ نماز میں طوالِ مفصل، اوساطِ مفصل اور قصارِ مفصل کے حساب سے پوری سورت کی تلاوت فرماتے۔ قاری صاحب امامت فرماتے تو انہیں بھی پوری سورت پڑھنے کی تاکید فرماتے۔ مسواکوں میں سے پیلو کا مسواک استعمال فرماتے۔ سوائے بعض خاص مواقع کے، آپ ہمیشہ تہبند زیب تن فرماتے تھے۔ جب کہیں خصوصی میٹنگ کے لیے جاتے تو شلوار قمیص پہن لیتے تھے۔ لبوں کو قینچی سے کترتے تھے۔ آپ ہرگز پسند نہ فرماتے کہ لبوں کو باریک کترا جائے یا مونڈا جائے۔ داڑھی مبارک مشت بھر سے زیادہ رکھتے تھے۔ سر پر عموماً سفید رنگ کا کلف والا عمامہ زیب تن فرماتے۔ عام دھوبی سے کپڑے نہیں دھلواتے تھے، عموماً گھر میں کپڑے دھلتے تھے۔ اگر دھوبی سے دھلوانے پڑتے تو خصوصی دھوبی، جو اپنے خاندانِ پاک سے تعلق رکھتے ہیں، لاہور میں مقیم ہیں، ان کے پاس کپڑے دھونے کے لیے بھیجتے۔ جس طرح آپ کی باطنی طہارت اپنی مثال آپ تھی اُسی طرح ظاہری طہارت بھی سنتِ نبویہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے معیار پر رکھتے تھے۔

بیماری

مرشدِ عالم قطب الاقطاب خواجہ خواجگان سیدنا و مرشدنا و مخدومنا حضرت مولانا ابوالخلیل خان محمد نَوَّرَ اللّٰهُ مَرْقَدَهُ الْمَجِیْد قریباً ایک صدی کی مبارک اور پُرمشقت زندگی گزارنے کے بعد شدید بیمار ہو گئے، گو آخری چند برسوں میں ضعف و نقاہت کا غلبہ رہا۔ وصالِ مبارک سے تقریباً بیس روز پہلے عارضۂ جگر لاحق ہوا۔ آپ کو خصوصی طیارے کے ذریعے مورخہ ۱۳ جمادی الاول ۱۴۳۱ھ/ ۲۸ اپریل ۲۰۱۰ء کو سیال میڈیکل سنٹر، ملتان لے جایا گیا، جہاں تقریباً آٹھ روز زیرِ علاج رہے۔ آپ انتہائی صابر و شاکر تھے، خانقاہ شریف پر جیسے ہر وقت مریدین و زائرین کا کثیر مجمع رہتا تھا، ایسے ہی سیال میڈیکل سنٹر

میں لوگ آپ کی زیارت کے لیے آتے رہے۔ آپ سب کو اپنی زیارت سے نوازتے اور ہر ایک کے لیے دعا فرماتے رہے، کبھی ناگواری اور زحمت کا احساس نہیں فرمایا۔ جیسے شروع میں کریم، شفیق اور مہربان تھے، آخری دم تک ایسے ہی رہے، الحمدللہ ہوش وحواس میں رہے اور اپنی نمازوں کو باجماعت ادا فرماتے رہے۔

سانحۂ وفات کی پیشگی خبر

حضرت خواجہ نَوَّرَ اللّٰہُ مَرْقَدَہٗ الْمَجِیْد کی ایک ہی صاحبزادی محترمہ دام مجدھا ہیں، جو سب سے بڑی ہیں اور آپ سے بھرپور محبت کرتی ہیں، بچپن سے ان کا معمول یہ رہا کہ جب حضرت خواجہ نَوَّرَ اللّٰہُ مَرْقَدَہٗ الْمَجِیْد گھر کے اندر تشریف لاتے تو یہ آپ کے پہلو میں بیٹھی رہتیں۔ حضرت خواجہ نَوَّرَ اللّٰہُ مَرْقَدَہٗ الْمَجِیْد بھی ان سے بہت شفقت فرماتے تھے۔ سب گھر والوں کو اندیشہ تھا کہ حضرت خواجہ نَوَّرَ اللّٰہُ مَرْقَدَہٗ الْمَجِیْد کی وفات کے سانحے پر انہیں اتنا شدید صدمہ ہوگا کہ ان کو سنبھالنا مشکل ہوگا۔ لیکن اللہ رب العزت کی شانِ بے نیازی کہ اُدھر حضرت خواجہ نَوَّرَ اللّٰہُ مَرْقَدَہٗ الْمَجِیْد کا وصال مبارک ہوا، اِدھر آپ کی یہ صاحبزادی محترمہ دام مجدھا صبر ورضا کا ایسا پیکر بنیں کہ ایک آنسو نہیں نکلا اور ایک بار بھی رونے کا نام نہیں لیا۔ گھر والوں کو حیرت ہوئی کہ یہ انقلاب کیسے آگیا، کیونکہ اُن کو تو کھٹکا تھا کہ ان پر وصال مبارک کا ایسا شدید دباؤ ہوگا کہ شاید ان کو سنبھالنا مشکل ہو گا۔ چنانچہ ان سے پوچھا گیا تو انہوں نے فرمایا:

> ''وفات سے دو روز قبل حضرت قبلہ والد گرامی رحمۃ اللہ علیہ خواب میں ملے اور مجھے فرمایا کہ میرے جانے کا وقت قریب آگیا ہے۔ آپ نے بے صبری بالکل نہیں کرنی اور نہ رونا ہے۔ میں نے خواب میں وعدہ کیا۔ اللہ تعالیٰ نے ایسا صبر دے دیا جو آپ دیکھ رہے ہیں۔''

وصال مبارک

مرشد عالم قطب الاقطاب خواجہ خواجگان سیدنا و مرشدنا و مخدومنا حضرت مولانا تے بروز بدھ مورخہ ۲۰ر جمادی الاولیٰ ۱۴۳۱ھ/ ۵ر مئی ۲۰۱۰ء کو عصر کی نماز بقائمی ہوش وحواس ادا

فرمائی اور مغرب کی نماز کے بعد تقریباً آٹھ بجے جان جانِ آفرین کے سپرد کر دی۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّآ اِلَیْہِ رٰجِعُوْنَ۔

آپ کے جسدِ خاکی کو لے کر جملہ صاحبزادگان کرام بسط اللہ ظلہم العالی اور قاری عبدالرحمٰن ضیاء صاحب دوسرے احباب کے ساتھ ملتان سے سڑک کے راستے خانقاہ سراجیہ کی طرف روانہ ہوئے۔ فجر کی اذانیں ہو رہی تھیں کہ یہ قافلہ خانقاہ شریف آ پہنچا۔ حضرت خواجہ نَوَّرَ اللّٰہُ مَرْقَدَہُ الْمَجِیْد کے جسدِ خاکی کو آپ کے رہائشی کمرہ میں رکھا گیا۔ مسجد و مدرسہ کا پورا احاطہ مہمانوں کی آمد سے اٹا ہوا تھا۔ ہر آنکھ اشکبار تھی اور ہر چہرہ اُداس تھا۔ در و دیوار، مسجد کی ایک ایک اینٹ اور درختوں کی ہر ٹہنی اور پتے سے اداسی ٹپکتی ہوئی محسوس ہوتی تھی۔

غسل

ظہر سے پہلے حضرت خواجہ نَوَّرَ اللّٰہُ مَرْقَدَہُ الْمَجِیْد کے جسدِ خاکی کو غسل دینے کے لیے مقررہ جگہ پر لے جایا گیا۔ سیدنا و مرشدنا و مخدومنا حضرت مولانا صاحبزادہ خلیل احمد صاحب بسط اللہ ظلہم العالی اور حضرت مولانا صاحبزادہ سعید احمد صاحب بسط اللہ ظلہم العالی اوّل سے آخر تک غسل کے عمل میں شریک رہے۔ پانی ڈالنے کا فریضہ قاری عبدالرحمٰن صاحب نے ادا کیا۔ وضو کرانے کی سعادت مولانا اللہ وسایا صاحب کے حصے میں آئی۔ صابن لگانے میں یوسف صاحب، حکیم سلطان صاحب، مولانا اللہ وسایا صاحب اور دوسرے احباب شریک رہے۔ کافی عمل مکمل ہونے پر مولانا اللہ وسایا صاحب نے پاؤں مبارک دھونے کی سعادت پائی۔ [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible]

بعد [illegible] حضرت خواجہ نَوَّرَ اللّٰہُ مَرْقَدَہُ [illegible] [illegible]

سفید کپڑے آپ پر سج رہے تھے۔ اس کے بعد آپ کو دوبارہ آپ کے رہائشی کمرے میں لایا گیا۔ عزیز واقارب، عقیدتمند، مریدین اور واردین آخری بار آپ کا شربتِ دیدار نوش کرنے لگے۔ کتنے ہی خوش نصیب تھے وہ لوگ جنہیں یہ نعمتِ عظمیٰ نصیب ہوئی!

جنازہ

آپ کے وصال مبارک کی خبر آنا فانا پوری دنیا میں پھیل گئی۔ اہلِ ایمان کے قافلے جوق در جوق آپ کے جنازہ میں شرکت کے لیے ملک کے کونے کونے سے خانقاہ سراجیہ کی جانب رواں دواں ہو گئے۔ بیرونی ممالک سے بھی عقیدتمند جنازہ میں شریک ہوئے۔

دیکھتے ہی دیکھتے خانقاہ شریف کے چاروں اطراف انسان ہی انسان اور گاڑیاں ہی گاڑیاں کھڑی تھیں۔ جیسے جیسے وقت گزرتا گیا، یہ تعداد بڑھتی گئی۔ جنازے کا وقت دو بجے تھا، لیکن انسانوں کا ٹھاٹھیں مارتا ہوا سمندر تھا جو قابو میں نہیں آ رہا تھا۔ خانقاہ شریف کے ارد گرد زمین سے گندم کی کٹائی ہو گئی تھی، ٹریکٹر کے ذریعے جگہ ہموار کی گئی تھی۔ چالیس ایکڑ رقبے کا وسیع وعریض میدان جنازہ پڑھنے کے لیے مختص کیا گیا تھا۔ لیکن جب صفیں بنیں تو خانقاہ شریف کے شرق میں واقع سڑک و نہر پر انسان ہی انسان تھے۔ بہت سارے احباب شیشم کے درختوں پر چڑھ کر صفوں کو دیکھنے لگے تو انہوں نے گواہی دی کہ چہار جانب تا حدِّ نگاہ انسان ہی انسان ہیں۔ عجیب تر بات یہ دیکھنے میں آئی کہ نمازِ جنازہ سے کچھ دیر پہلے جونہی جنازے کی گاڑی پنڈال میں پہنچی، اگلی صفوں کے سروں پر ابابیلوں نے پرواز شروع کی۔ جونہی جنازہ ختم ہوا، جنازے کی گاڑی جنازے کو لے کر قبرستان کی جانب چلی تو پنڈال سے وہ پرندے غائب ہو گئے۔ مئی کی گرمی اور میانوالی کا علاقہ! اُف اللہ! لیکن اس روز صبح سے شام تک موسم ایسا دلنواز اور دلپسند، ٹھنڈا اور روح افزا تھا کہ رب کریم کی سخاوت پر ہر شخص جھوم اٹھا۔ سُبْحَانَ اللّٰہِ وَبِحَمْدِہٖ سُبْحَانَ اللّٰہِ الْعَظِیْمِ۔

اس طرح بروز جمعرات مؤرخہ ۲۱ رجمادی الاوّل ۱۴۳۱ھ / ۶ رمئی ۲۰۱۰ء کو نمازِ ظہر کے بعد دو بج کر پچاس منٹ پر آپ کی نمازِ جنازہ خانقاہ سراجیہ پر سیدنا ومرشدنا ومخدومنا حضرت صاحبزادہ خلیل احمد بسط اللہ ظلہم العالی کی اقتدا میں ادا کی گئی۔ ایک محتاط اندازے

کے مطابق تقریباً تین لاکھ اسّی ہزار افراد آپ کی نماز جنازہ میں شریک ہوئے۔ وَاللّٰہُ اَعْلَمُ بِالصَّوَاب. آپ کے عقیدت مندوں کی آہوں، سسکیوں اور دھاڑوں سے فضا سوگوار رہی۔ ایسے ہی چرند پرند، حیوان اور زمین آسمان بھی آہ وفغاں کے عالم میں تھے۔ کیوں نہ ہوتے، خود سرورِ کائنات حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ موت العالم موت العالم۔ اور یہ بھی عالم کا حصہ ہیں، لہٰذا عالم کی موت کا اثر ان پر بھی ہوا۔ جنازہ میں شامل لاکھوں اہلِ ایمان میں ہر مکتبہ فکر کے حضرات، جوان و بوڑھے، خاص و عام اور مشائخ و علما، حکمران و سیاست دان، سبھی شامل تھے۔ یہ اس صدی کا تاریخی جنازہ تھا۔

تدفین

نماز جنازہ کے بعد آپ کو خانقاہ سراجیہ نقشبندیہ مجددیہ کی تاریخی مسجد کے عقب میں احاطہ مزارات میں اپنے پیر و مرشد صدیقِ دوراں نائب قیوم زماں حضرت مولانا محمد عبداللہ لدھیانوی قدس سرہٗ (م ۱۳۷۵ھ/ ۱۹۵۶ء) کے پہلو میں آسودہ خاک کیا گیا۔

حضرت خواجہ نَوَّرَ اللّٰہُ مَرْقَدَہُ الْمَجِیْد کو مرقد مبارک میں مخدوم زادگان حضرت مولانا حافظ رشید احمد صاحب بسط اللہ ظلہم العالی اور حضرت مولانا سعید احمد صاحب بسط اللہ ظلہم العالی نے اتارا۔ پھر مرقد مبارک کو بند کرنے کے لیے اینٹیں اور گارا حضرت مولانا صاحبزادہ نجیب احمد صاحب بسط اللہ ظلہم العالی دے رہے تھے۔ سیدنا و مرشدنا و مخدومنا حضرت مولانا صاحبزادہ خلیل احمد صاحب بسط اللہ ظلہم العالی اور حضرت مولانا مفتی شاہد مسعود زید مجدہم نے تلاوت فرمائی۔ آخر میں سیدنا و مخدومنا حضرت مولانا صاحبزادہ عزیز احمد بسط اللہ ظلہم العالی نے اجتماعی دعا کرائی۔ قبر شریف اور خانقاہ شریف کے احاطے میں بے شمار آدمیوں نے بیٹھ کر قرآن خوانی کی سعادت حاصل کی۔

یہ مزار مبارک بالکل سادہ ہے، کوئی گنبد یا کوئی بھی امتیازی نشان نہیں لگایا گیا۔ یہ صرف پرانی طرز کی چار دیواری ہے۔ یہیں آپ کے مربی و شیخ قیوم زماں حضرت خواجہ مولانا ابو السعد احمد خان قدس سرہٗ (م ۱۳۶۰ھ/ ۱۹۴۱ء) اور ان کے خاندان کے دوسرے حضرات کے مزارات ہیں۔ بعض ایسے خدام کی قبریں بھی ہیں، جنھوں نے ساری زندگی خانقاہ شریف

میں گزاری، وہیں فوت ہوئے اور وہیں آسودہ خاک ہوئے۔ فَرَحْمَةُ اللّٰهِ عَلَيْهِمْ أَجْمَعِيْنَ۔

مکاشفہ

حضرت خواجہ خواجگان رحمۃ اللہ علیہ کی وفات کے موقع پر ماہنامہ ''لولاک''، ملتان کی خصوصی اشاعت میں درج ہے کہ ایک صاحب نے مکاشفہ میں دیکھا کہ انہوں نے حضرت خواجہ قدس سرہٗ سے پوچھا کہ حضور! برزخ میں کیسی رہی؟ تو حضرت خواجہ قدس سرہٗ نے فرمایا: ''خلافِ توقع رہی۔ میرا خیال تھا کہ قبر میں حسبِ معمول مجھ سے سوال وغیرہ ہوگا، لیکن قبر میں رکھے جانے کے ساتھ ہی قبر تاحدِ نگاہ فراخ ہوگئی۔ جنت کی کھڑکی کھول دی گئی۔ منکر نکیر کی بجائے دو فرشتے بطور خادم کے بھیجے گئے کہ جو خدمت ہو ان سے فرمادیں، بجا لائی جائے گی۔

تمام مشائخ کرامؒ نے میرا استقبال کیا اور خاص لئے میں سب نے میرے آنے کی خوشی میں اسم ذات کا جہری ذکر کیا، اور میری آمد پر برزخ میں مشائخ نے تین دن جشن خوشی منایا۔ تین دن کے جشن کے بعد خواجہ کائنات حضرت ختم المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے دربارِ عالی میں بلایا۔ میں حاضر ہوا تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ختمِ نبوت کے کام کے طفیل مجھ پر توقع سے زیادہ عنایات فرمائیں اور اب میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ہی ہوتا ہوں۔''

جانشین معظم

آپ کے وصال مبارک کے بعد مورخہ ۲۲ جمادی الاولی ۱۴۳۱ھ/ ۷ مئی ۲۰۱۰ء بروز جمعۃ المبارک بعد از نماز ظہر مسجد خانقاہ سراجیہ نقشبندیہ مجددیہ میں نہایت سادگی سے ایک پروقار مجلس منعقد ہوئی، جس میں حضرت خواجہ نور اللہ مرقدہٗ المجید کے خلفائے عظام اور حضرت خواجہ نور اللہ مرقدہٗ المجید کے خاندان کے تمام حضرات اور خانقاہ سراجیہ میں موجود مریدین و متوسلین شریک تھے۔

پانچوں خلفائے عظام نے متفقہ مشورے سے سیدنا و مرشدنا مخدومنا حضرت مولانا

صاحبزادہ خلیل احمد صاحب بسط اللہ ظلہم العالی کی مسند نشینی کا اعلان فرمایا گیا، اور سیدنا و مخدومنا حضرت مولانا صاحبزادہ عزیز احمد صاحب بسط اللہ ظلہم العالی کو مجلس ختم نبوت، جمعیت علمائے اسلام، خانقاہ سراجیہ بنگلہ دیش، برطانیہ اور بیرون ممالک سے متعلقہ امور کا ذمہ دار مقرر فرمایا گیا۔ دونوں حضرات کی دستار بندی کرائی گئی۔ اس مجلس سے قائد جمعیت حضرت مولانا فضل الرحمٰن صاحب نے روح پرور خطاب فرمایا۔ پھر حضرت حاجی عبدالرشید صاحب بسط اللہ ظلہم العالی نے خطاب فرمایا اور دعا ہوئی۔ بعد ازاں تمام حاضرین نے سیدنا و مرشدنا و مخدومنا حضرت مولانا صاحبزادہ خلیل احمد صاحب بسط اللہ ظلہم العالی کے دستِ مبارک پر تجدید بیعت کی۔

جس سال حضرت خواجہ نَوَّرَ اللّٰہُ مَرْقَدَہُ الْمَجِیْد نے وصال فرمایا اسی سال چناب نگر کی ختم نبوت کانفرنس میں حضرت خواجہ نَوَّرَ اللّٰہُ مَرْقَدَہُ الْمَجِیْد کی جگہ حضرت استاد جی مولانا عبدالمجید لدھیانوی صاحب کو عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت کا امیر مرکزیہ مقرر کیا گیا۔ حضرت ڈاکٹر عبدالرزاق سکندر صاحب اور سیدنا و مخدومنا حضرت صاحبزادہ عزیز احمد صاحب بسط اللہ ظلہم العالی کو نائب امیر مرکزیہ مقرر کیا گیا۔ اللہ تعالیٰ ان حضرات گرامی سے حضرت خواجہ نَوَّرَ اللّٰہُ مَرْقَدَہُ الْمَجِیْد کے وصال کے سبب پیدا ہونے والے خلا کو پُر فرمائے اور تحفظ ناموسِ رسالت کی کماحقہٗ خدمات اور کام لے، آمین ثم آمین۔

خلفائے عظام

مرشد عالم قطب الاقطاب خواجہ خواجگان سیدنا و مرشدنا و مخدومنا حضرت مولانا ابوالخلیل خان محمد نَوَّرَ اللّٰہُ مرقدہُ المجید کے مریدوں اور عقیدتمندوں کی تعداد لاکھوں سے متجاوز تھی۔ لاکھوں علماء و صلحاء آپ سے بیعت تھے۔ اسی طرح لاکھوں طالبانِ حق اور سالکین طریقت نے آپ سے سلسلہ عالیہ نقشبندیہ مجددیہ کے مقامات طے کیے۔ آپ کے خلفائے عظام کے اسمائے گرامی درج ذیل ہیں:

۱۔ فخر المحدثین حضرت مولانا انظر شاہؒ (م ۱۴۲۹ھ/ ۲۰۰۸ء) ابن حضرت علامہ محمد انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ، دارالعلوم دیوبند، یوپی، ہندوستان

۲۔ حضرت مولانا سیّد احمد رضا بجنوری رحمۃ اللہ علیہ (م ۱۴۱۸ھ/ ۱۹۹۸ء)، بجنور، یوپی، ہندوستان
۳۔ حضرت حافظ احمد سعید رحمۃ اللہ علیہ، جنجو شریف، ضلع بھکر
۴۔ حضرت مولانا محبوب الٰہی رحمۃ اللہ علیہ (م ۱۴۰۲ھ/ ۱۹۸۱ء)، ۷۔ بیڈن روڈ، لاہور
۵۔ حضرت مولانا احمد دین رحمۃ اللہ علیہ، بمقام داوڑا کلاں، نزد ہڑپہ، ضلع ساہیوال
۶۔ حضرت ماسٹر محمد شادی خان رحمۃ اللہ علیہ، سیٹلائٹ ٹاؤن، گوجرانوالہ
۷۔ حضرت مولانا غلام محمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ، ضلع جھنگ
۸۔ حضرت حافظ قطب الدین رحمۃ اللہ علیہ، کوٹ حافظ حبیب اللہ، نزد ہڑپہ، ضلع ساہیوال
۹۔ حضرت مولانا حافظ غلام علی رحمۃ اللہ علیہ، خالق آباد، تحصیل وضلع خوشاب
۱۰۔ حضرت مولانا مفتی احمد سعید رحمۃ اللہ علیہ (م ۱۴۰۹ھ/ ۱۹۸۹ء) ابن حضرت مولانا مفتی محمد شفیع رحمۃ اللہ علیہ، سرگودھا
۱۱۔ حضرت حکیم حافظ عبدالرشید چیمہ رحمۃ اللہ علیہ (م ۱۴۲۸ھ/ ۲۰۰۷ء)، خانقاہ سراجیہ، بستی سراجیہ، ۱۲/۴۲۔ ایل، چیچہ وطنی، ضلع ساہیوال
۱۲۔ حضرت مولانا نذر الرحمٰن صاحب بسط اللہ ظلہم العالی، مدرسہ عربیہ تبلیغی مرکز، رائے ونڈ، ضلع لاہور
۱۳۔ حضرت مولانا عبدالغفور صاحب بسط اللہ ظلہم العالی، مرکزی جامع مسجد زرگراں والی، کیلہ خورد، ٹیکسلا شہر، ضلع راولپنڈی
۱۴۔ حضرت حاجی عبدالرشید صاحب بسط اللہ ظلہم العالی، مکان نمبر ۲۲۸۔ بی، سیٹلائٹ ٹاؤن، رحیم یار خان
۱۵۔ حضرت مولانا محبّ اللہ صاحب بسط اللہ ظلہم العالی، مدرسہ عربیہ سراجیہ سعدیہ، نزد کمشنری، لورالائی، بلوچستان
۱۶۔ حضرت مولانا گل حبیب صاحب بسط اللہ ظلہم العالی، لورالائی، بلوچستان

آپ کے احوال و مقامات میں تصانیف

مرشد عالم قطب الاقطاب خواجہ خواجگان سیدنا و مرشدنا و مخدومنا حضرت مولانا ابوالخلیل خان محمد نَوَّرَ اللّٰہُ مَرْقَدَہُ الْمَجِیْد کے احوال و مقامات میں کئی کتب لکھی گئی ہیں۔ آپ کی حیاتِ مبارکہ میں اوّل آپ کے خلیفہ مجاز حضرت مولانا محبوب الٰہی رحمۃ اللہ علیہ نے آپ کے احوال و مقامات اور کرامات منضبط کر کے ''تحفۂ سعدیہ'' میں شامل فرمائے۔ اس کے بعد حافظ نذیر احمد نقشبندی مجددی نے اپنی کتاب ''حضرات کرام نقشبندیہ قدس اللہ اسرارہم'' میں آپ کے احوال و کرامات تحریر کیے۔ بعد ازاں مولانا محمد اشفاق اللہ واجد نے ''میرے خلیل'' کے نام سے آپ کے احوال و مناقب تحریر کیے۔ پھر محمد نذیر رانجھا نے (۱) ''تاریخ و تذکرہ خانقاہ سراجیہ''، (۲) ''تاریخ و تذکرہ خانقاہ احمدیہ سعیدیہ وموسیٰ زئی شریف'' میں آپ کے احوال و مقامات جمع کیے۔ اس کے بعد اُن کی تیسری کتاب ''احوال و مناقب حضرت مولانا ابوالخلیل خان محمد صاحب بسط اللہ ظلہم العالی'' طبع ہوئی۔ پھر ''تحائف مرشدیہ'' (مکتوبات شریف خواجہ خواجگان مخدوم زمان سیدنا و مرشدنا و مخدومنا حضرت مولانا ابوالخلیل خان بسط اللہ ظلہم العالی بنام محمد نذیر رانجھا) شائع ہوئی۔

آپ کے وصال مبارک کے بعد سب سے پہلے سیدنا و مرشدنا و مخدومنا حضرت مولانا صاحبزادہ خلیل احمد بسط اللہ ظلہم العالی کی مرتب کردہ کتاب ''شیخ المشائخ خواجہ خواجگان خواجہ خان محمدؒ کی ڈائریاں ۱۹۶۲ء-۲۰۰۱ء'' زیورِ طبع سے آراستہ ہوئی۔ اس کے بعد مجلّہ ''صفدر'' گجرات نے آپ کے احوال و مناقب میں اپنا ضخیم خصوصی نمبر شائع کیا۔ اس کے ساتھ ہی حافظ نذیر احمد نقشبندی مجددی کی کتاب ''ملفوظات مبارکہ حضرات کرام نقشبندیہ'' طبع ہوئی، جس میں حضرت خواجہ نَوَّرَ اللّٰہُ مَرْقَدَہُ الْمَجِیْد کے احوال و ملفوظات شامل ہیں۔ بعد ازاں مولانا اللہ وسایا کی کتاب ''تذکرہ خواجہ خواجگان حضرت اقدس مولانا خواجہ خان محمد صاحب نور اللہ مرقدہٗ'' منصۂ شہود پر آئی۔ پھر مجلس تحفظ ختم نبوۃ کے ماہنامہ ''لولاک'' ملتان نے آپ کے احوال و مناقب میں ضخیم خصوصی نمبر طبع کیا۔ اس کے بعد محمد نذیر رانجھا کی کتاب ''مقامات خواجہ خواجگان حضرت مولانا خواجہ خان محمد قدس سرہٗ''

شائع ہوئی۔

جناب محمد حامد سراج کی کتاب ''نقشِ سراج'' اور محمد نذیر رانجھا کی مرتبات ''صحائفِ مرشدیہ'' (حضرت خواجہ خان محمدؒ کے مکاتیب شریفہ کا مجموعہ) اور ''سوغاتِ مرشدیہ'' (حضرت خواجہ خان محمدؒ کے نادر مضامین، خطابات اور تقاریظ کا مجموعہ) تکمیلی مراحل میں ہیں۔ اللہ کریم آپ کے خوشہ چینوں اور عقیدتمندوں کو قیامت تک آپ کے احوال و مقامات میں قلم اٹھائے رکھنے کی توفیق کرامت فرمائے اور آپ کے تمام لواحقین اور متعلقین کو آپ کے نقشِ قدم پر چلا کر جنت الفردوس میں آپ کا رفیق بنائے۔ آمین بجاہ خاتم المرسلین صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ واصحابہ اجمعین۔

شجرہ ہائے سلسلہ عالیہ نقشبندیہ مجدّدیہ

ارباب طریقت کا معمول ہے کہ اکابر طریقہ کے توسل سے حق تعالیٰ کی بارگاہ میں فلاح دارین کی دعا کیا کرتے ہیں۔ اس غرض کے لیے منثور و منظوم شجرے مرتب کیے جاتے ہیں جن کا صبح و شام ایک بار پڑھ لینا ہزار ہا برکتوں اور سعادتوں کا موجب ہے۔ طریقہ نقشبندیہ مجددیہ کے متعدد شجرے نظم و نثر میں موجود ہیں۔

ہم جن تین شجروں کو پیش کر رہے ہیں وہ تین زبانوں: عربی، فارسی اور اُردو میں ہیں۔ عربی و اُردو کے شجرے بہ تمام و کمال اور فارسی شجرے کے آخری چار شعر ہمارے مخلص دوست پروفیسر حافظ محمد افضل صاحب فقیر کے وقادِ ذہن اور نقادِ طبیعت کا نتیجۂ فکر ہیں۔ حافظ صاحب موصوف اُردو، فارسی، عربی اور انگریزی لٹریچر میں کامل دستگاہ رکھتے ہیں۔ آپ نے عربی ادب کی تحصیل حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ کے تلمیذ رشید حضرت مولانا محمد عبید اللہ قدس سرہٗ پروفیسر گورنمنٹ کالج شاہپور سے فرمائی ہے۔ ہر زبان کے صدہا فصیح و بلیغ اشعار آپ کی نوکِ زبان سے تراوش کرتے رہتے ہیں۔ زندگی کا انداز فقیرانہ اور متوکلانہ ہے۔ حضرت سیدنا و مولانا ابوالخلیل خان محمد مدظلہ العالی سے فرطِ ارادت و مودّت رکھتے ہیں۔

فارسی شجرہ میں چند اشعار کا اضافہ کرنے کی تقریب یوں ہوئی کہ آپ خانقاہ سراجیہ تشریف لائے۔ حضرت قبلہ مدظلہ نے آپ کو حضرت شاہ غلام علی دہلوی قدس سرہٗ کے مجاز طریقت حضرت شاہ سعد روحی کا دیوان فارسی مطالعہ کے لیے دیا۔ دیوان میں حضرت قدس روحی کی ترتیب دادہ پنج شعروں پر مشتمل ایک منظوم شجرہ بھی تھا جو حضرت رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم سے حضرت شاہ غلام علی قدس سرہٗ تک پہنچتا ہے۔

مطالعہ کرنے کے بعد حافظ صاحب موصوف نے عرض کیا کہ حضرت قبلہ اجازت دیں تو شجرہ کو سلسلہ فقیر کے چند شعروں کے اضافے سے آپ تک پہنچا سکتے ہیں۔ حضرت سا

اجازت کے بعد موصوف نے تین شعروں میں حضرت شاہ ابوسعید سے لے کر حضرت شیخ ابوالخلیل تک شجرہ کا ترجمہ نظم کر کے پیش کر دیا۔ وہی زبان، وہی آب و تاب اور وہی روانی ہے۔ اگر بتایا نہ جائے تو کلام خالد و کلام فقیہ میں تمیز نہیں ہو سکتی۔ حضرت قبلہ نے محظوظ ہو کر فرمایا کہ ایک دعائیہ شعر کا اضافہ مزید ہونا چاہیے۔ حافظ صاحب موصوف نے چند لمحوں میں دعائیہ شعر کا اضافہ کر کے شجرۂ فارسی کو مکمل کر دیا۔ فجزاہ اللہ تعالیٰ خیر الجزاء۔

شجرہ منظومہ اردو

محمد مصطفیٰؐ، صدیق اکبرؓ، حضرت سلمانؓ
امام قاسم و جعفر سے پھر جاری ہوا فیضان

جناب بایزید و پیر خرقاں، بوعلی، یوسف
ہے عبدالخالق و عارف کا سارے فقر پر احسان

ہوئے محمود سے رامیتنی بابا کلاں میر
امیر نقشبنداں سے علاء الدین عالی شاں

جہاں چرخی عبیداللہ، زاہد سے ہوا روشن
بنے درویش املنگی سے باقی صاحب عرفاں

مجدد الف ثانی، حضرت معصوم، سیف الدین
ہوئے نور محمد کے مبارک جانشیں جاناں

جو عبداللہ، حضرت بوسعید احمد سعید آئے
بنے پھر خواجہ قندھاری کے وارث حضرت عثماں

سراج و حضرت بوسعد عبداللہ سے چمکا
سراجیہ کا ہر ذرہ مثال مہر تاباں

متاع جاں نثار حضرت خان محمد ہے
امام پاکبازاں، نور عرفاں، ہادی دوراں

الٰہی سب کے صدقے میں رہے مجھ پر کرم تیرا
شفاعت سرور عالم کی محشر میں عطا فرما

شجرہ منظومہ بزبانِ فارسی

نبی، صدیق و سلمان، قاسم است و جعفر و طیفور — کہ بعد از بوالحسن شد بوعلی و یوسف گنجور

ز عبدالخالق آمد عارف و محمود زو بہرہ — عزیزاں شد دیار ماوراء النہر کوہ طور

علی بابا، کلال و نقشبند است و علاء الدین — پس از یعقوب چرخی خواجۂ احرار شد مشہور

محمد زاہد و درویش، حضرت خواجگی، باقی — مجدد، عروۃ الوثقیٰ و سیف الدین، سید نور

حبیب اللہ مظہر، شاہ عبداللہ پیر ما — از اینہا رتبۂ صبح عید شد مارا شب دیجور

جناب بوسعید احمد سعید و خواجہ قندھاری — ہمہ بودند ترویج شریعت را ز حق مامور

ز عثمان و سراج و حضرت بوسعد، عبداللہ — ہدایت یافتم آنانکہ بودند از طریقت دور

سراجیہ مبارک خانقاہ پاکیزہ است — بود از حضرت خان محمد تا ابد معمور

بحق عارفان ذات یارب سرفرازم کن
بگرداں از کرم در امت خیر الوریٰ محشور

شَجَرَةٌ عَرَبِيَّةٌ لِأَصْحَابِ الطَّرِيقَةِ الْعَالِيَةِ
النَّقْشَبَنْدِيَّةِ الْمُجَدِّدِيَّةِ قَدَّسَ اللّٰهُ تَعَالٰى أَسْرَارَهُمْ

أَلَا إِنَّ فَضْلَ اللّٰهِ لِلْمُتَعَبِّدِ ۔ ① ۔ وَغُفْرَانُهُ الْعَاصِينَ لَيْسَ بِمُؤْيَدِ

وَمِنْ ظُلُمَاتِ الْكُفْرِ هُدًى سَلَامَةٌ ۔ ② ۔ إِلٰى رَحْمَةٍ لِلْعَالَمِينَ مُحَمَّدِ

أَبُو بَكْرِ نِ الصِّدِّيقُ أَرْحَمُ أُمَّةٍ ۔ ③ ۔ يَرٰى خُلَّةَ الْمُخْتَارِ لَمْ يَتَزَوَّدِ

وَمَنْ عِنْدَهُ الرَّسُولُ مِنْ أَهْلِ بَيْتِهِ ۔ ④ ۔ عَظِيمَ النُّهٰى سَلْمَانَ بِالرُّوحِ نَقْتَدِي

إِذَا قَسَمَ النَّعْمَاءَ فِي الدَّهْرِ قَاسِمٌ ۔ ⑤ ۔ أَخَذْنَا نَصِيبًا مِنْ نَعِيمٍ مُخَلَّدِ

وَجَعْفَرُ تَاجُ الصَّادِقِينَ يَزِينُهُ ۔ ⑥ ۔ فَخَارُ وِلَايَةِ الْعَلِيِّ الْمُمَجَّدِ

تَوَسُّلُ طَيْفُورٍ مِنَ اللّٰهِ رَحْمَةٌ ۔ ⑦ ۔ لِكُلِّ غَرِيقٍ فِي الشُّهُودِ مُوَحِّدِ

لَنَزْهُو بِخَرْقَانِيِّ نِ الْحَسَبِ الْعُلٰى ۔ ⑧ ۔ بِهِ مِلَّةُ الْإِسْلَامِ لَمْ تَتَبَلَّدِ

تَجَلَّى الصُّدُورُ مِنَ الرَّامِعِ ذِكْرِهِ ۔ ⑨ ۔ يُزَكِّي الْعِبَادَ بُوعَلِيٍّ بِفَرْمَدِ

وَجِئْنَا بِمُزْجَلَةٍ تَرَحَّمْ إِلٰهَنَا ۔ ⑩ ۔ بِيُوسُفَ هَمْدَانِيِّ نِ الْمُتَوَدِّدِ

وَمِنْ نُورِ عَبْدِ الْخَالِقِ انْبَجَسَتْ لَنَا ۔ ⑪ ۔ يَنَابِيعُ فَيَضَانٍ عَلٰى كُلِّ مَوْرِدِ

نُكَسِّرُ أَوْثَانَ الْغَوَايَةِ كُلَّهَا ۔ ⑫ ۔ بِعَارِفِ آيَاتِ الْعَوَالِمِ مُهْتَدِي

فَقَدْ وَرِثَ الْمَحْمُودُ فَوْزَ الْأَكَابِرِ ۔ ⑬ ۔ وَمَنْ يَقْتَبِسْ فَضْلًا عَنِ الذُّلِّ يَبْعُدِ

وَرَامَتْنِيُّ قَدْ تَعَزَّزَ بِالنَّدٰى ۔ ⑭ ۔ فَإِنْ تَبْتَغِ الذُّرٰى لَبِالصِّدْقِ تَصْعَدِ

وَرَائِحَةَ الْإِمَامِ قَدْ شَمَّ قَبْلَهُ ۔ ⑮ ۔ فَرَاحَ سَمَاسِيٌّ إِلٰى طِيبِ مَوْلِدِ

وَلَازِمْ كُلَالَ الشَّيْخِ إِنْ جِئْتَ آيَا ۔ ⑯ ۔ وَبِاللّٰهِ مَنْ يَرْجُ الْمَكَارِمَ يَزْدَدِ

سَقَانَا بَهَاءُ الدِّينِ مِنْ نَفَحَاتِهِ ۔ ⑰ ۔ مُدَامَ الْحَيٰوةِ السَّرْمَدِيَّةِ بِالْيَدِ

بِذِكْرِ عَلَاءِ الدِّينِ نَمْحُو ظَلَامَنَا ۔ ⑱ ۔ كَأَبْيَضِ فَجْرٍ بِالْكَرَامَةِ نَقْتَدِي

لِهٰذَا مِثْلُ يَعْقُوْبَ الشَّهِيْرِ فَعِدُّتُمْ (۱۹) لِمَعْرِفَةِ الرَّحْمٰنِ فِيْ كُلِّ مَرْصَدِ

بِجُهْدِ عُبَيْدِاللّٰهِ صَارَتْ شَرِيْعَةُ (۲۰) كَقَصْرٍ بِأَنْوَاعِ اللَّآلِيْ مُمَرَّدِ

وَنَابِغَةُ الْاَعْصَارِ فِي الزُّهْدِ زَاهِدٌ (۲۱) لَهُ حُلَّةُ التَّوْرِيْعِ بِالْمَجْدِ يَرْتَدِيْ

بِلَزْوِيْشٍ هَادٍ مَنْ تَوَسَّلَ قَدْنَجَا (۲۲) اَمَانٌ لَهُ مِنْ هَوْلِ يَوْمٍ مُنَدَّدِ

هَدَانَا اِلَى الْعِرْفَانِ اَمْكَنْكَ وَاقْتَدِيْ (۲۳) وَمَنْ يَخْشَ مَا عِنْدَ الْقِيَامَةِ يَرْشُدِ

تَرٰى بَاقِيًا بِاللّٰهِ يَعْشِقُهُ الرِّضٰى (۲۴) مَتٰى تَشْتَغِلْ بِالْبَاقِيَاتِ لَتَشْهَدِ

اَمِيْرٌ اِمَامُ الْمُؤْمِنِيْنَ مُجَدِّدٌ (۲۵) لَعَمْرُكَ تَرْضٰى اُمَّةٌ بِمُعَوَّدِ

وَ بِالْعُرْوَةِ الْوُثْقٰى اِذَا مَا اعْتَصَمْتُمُ (۲۶) هُدِيْتُمْ اِلَى الْاِحْسَانِ غَايَةَ مَقْصِدِ

نَلُوْذُ بِسَيْفِ الدِّيْنِ مَنْ لَمْ يَقُمْ بِهِ (۲۷) وَ تَطْرُدُهُ اَضْغَانُ الْعِدٰى كُلَّ مَطْرَدِ

وَسَيِّدُنَا نُوْرٌ لِشَمْسِ الْمَوَاهِبِ (۲۸) بِتَهْلِيْلِهِ ضَاءَتْ جَوَانِبُ فَرْقَدِ

وَ مَظْهَرُ اَسْرَارِ الطَّرِيْقِ حَبِيْبُنَا (۲۹) لَطَافَتُهُ الْعُلْيَا كَبَدْرٍ مُعَضَّدِ

وَلَايَةُ عَبْدِاللّٰهِ كَالْاَرْضِ اَنْبَتَتْ (۳۰) سَنَابِلَ نُوْرٍ سُوْقُهَا لَمْ تُحْصَدِ

وَ آيَةُ حَقٍّ بُوْسَعِيْدٍ بِرُشْدِهِ (۳۱) فَمَالِيْ اِنِ اسْتَكْبَرْتُ عَنْهَا وَتَعْتَدِيْ

وَمَنْ يَلْتَزِمْ ذَيْلَ السَّعِيْدِ فَاِنَّهُ (۳۲) مُجَابٌ وَمِنْ سَهْمِ الْهَوٰى لَمْ يُهَدَّدِ

وَسِيْلَتُهُ تُنْجِي الْقُلُوْبَ مِنَ الْعَمٰى (۳۳) تُبَاهِيْ بِقَنْدَارِيَّ الْمُتَزَهِّدِ

وَاَنْقَذَنَا عُثْمَانُ مِمَّا يُضَيِّقُنَا (۳۴) وَمَنْ يَطْلُبِ الْمَوْلٰى فَلَمْ يَتَرَدَّدِ

نَعِيْمًا مُقِيْمًا بِالسِّرَاجِ وَرِثْتُمُ (۳۵) كَرِيْمٍ بِفَوْزِ السَّابِقَاتِ مُؤَيَّدِ

بِطَاعَتِهِ لَقَدْ كَانَ بُوالسَّعْدِ اُمَّةً (۳۶) وَكَمْ مِنْ عَطَايَا لِلْمُنِيْبِيْنَ بِالْغَدِ

مَقَامَاتُ عَبْدِاللّٰهِ اَبْوَابُ رَحْمَةٍ (۳۷) بِمَا عَمَّمَ الْهُدٰى لَهُ خَيْرُ مَوْعِدِ

وَجَدْنَا اِمَامَ الْعَارِفِيْنَ بِاَرْضِنَا (۳۸) سِرَاجِيَّةُ الْعُلْيَا بِاَلْطَافِ سَرْمَدِ

لَنَا بُوالْخَلِيْلِ الشَّيْخُ يَظْهَرُ نُوْرُهُ (۳۹) فَطُوْبٰى لِمَنْ يَاْوِيْ اِلَيْهِ وَيَهْتَدِيْ

بِحُرْمَتِهِمْ رَبِّيْ اِلٰهِيْ تَظَلُّنِيْ (۴۰) لِيَوْمٍ اِذَالْمَحْشُوْرُ مِنْ هَوْلِهِ الصَّدِيْ

اِلَى اللّٰهِ فَارْغَبْ اَيُّهَا الْعَبْدُ وَاسْجُدِ (۴۱) وَصَلِّ عَلٰى خَيْرِ الْاَنَامِ مُحَمَّدِ

ترجمہ

۱۔ بے شک اللہ تعالیٰ کا فضل و کرم پرہیزگاروں کے لیے ہے اور گنہگاروں کی بخشش اس ذات پر کچھ دشوار نہیں۔

۲۔ ہم نے کفر کی ظلمتوں سے نکل کر سلامتی کے ساتھ جناب رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف راہ پائی۔

۳۔ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ اُمت بھر میں سب سے زیادہ مہربان ہیں جنہوں نے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم خدا کی دوستی کے سوا کوئی توشہ پسند نہیں کیا۔

۴۔ ہم دل و جان سے صاحب دانش و عرفان حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کی پیروی کرتے ہیں جنہیں رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اہلِ بیت میں شمار فرمایا۔

۵۔ جب حضرت قاسم بن محمد بن ابی بکر رضی اللہ عنہم نے دنیا میں تقسیمِ فیضان کی تو ہم دائمی نعمتوں سے بہرہ یاب ہو گئے۔

۶۔ حضرت امام جعفر رضی اللہ عنہ صادقین کے وہ تاج ہیں جسے حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہٗ کی ولایت کا گوہر زینت دے رہا ہے۔

۷۔ حضرت بایزید بسطامیؒ کا توسل وحدتِ شہود میں ڈوبے ہوئے ہر سالک کے لیے رحمتِ خداوندی ہے۔

۸۔ ہمیں حضرت ابوالحسنؒ خرقانی پر فخر ہے جنہوں نے بلندیٔ عرفان کو پا لیا۔ ان کی برکت ہی سے ملتِ اسلامیہ کا شیرازہ منتشر نہ ہوا۔ (دوسرے مصرعہ میں لشکر محمود غزنوی کی تلمیح ہے جو آپ کی دعا سے مظفر و منصور ہوا)۔

۹۔ حضرت بوعلی فارمدیؒ لوگوں کے نفوس کا تزکیہ فرمایا کرتے تھے، چنانچہ ان کے انوارِ ذکر سے سینے جگمگا اٹھے۔

۱۰۔ اے اللہ! ہم حقیر پونجی لے کر آئے ہیں۔ ہم پر اپنے دوست یوسف ہمدانیؒ کے طفیل کرم فرما۔

۱۱۔ حضرت خواجہ عبدالخالق غجدوانیؒ کے نور سے ہماری ہر راہ پر چشمہ ہائے فیضان پھوٹ نکلے۔

۱۲۔ ہم النفس و آفاق کی آیات کے شناسا اور ہدایت یافتہ حضرت عارف ریوگریؒ کے وسیلے سے گمراہی کے تمام بتوں کو پاش پاش کردیتے ہیں۔

۱۳۔ حضرت محمود انجیر فغنویؒ اسلاف کی کامرانیوں کے وارث بنے۔ ہر وہ شخص جو روحانی فضیلت کو غنیمت جانتا ہے، دنیوی ذلتوں سے دور رہتا ہے۔

۱۴۔ خواجہ عزیزاں علی رامیتنیؒ ظاہری و باطنی جود وسخا سے معزز ہوئے۔ پس تو بھی اگر رفعت کی چوٹیوں پر پہنچنا چاہتا ہے تو ان پر صدق و صفا کے زینے سے چڑھ سکے گا۔

۱۵۔ حضرت بابا سماسیؒ نے امام الطریقہ (خواجہ نقشبندؒ) کی بوئے ولایت ان کے ظہور سے پہلے ہی سونگھ لی تھی، چنانچہ وہ اس خوشبو کی رہنمائی میں ان کے مولد پاک کی طرف تشریف لے گئے۔

۱۶۔ اگر تو اپنی کوششوں سے ناامید ہو گیا ہے تو حضرت امیر کلالؒ کی صحبت پابندی سے اختیار کر۔ بخدا جو اخلاقِ عالیہ کا آرزومند ہو جاتا ہے وہ ان میں برابر اضافہ ہی کرتا چلا جاتا ہے۔

۱۷۔ حضرت خواجہ بہاؤالدین نقشبندؒ نے اپنے نفحاتِ انس سے ہمیں بدستِ خود حیاتِ ابدی کی شراب پلائی۔

۱۸۔ ہم حضرت علاؤالدین عطارؒ کے نورِ ذکر سے اپنی ظلمتوں کو مٹاتے ہیں اور سپیدۂ سحر کی مانند ضیائے کرامت کے ساتھ چلتے ہیں۔

۱۹۔ کیا تم حضرت یعقوبؒ نامور کی طرح عرفانِ الٰہی کی ہر کیں گاہ میں بیٹھے ہو؟

۲۰۔ حضرت خواجہ عبیداللہ احرارؒ کی کوشش سے شریعتِ محمدیہ (صلی اللہ علیہ وسلم) ایسے آراستہ محل کی طرح ہو گئی جس میں طرح طرح کے لعل و جواہر جڑے ہوئے ہوں۔

۲۱۔ حضرت خواجہ محمد زاہدؒ پرہیزگاری میں منتخبِ روزگار ہیں۔ ورع و تقویٰ ان کا لباس

فاخر ہے اور مجدد شرف ان کی ردائے جمیل ہے۔

۲۲۔ جس نے رہنمائے طریقت حضرت درویش محمدؒ کا دامن تھام لیا، نجات پا گیا۔ اور اُسے روزِ حشر کی ہولناکیوں سے پناہ مل گئی۔

۲۳۔ حضرت خواجہ امکنگیؒ نے عرفانِ خداوندی کی جو راہ پائی انہیں بھی وہی راہ دکھائی، جسے قیامت کو پیش آنے والے صدمات کا خوف ہوگا وہ رُشد و ہدایت سے ہمکنار ہو جائے گا۔

۲۴۔ تم رضائے الٰہی کو حضرت خواجہ باقی باللہؒ پر فریفتہ دیکھو گے۔ جب باقیاتِ معرفت میں مشغول ہو جاؤ گے تو خود اس امر کی شہادت دو گے۔

۲۵۔ حضرت مجدد الف ثانیؒ مومنین کے پیشوا اور مقتدا ہیں۔ اے دوست! تیری جانِ عزیز کی قسم کہ ہماری امتِ مسلمہ ان کی سیادت پر راضی ہے۔

۲۶۔ جب تم نے عروۃ الوثقیٰ حضرت خواجہ محمد معصومؒ کا دامن تھام لیا تو تم نے مقامِ احسان کی طرف ہدایت پائی جو سلوک کی آخری منزل ہے۔

۲۷۔ جو شخص دین پر ثابت نہ رہے، ہم اسے تیغِ اسلام (خواجہ سیف الدینؒ) کے ذریعے دور ہٹا دیتے ہیں اور دشمنانِ دین کے کینوں کو کچل کر رکھ دیتے ہیں۔

۲۸۔ حضرت سید نور محمد بدایونیؒ عنایاتِ الٰہیہ کے آفتاب ہیں۔ آپ کے ذکر کی روشنی سے (قلوب کی) سنگلاخ زمینوں کے اطراف و جوانب منور ہو گئے۔

۲۹۔ اسرارِ طریقت کے مظہر ہمارے حضرت حبیب اللہ جانِ جاناںؒ ہیں۔ ان کی لطافت و نزاکت اس بیری (سدرۃ المنتہیٰ) کی طرح ہے جس کے کانٹے چھانٹ دیے گئے ہوں۔

۳۰۔ حضرت شاہ غلام علیؒ کی ولایت اس زمین کی مانند ہے جس نے نور کے ایسے خوشے اگائے کہ ان کی بالیں کاٹی نہیں گئیں۔

۳۱۔ حضرت شاہ ابو سعید دہلویؒ اپنے رشد و ہدایت کے باعث آیتِ الٰہی ہیں۔ اگر تو اس آیت سے اعراض کرے اور سرکشی اختیار کرے تو اس میں میرا کیا نقصان ہے۔

۳۲۔ جو شخص حضرت شاہ احمد سعیدؒ کے دامن سے وابستہ ہے، مقبولِ خدا ہے۔ پھر وہ خواہشاتِ نفسانی کے تیروں سے دہشت زدہ نہیں ہو سکتا۔

۳۳۔ ہم پرہیزگار بزرگ حاجی دوست محمد قندھاریؒ پر نازاں ہیں۔ ان کا وسیلہ قلوب کو نابینائی سے نجات دلاتا ہے۔

۳۴۔ حضرت خواجہ محمد عثمانؒ دامانی نے ہمیں زندگی کی تنگنائیوں سے باہر نکال لیا، یقیناً جو طالبِ مولیٰ ہو، اسے تردد لاحق نہیں ہو سکتا۔

۳۵۔ تم حضرت خواجہ سراج الدینؒ کی برکت سے نعمتِ دائمی کے وارث بن گئے۔ وہ ایسے کریم تھے کہ اللہ کی کامل نعمتوں کی سرفرازی سے مؤید تھے۔

۳۶۔ قیومِ زماں حضرت مولانا ابوالسعد احمد (خانؒ) طاعت گزاری میں بجائے خود ایک امت تھے۔ بے شمار عنایاتِ خداوندی ہیں جو فردائے قیامت رجوع کرنے والوں کو نصیب ہوں گی۔

۳۷۔ حضرت مولانا محمد عبداللہ کے مقامات رحمتِ الٰہی کے ابواب ہیں۔ رشد و ہدایت کی ترویج پر انہیں اللہ تعالیٰ کی طرف سے بہترین وعدۂ انعام ہے۔

۳۸۔ ہم نے سرزمینِ خانقاہ سراجیہ عالیہ میں امام العارفین حضرت خان محمد صاحب مدظلہٗ کو ذاتِ لم یزل کے الطاف دامن میں سمیٹے ہوئے پایا۔

۳۹۔ ہمارے شیخ حضرت ابوالخلیل ہیں جو اپنے انوار پھیلا رہے ہیں۔ پس اس شخص کو مژدہ ہو جو اُن کی پناہ میں آئے اور ہدایت پائے۔

۴۰۔ اے میرے رب! میرے مولا! ان اولیائے کرام کے طفیل مجھ پر اس روز اپنی رحمت کا سایہ ڈال جب میدانِ حشر میں تھکنے والا اس روز کی ہیبت سے سخت تشنہ ہوگا۔

۴۱۔ اے بندۂ خدا! تو اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کر اور اسی کو سجدہ کر اور جناب سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم پر درود شریف بھیج۔

اشاریہ

اشخاص

کتب، رسائل، اخبارات

اماکن

تحفۂ سعدیہ

ملقب بہ

عدة ایام عند الشیخ الھمام

یعنی

قدوۃ السالکین، زبدۃ العارفین، قیومِ زماں، قطبِ دوراں،

سیّدنا و مرشدنا حضرت مولانا ابوالسعد احمد خاں

نقشبندی مجدّدی ادام اللہ فیوضہ

کے احوالِ طیبہ و اقوالِ متبرکہ

خانقاہ سراجیہ نقشبندیہ مجدّدیہ

کندیاں، ضلع میانوالی

نام کتاب : تحفۂ سعدیہ

مؤلف : مولانا محبوب الٰہی رحمہ اللہ (م ۱۴۰۲ھ/۱۹۸۱ء)

اہتمام : دی پرنٹ بک پروڈکشن، راولپنڈی ۰۳۰۰-۵۱۹۲۵۴۳

ناشر : خانقاہ سراجیہ نقشبندیہ مجددیہ کندیاں، ضلع میانوالی

طبع اول : رمضان المبارک ۱۳۹۳ھ/اکتوبر ۱۹۷۳ء

نظر ثانی شدہ ایڈیشن : شعبان المعظم ۱۴۳۲ھ/ جولائی ۲۰۱۱ء

ہدیہ : ۳۰۰ روپے

خانقاہ سراجیہ نقشبندیہ مجددیہ

کندیاں، ضلع میانوالی